آئینہ احمدیت

دوست محمد

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ (النسآء 135:4)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے رہو

آئینۂ احمدیّت

حصّہ اوّل

سیّد حبیب کی ''تحریکِ قادیان'' پر ایک نظر

مؤلفہ

دوست محمدؒ

ناشر

احمدیہ انجمن لاہور

www.aaiil.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْفَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْتُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. (النسآء4:135)

O

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے اللہ (تعالیٰ) کے لئے گواہی دینے والے رہو، گو (معاملہ) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ (تعالیٰ) دونوں کا (تمہاری نسبت) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ عدل کرسکو اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا (حق سے) اعراض کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ (تعالیٰ) اس سے خبر دار ہے''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

اسلام کی مذہبی تاریخ میں آج تک جتنی اصلاحی، فلاحی اور تجدیدی تحریکوں نے جنم لیا ہے، ان میں چودھویں صدی ہجری میں الٰہی منشاء سے قائم ہونے والی تحریک۔ تحریک احمدیّت۔ کئی لحاظ سے ممتاز ہے۔ اپنے اصلاحی وتجدیدی کارناموں، فروغ وغلبۂ دین کے لئے علمی، قلمی اور مالی مجاہدوں بالخصوص مروّجہ عیسائیت کے ردّ میں جہاں اس کی تاریخ ساز جِدّ وجُہد مذہبیات کے باب میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے، وہاں سنّتِ الٰہیہ کے تحت اس کی شور فغاں مخالفت بھی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ مخالف تحریک لٹریچر بڑی کثرت وسرعت سے فرقہ وارانہ ماحول کو گرمائے رکھتا ہے۔

ہمارے اہل علم وقلم بزرگ اس معاندانہ سطحی لٹریچر کا کافی شافی جواب کتب ورسائل میں دیتے رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے چوتھے عشرے کے اوائل میں روزنامہ ''سیاست'' لاہور کے مدیر سیّد حبیب صاحب نے اس اخبار میں ''تحریک قادیان'' کے عنوان سے تحریک احمدیّت پر اعتراضات کا قسط وار سلسلۂ مضامین شائع کیا۔ اور اردو وانگریزی اور دوسری معروف زبانوں میں کتابی صورت دے کر اس کو وسیع پیمانہ پر تقسیم کیا۔ تحریک احمدیّت پر اس کے قبل مخالفین نے جس قدر کتب شائع کیں، یہ کتاب ان کا چربا ہے۔ اور مابعد کا مخالفانہ لٹریچر کا بھی یہی کتاب ماخذ ومخرج ہے۔ اس کا مسکت ومدلّل جواب ''پیغام صلح'' کے ایڈیٹر حضرت مولوی دوست محمد مرحوم نے بالاقساط ''ضمیمہ پیغام صلح'' میں شائع کیا۔ جس کی بہت پذیرائی ہوئی اور بزرگان واحباب نے خوب داد دی۔ انجمن نے دسمبر 1933ء میں اسے ''آئینۂ احمدیّت'' حصہ اوّل کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ 1936ء میں حضرت مولٰینا ممدوح نے آئینۂ

احمدیّت کا حصّہ دوم تیار کیا جس میں اخبار ''زمیندار'' کے اعتراضات کا جواب شامل ہے۔انجمن کی لائبریری ریکارڈ کے مطابق ان کے دو چار نسخے ہی موجود ہیں۔جن کے اوراق عملِ فرسودگی کے باعث خستہ خستہ ہو چکے ہیں۔پچھلے قریبی عرصہ سے احبابِ جماعت کی طرف سے ان کی اشاعت نو کے لئے مسلسل اصرار ہو رہا تھا۔چنانچہ انجمن ان دونوں حصوں کو شائع کر کے ھدیۂ احباب کرنے کی خوش وقتی حاصل کر رہی ہے۔**فَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ**

مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا کثیر مواد اب بھی انجمن کے اخبار و رسائل میں موجود ہے۔جس کو کتابی صورت میں اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ جماعت کی سعید روحوں کو یہ کارِ خیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ انجمن ان کو بھی کتابی صورت میں بہ توفیقِ الٰہی شائع کر پائے۔

خاکسار

عامر عزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن لاہور

دارالسلام۔لاہور

نومبر 2011ء

O

آئینۂ احمدیّت کی مقبولیّت

بزرگانِ ملّت واحباب کرام کے تہنیّت نامے

''آئینۂ احمدیّت'' کو قوم کی نظروں میں جو مقبولیّت حاصل ہو چکی ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل خطوط سے ہوسکتا ہے جو اس کے ابتدائی اوراق کے ''پیغام صلح'' کے ساتھ بطورضمیمہ (1) شائع ہونے پر بعض بزرگوں اوراحباب نے لکھے۔

جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا مکتوب گرامی ڈلہوزی سے۔

مکرمی مولوی دوست محمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے مضامین ''سیاست'' کے مقابلہ میں جو بطورضمیمہ (اخبار پیغام صلح) نکل رہے ہیں، میرے خیال میں تو روح القدس کی تائید سے لکھے جارہے ہیں۔ اس قدر نفیس اور مدلّل ہیں کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے ع اللہ کرے زورقلم اورزیادہ

O

جناب مولوی مرتضٰی خان صاحب بی۔اے ایجوکیشنل انسپکٹر مانگرول (کاٹھیاواڑ) کا نوازشنامہ:

برادرم مکرم مولوی دوست محمد صاحب سلّمہٗ۔

السلام وعلیکم۔ جس خوبی کے ساتھ آپ ''سیاست'' کا جواب دے رہے ہیں، اس پر جس قدر بھی آپ کو مبارک باد دوں، کم ہے۔ واہ واہ، آپ کے ضمیمہ کو بار بار پڑھتا ہوں۔ اور

1۔ضمیمہ: ضمیمہ اخبار پیغام صلح۔ اُن دنوں اخبار پیغام صلح کی باقاعدہ اشاعت کے علاوہ اس کا ضمیمہ بھی شائع ہوا کرتا تھا۔ جس میں سلسلہ احمدیہ کے بارے میں مضامین شائع ہوتے تھے۔

لطف اندوز ہوتا ہوں ۔ جزٰک اللہ۔ خوب لکھا ہے ۔ بینظیر لکھا ہے ۔ دیکھئے! آپ کی اس خدمت یا کارخیر کی بشارت مجھے پہلے سے ہوئی تھی ۔آپ کو میں نے حضرت اقدس (مسیح موعودؑ) کے ساتھ محراب مسجد میں دیکھا۔ حیران تھا کہ کیا معاملہ ہے، پھر آپ کا قد معمول سے زیادہ بلند دیکھا ہاتھ میں پنسل اور کاغذ اور حضرتؑ کے حکم سے بول رہے ہیں ۔آپ کو پھر مبارک باد دیتا ہوں ۔ یہ میری خواب کی تعبیر تھی جو پوری ہوئی ۔ ع اللہ کرے زورقلم اور زیادہ

میں تو آپ کے تبحر علمی اور آپ کی شاعرانہ تنقید دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل وکرم کرے کہ آپ نے بہت بڑی خدمت سرانجام دی اور دے رہے ہیں ۔

O

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا گرامی نامہ انسین (برما) سے

محترم جناب مولوی دوست محمد صاحب ۔ دام اقبالہ! السلام علیکم ۔آپ کا پیغام صلح کا ضمیمہ نہایت کارآمد چیز ہے ۔ یہ ضمیمہ ایک سپر ہے جو کہ مرزا صاحبؑ کے حامیوں کے لئے ایک ڈھال کا کام دے گا۔ جب کبھی مولویوں کے سامنے ہم احمدیّت کا ذکر کرتے ہیں تو مولوی ہم کو یہ اعتراضات سنا کر خاموش کر دیتے ہیں اور ہمارے پاس ان اعتراضوں کا جواب کوئی نہیں ہوتا۔ اب تو خدا کے فضل سے مولویوں کے اعتراضوں کا کافی مسالا ہمارے ہاتھ میں آ گیا ہے اور ہم ان کو دندان شکن جواب دے سکتے ہیں ۔ میں تو اس کو تمام عمر اپنی پاکٹ میں رکھوں گا اور اب بے دھڑک ہر ایک سے مباحثہ کرسکوں گا۔ آپ اس کو معمولی ضمیمہ خیال نہ کریں ۔ یہ نہایت قیمتی کتاب ہے۔ جس کی مثل احمدی لٹریچر میں پہلے موجود نہیں ۔ بہت سے غیر احمدی ایسی کتاب کی تلاش میں تھے ۔لیکن ان کی یہ آرزو سیّد حبیب صاحب نے اعتراضوں کی بھرمار کر کے پوری کر دی ۔ اور ان کے دل جن باتوں کے سمجھنے سے قاصر تھے، وہ ان کی سمجھ

میں آ گئیں ۔اور آپ کے ضمیمے نے ان کے تمام شکوک رفع کر دیئے ہیں ۔ میں تو سیّد حبیب کا یہ احسان تا قیامت نہیں بھولوں گا کہ انہوں نے حق کی راہ دکھانے میں میری رہنمائی کی ہے۔ اگر آپ اپنی تمام زندگی میں اس کتاب ہی کو مکمل کر سکیں اور کوئی کتاب نہ لکھ سکیں یا خدمت نہ کر سکیں ،تو یقین جانئیے آپ نے یہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ میں دس سال سے پریشان تھا اور احمدی لٹریچر کی چھوٹی بڑی پچاس ساٹھ سے زیادہ کتابیں دیکھی ہوں گی ،لیکن کوئی کتاب مجھے تسلّی نہ دے سکی ۔تاہم خدا کی قدرت ! آپ کے ضمیمے نے میرے دل کو شیشے کی طرح صاف کر دیا اور جملہ شکوک دُور کر دیئے ۔اور مسلمانوں کو کوئی چیز احمدیّت کی طرح لائے گی تو وہ یہ آپ کا ضمیمہ ہی ہو گا اور کوئی نہیں ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ (النسآء 4:135)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے رہو

آئینۂ احمدیّت

حصّہ اوّل

سیّد حبیب کی ''تحریکِ قادیان'' پر ایک نظر

مصنّفہ

دوست محمد

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پبلشر نے

کواپریٹو سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا

(سرورق طبع اوّل)

فہرست مضامین آئینۂ احمدیّت حِصّہ اوّل

فہرست

فہرست

فہرست

❁ ❁ ❁

شکریۂ احباب اور ضروری التماس

اس کتاب کے جو اوراق ابتدًا اخبار ''پیغام صلح'' کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوئے، ان کو پڑھ کر اکثر احباب اور بزرگان ملت نے جس خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور مبارک بادیں بھیجیں، میری زبان نہیں کہ ان کا شکریہ ادا کرسکوں۔ تحریری پیغامات (1) کے علاوہ بہت سے احباب نے زبانی اس کے مضامین کو بہت سراہا، بالخصوص حضرت امیر ایدہ اللہ (2) نے اس ناچیز خدمت کو بہت ہی قدر کی نگاہوں سے دیکھا، جو میرے لئے بے حد حوصلہ افزائی کا موجب ہوا۔ میں ان سب دوستوں اور بزرگوں کا دلی شکرگزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ اس ہدیہ محقرہ کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس عاجز کو دعائے خیر سے یاد کریں گے۔

ابتدًا جو کاغذ اس کتاب کے لئے استعمال کیا گیا، وہ بہت ادنیٰ درجہ کا تھا، تاہم طبع شدہ اوراق کی مانگ اس قدر پیدا ہوئی کہ کتاب کے مکمل ہونے سے پہلے ہی ابتدائی اوراق کی بہت تھوڑی تعداد باقی رہ گئی، جس کی وجہ سے جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے پیہم اصرار اور حضرت امیر ایّدہ اللہ کے ارشاد پر اس کو دوبارہ دو قسم کے کاغذ پر چھپوانے کا انتظام کیا گیا۔ یعنی ایک تو وہی کاغذ جس پر پہلے بصورت ضمیمہ پیغام صلح میں شائع ہوتی رہی ہے اور ایک اس سے اعلیٰ کاغذ پر۔

اس حد سے زیادہ مقبولیّت اور پسندیدگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس کتاب کا، جو محض سیّد حبیب کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے، ایک دوسرا

1۔ چند تحریری پیغامات انہی صفحات پر درج ہیں۔

2۔ حضرت مولٰینا محمد علیؒ۔

حصہ(1) بھی مرتب کیا جائے جس میں باقی تمام اعتراضات کو، جو مخالفین کی طرف سے کئے جاتے ہیں، پیشِ نظر رکھ کر جوابات لکھے جائیں۔ اگرچہ اکثر جوابات اس سے قبل ''پیغامِ صلح'' میں حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور دیگر بزرگانِ ملّت کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں، لیکن بصورت کتاب مجتمع نہ ہونے کی وجہ سے بوقتِ ضرورت ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور نہ اخبار کے اوراق کو اس طرح سنبھال کر رکھا جاتا ہے کہ کتاب کی ضرورت سے مستغنی کر دیں۔ اگر قارئین کرام نے اس تجویز کو پسند کیا اور اس کی خریداری کی فرمائشیں معقول تعداد میں موصول ہوئیں تو اُمید ہے کہ جلد از جلد اس کو شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔

احسان فراموشی ہوگی اگر میں اس جگہ اُن احباب اور بزرگوں کا شکریہ ادا نہ کروں جو اس کتاب کی تألیف اور طبع وغیرہ کے کاموں میں کسی نہ کسی رنگ میں میری امداد کا موجب ہوئے۔ سب سے پہلے میں حضرت امیر ایدہ اللہ اور جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا شکر گزار ہوں کہ اُنہوں نے اس کے بعض مضامین کو مسوّدہ کی شکل میں دیکھا۔ فی الحقیقت یہ انہی بزرگوں کی خوشہ چینی ہے جو اس کتاب کی تألیف میں میرے کام آئی ہے۔ اور اسی وجہ سے انہیں بہت کم ترمیم یا اصلاح کی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ میرے مکرم ومحترم بزرگ جناب مولانا مولوی عزیز بخش صاحب، جناب مولانا احمد صاحب اور میرے عزیز بھائی سیّد اختر حسین صاحب قابل شکریہ ہیں جنہوں نے ضروری حوالجات کے لئے حسب ضرورت کتابیں فراہم کر کے مشکور فرمایا۔ ان میں مکرّم ومخدوم جناب مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب اور جناب داروغہ نبی بخش صاحب بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے بھی مسلسل اس کتاب کے

1۔ آئینہ احمدیّت حصہ دوم: حضرت مولٰینا دوست محمدؒ کی تألیف کردہ ''آئینہ احمدیت'' حصہ دوم کو 1936ء میں شائع کیا گیا جو حضرت مسیح موعودؑ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور اس کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ (اضافہ)

مسوّدات کو سنا اور ضروری مشوروں سے مستفید فرمایا۔ آخر میں اخویم مکرم منشی محمد عبداللہ صاحب خوشنویس اور مولانا عبدالوہاب صاحب اور چودھری فضل حق صاحب سپرنٹنڈنٹ دفاتر انجمن کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے ایسے وقت میں، جبکہ مسوّدہ کی تکمیل اور کتاب کی اعلان کردہ تاریخ اشاعت میں صرف دو دن کا وقفہ رہ گیا تھا، اس کی کتابت اور طبع کا کام بروقت سرانجام دے کر اپنی پوری مستعدی کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں اور بزرگوں کو جزائے خیر دے اور مجھے پھر موقعہ عطا فرمائے کہ اس کتاب کے حصہ دوم (1) کی تکمیلِ طبع پر اپنے جذبات تشکر و امتنان کا اظہار کرسکوں۔ والسلام

خاکسار

دوست محمد

24 دسمبر 1933ء

1۔ یہ حصّہ دوم 1936ء میں انجمن نے شائع کیا۔

پہلا باب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیّد حبیب صاحب کے سلسلۂ مضامین پر ایک نظر (1)

چند ضروری تمہیدی باتیں

''تحریکِ قادیان'' کے عنوان سے جو سلسلہ مضامین روزنامہ ''سیاست'' لاہور میں سیّد حبیب صاحب کے قلم سے شائع ہوا ہے، اس پر ایک اجمالی تبصرہ حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے قارئین کرام کی نظروں سے گزر چکا ہے۔ جیسا کہ حضرت ممدوح نے لکھا ہے۔ سیّد حبیب صاحب نے اس سلسلہ مضامین کو شروع کرتے ہوئے ابتدا ہی میں یہ وعدہ فرمایا تھا کہ:

> ''اگر کوئی صاحب میرے استدلال کے جواب میں کچھ لکھیں تو، خواہ وہ قادیانی ہوں یا غیر قادیانی، ان کے مضمون کو بہ مسرّت ''سیاست'' میں جگہ دی جائے گی۔ بشرطیکہ (ا) مضمون موضوع سے خارج نہ ہو (ب) بہت زیادہ طویل نہ ہو (ج) تہذیب سے گرا ہوا نہ ہو (2)''۔ (سیاست 30 اپریل 1933ء)

اس کھلے وعدہ کی بنا پر یہ مناسب نہ سمجھا گیا کہ ''پیغام صلح'' میں ان مضامین پر کچھ لکھا جائے۔ اور قبل اس کے کہ سیّد حبیب صاحب اپنے سلسلہ مضامین کو ختم کریں، ان پر رائے زنی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ''پیغام صلح'' میں اس کے متعلق بالکل خاموشی سے کام لیا گیا۔ لیکن

1۔ ضمیمہ اخبار ''پیغام صلح'' جلد 21 نمبر 48 مورخہ 23 اگست 1933ء

2۔ اس وعدہ کو کتاب میں سے حذف کر دیا گیا ہے۔

حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، سیّد حبیب صاحب کا یہ وعدہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں یا یورپ کی سیاسی ڈپلومیسیوں کی طرح تبدیل ہوتا چلا گیا۔ جس وقت یہ سلسلہ مضامین ختم ہونے کے قریب تھا، جائنٹ سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے سیّد صاحب کی خدمت میں ایک چٹھی لکھی، جس میں ان کے وعدہ کی یاد دہانی کراتے ہوئے یہ دریافت کیا کہ اگر قادیانی جماعت کی طرف سے بھی کوئی جواب آنے والا ہو، تو مہربانی کر کے بتائیں کہ اسے پہلے شائع کریں گے یا ہمارے جواب کو؟ اس کے جواب میں ذیل کی چٹھی سیّد صاحب کی طرف سے موصول ہوئی:

''مخدومی اسلام علیکم طبتم۔ بجواب گرامی نامہ قلمی ہے کہ آپ از راہ نوازش میری تحریر کا حوالہ دیں جس میں کسی جماعت کے جواب کو ''سیاست'' کے صفحات میں شائع کرنے کا وعدہ کیا گیا، تو میں آپ کے سوال کا جواب دے سکوں گا۔ سلسلہ ''تحریک قادیان'' کی میعادِ حیات میرے خیال میں ابھی طویل ہے۔ اس کے آخر میں جوابات کے متعلق میں اپنے خیالات شائع کروں گا''۔

اس سے ظاہر ہے کہ سیّد صاحب اپنی اس تحریر سے بھی انکار کرنے کے درپے تھے جس میں اُنھوں نے جوابات کو ''بہ مسرّت'' شائع کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن جائنٹ سیکرٹری صاحب انجمن نے سیّد صاحب کا پیچھا نہ چھوڑا اور دوبارہ انہیں مندرجہ بالا الفاظ نقل کر کے بھیجے۔ جس پر انھوں نے ذیل کا جواب دیا:

''مخدومی اسلام علیکم طبتم۔ گرامی نامہ ملا۔ سلسلہ ''تحریک قادیان'' کے اختتام پر میں اشاعت جواب کے متعلق ایک اعلان شائع کروں گا۔ آپ اس کے مطابق اپنا جواب درج ''سیاست'' کراسکیں گے''۔

گو اس تحریر میں کوئی ایسا کُھلا وعدہ نہیں کیا گیا جس سے یہ امید کی جا سکتی کہ اپنے سابقہ وعدہ کے مطابق وہ اشاعتِ جواب کے پابند ہوں گے۔ لیکن ہمارا خیال تھا کہ انہوں نے اختتام مضامین پر جس اعلان کی اشاعت کا وعدہ کیا ہے، اس میں 30 اپریل کے صاف وصریح وعدہ سے انحراف یا گریز نہ کیا جائے گا۔ مگر کسی نے سچ کہا ہے وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو۔ انہوں نے 21 جولائی 1933ء کے پرچہ میں جو اعلان شائع کیا، اس میں اشاعت جواب کی شرائط تجویز کرتے ہوئے بعض ایسی قیود عائد کردیں جو بالکل ناواجب تھیں۔ مثلاً یہ کہ:

> ''اگر جماعت احمدیہ لاہور اور جماعت قادیان کی طرف سے موصول شدہ جوابات میں ایسے نقاط موجود ہوئے جن میں ان کے معتقدات میں اختلاف ہے تو قادیانی جواب مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں اور لاہوری حضرات کا جواب مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جائے گا کہ وہ اپنے جواب الجواب ساتھ ہی روانہ کردیں تا کہ بعد میں ایک جماعت کی طرف سے مطالبہ ومقابلہ نہ کرے (1) کہ فلاں جماعت کا مضمون تم نے شائع کیا۔ اس میں ہم پر فلاں اعتراض درج ہیں۔ ان کا جواب بھی شائع کرو''۔

یہ ایک ایسی ناواجب بات ہے کہ جس کو دیکھ کر ہمیں سیّد صاحب کی فراست پر حیرانی ہوتی ہے۔ جواب تو لکھنا ہے خود سیّد صاحب کے مضامین کا، اور اس میں دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی پوزیشن کو صاف کرنا ہے۔ اس میں دونوں کو اختلافی مسائل پر بھی اپنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ حاصل ہے۔ باوجود اس کے شکایت پیدا

1۔ یہ سیّد صاحب کی اردو ہے۔ ناقل

ہونے کا بہانہ پیش کر کے جواب الجواب کے لئے ایک دوسرے کو مضامین بھیجنا گویا دونوں کو لڑا کر تماشا دیکھنے کی کوشش کرنا ہے۔

پھر ایک اور شرط یہ پیش کی گئی کہ دونوں جماعتوں میں سے جو شخص مضمون لکھے، اس پر ان کے امیر جماعت یا خلیفہ کی تصدیق اور دستخط ضرور ہوں کہ وہ اس جواب سے متفق ہیں۔ ’’تا کہ اس کے جواب کو بعد میں کسی شخص کا ذاتی استدلال قرار نہ دیا جائے‘‘۔لیکن خود سیّد صاحب نے اپنا سلسلہ مضامین لکھنے سے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ:

> ’’استدلال تمام تر میرا اپنا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض دلائل سے میرے استدلال کو کوئی صاحب دور کرسکیں گے تو وہ شکست میری ذاتی شکست ہو گی۔اس کا میرے ہم عقیدہ یا دوسرے علماء یا عوام پر کوئی اثر نہ ہوگا‘‘۔

حیرت ہے کہ جس بات کو اپنے لئے پسند نہیں کیا جاتا، دوسروں پر اس کی پابندی کیوں عائد کی جاتی ہے؟ یہ عجیب انصاف ہے کہ خود سیّد صاحب لکھیں، تو انہیں کسی سے تصدیق کرانے کی ضرورت نہیں، نہ ان کی شکست ان کے کسی دوسرے ہم عقیدہ پر اثر ڈال سکتی ہے۔ اور اگر احمدی جواب دیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے امیر جماعت یا خلیفہ کے دستخط کرائیں اور ان کا استدلال تمام جماعت کا استدلال قرار دیا جائے۔’’لینے کے باٹ اور دینے کے اور‘‘ کی اس سے بدتر مثال غالباً اس سے پیشتر سننے میں نہ آئی ہوگی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حکم ہے لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ. لیکن سیّد صاحب خود جس بات کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، اس کو دوسروں پر عائد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔اس کو بھی برداشت کرلیا جاتا، لیکن اسی پرچہ میں برادرانِ قادیان کے متعلق ایک شرط سیّد صاحب نے یہ بھی لکھ دی کہ:

''برادران قادیان میں سے جو صاحب جواب لکھیں، وہ اخبار ''الفضل'' کی طرف سے ایک ایسا معافی نامہ، جو اخبار مذکور میں شائع ہو چکا ہو، مطبوعہ صورت میں اپنے جواب کے ساتھ شامل کریں۔ یہ معافی نامہ اس مضمون کا ہونا چاہئے کہ ''الفضل'' نے مجھ پر جو حملے اگلے دن کئے تھے، وہ ناروا، خلاف تہذیب اور ناجائز تھے۔ اس کے بغیر کسی قادیانی فرد یا جماعت کا مضمون شائع نہ ہوگا''۔

اس شرط کو دیکھ کر ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ سیّد صاحب عمداً اراہ گریز اختیار کر رہے ہیں۔ اور اس قسم کے حیلوں اور بہانوں سے اپنے صاف وصریح وعدہ کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ اور اگر انہیں ذرا سا بھی بہانہ مل جائے تو ہمارے متعلق بھی یہی شرط عائد کر کے جواب کی اشاعت سے چھٹکارا پا لیں گے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ اور دوسرے ہی دن 22 جولائی کے ''سیاست'' میں ''پیغام صلح'' کے ایک ایڈیٹوریل کے بعض فقرات نقل کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا گیا کہ:

''اس میں سیّد صاحب کی نیّت پر بلا ثبوت حملہ کی گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مرزا صاحب کے مرید یہ یقین ہی نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص ان کے عقیدہ پر دیانتداری سے بھی مخالفانہ تنقید کرتا رہا ہے۔ یہ ذہنیت از بس اندوہناک ہے۔ ایسا ہی حملہ ''الفضل'' نے کیا تھا تو ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے تھے کہ جب تک اخبار مذکور معافی نہ مانگے گا ہم ''سیاست'' میں جماعت قادیان کی کوئی تحریر شائع نہ کریں گے۔ ہمیں رنج ہے کہ بدرجہ مجبوری جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق بھی آج یہی اعلان کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ پس جو صاحب جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھتے ہوں اور مولانا سیّد حبیب صاحب کے سلسلہ

''تحریک قادیان'' کا جواب دینا چاہتے ہوں، وہ براہ کرم اپنے جواب کے ساتھ ''پیغام صلح'' کا مطبوعہ معافی نامہ بھی روانہ کریں، ورنہ ان کی تحریر ''سیاست'' میں شائع نہ ہو سکے گی''۔

وہی مثل ہوئی ''کرے ڈاڑھی والا پکڑا جائے مونچھوں والا''۔ ایڈیٹر صاحب ''پیغام صلح'' نے جو کچھ لکھا، قطع نظر اس بات کے کہ وہ کہاں تک صحیح ہے، تمام جماعت کو اس کا ذمہ دار بنا دینا اور اس کے معافی نامہ کے بغیر کسی کا مضمون شائع نہ کرنا، سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا''۔ سیّد صاحب اپنے وعدہ کو ٹالنے کے لئے جن حیلوں بہانوں کی تلاش میں تھے، وہ آخرکار انہیں مل گئے۔ اور دونوں جماعتوں کے جوابات کی اشاعت سے انہوں نے اس طرح چھٹکارا حاصل کرلیا کہ کوئی دیانتدار انسان، جس کو اپنے وعدہ کا پاس ولحاظ ہو، کبھی اس طرح چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ اگر اسلام میں ایفائے عہد اسی کا نام ہے۔ اگر **اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ** (المائدہ 1:5) کے یہی معنی ہیں۔ اگر مامور من اللہ پر نکتہ چینی کرنے والوں کی جرأت ومردانگی کا یہی حال ہے کہ ایسے ادنیٰ ادنیٰ حیلوں اور بہانوں سے صاف وصریح وعدوں کو ٹال دیا کریں، تو سوائے **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ** کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

مجھے ضرورت نہیں کہ سیّد صاحب کو وعدہ کی اہمیت کے متعلق قرآن وحدیث کے ارشادات سناؤں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اُسوہ حسنہ کو پیش کروں کہ کن کن سخت ترین مشکلات اور دوسروں کے ناواجب طریق عمل کے باوجود، انہوں نے ایفائے عہد سے دریغ نہیں کیا، نہ اپنے وعدہ کو ٹالنے کی ذرّہ برابر کوشش کی۔ انہیں شاید مجھ سے زیادہ ان باتوں کا علم ہوگا لیکن باوجود اس کے ایسی خفیف الحرکتی کا اظہار کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انہیں اپنے اعتراضات کا جواب سننے کی تاب نہیں۔ اور اس لئے وہ اپنے وعدہ کو ایسی بُری طرح توڑنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ان کے ساتھ ہی ہمیں سیّد صاحب سے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ’’پیغام صلح‘‘ اور ’’الفضل‘‘ کے بعض الفاظ سے تو وہ اس قدر رجز بز ہوئے ہیں کہ ہر دو سے معافی منگوائے بغیر، ہر دو جماعتوں کے کسی بھی فرد کے مضمون کو شائع کرنے کے لئے تیار نہیں، مگر خود انہوں نے ’’سیاست‘‘ میں ہر دو جماعتوں کے ہادی و پیشوا حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق کس قدر ’’ناروا، خلاف تہذیب اور ناجائز‘‘ الفاظ جابجا استعمال کے ہیں، یہ ان کے حسب ذیل فقرات سے ظاہر ہے:

1۔ اور اگر مدعی نبوّت کی تحریر میں سوقیانہ پن ہو تو وہ بھی اس کے دعوٰی کی تردید کے لئے کام دے سکتا ہے (سیاست 6 جون 1933۔ قسط پانزدہم)

2۔ ایک کلرک تھا کہ 15 روپے کی حیثیت سے 15 لاکھ پر پہنچ گیا۔ اس کے مخالف اس کے دعاوی کے متعلق یہ زیادہ آسانی سے نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اصلی مدعا جلب زر اکتساب متاع قلیل تھا؟ (سیاست 6 جون 1933ء قسط شانزدہم)

3۔ مرزا صاحب نے خفا ہو کر جو کچھ کیا، وہ ان کے ایسے بلند پایہ انسان کی شان کے لائق نہ تھا۔ مرزا صاحب کی اُردو کمزور اور پھس پھسی تھی تو کیا وہ متبحر عالم تو تھے، لہٰذا یہ سب افعال ان کی شان سے بطور عالم و انسان بعید تا بہ نبی اللہ چہ رسد (سیاست 20 جون 1933ء قسط بست و پنجم)

4۔ محترمہ محمدی بیگم صاحبہ کے معاملہ پر بحث کرتے ہوئے مجھے یہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مرزا صاحب نے خاتون موصوفہ کے حصول کی خاطر تخویف و تحریص کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کا بدترین مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ نے مایوس ہو کر اپنے بیٹے سے قطع تعلق کر لیا۔ اس لئے کہ اس ناکام باپ کے اشارے پر چلتے ہوئے اپنی بیوی،

بے گناہ بیوی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تھا۔مَیں عرض کر چکا ہوں کہ بیٹے کی طرف سے اخلاقی دلیری کا یہ اظہار بہت ہی قابل تعریف ہے۔ اور مرزا صاحب نے جو کچھ کیا وہ نبی اللہ تو بہت بڑی بات ہے، ایک عام انسان کے شایان شان بھی نہ تھا۔لیکن مرزا صاحب کے بعض ایسے افعال واقوال، جو ایک عام انسان کے شایان شان بھی نہیں ہیں، اسی ایک مثال تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس کی کئی مثالیں آسانی سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ (سیاست 22 جون 1933ء قسط بست وششم)

5۔قسط گذشتہ میں ان امور کا ذکر ہوا جو مرزا صاحب کے بعض افعال واقوال پر مشتمل تھے۔جن کے خلاف نرم ترین الفاظ میں صدائے احتجاج بلند کرنے والا بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مرزا صاحب کے یہ افعال واقوال ایک معمولی آدمی کے شایان شان بھی نہیں، تا بہ نبی اللہ چہ رسد۔ (سیاست 27 جون 1933ء قسط بست وہفتم)

6۔نثر میں آپ مرزا صاحب کی تحریر کا وہ نمونہ ملاحظہ فرما چکے جو بطور انسان ان کی شان کے شایاں نہ تھا۔اب ذرا نظم میں ان کے غیظ وغضب کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے (اس جگہ ایک نہایت گندی نظم نقل کی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کی ہرگز نہیں۔خواہ مخواہ آپ کی طرف منسوب کر دی ہے۔ناقل)۔ (سیاست 28 جون 1933ء قسط بست وہشتم)

7۔اور یہ بات نہ صرف ایک نبی کی شان کے خلاف ہے بلکہ ہر صاحب دیانت انسان کی شان کے شایان بھی نہیں۔ (سیاست 28 جون قسط بست وہشتم)

8۔ یہ لکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی تو درکنار، یہ بات ایک عام انسان کی شان کے شایان بھی نہیں ہے (سیاست 28 جون قسط بست وہشتم)

9۔ میری پندرھویں دلیل کا مفاد یہ تھا کہ مرزا صاحب کی بعض باتیں نبی تو بڑی بات ہے، ایک عام آدمی کی شان سے بھی گری ہوئی ہیں۔
(سیاست 28 جون 1933ء قسط بست وہشتم)

10۔مَیں نے ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب کے بعض افعال واقوال نبی کی شان سے تو کیا، عام انسان کی شان سے گرے ہوئے ہیں۔
(سیاست 29 جون 1933ء قسط بست ونہم)

ان خلافِ تہذیب حملوں کے ہوتے ہوئے سیّد حبیب صاحب کا یہ دعوٰی، کہ انہوں نے اپنے سلسلہ مضامین میں تہذیب ومتانت کو مدنظر رکھا ہے، کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔ چنانچہ انہیں اس طرف توجہ دلائی گئی اور یہ لکھا گیا کہ جس طرح آپ ''پیغام صلح'' اور ''الفضل'' سے معافی چاہتے ہیں، آپ خود بھی ان الفاظ پر معافی طلب کریں۔ کیونکہ ''پیغام صلح'' اور ''الفضل'' کے الفاظ تو محض ان کی اپنی ذات کے لئے وجہ دلآزاری ہو سکتے ہیں، مگر ان کے الفاظ تو پانچ چھ لاکھ انسانوں کی دلآزاری کا موجب ہوئے ہیں۔ ہمیں بڑی خوشی ہوئی جب انہوں نے لکھا کہ ایسے الفاظ معلوم ہونے پر وہ معافی مانگ لیں گے۔ لیکن جب مندرجہ بالا الفاظ قادیانی جماعت کی طرف سے ایک پمفلٹ میں شائع ہوئے تو انہوں نے معافی طلب کرنے کے بجائے ان پر اصرار کر کے اپنی وعدہ خلافی کا ایک اور ثبوت بہم پہنچایا۔

''پیغام صلح'' نے جو کچھ لکھا، وہ خود ''سیاست'' کے بیان کے مطابق صرف اس قدر ہے کہ:

''سیاسی میدان میں سرد بازاری کو محسوس کرتے ہوئے اوّل اخبار

> ''زمیندار'' نے اپنی دوکان کی رونق کو چند روز تک جماعت احمدیہ کی مخالفت کے ذریعہ بڑھایا۔اس کے بعد اخبار ''سیاست'' موقعہ پا کر اس کوشش میں مصروف ہے''۔

اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ''جناب مرزا صاحب کے مرید یہ یقین ہی نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص ان کے عقیدہ پر دیانتداری سے بھی مخالفانہ تنقید کرتا رہا ہے''، صحیح نہیں۔ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جو دیانتداری سے ہی تنقید کرتے رہے ہوں، لیکن کم از کم ''سیاست'' یا سیّد حبیب کے معاملہ میں ہم ایسا یقین نہیں کر سکتے۔کیونکہ اپنے تمام مضامین میں جس قدر تنقید انہوں نے کی ہے، وہ ان خیالات سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی، جو سلسلہ احمدیہ کی دونوں جماعتوں کے مسلّمہ معتقدات کہے جا سکتے ہیں۔کیا یہ دیانتدارانہ تنقید ہے کہ مرزا صاحب نے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعوٰی کیا۔کیا یہ دیانتدارانہ تنقید ہے کہ مرزا صاحب نے سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق گالیوں سے بھری ہوئی ایک نظم لکھی۔حالانکہ انہوں نے کبھی کوئی ایسی نظم نہیں لکھی۔اور جو نظم سیّد حبیب نے ''سیاست'' میں نقل کی ہے، اسے مرزا صاحب کی طرف منسوب کرنے میں صریح افتراء پردازی سے کام لیا گیا ہے۔ہم خوش ہوتے اگر سیّد حبیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تصنیفات کو دیکھ کر اور انہیں غور اور توجہ سے پڑھ کر ان مضامین کے لکھنے کی جرأت کرتے۔محض مخالفین کی کتابیں سامنے رکھ کر، اور جیسا کہ مَیں آگے چل کر ثابت کروں گا، دم بریدہ فقرات پیش کر کے ان سے استدلال کرتے چلے جانا، دیانتداری کا شیوہ نہیں۔اس کو برا مانیں یا بھلا یہ ایک حقیقت ہے جس کے اظہار سے کوئی چیز ہمیں روک نہیں سکتی۔اور ہم نہایت دیانتداری سے یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ سیّد حبیب کے تمام مضامین کو مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر ہمارا ایمان زیادہ مضبوط ہو گیا ہے، چہ جائیکہ اس میں کوئی تزلزل پیدا ہوتا۔وہ لوگ جو ان مضامین کو پڑھ کر خوش ہوتے

اور بڑے بڑے تعریفی خطوط لکھ رہے ہیں، وہ معذور ہیں کہ اصل چیز ان کے سامنے نہیں۔ اگر ہمت اور حوصلہ ہوتا اور اس ''مخالفانہ تنقید'' میں دیانتداری پیش نظر ہوتی تو چاہئے تھا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی قارئین ''سیاست'' کے سامنے پیش کیا جاتا۔ تعریفی خطوط کی حقیقت اور لوگوں کی صحیح رائے اس وقت معلوم ہوتی جب اپنے پیش کردہ اعتراضات کا جواب بھی ''سیاست'' ہی میں شائع کیا جاتا۔ اس سے پہلو تہی کرنا اور ایک ادنیٰ سے بہانہ کی وجہ سے صریح وعدہ کو توڑ دینا ثابت کرتا ہے کہ خود سیّد صاحب کو بھی اپنے استدلالات میں یہ کمزوری محسوس ہو رہی ہے کہ ایک احمدی کے قلم کی ادنیٰ سی جنبش ان کا تار و پود بکھیر کر رکھ دے گی اور وہ تمام تعریفی کلمات، جو ان کے قارئین کی یک طرفہ رائے کا نتیجہ ہیں، مبدل بہ حرمان وندامت ہو جائیں گے۔ اس لئے ہم مجبور ہیں کہ ان کے تمام اعتراضات کے جوابات ''پیغام صلح'' میں بطور ضمیمہ شائع کریں۔ جس کے زیادہ تعداد میں چھپوانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین کرام اسے عام طور پر پھیلانے اور اس طرح ''سیاست'' کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ وَمَاتَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ.

دوسرا باب

سیّد حبیب صاحب کی تمہیدی باتیں

اپنے مضمون کے پہلے نمبر میں سیّد صاحب نے بعض تمہیدی امور کا ذکر کیا ہے جن میں ان کتابوں کا نام لیتے ہوئے، جو مضامین لکھنے کے لئے مختلف لوگوں سے انہوں نے جمع کیں، یہ بتایا ہے کہ:

> ''مَیں نے لاہور سے نکلنے سے قبل مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ وہ اپنی جماعت کی کوئی ایسی رسمی کتاب مجھے عنایت فرمائیں جس میں مرزا صاحب کے اور احمدی جماعت لاہور کے معتقدات کی تشریح موجود ہو۔ ممدوح نے فی الفور اپنی کتاب ''تحریک احمدیّت'' مجھے تحفۃً بھیج دی''۔

سوال یہ ہے کہ اپنے تمام مضامین میں، جو سینتیس قسطوں پر پھیلا ہوا ہے، کسی ایک جگہ بھی سیّد صاحب نے ''تحریک احمدیّت'' پر تبصرہ کیا یا ان دعاوی اور دلائل پر کوئی اعتراض کیا ہے، جو اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں؟ سوائے ایک دو جگہوں کے کسی موقعہ پر بھی اشارتاً یا کنایتاً انہوں نے اس کتاب کا نام تک نہیں لیا۔ اور جس قدر دعاوی حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کئے ہیں، ان کا اس کتاب میں نہ تو کہیں ذکر ہے، نہ جماعت احمدیہ لاہور کے معتقدات میں سے ہیں۔ پھر حیرانی ہے کہ انہوں نے کتاب کیوں اور کس غرض سے منگوائی۔ کیا دنیا کو دکھانے کے لئے کہ وہ ایک بااصول محقق کی حیثیت سے، جہاں مخالفین کی کتابوں اور اعتراضات کو سامنے رکھتے ہیں، وہیں موافقین کی کتابیں بھی ان کے سامنے ہیں۔

اس ریا کاری کا آخر نتیجہ اور فائدہ کیا ہے۔ جب موافقین ومعتقدین کی کتابوں سے کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھانا تھا۔ اور صرف مخالفین کے پیش کردہ خیالات ہی پر اپنے استدلالات کا حصر رکھنا تھا تو انہیں منگوانے اور تذکرہ کرنے سے کیا حاصل؟ اور کہاں تک اس کو دیانتداری پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے؟

بااصول محقّق کے جذبات

سیّد صاحب کی دیانتداری کی ایک اور مثال پڑھ لیجئے۔ انہی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

☆ ''مرزا صاحب چونکہ کرشن ہونے کے بھی مدعی تھے، لہٰذا مجھے **خواجہ کمال الدین آنجہانی** کی کتاب کرشن اوتار کی بھی تلاش تھی''۔

اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

☆ ''ساتھ ہی میں نے ایک عریضہ شیر اسلام ابوالوفا حضرت مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی خدمت میں لکھا۔ حضرت علامہ مولانا سیّد محمد احمد صاحب قادری خطیب مسجد وزیر خاں مرحوم کو بھی تکلیف دی گئی''۔

اوّل الذکر فقرہ میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ومغفور کے اسم گرامی کے ساتھ ''مرحوم'' کے بجائے ''آنجہانی'' کا لفظ اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے نام کے ساتھ ''شیر اسلام ابوالوفا حضرت مولانا مولوی'' کے الفاظ کن جذبات کو ظاہر کرتے ہیں۔ کیا یہ ایک بااصول محقق کے جذبات ہیں؟ ایک مسجد کے ملاّ کے نام کے ساتھ ''حضرت علامہ مولانا'' کے الفاظ تو لکھے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ اس نے دو چار پمفلٹ مسیح موعودؑ کی تردید میں

لکھے ہیں۔ایک مسجد کے بانی کے نام کے ساتھ، جسے فوت ہوئے صدیاں گزر گئیں ''مرحوم'' کا لفظ لکھنا ضروری ہے، لیکن نہیں لکھا جاتا تو حضرت خواجہ کمال الدین کے نام کے ساتھ، جس نے قطع نظر اس کے کہ وہ احمدی تھا، تثلیث کی سرزمین میں اسلام کا جھنڈا ایسا نصب کیا کہ آج مغربی دنیا کے بڑے بڑے ذی وقار اور ذی علم اصحاب کشاں کشاں اس کے سایہ کے نیچے چلے آرہے ہیں۔جن لوگوں کی یہ ذہنیّت ہو، ان سے منصفانہ و دیانتدارانہ تنقید کی کہاں اُمید ہو سکتی ہے۔اور کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ احمدیّت کا تذکرہ کرتے ہوئے انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ بالخصوص جبکہ ''عقائد مرزا''، ''تاریخ مرزا''، ''مرزائیت پر تبصرہ''، ''قادیانی کی کہانی'' اور ''ترک مرزائیت'' جیسی ژولیدہ کتابیں ان کی تنقید کا معیار ہوں!

''مرزائی'' یا ''قادیانی'' کوئی نام نہیں

2۔''قادیانی'' یا ''مرزائی'' کے الفاظ کے استعمال کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بتایا ہے کہ یہ الفاظ جماعت احمدیہ کے لئے وجہ ''دلآزاری'' نہ ہونے چاہئیں، جبکہ ایک شاعر نے حضرت مرزا صاحبؑ کی زندگی میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایدہ اللہ کو ''یہی ہیں پکّے مرزائی'' کا خطاب دیا۔لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کسی شاعر کا کسی خاص موقعہ پر ایک خاص انداز میں اس لفظ کو استعمال کرنا اور بات ہے۔اور مخالفین کا اس کو بطور نام کے استعمال کرنا امر دیگر ہے۔ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات 11:49) قرآن کریم کا صریح ارشاد ہے اور ایسی حالت میں، کہ کوئی احمدی اپنے آپ کو ''مرزائی'' کہلانا پسند نہیں کرتا، اس لفظ کو استعمال کرنا اس ارشاد قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے۔''قادیانی'' کا لفظ حضرت مرزا صاحبؑ نے اگر استعمال کیا، تو اپنی سکونت کے اظہار کے لئے، نہ کہ عقائد مذہب یا فرقہ کے نام کے طور پر۔اپنے فرقہ کا نام انہوں نے ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھا ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم جمالی احمدؐ کی

طرف اُسے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں تبلیغِ اسلام کا جو کام اس جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ جمالی پہلو رکھتا ہے۔

غلام احمد قادیانی دنیا میں اور کوئی نہیں

3۔اسی ضمن میں سیّد صاحب نے ایک اور بھی دعوٰی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''خود مرزا صاحب آنجہانی خود کو غلام احمد قادیانی لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ 186 پر اور طبع ثانی کے صفحہ 90 پر آپ لکھتے ہیں کہ میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں''۔ سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مرزا صاحب کا یہ خیال صحیح نہ تھا کہ اس وقت کوئی شخص دنیا میں ایسا نہ تھا جو غلام احمد قادیانی ہو۔ اس لئے کہ لودھیانہ ضلع میں موضع قادیان موجود ہے۔ اور ضلع گورداسپور میں تین قادیان ہیں جن میں سے ایک میں مرزا صاحب رہتے تھے۔ اور ایک اور قادیان میں حضرت غلام احمد قادیانی ایک اور شخص تھا جو قریشی قوم سے تھا اور مرزا صاحب کا ہم عمر تھا''۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا وہ غلام احمد، جس کے متعلق سیّد صاحب کا دعوٰی ہے کہ وہ ضلع گورداسپور کے کسی اور قادیان میں رہتا تھا، ''غلام احمد قادیانی'' کے مرکب نام سے مشہور تھا؟ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوٰی یہ نہیں کہ کسی اور قادیان میں غلام احمد کے نام سے کوئی شخص نہیں رہتا، بلکہ دعوٰی یہ ہے کہ کوئی ایسا غلام احمد بجز آپ کے دنیا میں نہیں جس کے نام کے ساتھ ''قادیانی'' کا لفظ بھی بولا جاتا ہو اور اس کے نام کا جزو ہو۔ چنانچہ اسی جگہ حضرت مسیح موعودؑ نے ''غلام احمد قادیانی'' کے مرکب نام کے اعداد نکالے ہیں اور لکھا ہے کہ:

''اور وہ یہ نام ہے **غلام احمد قادیانی**۔ اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں''۔

پس آپ کا منشاء اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ دنیا میں آپ کے سوائے کوئی دوسرا شخص ''**غلام احمد قادیانی**'' کے مرکب نام سے موسوم نہیں۔ اس لئے اگر ضلع گورداسپور یا لودیانہ میں قادیان نام کے کوئی اور گاؤں بھی ہیں اور وہاں غلام احمد کے نام سے کوئی اور شخص بھی رہتا تھا، تو اس سے آپ کے دعوٰی کی تغلیط نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ نے نہ قادیان نام کے کسی اور گاؤں کی نفی کی ہے اور نہ وہاں غلام احمد کے نام سے کسی شخص کی موجودگی کا انکار کیا ہے۔ انکار اگر ہے تو ''غلام احمد قادیانی'' کے **مرکب نام رکھنے والے شخص کا ہے۔ رہا یہ کہ قادیانی اپنے آپ کو کہا تو یہ صرف جائے سکونت کے اظہار کے لئے ہے**، نہ کہ ''عقائد'' کو ''قادیانی'' کا نام دیا ہے۔

تیسرا باب

مدعیانِ مہدویّت اور حضرت مسیح موعودؑ [1]

اپنے مضمون کی پہلی قسط میں سیّد صاحب نے بعض مدعیان مہدویّت ونبوّت کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے کسی نے بقول ان کے لَآ اِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ مَہْدِیٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ بنایا۔ کسی نے عقدِ نکاح میں نماز اور روزے بطورحقِ مہر بخش دیئے۔ کسی نے ایک سنسان چاہ میں دو تین مریدوں کو اتار کر نزول ملائکہ کا ڈھونگ رچایا اور پھر افشائے راز کے خوف سے اس کنوئیں کو بند کرادیا تاکہ نہ مرید باہر آئیں اور نہ ان سے راز کھلنے کا احتمال ہو۔ ایسا ہی ایک مدعی مہدویّت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک جدید قرآن اپنے اوپر نازل ہونے کا دعویدار تھا۔ جس کی سورتیں اس کے مرید نمازوں میں پڑھتے تھے۔

ہم حیران ہیں کہ ان باتوں کو پیش کرنے سے سیّد صاحب کا کیا مطلب ہے؟ کیا حضرت مرزا صاحب نے بھی کوئی نیا کلمہ بنایا؟ کسی کو نماز اور روزے معاف کئے؟ یا کوئی کمی ہی ان میں کی؟ کیا کوئی اس قسم کی مثال مل سکتی ہے کہ انہوں نے بھی اپنا کوئی معجزہ دکھانے کے لئے کوئی ایسا ڈھونگ رچایا ہو، جیسا کہ محمد بن تومرت کی طرف سیّد صاحب نے منسوب کیا ہے؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے بھی کسی جدید قرآن کے نزول کا دعوٰی کیا؟ یا قرآن کریم میں کوئی ذراسی بھی ترمیم وتنسیخ کی؟ اگر یہ نہیں اور اس کے برخلاف حضرت مرزا صاحب کی صاف اور کھلی تحریرات موجود ہیں جن میں انہوں نے بار بار اس بات کا اعلان کیا ہے کہ:

''جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ ہمارا مقصود ہے۔ اور

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار ''پیغام صلح'' مورخہ 27 اگست 1933ء

جس خدا کے کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں ...... اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق، اور روز حساب حق اور جنت اور جہنم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعتِ اسلام میں سے ایک ذرّہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے، وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاءؑ اور تمام کتابیں، جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے، ان سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور، جن پر سلف صالحہ کا اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں، ان سب کا ماننا فرض ہے''۔ (ایام الصلح صفحہ 86،87)

تو ان کو ایسے مدعیان نبوّت و مہدویّت کے ساتھ ملانا، جنہوں نے کلمہ نیا بنایا، قرآن نیا بنایا، نماز اور روزے بخش دیئے۔ اور جھوٹے معجزات کا ڈھونگ رچایا، کس قدر حق ناشناسی کا ثبوت دینا ہے۔

کیا اُمّت محمدؐیہ میں کوئی صادق مصلح نہیں ہوا؟

ہم تو متعجب ہیں کہ ایسے جھوٹے مدعیان کی طویل داستانیں اور قصے لکھنے سے شاہ صاحب کا کیا مطلب ہے؟ کیا اُمّت محمدؐیہ میں نیک اور راستباز انسان کوئی نہیں ہوئے؟ کیا جھوٹے مدعیان نبوّت ومہدویّت کے سوائے کسی پاک باطن مصلح کی شکل اس اُمّت نے نہیں دیکھی کہ بار بار کَذَّبُوْنَ کے سوائے اور کسی کا نام ہی ہمارے مخالفین کی زبانوں پرنہیں آتا؟ کیا مجددین اوراولیاء اللہ کا نام لینا گناہ ہے؟ جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دعوٰی ماموریّت کر کے دنیا کورشد وہدایت کی طرف بلایا؟ کیوں ان کی زندگیوں کا مطالعہ نہیں کیا جاتا اور اس بات کومعلوم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی زندگی ان نیک اور پاک لوگوں سے ملتی ہے یانہیں؟ اورآپ کے کشوف والہامات کانمونہ ان کے ملفوظات میں بھی پایا جاتا ہے یانہیں؟ کیا سیّد حبیب صاحب اور ہمارے دیگر مخالفین اس اُمّت کو خیر اُمّت کے بجائے شرّ اُمّت ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کہ جھوٹے مدعیان کے نام لے لےکر اوران کے مکروفریب اورالحاداور بے دینی کی تفصیلات بیان کر کے حضرت مرزا صاحبؑ کوبھی اسی ذیل میں لانا چاہتے ہیں؟ انہیں یادرکھنا چاہئے کہ یہ اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اسلام اورمحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (نعوذ باللہ) تحقیر وتذلیل ہے کہ محض کَذَّبُوْنَ ہی کی مثالیں گنوائی جائیں اور صَادِقُوْنَ کا کوئی ذکر تک نہ کیا جائے۔ دیانتداری اورایمانداری کا تقاضا یہ تھا کہ جہاں انہوں نے ایسے جھوٹے مدعیان اور ان کے الحادوزندقہ کا ذکر کیا تھا، وہیں حضرت سیّد عبدالقادر گیلانیؒ ،حضرت بایزید بسطامیؒ ،حضرت جنید بغدادیؒ ،حضرت شیخ شبلیؒ ،حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ،حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے بھی نام لیتے اوراُن کے پاکیزہ حالات نقل کر کے دنیا کو بتاتے کہ حضرت مرزا صاحب کا فلاں کام ان بزرگوں کے اعمال صالحہ کے خلاف ہے۔فلاں الہام اورکشف کی کوئی مثال ان بزرگوں کی زندگیوں میں نظرنہیں آتی جس

چیز کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ وہ سونا ہے یا پیتل، اسے سونے ہی کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ حیرانی ہے کہ ہمارے مخالفین کو حضرت مرزا صاحبؑ کے بارہ میں یہ موٹا اصول کیوں یاد نہیں رہتا۔ اور کیوں وہ خواہ مخواہ کَذَّبُوْنَ کا ذکر کرکے اس امّت کو خیر اُمّت نہیں بلکہ شرّ امّت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحبؑ کی زندگی کا کوئی پہلو ان کَذَّبُوْنَ کی زندگیوں کے مماثل و مشابہ نہیں، جیسا کہ آئندہ اقساط میں قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا۔

جماعت احمدیہ کی ثروت و تمکنت

لیکن ان ''کَذَّبُوْنَ'' کی مثالیں بیان کرنے کی ایک وجہ سیّد صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ:

> ''مسلمانوں کی موجودہ مفلوک الحالی کے مقابلہ میں علم برداران تحریک قادیان کی ثروت، وجاہت و تمکنت بھی ان کی صداقت کی ایک دلیل بن گئی ہے۔ مگر جن مدعیان نبوّت کا مختصر حال اس سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے، ان کی شوکت، ثروت و تمکنت اور ان کا جاہ وجلال قادیان سے لاکھوں گنا بڑھا ہوا تھا۔ وہ صاحب تخت وتاج وحامل شمشیر وعلم ہو کر گزرے ہیں۔ لٰہذا ظاہر شان وشوکت سے مرعوب ہونا درست نہیں۔ اس کو خداوند کردگار نے اپنے کلام میں متاع قلیل کا نام دیا ہے''۔ (سیاست 4 مئی)

ہم حیران ہیں کہ سیّد صاحب سے یہ کس نے کہہ دیا کہ احمدی جماعت ''ثروت، وجاہت وتمکنت'' میں دوسرے مسلمانوں سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور یہ ان کی صداقت کی دلیل ہے۔ کم از کم لاہور کی احمدیہ جماعت کو اس قسم کا دعوٰی نہیں۔ اور نہ ہی، جہاں تک ہمارا علم ہے، برادران قادیان کی طرف سے کبھی اس قسم کا اعلان ہوا ہے۔ ہاں ایک قسم کی ثروت وتمکنت انہیں بے شک حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ جو کامیابی جماعت احمدیہ کو اپنے مخالفین اور

بالخصوص مخالفین اسلام پر حاصل ہوئی ہے، اس کی کوئی نظیر نہ موجودہ زمانہ میں نظر آتی ہے اور نہ ان جھوٹے مدعیان کی زندگیوں میں دکھائی دیتی ہے، جن کی مثالیں سیّد صاحب نے پیش کی ہیں۔ کس قدر مخالفتیں حضرت مرزا صاحبؑ کو اپنی زندگی میں پیش آئیں، قتل کے مقدمات ان پر بنائے گئے، کفر کے فتوے ان پر دیئے گئے، مسلمان مولوی، آریہ اور عیسائی یک دل و یک جان ہو کر ان کی مخالفت اور استیصال کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن ان کا ایک بال بینگا نہ کر سکے۔ اور وہ خدا کا مامور 23 سال سے زیادہ مدت تک، جو ایک مدعی کی صداقت کا معیار ہے، بڑی کامیابی کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا۔ اس کے بعد بھی اس کی جماعت یورپ اور دیگر ممالک میں جس کامیابی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہی ہے، کیا یہ کسی مخالف احمدیّت کو نصیب ہوا ہے؟ کیا ان لوگوں کی زندگیوں میں اس کا کوئی نمونہ نظر آتا ہے جن کی مثالیں ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں؟ پھر کیا یہ احمدیّت کی صداقت کا ایک کھلا ثبوت نہیں؟!

مامورین کے لئے معیارِ صداقت اور حضرت مسیح موعودؑ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ. لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ.** (الحآقة 69:44-46) ''اور اگر وہ ہم پر بعض باتیں افتراء کے طور پر بنا لیتا۔ تو ہم ضرور اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے''۔ جس کے معنی کرتے ہوئے تمام مفسرین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوّت کے بعد تئیس سال تک زندہ رہے، اس لئے یہ مدت ایک مدعی ماموریّت کے لئے معیار صداقت ہے۔ چنانچہ تفسیر ''روح البیان'' جلد 4 صفحہ 462 پر ہے:

فی الایت تنبیہ علیٰ ان النّبی علیہ السلام لو قال من عند نفسہ شیئا اوزاد او نقص حرفا واحدا علیٰ ما اوحی الیہ لعاقبہ اللّٰہ

وھو اکرم النّاس الیه فما ظنّک بغیرہٖ

یعنی اس آیت میں تنبیہہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس سے افتراء کرتے یا جو وحی خدا کی طرف سے نازل ہوئی، کوئی ایک ہی حرف کی کمی یا زیادتی اس میں کرتے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس کی سزا دیتا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سب سے زیادہ معزز تھے۔ پس کوئی دوسرا اگر افتراء کرے تو اس کے متعلق کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔

شرح ''عقائد نسفی'' میں، جو اہل سنّت والجماعت کی معتبر ترین کتابوں میں سے ہے، لکھا ہے کہ:

فان العقل یجزم بامتناع اجتماع ھٰذہ الامور فی غیر الانبیآء فی حق یعلم انه یفتری علیه ثم یمھله ثلاثا وعشرین سنة (شرح عقائد نسفی ص100)

یعنی عقل اس بات کو ممتنع قرار دیتی ہے کہ یہ باتیں ایک غیر نبی میں جمع ہو جائیں اس شخص کے حق میں، جس کے متعلق خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اس پر افتراء کرتا ہے۔ پھر اس کو تئیس سال کی مہلت دے۔ پس یہ غور طلب بات ہے کہ جب ایک مفتری دعوٰی الہام کے بعد 23 سال کی مدت تک زندہ نہیں رہ سکتا اور رگ جان سے پکڑا جاتا ہے تو یہ کیا بات ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ دعوٰی الہام کے بعد 23 سال سے زیادہ مدت تک ہر قسم کی مخالفت کے باوجود کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور آج تک آپ کا کام نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ اور آپ کے مریدین کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے۔ کیا خدا کی عدالت میں بھی نعوذ باللہ اندھیر پڑ گیا کہ قرآن کریم میں صدق وکذب کا ایک کھلا معیار قائم کرنے کے باوجود، ایک کاذب کو کامیابی عطا کرتا چلا جاتا اور اس کے مخالفین کو اس کے خلاف پورا زور صرف کرنے کے باوجود، ناکام اور نامراد رکھتا ہے۔ یہ کہنا، کہ اس سے پیشتر کذّاب مدعیوں

کو اس سے بڑھ کر کامیابی ہوتی رہی ہے، قرآن کریم کے ایک صریح ارشاد کا بطلان ہے اور واقعات وحقائق کے بھی یہ صریحاً خلاف ہے۔ کیونکہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ کسی جھوٹے مدعی کو آج تک کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

کسی جھوٹے مدعی الہام کو مہلت نہیں مل سکتی

سیّد صاحب نے جن لوگوں کی مثالیں دی ہیں، ان میں سے مسیلمہ کذّاب، اسود عنسی اور سجاح کے سوائے ایک بھی ایسا نہیں جو الہام یا وحی کا مدعی ہو۔ محمد بن تومرت نے حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کی اور دس آدمیوں نے اس کی طرف مہدویّت منسوب کی۔ اس کا اپنا دعوٰی نہ تھا (کامل ابن اثیر جلد 10، ص 217)۔ عبدالمؤمن اس کا خلیفہ تھا۔ اس کا بھی کوئی الہام و وحی کا دعوٰی نہ تھا۔ اس لئے وہ بھی لَوْتَقَوَّلَ کے نیچے نہیں آسکتا۔ طریف ابوصبیح اور صالح بن یوسف نے اپنا نیا مذہب بنایا تھا، لیکن تمام عمر اسے چھپاتے رہے۔ اور الہام و وحی کا دعوٰی کبھی نہیں کیا۔ عبیداللہ مہدی بھی صاحب الہام نہ تھا یعنی اس کا دعوٰی مہدویّت کسی الہام پر مبنی نہ تھا۔ اس لئے وہ بھی لَوْتَقَوَّلَ کی زد میں نہ آسکا۔ پس تعجب ہے کہ ایسے لوگوں کی مثالیں کیوں دی جاتی ہیں جن کا دعوٰی الہام ہی نہیں۔ کسی ایسے شخص کی مثال پیش کیجیے جو مدعی الہام ہوا اور پھر اسے کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی لَوْتَقَوَّلَ...... الخ کی آیت کریمہ اور بزرگانِ اُمّت کے مندرجہ ذیل فیصلوں کو بھی ملحوظ رکھیئے۔

وقد ادعٰی بعض الکذّابین النبوّۃ کمسیلمۃ الیمامی والاسود العنسی وسجاح الکاھنۃ فقتل بعضھم وبالجملۃ لم ینتظم امر الکاذب فی النبوّۃ الّا ایّاما معدودات (نبراس ص 444)

ترجمہ: بعض جھوٹے لوگوں نے نبوّت کے دعوے کئے جیسے مسیلمہ یمامی

اور اسود عنسی اور سجاح کاہنہ نے ۔ پس ان میں سے بعض قتل کردیئے گئے (اور بعض نے توبہ کر لی) اور فی الحقیقت کاذب کا کام نبوّت کے بارہ میں چند دن سے زیادہ نہیں چل سکتا۔

ایسا ہی علاّمہ ابن قیمؒ ایک عیسائی سے مناظرہ کے دوران میں لکھتے ہیں :

نحن لاننکر انّ کثیرًا من الکذّابین قام فی الوجود وظهرت شوکته ولکن لم یتم له امره ولم تطل مدته بل سلط علیه رسله فمحقوا اثره وقطعوا دابره واستا صلوا شافته هٰذه سنته فی عباده منذ قامت الدنیا والٰی ان یرث الارض ومن علیها (زاوالمعاد جلد1،ص500)

ترجمہ: ہم انکار نہیں کرتے کہ بہت سے جھوٹے مدعی کھڑے ہوئے ۔ اور ان کی شان وشوکت بھی ظاہر ہوئی لیکن ان کا کام تکمیل کو نہیں پہنچا اور نہ ان کو کوئی طویل مدت تک مہلت ملی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کے آثار مٹا دیئے اور ان کی جڑیں اکھاڑ دیں اور بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں میں، جب سے دنیا بنی اور جب تک دنیا رہے گی ، سنّت ہے۔

سیّد حبیب صاحب جواب دیں

پس کیا جناب سیّد حبیب از راہ کرم اس پر غور فرمائیں گے کہ:

(ا) جب قرآن کریم کا یہ کھلا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے والا رگِ جان سے پکڑا جاتا ہے۔

(ب) جب واقعات وحقائق اس بات پر شاہد ہیں کہ جھوٹے مدعیوں اور مفتریوں کی

جڑیں اکھاڑ دی گئیں اور ان کے آثار مٹا دیئے گئے۔ جس کا اعتراف علاّمہ ابن قیمؒ جیسے متبحر عالم اور بزاس جیسی اہل سنت کی معتبر کتاب کو بھی ہے۔

(ج) جب یہ حقیقت ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ تئیس سال سے زیادہ مدت تک وحی والہام کا دعوٰی کرتے رہے اور شدید سے شدید مخالفتوں سے بھی ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا بلکہ آج تک ان کا کام اور جماعت ترقی کر رہی ہے۔

تو کیا یہ تمام باتیں حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت کا بیّن ثبوت نہیں؟ اگر وہ اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں تو مہربانی کر کے بتائیں کہ:

(ا) لَوْتَقَوَّلَ کی آیت کے کیا معنی وہ کرتے ہیں؟

(ب) علاّمہ ابن قیمؒ اور علاّمہ عبدالعزیز صاحبؒ بنراس کے مندرجہ بالا اقوال کے متعلق ان کی کیا رائے ہے؟

(ج) حضرت مرزا صاحبؑ کی تئیس سال سے زیادہ مدت کی وحی اور ان کی عظیم الشان کامیابی کو وہ کیونکر رد کرتے ہیں؟

کیا وہ ان ہرسہ امور پر روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

چوتھا باب

حضرت مسیح موعودؑ کا علمِ کلام اور سیّد حبیب کی ''علمی فرومائیگی'' (1)

سیّد حبیب کی پہلی دلیل

اپنے مضمون کی چوتھی قسط میں سیّد صاحب نے ان دلائل کو شروع کیا ہے جن کی وجہ سے ان کے نزدیک ''تحریک احمدیّت'' قابل قبول نہیں۔ سب سے پہلی دلیل، جو انہوں نے اس بارہ میں دی ہے، وہ خود انہیں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''مرزا صاحب کی تحریروں کو میں نے **بغور پڑھا** ہے۔ اس سلسلہ مضامین میں بارہا اپنی علمی فرومائیگی کا اعتراف کر چکا ہوں اور پھر اس کا اقرار کرتا ہوں۔ لیکن مجھ ایسا ہیچمدان بھی یہ دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کی تحریر مبتذل (خفیف۔ حقیر) اور پیش پا افتادہ اغلاط سے پُر ہے۔ ان کی تحریروں میں عربی اور فارسی اور اردو استعمال کیا گیا ہے۔ جو لوگ عربی سے آگاہ ہیں (اور میں یہاں دم مارنے کی قدرت نہیں رکھتا) وہ ان کی عربی میں فاش غلطیاں دکھا سکتے ہیں۔ فارسی کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن میں اُردو کے متعلق وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ سہوِ کتابت وغیرہ کے لئے ہر ممکن موقعہ دینے کے بعد بھی میں اُن کی تحریر کو نہایت معمولی اغلاط سے مملو پاتا ہوں اور من حیث الکل بھی نہ معجز نما ہے اور نہ پُر زور۔ مثلاً ان کی کتاب ''تریاق القلوب'' کے صفحہ 33 میں انہوں نے **اپنی قلم**

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار ''پیغام صلح'' مورخہ 27 اگست 1933ء

کے الفاظ استعمال کر کے تذکیر و تانیث کی ایک نہایت ہی پیش پا افتادہ غلطی کی ہے۔ ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ 255 پر ''سرخی کی قلم'' کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور ایک اور موقعہ پر ''ہوش آئی'' کے الفاظ لکھ کر آپ نے اپنی ادبی اغلاط کا بدترین نمونہ پیش کیا ہے''۔

کون کونسی تصانیف کو پڑھا ہے

اس بارہ میں سب سے پہلے مجھے سیّد صاحب سے یہ دریافت کرنا ہے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی کون کون سی تصانیف کو ''**بغور پڑھا**'' ہے کہ انہیں وثوق سے یہ کہنے کا حوصلہ ہوا کہ ''سہو کتابت وغیرہ کے لئے ہر ممکن موقعہ دینے کے بعد بھی مَیں ان کی تحریر کو نہایت معمولی اغلاط سے مملو پاتا ہوں''۔ وہ خود ہی ایمان سے یہ بتائیں کہ کیا مخالفین کی کتابوں میں دیئے ہوئے اقتباسات کے علاوہ، حضرت مرزا صاحبؑ کی کوئی کتاب انہیں پڑھنے کا موقعہ ملا؟ اگر نہیں، تو خدا کے لئے بتائیں کہ آپ کی عربی اور فارسی کتابوں میں فاش غلطیاں دکھانے اور اُردو تحریرات کو ''وثوق کے ساتھ نہایت معمولی اغلاط سے مملوٗ'' پانے کا خیال کہاں تک حق بجانب ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مخالفین کی کتابوں میں نقل کی ہوئی عبارات اور اغلاط کی دو تین غلط مثالوں کو دیکھ کر آپ ''پریشان'' ہونے لگ گئے۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ کی تمام تحریرات کو ''مبتذل اور پیش پا افتادہ اغلاط سے پُر'' قرار دے دیا۔ اگر دنیا میں انصاف اسی کو کہتے ہیں اور ایک با اصول محقق کی تحقیقات کے نتائج ایسے ہی اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں، تو حق پرستی اور دیانتداری کا خاتمہ سمجھنا چاہیئے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ

قبل اس کے کہ میں ان مزعومہ اغلاط پر نظر ڈالوں، جو سیّد صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ

کی تحریرات میں نظر آئی ہیں، ان کی ایک اور غلطی کو بھی مَیں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ ان کا خیال ہے، جس کو انہوں نے اپنے مضمون میں وضاحت سے بیان کیا ہے، کہ جس طرح قرآن کریم کا دعوٰی ہے کہ وہ فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہے اور کوئی شخص اس کی نظیر نہیں لا سکتا، اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کا کلام بھی بے نظیر ہونا چاہیئے۔ یہ دلیل، جہاں تک ہمارا خیال ہے، سیّد صاحب ہی کی ایجاد ہے۔ قبل ازیں کسی نے ایک مامور من اللہ کی صداقت کو پرکھنے کے لئے ایسے دلائل سے کام نہیں لیا۔ قرآن کریم بے شک بے نظیر ہے۔ اور اس کا دعوٰی ہے کہ کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ لیکن وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے، انسانی کلام نہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے کب دعوٰی کیا کہ ان کی تحریرات کلام الٰہی ہیں یا قرآن کریم کی طرح بے نظیر ہیں۔ کیا اس سے پیشتر جن لوگوں نے مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کیا، جیسے مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، ان سب کی تحریرات کو سیّد صاحب نے پڑھ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ سب کی سب بے نظیر ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں۔ یا انہوں نے بینظیر ہونے کا دعوٰی کیا ہے؟! اگر یہ ضروری ہے کہ ایک مامور، یا جیسے سیّد صاحب کا دعوٰی ہے، ایک نبی کا کلام بھی کلام الٰہی کی طرح بے نظیر ہونا چاہیئے تو ڈر ہے کہ کل کو سیّد صاحب ان احادیث پر بھی ہاتھ صاف نہ کرنے لگ جائیں، جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مندرج ہے۔ کیا وہ دعوٰی کر سکتے ہیں کہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کلام منقول ہے، وہ ویسا ہی بے نظیر ہے جیسا کہ قرآن کریم؟ کیا اس قسم کے دلائل پیش کر کے انہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایک خطرناک حملہ نہیں کیا؟ کاش! کچھ سوچ و بچار سے کام لیا جاتا اور ایسے دلائل پیش کرنے سے پہلے اُن کے نتائج پر بھی غور کر لیا جاتا۔

ایک اور بے بنیاد الزام

ہاں! ایک بات قابلِ غور ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اگر مرزا صاحب کا دعویٰ یہ نہ ہوتا کہ ان کی زبان کا ذمہ دار بھی خود خدا ہے، تو شائد اس اعتراض کی اہمیت کچھ کم ہو جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ مرزا صاحب بہ بانگ دہل ''نزول المسیح'' کے صفحہ 56 پر فرماتے ہیں:

''یہ بات بھی اس جگہ بیان کر دینے کے لائق ہے کہ میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشا پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں۔ کیونکہ جب میں عربی میں یا اُردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔

اسی کتاب کے صفحہ 57 پر لکھتے ہیں:

''ایسا ہی عربی فقرات کا حال ہے۔ عربی تحریروں کے وقت میں صدہا فقرات وحی متواتر کی طرح دل پر وارد ہوتے ہیں اور یا یہ کہ ایک فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے وہ فقرات دکھا دیتا ہے''۔

سلسلہ الفاظ اور معانی میں سہولت

اگر سیّد صاحب کی نظر مخالفین کے پیش کردہ اقتباسات ہی پر نہ ہوتی، اور اصل کتاب ''نزول المسیح'' کو پڑھنے کی تکلیف گوارا کرتے تو شائد ایسا نتیجہ نکالنے کی جرأت نہ کرتے، جو اب انہوں نے نکالا ہے۔ ''نزول المسیح'' کے صفحہ 56 کے پیش کردہ اقتباس کے بعد ہی حضرت مرزا صاحبؑ نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

''اور ہمیشہ میری تحریر، گو عربی ہو یا اُردو یا فارسی، دو حصّہ پر منقسم ہوتی ہے (ا) ایک تو یہ کہ بڑی سہولت سے سلسلہ الفاظ اور معانی کا میرے سامنے آتا

> جا تا ہے۔ اور مَیں اس کو لکھتا جا تا ہوں اور گو اس تحریر میں مجھے کوئی مشقّت نہیں اٹھانی پڑتی مگر دراصل وہ سلسلہ میری دماغی طاقت سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی الفاظ ومعانی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی ایک خاص رنگ میں تائید نہ ہوتی، تب بھی اس کے فضل کے ساتھ ممکن تھا کہ اس کی معمولی تائید کی برکت سے، جو لازمہ فطرت خواص انسانی ہے، کسی قدر مشقت اٹھا کر اور بہت سا وقت لے کر ان مضامین کو مَیں لکھ سکتا‘‘۔

دوسرے حصّہ میں آپ نے عربی الفاظ اور فقرات کا حسبِ ضرورت خارق عادت طور پر بوقت تحریر وحی سے معلوم ہونا بیان کیا ہے۔ کیا کوئی انصاف پسند اس عبارت سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ ان کی زبان کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ انشاء پردازی کے وقت سلسلہ الفاظ اور معانی کا بڑی سہولت کے ساتھ سامنے آتے جانا تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو لکھنے میں بہت سہولت ہوتی تھی۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ کلام قرآن کریم کی طرح بے نظیر اور اعجازی کلام ہے۔

’’خارق عادت‘‘ صرف عربی تحریرات ہیں

اُردو کے متعلق جس اعجاز کا آپ نے دعوٰی کیا ہے، وہ سلسلہ تحریر میں سہولت کا ہونا ہے۔ خارق عادت صرف عربی تحریرات کے بعض الفاظ اور فقرات کو قرار دیا ہے۔ اور عربی ہی میں تفسیر نویسی کے لئے آپ نے اپنے مخالفین کو مقابلہ کی دعوت بھی دی۔ لیکن ؎

> آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اس وقت کسی کو آپ کے بالمقابل اُٹھنے یا آپ کی تحریرات کی غلطیاں نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایک آدھ مولوی نے اگر کسی عربی فقرہ یا الہام پر انگلی رکھنے کی جرأت کی، تو اس کو ایسی

مونہہ کی کھانی پڑی کہ پھر بولنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اب بھی اگر کسی مولوی ملّا میں ہمّت ہے، کسی بڑے سے بڑے عالم کو اگر حوصلہ ہے تو بے شک اٹھے اور آپ کی عربی کی وہ ''فاش غلطیاں'' پیش کرے جن کے بارہ میں سیّد صاحب کو ''دم مارنے کی جرأت نہیں''۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ کسی تحریر کا غلطی سے پاک ہونا الگ بات ہے اور اس کا قرآن کریم کی طرح بے نظیر اور معجز نما ہونا امر دیگر ہے۔ سیّد حبیب صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر نبی، مجدّد یا مامور کا کلام قرآن کریم کی طرح بے نظیر اور معجز نما ہونا چاہئے۔ یہ ایک ''پیش افتادہ'' غلطی ہے جس کی صحت کا کوئی ثبوت وہ پیش نہیں کر سکتے۔

''قلم'' کا لفظ اور سیّد حبیب کی ''علمی فرومائیگی''

اب مَیں ان دو تین مثالوں کو لیتا ہوں جو سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت میں سے تذکیر و تانیث کی غلطیوں کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ پہلی غلطی ''قلم'' کے لفظ کے متعلق پیش کی گئی ہے جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے مؤنث استعمال کیا ہے۔ میں حیران ہوں اس جرأت پر، جو اپنی ''علمی فرومائیگی'' کے اعتراف کے باوجود سیّد حبیب صاحب نے اس بارہ میں کی ہے، قلم کے لفظ کے متعلق یہ دعویٰ شائد سیّد صاحب کو ہی زیب دے سکے کہ اس کا استعمال مؤنث نہیں بلکہ مذکر ہی ہوسکتا ہے۔ کوئی صاحبِ علم شخص، جس کو لغت پر عبور ہو، اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کاش! انہوں نے اُردو لغت کی کوئی معمولی سی کتاب ہی اٹھا کر دیکھی ہوتی تو انہیں ''قلم'' کے لفظ کے ساتھ ''مذکر و مؤنث'' کے الفاظ بھی لکھے ہوئے نظر آجاتے۔ اور اگر انگریزی کی ضخیم ڈکشنریوں کی طرح اُردو کی ایک ''فرہنگ آصفیہ'' ہی ان کی میز پر ہوتی تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس ''پیش پا افتادہ غلطی'' کے ارتکاب میں بعض مستند ماہرین زبان بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مولانا سیّد احمد صاحب دہلوی مصنف ''فرہنگ آصفیہ'' نے ''قلم''

کا استعمال نہ صرف مذکرومؤنث دونوں طرح جائز قرار دیا ہے، بلکہ تانیث کی تائید میں حضرت ظفر بادشاہ دہلی کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے ؎

ظفؔر جو خوف سے تیرا نہ کانپتا یہ ہاتھ **قلم تیری** دمِ تحریر **ہل گئی تھی** کیوں

اور سنیئے ۔حضرت محسن کاکوروی کے فرزندارجمند جناب مولوی نورالحسن نیّر بی۔اے، ایل۔ ایل۔ بی، ایڈووکیٹ چیفکورٹ اودھ نے، جو اردو علم ادب سے گہری واقفیت رکھتے ہیں، ''نوراللّغات'' کے نام سے ایک ضخیم اردو لغت تصنیف کی ہے۔اس میں ''قلم'' کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔پیشتر مؤنث بھی کہتے تھے۔(ظفر) ؎

عجب احوال ہے میرا، کہ جب خط اس کو لکھتا ہوں تو دل کچھ اور کہتا ہے، **قلم** کچھ اور **کہتی ہے**

(نوراللّغات مطبوعہ نیّر پریس لکھنؤ صفحہ 67)

نظم کے علاوہ نثر کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمالیجئے۔میرزا حیرت دہلوی مرحوم نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھتے ہوئے ان کی ایک عربی عبارت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''مَیں نے امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا کہ میرے گھر تشریف لائے ہیں اور امام حسنؓ کے ہاتھ میں **ایسی قلم** ہے جس کی نوک ٹوٹی ہے۔آپ نے مجھے (قلم) عنایت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ارشاد کیا۔ **ھٰذاقلم جدی** یہ میرے نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) **کی قلم** ہے ۔ پھر آپ نے (قلم کو) ہاتھ میں روک لیا اور فرمایا۔ امام حسینؓ (اسے) بنادو۔ پھر امام حسینؓ نے (اس قلم کو) بنادیا (جب **قلم بن چکی**) تو پھر مجھے عنایت کی''۔ (ملاحظہ ہو کرزن گزٹ یکم نومبر 1902ء صفحہ 4 کالم 3)

اس عبارت میں قلم کا لفظ چار مرتبہ مؤنث استعمال ہوا ہے، جو کسی پنجابی کے قلم کا نتیجہ نہیں بلکہ مرزا حیرت جیسے اہل زبان کی تصنیف ہے۔

اب فرمائیں جناب سیّد حبیب! کہ قلم کا لفظ اگر حضرت مرزا صاحبؑ نے مؤنث استعمال کیا، تو کیا گناہ کیا؟ جب لغت اس کو جائز ٹھہراتی ہے۔ شاہ ظفر بادشاہ دہلی، جن کا کلام بڑے بڑے نامی استادان ادب وشعراء کا رہینِ منّت ہے اور ان کی زبان کو ''کوثر میں دُھلی ہوئی'' کہا گیا ہے، اس کو مؤنث باندھتے ہیں۔ میرزا حیرت جیسے اہل زبان بار بار اس کو مؤنث لکھتے ہیں (1) تو حضرت مرزا صاحبؑ، جن کو اُردو علم ادب میں فصاحت وبلاغت کا کوئی دعوٰی نہیں اور نہ ایسا دعوٰی ان کی ماموریت کے لئے ضروری ہے، اگر اسے مؤنث استعمال کریں تو سیّد صاحب کو پریشانی کیوں لاحق ہو جاتی ہے۔ اور وہ مذکر کی تلاش میں کیوں لگ جاتے ہیں۔ حیرت ہے کہ جناب محمد اسحٰق خاں صاحب بی۔ اے علیگ نے بھی، جنہوں نے اس سلسلہ کی تصحیح کا بار اٹھایا اور سیّد صاحب نے ان کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا ہے، ان کی اس فاش غلطی اور ''علمی فرومائیگی'' کو رفع نہ کیا، ورنہ شاید ان کی ''ادبی اغلاط'' کا یہ ''بدترین نمونہ'' دیکھنے میں نہ آتا۔

''ہوش'' کا لفظ

سیّد حبیب نے قلم کے علاوہ ایک اور لفظ ''ہوش'' بھی پیش کیا اور لکھا ہے کہ:

''ایک اور موقعہ پر ''ہوش آئی'' کے الفاظ لکھ کر آپ نے اپنی ادبی اغلاط

1۔ یہ مضمون لکھا جا چکا تھا تو اخبار ''الفضل'' میں بھی سیّد حبیب کا جواب شائع ہونا شروع ہو گیا۔ اس میں اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے غالب مرحوم کا بھی ایک شعر نقل کیا گیا ہے ؎

ہے **قلم میری** ابر گوہر بار بزم کا التزام گر کیجئے

(مطالب الغالب شرح دیوانِ غالب اردو ص 392)

کا بدترین نمونہ پیش کیا ہے''۔

اس کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا۔ اور جب تک حوالہ نہ دیں، اس کے متعلق سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر ان کا یہ بیان صحیح ہے تو اسے ویسا ہی سہو کتابت سمجھنا چاہئے، جیسے سیّد صاحب کی تحریر میں جابجا پایا جاتا ہے(1)۔ کیونکہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے دوسری جگہ ''ہوش'' کا لفظ مذکر استعمال کیا ہے۔ جیسے فرمایا۔ع

''**ہوش اُڑ جائیں گے** انساں کے، پرندوں کے حواس'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

''درد'' کا استعمال

اپنے مضمون کی قسط ششم میں سیّد صاحب نے اس بات پر بھی اعتراض کیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ''درد'' کا لفظ مؤنث استعمال کیا ہے۔ یہ ان کی علمی فرمائیگی کی ''ایک اور بدترین مثال'' ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے اُردو علمِ ادب کی تعلیم کہاں حاصل کی کہ اس قسم کی ''پیش پا افتادہ'' علمی غلطیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں۔ کاش! انہوں نے مشہور شاعر جلال لکھنوی کا رسالہ ''تذکیر و تانیث'' دیکھ لیا ہوتا۔ جس کے صفحہ 29 پر صاف لکھا ہے ''درد مشترک ہے مگر مؤلف کے عندیہ میں **مؤنث** ہے''۔

کیا اب بھی سیّد صاحب کی ''علمی فرمائیگی'' دوسروں پر علمی اعتراضات کی جرأت کرے گی؟

حضرت مسیح موعودؑ ''سلطان القلم'' ہیں

اس موقعہ پر ایک اور امر کی طرف بھی سیّد صاحب کی توجہ کو منعطف کرنا ضروری معلوم

1۔ اخبار ''الفضل'' میں اس کو ماحول کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس کی تائید میں 10 اگست کے اخبار ''انقلاب'' کا یہ فقرہ نقل کیا گیا ہے۔ ''ہندوؤں کو بہت جلد ہوش آ جائے گی''۔

ہوتا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا کوئی دعویٰ فصیح و بلیغ اُردو لکھنے کا نہیں تھا۔ اور نہ ایسا دعویٰ ایک مامور کے لئے کوئی ضروری اور لابدی امر ہے۔ ہاں! وہ سلطان القلم ضرور تھے۔ یعنی قلم پر انہیں ایسی طاقت وقدرت حاصل تھی کہ مشکل سے مشکل مضامین پر ایسی سلاست اور روانی کے ساتھ لکھتے تھے کہ ان کا کلام خودبخود دِلوں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہی درحقیقت ان کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت تھا۔ بڑے بڑے معاندین آپ کی کتابوں کو عناد کی نظروں سے دیکھنے کے لئے بیٹھے اور محبت واثر اپنے دلوں میں لے کر اُٹھے۔ اس کُھلے اعجاز کو دیکھ کر مولویوں نے اعلانات کئے کہ مرزا کی تصنیفات نہ پڑھو۔ مرزا کے کلام کو نہ سنو کہ اس میں سحر ہے۔ کیا فصاحت و بلاغت کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟! کیا کلامِ بلیغ اس کو نہیں کہتے جو دلوں تک پہنچ جائے۔ اگر ایک آدھ لفظ کا استعمال غلط بھی ہو جائے (جس کا کوئی ثبوت سیّد صاحب نے پیش نہیں کیا) تو کون سے اندھیر کی بات ہے۔ کلام کے عام اسلوب اور اثر کو دیکھنا چاہیئے جو مسلّمہ طور پر بے نظیر ہے۔

مولانا عبداللہ العمادی کی رائے

لیکن باوجود اس کے سیّد صاحب فرماتے ہیں۔ ''مرزا صاحب کی تحریر مبتذل اور پیش پا افتادہ اغلاط سے پُر ہے''۔

اس کے بالمقابل مولانا عبداللہ العمادی جیسے بہترین انشاء پرداز کی رائے بھی سن لیجئے۔ جو آج کل حیدر آباد دکن کے صیغۂ تألیف وتراجم میں ایک بہت بڑے عہدہ پر فائز ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ کی وفات کے موقعہ پر وہ اخبار ''وکیل'' کے ایڈیٹر تھے۔ جہاں انہوں نے آپ کی وفات پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے حسب ذیل فقرات تحریر فرمائے ہیں:

''وہ شخص بہت بڑا شخص، جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو، وہ شخص جو دماغی

> عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور جس کی آواز حشر تھی، جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے۔ اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص، جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا، جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا، خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا‘‘۔

فرمائیں۔ جناب سیّد حبیب صاحب! کہ جس کا ’’قلم‘‘ سحر ہو، کیا اس کی تحریر ’’مبتذل اور نہایت معمولی اور پیش پا افتادہ اغلاط سے مملوٗ‘‘ ہوا کرتی ہے؟!

مرزا حیرت دہلوی مرحوم کا اعتراف

آیئے! ایک اور صاف اور کھلی رائے آپ کو سنائیں۔ مرزا حیرت مرحوم، جو دہلی کے ایک مشہور انشاء پرداز اور اخبار کرزن گزٹ کے ایڈیٹر تھے، لکھتے ہیں:

> ’’مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات، جو اُس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں، وہ بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا ...... اگرچہ مرحوم پنجابی تھا، مگر اس کے قلم میں اس قدر قوّت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے

دماغ میں بھرا رہتا تھا اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو نچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ مولوی نورالدین مرحوم کے طرز تحریر سے جو لوگ ناواقف ہیں، وہ تو اپنی غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کتابوں میں مولوی نورالدین نے بہت مدد دی ہے، مگر ہم اپنی ذاتی واقفیت سے کہتے ہیں کہ حکیم مولوی نورالدین، مرزا کے مقابلہ میں چند سطریں بھی اُردو کی نہیں لکھ سکتا۔ اگرچہ مرحوم کے اردو علمِ ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اس کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اردو علمِ ادب میں ترقی کرتے کرتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ سوائے خال خال مقام کے، ان کا اردو لٹریچر ستھرا اور پاک ہو گیا ہے۔ مرحوم نے اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم عربی علم ادب اور صرف ونحو کی کہیں حاصل نہیں کی، تو بھی اپنی خداداد ذہانت اور طبیعت کی جودت سے اتنی قابلیت عربی میں پیدا کر لی کہ وہ بے تکلف عربی لکھ لیتا تھا اور عربی بولنے میں اس کو ذراتأمل نہیں ہوتا تھا۔ مرزا صاحب نے جو نمایاں ترقی اپنی قوت بازو سے حاصل کی، اس کی نظیر ہندوستان میں بہت کم ملے گی''۔ (کرزن گزٹ دہلی مورخہ یکم جون 1908ء)

یہ ایک اہل زبان محقق کا فیصلہ ہے۔ جس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ:

(ا) حضرت مرزا صاحبؑ کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ سارے ہند میں بھی اس قوّت کا رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

(ب) پُر جذبہ اور قوی الفاظ کا انبار ان کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ

لکھنے بیٹھتے تھے تو جچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

(ج) ان کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں نرالا ہے۔

(د) سوائے خال خال مقام کے ان کا اُردو لٹریچر ستھرا اور پاک ہو گیا ہے۔

(ہ) بے تکلف عربی لکھ لیتے اور بولنے میں ذرا تأمل نہ ہوتا تھا۔

اس کھلے فیصلہ کے خلاف یہ کہنا، کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر ''مبتذل اور پیش پا افتادہ اغلاط سے پر ہے۔ اور من حیث الکل بھی ان کی تحریر نہ معجز نما ہے اور نہ پر زور۔ اور عربی اور فارسی تحریر میں بھی فاش غلطیاں ہیں''، سیّد حبیب جیسے ''ہیچمدان'' اور ''علمی فرو مائیگی'' رکھنے والے انسان ہی کا کام ہے۔ کیا سیّد صاحب بتا سکتے ہیں کہ مولانا عبداللہ العمادی اور مرزا حیرت دہلوی کے اس کھلے فیصلہ کے خلاف ان کے پاس کیا سند ہے کہ ان کے بیان کو صحیح سمجھا جائے؟

خواجہ غلام الثقلین کی رائے

اخبار ''الفضل'' میں اسی ضمن میں خواجہ غلام الثقلین کی رائے بھی نقل کی گئی ہے۔ جنہوں نے ماہ دسمبر 1913ء میں بمقام آگرہ آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کے ستائیسویں اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان لوگوں کی صف میں شمار کیا ہے، جن کو آج اُردو زبان میں بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً پروفیسر آزاد، مولانا حالی، سر سیّد احمد خاں، پنڈت رتن ناتھ سرشار، داغ، امیر جلال (دیکھو رپورٹ اجلاس مذکور صفحہ 76) اسی رپورٹ کے صفحہ 72 پر پنجاب کے انشاء پردازوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کو اُردو زبان کے اعلیٰ انشاء پردازوں میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی علمی بلند نظری تک سیّد حبیب کی ''علمی فرومائیگی'' کہاں پہنچ سکتی ہے!

کیا مامور شاعر نہیں ہوسکتا؟

نثر کے بعد سیّد حبیب صاحب نے اپنی دوسری دلیل میں حضرت مسیح موعودؑ کے منظوم کلام پر بھی حملہ کیا ہے۔ اور سب سے پہلے تو یہ اصول وضع کیا ہے کہ:

''میرا ایمان ہے کہ حضور شافع المذنبین کے دین کی تجدید کے لئے اگر کوئی مرسل آئے تو وہ جس طرح مجنون، کاہن، ساحر نہیں ہوسکتا، اسی طرح شاعر بھی نہیں ہوسکتا''۔

لیکن اس ''ایمان'' کو کیا کیا جائے جو واقعات وحقائق کے صریحاً خلاف ہو۔ کیا سیّد حبیب صاحب اپنے اس ایمان کو صحیح ثابت کرسکتے ہیں؟ قرآن کریم نے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہونے کی نفی کی ہے، وہاں شعر سے بے حقیقت تخیّلات پیش کرنے اور جھوٹی باتیں بنانا مراد ہے، شعر سے کلام موزوں مراد نہیں۔ ملاحظہ ہو ''مفرداتِ راغب''، جہاں صاف لکھا ہے:

وقوله حکایته عن الکفّار بل افتراه بل هو شاعر وقوله شاعر اومجنون...... لم یقصدوا هٰذا المقصد فیهم رموه به ذالک انه ظاهر من الکلام انه لیس علیٰ اسالیب الشعر و لایخفی ذالک علی الاغتام فضلًا عند بلغاء العرب و انّما رموه بالکذب فان الشعر یعبر به عن الکذب والشاعر الکاذب ...... قیل احسن الشعر اکذبه. (مفردات راغب صفحہ 262،263)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ کفّار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہتے ہیں ......تو اس سے ان کا مقصد کلام موزوں نہیں تھا۔ کیونکہ یہ تو

> قرآن کے کلام ہی سے ظاہر ہے کہ وہ شعر کی طرز پر نہیں۔ اور یہ امر ایک عام آدمی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا، چہ جائیکہ بلغاء عرب نثر و نظم میں تمیز نہ کر سکیں۔ حقیقت میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ کر آپؐ پر کذب کا الزام دیا تھا۔ کیونکہ شعر سے جھوٹ مراد لی جاتی ہے اور شاعر کاذب ہوتا ہے...... عربی ضرب المثل ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو۔

اب فرمایئے! سیّد صاحب کے اس ''ایمان کو'' کیا کیا جائے جو ایسے کھلے حقائق کے خلاف ہو۔ بالخصوص جہاں تک مجددین کا تعلق ہے، یہ اصولِ ایمان جناب سیّد صاحب ہی کی ایجاد ہے۔ جس کی تردید کے لئے گذشتہ تیرہ صدیوں کے واقعات وحقائق موجود ہیں۔ کیا حضرت سیّد عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے مجدّد نہ تھے؟ پھر یہ کیا ہے کہ ان کی کتابوں میں نثر کے ساتھ جابجا منظوم کلام بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی مثالیں ہم آگے چل کر بعض دیگر مباحث کے ضمن میں پیش کریں گے۔ ہاں! ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا جناب سیّد حبیب صاحب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو مجدد نہیں سمجھتے؟ اگر وہ مجدّد ہیں اور ہر شخص نے انہیں ساتویں صدی کا مجدّد تسلیم کیا ہے، تو پھر کیا فتوٰی ہے جناب کا اس بارہ میں، کہ وہ باوجود مجدد ہونے کے شعر بھی کہتے تھے اور ان کا اپنا ایک دیوان بھی موجود ہے۔ تعجب ہے کہ آپ کی ''علمی فرومائیگی'' یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ ایسے معمولی تاریخی حقائق کا بھی علم آپ کو نہیں۔ اور باوجود اس کے ایک بے دلیل دعوٰی کر کے اس پر اعتراضات کی عمارت کھڑی کرنی شروع کر دی!

حضرت مسیح موعودؑ کے منظوم کلام پر اعتراض

یہیں تک نہیں بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ:

> ’’ان کی (حضرت مرزا صاحبؑ کی) نثر کی طرح ان کی شاعری بھی نہایت مبتذل ہے۔خواہ وہ شاعری اُردو کی ہو یا فارسی کی، سارا کلام اس کا نمونہ ہے‘‘۔

قربان جائیں اس دعوٰی کے، جس کی کوئی دلیل یا مثال دینے کے بجائے سارے اُردو فارسی کلام کو ہی مبتذل قرار دے دیا گیا۔معلوم نہیں عربی کلام کا کیوں ذکر نہ فرمایا۔شائد اس لئے کہ وہاں سیّد صاحب کو ’’دم مارنے کی جرأت نہیں‘‘۔لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نثر کی طرح نظم پر بھی اعتراض کرنے میں ان کی ’’علمی فرومائیگی‘‘ جلوہ نما ہے۔تمام کلام میں سے کوئی ایک دو مثالیں ہی پیش کی ہوتیں۔کسی مثال کا پیش نہ کرنا، اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دعوٰی محض اِدھر اُدھر کی سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے، جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔

سیّد حبیب کی ’’مبتذل‘‘ شاعری

سب سے بڑھ کر حیرانی اس بات پر ہے کہ یہ دعوٰی اس شخص کی طرف سے ہوتا ہے جس کو خود سخن فہمی کا کوئی ذوق نہیں۔نام کو تو سیّد صاحب نے اپنا بھی شاعر ہونا بیان کیا ہے، لیکن اس کے ثبوت میں جو اشعار بطور نمونہ لکھے ہیں، دنیائے شاعری میں ان کی مثال شائد ہی مل سکے۔فرماتے ہیں ؎

بیکاری میں حبیبؔ کبھی شاعری کے لطف　　　لیتے ہیں خوب وقت کا ہرجانہ جان سمجھ کر

کیا خوب! ’’جان سمجھ کر‘‘ کا محاورہ اردو علم ادب میں شائد آپ ہی کی ایجاد ہے۔ اور ’’ہرجانہ‘‘ کا لفظ تو دہلی کی خالص ’’اُردو معلّٰی‘‘ ہے۔پھر کیوں نہ جناب سیّد صاحب حضرت مرزا صاحبؑ کے کلام کو ’’مبتذل‘‘ اور آپ کی اردو کو ’’کمزور اور پھس پھسی‘‘ قرار دیں۔ بھلا بتائیے تو سہی ع لیتے ہیں خوب وقت کا ہرجانہ جان سمجھ کر

اصناف نظم میں سے کس صنف و بحر میں آتا ہے۔ غالباً اس کے لئے سیّد صاحب کو ایک علیحدہ بحر تجویز کرنی پڑے گی۔ جو ''بیکاری'' ہی کی محتاج ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی غور طلب ہے کہ ''بیکاری'' میں ''شاعری کا لطف'' لینا، ''وقت کا ہرجانہ'' کیسے بن گیا۔ فی الحقیقت اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا اس سے بڑھ کر ''مبتذل'' طریق ذہن میں نہیں آ سکتا۔ اس سے بھی بڑھ کر آپ کا وہ کلام ہے جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے:

''تین نظمیں ایسی بھی تو قلم سے ٹپک پڑیں جو قابل تعریف تھیں ...... آخری نظم کے دو شعر یہ ہیں ۔

تا کہ ابّ خود نگوید کس ترا یارب ما   **لم یلد** اندر قرآن خود گفتی وصف خویش را

زانکہ از آلائش تولید ہستی پاک تو   **لم یولد** شانت شدہ مشہور مولا کو بکو

ان اشعار کو پڑھ کر جناب سیّد صاحب کے وطن مالوف خاک پاک گجرات کے ایک نامی شاعر ''مام دینا'' کا اسم گرامی یاد آ گیا۔ جن کی ''بانگ دہل'' علامہ اقبال کی ''بانگ درا'' کو مات کر رہی ہے۔ اور ''انقلاب'' کے ''پیرافکار شاہ'' کئی مرتبہ اس کی دادِ سخن بھی دے چکے ہیں غالباً جناب حبیب نے انہی کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا ہے کہ اس قسم کی '' قابل تعریف''، نظمیں ان کے قلم سے بھی ''ٹپک پڑیں''، جن کی بندشِ اشعار ماشاء اللہ ایسی چست ہے کہ مولانا گرامی مرحوم کی روح بھی قبر میں تڑپ اٹھی ہوگی۔

ایک لطیفہ

سیّد صاحب کے ان ''داد طلب'' اشعار کو پڑھ کر ہمیں ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک صاحب کو شعر و سخن کا بڑا دعوٰی تھا۔ یارانِ طریقت بھی ان کی تعلّیوں سے واقف تھے۔ ایک

روز ایک جدید دوست سے تعارف کراتے ہوئے یاروں نے اپنے متعلی دوست کو آگے دھر لیا۔ اوران کی شاعری کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ یہاں تک کہ ملاقاتی کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا ہی لئے کہ حضرت ہمیں بھی کوئی شعر سنا یئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جناب متعلی ان الفاظ کے منتظر ہی تھے۔ فوراً بول اُٹھے کہ یہ ''ہیچمدان'' اردو کے محدود میدان میں کبھی تسکینِ جولانی نہیں پاتا۔ البتہ فارسی میں، جو شاعری کے لئے بہت ہی ہموار میدان ہے، جولانی طبع دکھاتا ہے۔ چنانچہ فی البدیہہ شعر عرض کرتا ہوں ع

''زمشرق شد طلوع خورشید چوں طاس''

یہ مصرعہ فرمانے کے بعد آپ نے ایک ایسی طویل خاموشی اختیار کی جیسی ہمارے سیّد حبیب صاحب نے اس سفر کی طوالت میں خاموشی اختیار کی تھی، جس میں ''تحریک قادیان'' جیسے اہم اور مسلسل موضوع پر قلم اُٹھانے کی انہیں فرصت نہ ملی تھی۔ یارانِ محفل بھی انتظار کرتے کرتے تنگ آ گئے۔ بالآخر اس مہرِ خاموشی کو اس جدید دوست نے یہ کہہ کر توڑا کہ حضرت! آپ نے فی البدیہہ شعر کا وعدہ فرمایا تھا اور ابھی تک ایک مصرعہ ہی کانوں میں گونج گونج کر سمع نوازی کر رہا ہے۔ دوسرا مصرعہ سننے کے لئے طبیعت بیتاب اور کان منتظر ہیں۔ متعلی صاحب نے جواب دیا کہ دوسرا مصرعہ اتفاق سے عربی میں موزون ہو گیا ہے۔ وھو ھذا ع

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ. مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ''.

ظاہر ہے کہ اس مصرعہ کو سننے کے بعد کون کور ذوق ہو گا جس نے داد نہ دی ہو گی۔ لیکن جدید دوست کچھ ایسا شوخ طبع تھا کہ انہوں نے اس فی البدیہہ گنگا جمنی شعر پر یہ اعتراض

کرہی دیا کہ حضرت مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ نے کیا قصور کیا۔ متعلی صاحب بھلا چوکنے والے کب تھے۔ ہاتھ کے ہاتھ اس اعتراض کا جواب بھی دے ڈالا۔ اور انتہائی متانت وسنجیدگی سے فرمانے لگے کہ جناب شعر میں وزن کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ غالبًا اسی قسم کا لحاظ سیّد حبیب صاحب نے بھی اپنے مذکورہ اشعار میں مدنظر رکھا ہے۔ بالخصوص اب اور رب کو ایک ہی مصرعہ میں نہایت برمحل اور باموقعہ مشدّد فرما کر اس شعر کی پوری تائید کردی ہے ؎

چو در شعر تشدید ضرّرت افتد تشدید در شعر چرّا نباشد

حیف ہے۔ اگر ''پیرا فکار شاہ'' اس کی داد نہ دیں اور علامہ اقبال اس پر تقریظ نہ لکھیں۔ یہ ہے وہ سخن گوئی اور سخن فہمی، جس کی بناء پر جناب سیّد حبیب صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کو مبتذل قرار دے رہے ہیں۔ جس شخص کو اتنا پتہ نہیں کہ اشعار میں وزن کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے، وہ شعر گوئی اور سخن فہمی کا اہل ہی کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام پر اس کے اعتراضات کو قابلِ وقعت سمجھا جا سکے۔

پانچواں باب

فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کا مقام اور حضرت مسیح موعودؑ(1)

سیّد حبیب کی تیسری دلیل

قسط پنجم میں سیّد صاحب نے احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کی تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ:

> ''جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی سب سے بڑی خوبی سادگی ہے۔ حضوؐر کا دعوٰی ہے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول اور نبی ہیں اور اس کے بندے ہیں اور بس۔ ان کے دعوٰی میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔ برعکس اس کے مرزا صاحب کے دعاوی کی کثرت، ندرت اور ان کے تنوّع کا یہ حال ہے کہ انسان ان کی فہرست دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے''۔

رنگِ انبیاءؑ

اگر غور کر کے دیکھا جائے تو سیّد صاحب کی یہ پریشانی بھی درحقیقت اسی ''علمی فرومائیگی'' کا نتیجہ ہے جس کا اعتراف وہ اس سے پیشتر کر چکے ہیں، ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کے ان الہامات وکشوف کو، جنہیں آپ کے دعاوی کی کثرت، ندرت اور تنوّع کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے، کوئی صاحب علم انسان حقیقت پر محمول نہیں کر سکتا۔ مثلاً آپ کے یہ اشعار سیّد صاحب نے نقل کئے ہیں۔

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ اخبار پیغام صلح 27 اگست 1933ء

منم مسیحِ زمان ومنم کلیم خدا منم محمدؐ واحمدؐ کہ مجتبیٰ باشد(1)

میں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں، نسلیں ہیں میری بے شمار

کون عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے ان اشعار میں حقیقی محمدؐ واحمدؐ اور حقیقی آدمؑ، حقیقی موسیٰؑ، حقیقی یعقوبؑ اور حقیقی ابراہیمؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر سیّد صاحب نے حضرت مرزا صاحبؑ کی کتابوں کو پڑھا ہوتا یا سابق اولیاء اللہؒ کے ملفوظات پر ان کی نظر ہوتی، تو ان اشعار کو وہ محل اعتراض بنانے یا شاعرانہ تخیل یا تعلّی قرار دینے سے احتراز کرتے۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے خود لکھا ہے:

''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امّت وایشاں رارنگ انبیاءؑ دادہ مے شود۔ وایشاں درحقیقت انبیاء نیستند''۔ (مواہب الرحمٰن ص66)

پس یہ رنگ انبیاء ہے جو ایک خدا رسیّدہ انسان کو آدم، موسیٰ، یعقوب، ابراہیم اور محمد واحمد علیہم الصلوٰۃ والسلام بناتا ہے۔

اولیاء اللہؒ پر انبیاءؑ کے نام

اس میں حضرت مرزا صاحبؑ ہی کی خصوصیت نہیں۔ اُمّت مرحومہ میں خدا جانے کس قدر اولیاء اللہؒ ایسے گزر چکے ہیں جنہوں نے اس رنگِ انبیاءؑ کو حاصل کر کے انبیاءؑ کے ناموں سے اپنے آپ کو پکارا۔ کیا کہیں گے سیّد صاحب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو، جنہوں نے اسی رنگ انبیاءؑ میں رنگین ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ابراہیم، موسیٰ، محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام

1۔ ترجمہ: مَیں ہی مسیح وقت ہوں اور میں ہی کلیم خدا ہوں۔ مَیں ہی وہ محمد واحمد ہوں جو مجتبیٰ ہے۔

قرار دیا۔ کیا فرمائیں گے آپ حضرت سیّد عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو جنہوں نے فنا فی الرسول کے مرتبہ پر پہنچ کر اِنَّمَا کُنۡتُ مُحَمَّدًا کا اعلان کیا۔ کیا فتوٰی دیں گے آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ پر جنہوں نے کھلے طور پر اعلان کیا ہے ؎

دمبدم روح القدس اندر معینی مے دمد　　　من نمے گویم مگر من عیسٰی ثانی شدم

کیا اسے ’’شاعرانہ تخیل یا تعلّی‘‘ قرار دیا جائے یا حقیقت پر محمول کیا جائے؟ ذرا خدا کا خوف کر کے اس پر غور کیجئے۔ اور ایک اور ولی اللہ حافظ شاہ نیاز احمدؒ کا یہ شعر بھی پڑھ لیجئے ؎

احمد ہاشمی منم، عیسٰی مریمی منم　　　نہ منم منم نہ من منم نہ منم منم

یا تو آپ صاف طور پر یہ کہئے کہ ان سب بزرگوں کے یہ کلمات خلاف خدا اور رسولؐ ہیں۔ اور اس صورت میں بے شک حضرت مرزا صاحبؑ کے متعلق بھی جو جی چاہے کہہ لیجئے۔ ان پاک انسانوں کی معیّت میں ہمیں بھی کافر کہلانے سے دریغ نہیں۔ لیکن اگر آپ ان کو ان تمام اقوال کے باوجود مسلمان، نیک، راستباز، ولی، غوث اور قطب قرار دیتے ہیں تو حضرت مرزا صاحبؑ کے نام سے آپ کو کیوں چڑ ہے؟ کیوں ان کے ویسے ہی کلمات آپ کے لئے ’’پریشانی‘‘ کا موجب ہو جاتے ہیں۔

کمالِ متابعت کا نتیجہ

کاش! آپ اس بات کو سمجھ سکتے کہ جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر بالکل آگ بن جاتا ہے، حالانکہ درحقیقت وہ لوہا ہی ہوتا ہے، بعینہٖ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ کمال متابعت رسولؐ کی وجہ سے فنا فی الرسول ہو جاتے اور باوجود ایک الگ ہستی رکھنے کے محمد و احمد بھی اپنے آپ کو کہنے لگتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر شیخ شبلیؒ نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ شِبۡلِیُّ

رَّسُوْلُ اللّٰہِ کاکلمہ ایک مرید سے پڑھوایا (تذکرہ غوثیہ ص291)

نہیں، بلکہ یہاں تک کہ ان کے متعلق لکھا ہے کہ **قال شبلی لتلمیذہٖ اتشھد انّی محمد رسول اللّٰہ فوافقہ تلمیذہٖ.** یعنی شیخ شبلیؒ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ کیا تو شہادت دیتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں تو اس شاگرد نے شہادت دی (سیف ربانی ص 100) کیا حضرت مرزا صاحبؑ نے بھی کبھی کسی سے ایسا کلمہ پڑھوایا۔ باوجود اس کے آپ کا محض اس بات سے ''پریشان'' ہونا، کہ انہوں نے اپنے آپ کو محمد و احمد کہا، سوائے اس کے کہ ''علمی فرومائیگی'' کا نتیجہ قرار دیا جائے، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

دعوٰی الوہیّت کا الزام

لیکن اس ضمن میں سب سے زیادہ دلچسپ بحث وہ ہے جو سیّد صاحب نے ''اللہ تعالیٰ ہونے کا دعوٰی'' کے عنوان سے کی ہے۔ یعنی ان کا بیان ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے خود خدا ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں اُن کے اس خواب کا حوالہ دیا ہے جو ''آئینہ کمالات اسلام'' صفحہ 564و565 پر مندرج ہے۔ ہمیں پھر افسوس کے ساتھ اس بات کو دوہرانا پڑتا ہے کہ شاہ صاحب نے محض مخالفین ہی کی کتابوں پر اپنا سارا دارومدار رکھا اور حضرت مرزا صاحب کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہوئے کبھی اس بات کی تحقیق نہ کی کہ صداقت اور اصلیّت ان میں کہاں تک پائی جاتی ہے۔ یا جو استدلال ان سے کیا گیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے۔

کوئی مرید دعوٰی الوہیّت کا قائل نہیں

یہ کس قدر حیرتناک امر ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ الوہیّت کا دعوٰی کریں اور ان کے مریدین میں سے ایک بھی ایسا پیدا نہ ہو جو ان کو خدا مانتا ہو، بلکہ کسی کے وہم وگمان میں بھی

نہ ہو کہ انہوں نے ایسا دعوٰی کیا تھا۔ اگر انہوں نے کوئی ایسا دعوٰی کیا ہوتا یا نبوّت کی طرح کوئی شائبہ بھی اس بات کا پایا جاتا کہ شائد ایسا دعوٰی انہوں نے کیا ہو تو جس طرح انہیں نبی بنانے کے لئے ایک گروہ کا گروہ کھڑا ہو گیا، کوئی ایک آدھ ہی مرید ایسا پیدا ہو جاتا جو ان کی خدائی کا بھی قائل ہوتا۔ تعجب ہے ان لوگوں پر، جو اس بات کو دیکھتے ہوئے، کہ مریدین مرزا صاحبؑ میں سے کوئی ایک بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے یہ دعوٰی ان کی طرف منسوب کیا ہو بلکہ سب کے سب بلا استثناء انہیں خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سمجھتے اور اس کی تلقین دنیا کو کرتے ہیں، پھر بھی احمدیّت کو اس وجہ سے نا قابل قبول قرار دیا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ نے اللہ تعالیٰ ہونے کا دعوٰی کیا۔

خواب کو حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا

جس خواب پر سیّد صاحب نے اپنے استدلال کی بناء رکھی ہے، میں حیران ہوں کہ اس کے ابتدائی الفاظ ہی کو پڑھ کر کیوں انہیں سمجھ نہ آ گئی کہ یہ کوئی دعوٰی نہیں بلکہ ایک تعبیر طلب خواب ہے۔ صاف لکھا ہے ''**رایتنی فی المنام**''۔ اور اس کا ترجمہ خود شاہ صاحب نے یہی کیا ہے کہ ''میں نے نیند میں خود کو ہو بہو اللہ دیکھا''۔ کیا نیند کی حالت میں جو کچھ دیکھا جائے، بعینہٖ وہی ہوا کرتا ہے؟! مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے ایک رؤیا دیکھا کہ تمام انسان، حیوان، چرند، پرند اس کے ساتھ مجامعت کر رہے ہیں۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ فی الواقعہ ملکہ زبیدہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں بلکہ اس کی تعبیر وہ نہر ہے جو نہر زبیدہ کے نام سے مکہ میں بہتی ہے۔ ایک اور رؤیا سن لیجئے۔ امام ابن سیرینؒ کی ''منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام'' میں ہے:

> **''وحکی انّ رجلا رای فی منامہ کانّہ بال فی المحراب فسأل معبرا فقال یولد لک غلامًا یصیر اماما یقتدی بہٖ''**

یعنی حکایت ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ محراب میں پیشاب کررہا ہے۔ ایک معبر سے اس نے پوچھا۔اس نے کہا تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو امام ہوگا۔ اوراس کی اقتداء کی جائے گی (منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام برحاشیہ تعطیر الانام فی تعبیر المنام ص 40)

یہ تعبیر سیّد حبیب کے نزدیک تو غالباً صحیح نہ ہوگی۔اسے کہنا چاہئے تھا۔ بھلے آدمی! یہ تو نے اتنا بُرا کام کیوں کیا؟! محراب کے اندر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔توبہ کرو، ورنہ تم کافر قرار دیئے جاؤ گے۔ کیوں سیّد صاحب! یہ صحیح ہے یا وہ تعبیر جو معبر نے اسے بتائی۔ان دونوں باتوں سے قطع نظر قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب ہی پڑھ لیجئے:

یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ. (یوسف 4:12)

یعنی ’’اے میرے باپ! میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کررہے ہیں‘‘۔

کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی خدائی کا دعوٰی کیا تھا کہ خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا؟ کیا فی الواقعہ سورج اور چاند اور ستارے آپ کے آگے سربسجود ہوئے تھے؟

مخالفین احمدیّت کی ’’علمی فرومائیگی‘‘

حیرت ہے کہ آج احمدیّت کے مخالفین کی ’’علمی فرومائیگی‘‘ یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان کھلی مثالوں کے باوجود رؤیا اور کشوف کو بھی حقیقت پر محمول کرنے لگ گئے ہیں۔ہم ان کی اس کوتاہ فہمی کو دیانتداری پر مبنی سمجھتے، اگر ان کا یہ طریق سب جگہ ایک جیسا ہوتا۔لیکن نہیں، اگر

کوئی دوسرا شخص ان سے آکر کہے کہ میں نے خواب میں فلاں بات دیکھی ہے۔ اگر وہ خود نیند کی حالت میں کوئی چیز دیکھیں تو فوراً انہیں سمجھ آجاتا ہے کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ اس کے کوئی اور معنی ہیں، لیکن اگر حضرت مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ ''میں نے نیند میں'' ایسا دیکھا تو اُسے خواہ مخواہ ہی حقیقت پر محمول کر کے ان کا دعوٰی قرار دے دیں گے۔

خواب میں ''اللہ تعالیٰ'' بن جانے کی تعبیر

یہ کہنا، کہ نیند کی حالت میں بھی اپنے آپ کو ہو بہو اللہ دیکھنا دعوٰی الوہیت پر منتج ہے، اپنی ''علمی فرمائیگی'' کا ایک اور ثبوت دینا ہے۔ نیند میں انسان کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے، وہ تصرّفِ الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور اس کے کوئی معنی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے خواب کے معنی کچھ اور نکلے۔ پھر کتب تعبیر کو اٹھا کر دیکھئے۔ ''تعطیر الانام فی تعبیر المنام'' میں، جو تعبیر خواب کی بہترین کتاب ہے، صاف لکھا ہے کہ:

من رای فی المنام انّہ صار سبحانہ تعالٰی فسوف یھدی الٰی صراط المستقیم.

یعنی جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہو گیا، اس کو جلد ہدایت کی منزل مقصود پر پہنچا دیا جائے گا۔ سن لیا آپ نے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ معبرین کے نزدیک خواب میں کوئی شخص ''اللہ'' بھی بن سکتا ہے اور اس سے دعوٰی الوہیّت مراد نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے ہدایت کی منزل مقصود پر پہنچنے کی خوشخبری ہوتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے خواب کے آپ یہی معنی لینے کے لئے کیوں تیار نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس خواب کے کیا معنی کئے

اگر یہ خیال ہو کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے خود اس کی بنا پر دعوٰی الوہیّت کیا ہے، تو

یہ بالبداہت غلط ہے۔ بلکہ اس کے خلاف انہوں نے اس خواب کونقل کر کے صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ:

وما نعنی بھٰذہ الواقعة کما یعنی فی کتب اصحاب وحدة الوجود ومانعنی بذالک ماھومذھب الحلولییّن بل ھٰذہ الواقعة توافق حدیث النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعنی بذالک الحدیث البخاری فی بیان مرتبہ قرب النوافل لعباد اللّٰہ الصالحین. (آئینہ کمالات اسلام ص566)

یعنی میں اس خواب سے وہ معنی نہیں لیتا جو وحدت وجود والوں کی کتابوں میں لکھے ہیں اور نہ ہی، ہم وہ معنی لیتے ہیں جوحلولیوں کے مذہب میں لئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس واقعہ کا وہی مطلب ہے جو حدیث نبویؐ کا مطلب ہے۔یعنی بخاری کی اس حدیث کا، جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے قرب نوافل کے بیان میں مروی ہے۔اورجس میں بتایا گیا ہے کہ میں اپنے صالح بندوں کے ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔

زمین آسمان پیدا کرنے کی تعبیر

پھراسی ضمن میں زمین وآسمان بنانے کا ذکرکرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان ھٰذاالخلق الّذی رایتہ اشارة الٰی تائیدات سماویة وارضیة

یعنی یہ زمین وآسمان کو پیدا کرنا جو میں نے دیکھا ہے، اس سے سماوی و ارضی تائیدات کی طرف اشارہ ہے۔ایسا ہی اپنی کتاب ’’چشمہ مسیحی‘‘ (مطبوعہ 1906ء)صفحہ 35 کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

’’ایک دفعہ کشفی رنگ میں مَیں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا۔اور پھر

مَیں نے کہا کہ آ ؤ۔ اب انسان پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو۔ اب اس شخص نے خدائی کا دعوٰی کیا ہے۔ حالانکہ اس کشف سے مطلب یہ تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گا''۔

عیسائیت پر اتمام حجت

ایک اور حوالہ سن لیجئے۔ اسی کشف کو کتاب ''البریہ'' میں نقل کرنے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ لکھتے ہیں:

''اب حضرات پادری صاحبان سوچیں اور غور کریں اور ان الہامات کو یسوع مسیح کے الہامات سے مقابلہ کریں اور پھر انصاف سے گواہی دیں کہ یسوع کے وہ الہامات، جن سے وہ اس کی خدائی نکالتے ہیں، ان الہامات سے بڑھ کر ہیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر کسی کی خدائی ایسے الہامات اور کلمات سے نکل سکتی ہے، تو ان میرے الہامات سے نعوذ باللہ میری خدائی یسوع کی نسبت بدرجہ اولٰی ثابت ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر ہمارے سیّد ومولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ آپؐ کی وحی میں صرف یہی نہیں کہ جس نے تجھ سے بیعت کی، اس نے خدا سے بیعت کی۔ اور نہ صرف یہ کہ خدا تعالٰی نے آپؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے بلکہ آپؐ کے ہر ایک فعل کو اپنا فعل قرار دیا''۔ (کتاب البریہ ص 79)

دعوٰی الوہیت سے تبرّا

غور طلب امر ہے حضرت مرزا صاحبؑ بار بار دعوٰی الوہیّت سے اپنی بریّت ظاہر

کرتے ہیں۔اوراس خواب کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جو دعوٰی الوہیّت کے خلاف ہے۔آسمان اور زمین کی پیدائش سے سماوی اور ارضی تائیدات اور خاص تبدیلی مراد لیتے ہیں۔ اور پادریوں کے بالمقابل اسے پیش کرتے ہوئے ان پر اتمام حجت کرتے اور ''**نعوذ باللہ میری خدائی**'' کے الفاظ میں کھلے طور پر دعوٰی الوہیت سے تبرأ فرماتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو اس سے بڑھ کر بتاتے ہیں۔لیکن پھر بھی سیّد حبیب صاحب اور دیگر مخالفین اس خواب کو ایک تعبیر طلب خواب نہیں بلکہ دعوٰی الوہیّت ہی قرار دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ کے دعاوی کی کثرت، ندرت اور تنوّع

اگر یہ دعوٰی الوہیّت ہے تو کیا کہیں گے سیّد صاحب ان اولیائے امت کو، جنہوں نے کسی خواب یا کشف وغیرہ کا تو نام تک نہیں لیا اور حضرت مرزا صاحبؑ سے بہت بڑھ کر ایسے الفاظ ان کے مونہہ سے نکلے ہیں، جو کھلے طور پر ان کے دعوٰی الوہیّت کو ظاہر کرتے ہیں۔سیّد صاحب کو ایک منصورؒ ہی کی مثال معلوم ہے جس کو ظاہر پرستوں نے دار پر چڑھایا۔انہیں کیا معلوم کہ اس اُمّت میں ''من خدائم من خدائم من خدا'' کہنے والے بھی ہو گزرے ہیں۔

بایزید بُسطامیؒ کے کلمات

کاش! انہوں نے ''تذکرۃ الاولیاء'' ہی کو مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ایک نہیں، دو نہیں، بیسیوں ایسے بزرگ ولی اللہ ہوئے ہیں جنہوں نے بڑے زور سے **اَنَاالْحَقُّ** کا نعرہ بلند کیا۔حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ''تذکرۃ اولیاء'' میں منقول ہے۔

لِوَائِیْ اَعْظَمُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ

''میرا نشان محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشان سے اونچا ہے''۔ **وَسُبْحَانِیْ**

مَآ اَعْظَمُ شَأنِیْ ''اور میں عیبوں سے منزہ ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے''۔(تذکرۃ الاولیاء فارسی ص147) پھر فرماتے ہیں:

''میری صفتیں غیب کے اندر غیب ہیں۔ پس جو ایسا ہو, وہ کیونکر کوئی شخص ہو سکتا ہے، بلکہ وہ زبان حق ہوتا ہے اور بولنے والا خود حق ہوتا ہے۔**بی ینطق وبی یسمع وبی یبصر**. اس واسطے خدا بایزید کی زبان پر گفتگو کرتا ہے''۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا کلام

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی۔ میری ارادت کا سلسلہ بغیر از کسی واسطہ کے اللہ (تعالیٰ) سے متصل اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے۔ سبحانہٗ پس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور اس کا پیر بھائی بھی ہوں''۔(مکتوبات مجدّد الف ثانیؒ جلد سوم مکتوب 87)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا دعوٰی اَنَا الْحَقُّ

اس سے بھی بڑھ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ منظوم کلام ہے جس میں انہوں نے اَنَا الْحَقُّ کا دعوٰی کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

من نمی گویم **اناالحق** یار مے گوید بگو چوں نگویم چوں مرا دلدار مے گوید بگو

آنچہ نتواں گفت اندر صومعۂ بازاہداں بے تحاشا بر سرِ بازار مے گوید بگو

گفت مش رازے کہ دارم با کہ گویم در جہاں نیست محرم با در و دیوار مے گوید بگو

آتشِ عشق از درخت جان من برزد علم　　ہر چہ باموسیٰ بگفت آں یار مے گوید بگو

اے صبا گر پرسدت کز ما چہ مے گوید معین　　ایں دوئی را از میاں بر دار مے گوید بگو

(دیوان معین الدین چشتیؒ ص55)

اب کیا حضرت خواجہ معین الدین علیہ الرحمۃ کو بھی سیّد صاحب لائقِ دار قرار دیں گے؟

حضرت غوث الاعظمؒ کے الہامی قصائد

اور سن لیجئے۔ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک الہامی قصیدہ ہے۔ جس میں فرماتے ہیں:

انا الواحد الفرد الکبیر بذاتہٖ　　انا الواصف الموصوف علم طریقتی

ترجمہ: میں ہی وہ واحد اور فرد کبیر بذات خود ہوں۔ میں ہی واصف اور میں ہی موصوف اور اپنے طریقہ کا نشان ہوں۔

ملکت بلاد اللّٰہ مشرقًا ومغربًا　　وان شئت لا فنیت الانام بلحظتی

ترجمہ: خدا کے مشرقی اور مغربی ممالک کا میں ہی مالک ہوں۔ اور اگر میں چاہوں تو تمام لوگوں کو ایک لحظہ میں فنا کردوں۔

وشاھدت مافوق السمٰوات کلّھا　　کذا العرش والکرسی فی طی قبضتی

ترجمہ: اور میں نے دیکھ لیا سب کچھ جو کہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ اسی طرح عرش و کرسی میری مٹھی میں لپٹے ہوئے ہے۔

وکلّ بلاد اللّٰہ ملکی حقیقۃ　　واقطابھا من تحت حکم اطاعتی

ترجمہ: اور خدا کے ملک درحقیقت میری ملکیّت ہیں۔ اور ان کے اقطاب میرے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

(ملاحظہ ہو بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار مصنفہ شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر الحمیٰ شنطونی شافعی صفحہ 223 حاشیہ)

ایک اور موقعہ پر حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں:

انا کنت مع نوح باعلٰی سفینة بحارًا وطوفاناً علٰی کف قدرتی

ترجمہ: میں ہی تھا نوحؑ کے ساتھ بڑی کشتی میں۔ سمندر اور طوفان میری کفِ قدرت پر تھے۔

وکنت مع ابراھیم ملقی بناره وما بردالنیران الا بدعوتی

ترجمہ: اور میں ہی ابراہیمؑ کے ساتھ آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اور آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی مگر میری دعا سے۔

وکنت مع اسمعیل فی الذبح شاھداً ولیس النزول الکبش الابفدیتی

ترجمہ: اور اسمعیلؑ کے ذبح کے وقت میں اس کے ساتھ حاضر تھا۔ اور مینڈھا نازل نہیں ہوا تھا مگر میرے فدیہ کے لئے۔

وکنت مع یعقوب فی عشو عینه وما برات عیناه الا بلفتتی

ترجمہ: اور میں ہی تھا یعقوبؑ کے ساتھ اس کی کم نظری میں۔ اور نہیں اچھی ہوئی تھیں اس کی آنکھیں مگر میری تھوڑی التفات سے۔

وکنت مع موسٰی فی مناجات ربه وموسٰی عصاه من عصائی استمد تی

ترجمہ: اور میں ہی تھا موسٰیؑ کے ساتھ جبکہ وہ اپنے رب کی مناجات کرتا تھا۔ اور موسٰی کا عصا میری امداد ہی کا عصا تھا۔

وکنت مع ایوب فی زمن البلاء وما برات بلواه الّا بدعوتی

ترجمہ: اور میں ہی تھا ایوبؑ کے ساتھ اس کی مصیبت کے زمانہ میں۔ اور دور نہیں ہوئی تھی اس کی تکلیف مگر میری پکار سے۔

وکنت مع عیسٰی فی المهد ناطقاً واٰتیت داؤد حلاوت نغمتی

ترجمہ: اور میں ہی تھا عیسٰیؑ کے گہوارہ میں بولنے والا۔ اور میں نے ہی داؤدؑ کو اپنی خوش الحانی عطا کی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلماتِ طیبات

اسی قسم کا کلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی اپنی نسبت لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مبرم درداد ندکہ ایں تقریر را بمردم برساں کہ ایں فقیر السنہ مشتے دارد بیک لسان ولی اللہ بن عبدالرحیم است وبدیگرے انسان است وبدیگرے نامی وبدیگرے جسم وبدیگرے جوہر بلسان آخراست وباعتبار انسان ہم حجرم وہم شجرم ہم فرس ہم فیل ہم غنم تعلیم اسماء مرآدم رامن بودم وآنچہ برنوح طوفان شدوسبب نصرت اوشدمن بودم وآنچہ برابراہیم گلزار گشت من بودم توریت موسٰی من بودم احیائے عیسٰی من بودم۔ قرآن مصطفٰی من بودم **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ** (کرزن گزٹ 15 اکتوبر 1902ء)

کیا ان سب کو خدائی کے مدّعی قرار دیا جائے گا؟!

غرض اسی قسم کے بے شمار کلمات اولیاء اللہ کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اگر حضرت مرزا صاحبؑ کا ایک خواب ان کے دعوٰی الوہیّت کو ثابت کرتا ہے، تو کیا حضرت بایزید بسطامیؒ کا ''**سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمُ شَّانِیْ**'' کہنا، حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا اپنے ہاتھ کو اللہ تعالٰی کے ہاتھ کا قائمقام قرار دینا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ''**اَنَا الْحَقُّ**'' پکارنا۔ ضرت سیّد عبدالقادر گیلانیؒ کا ''**انا الواحد الفرد الکبیر بذاتہٖ**'' کا اعلان کرنا اور عرش و کرسی کو اپنے قبضۂ قدرت میں بتانا، انبیاءؑ کے مصائب کے وقت ان کے ساتھ ہونے کا دعوٰی کرنا، اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک ہی وقت میں نوحؑ کا طوفان، ابراہیمؑ کا گلزار، موسٰیؑ کی توریت، عیسٰیؑ کا احیائے موتیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن بن جانا، ان کے دعوٰی الوہیّت کو بدرجہ اولٰی ثابت نہیں کرتا؟ کیا حضرت مرزا صاحبؑ کے دعاوی کی ''کثرت، ندرت اور تنوّع'' سے ان تمام اولیاء اللہ کے دعاوی کی ''کثرت، ندرت اور تنوّع'' کچھ کم ہے؟ بالخصوص جبکہ مرزا صاحبؑ کی طرف، جو بات منسوب کی جاتی ہے، اس

سے انہوں نے کھلے طور پر اپنی بریّت ظاہر کی ہے جبکہ ان اولیاء اللہ کے کلمات میں کوئی ایسی بریّت کا اظہار بھی نہیں ؟!

اُمّتِ محمدؐیہ کا فخر

فی الحقیقت یہ کوئی ایسی باتیں نہیں جن کی بناء پر کسی کو مدعی الوہیّت قرار دیا جائے۔ یہ فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کے مراتب ہیں جو ایسے اقوال کو مونہہ سے نکلواتے ہیں۔ اور یہ اُمّت محمدؐیہ کا فخر ہے کہ اس کے اولیا اور ابدال و اقطاب اگرچہ نبی نہیں لیکن ان مراتب کو حاصل کر سکتے ہیں جو انبیاءؑ نے حاصل کئے۔ ان انعامات کو پا سکتے ہیں جو انبیاءؑ کو ملے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا. (النسآء 4:69)

’’اور جو اللہ (تعالیٰ) اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو یہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی) نبیوںؑ اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں (کے ساتھ) اور یہ اچھے ساتھی ہیں‘‘۔

کیا نبیوںؑ اور صدیقوں وغیرہ کے ساتھ ہونے والے ان کے انعام کو بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر اس معیت کا کیا فائدہ ہے۔ کیا اس امّت میں صدیق، شہید اور صالح بھی نہیں ہوئے۔ اگر وہ ہوئے ہیں تو وہ کونسا انعام ہے جو ان پر ہوا؟ وہ یہی مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور فنا فی اللہ کے مرتبہ پر پہنچنے کا انعام ہے۔ اور یہ انعام اس اُمّت میں اس قدر عام ہے کہ بیشتر اولیاء اللہ اس انعام کو پا کر صدیق اور شہید بن

گئے ۔ وہ مجذوب اور شریعت کی حدود سے آزاد نہیں تھے ۔جیسا کہ سیّد حبیب صاحب کا خیال ہے ۔ بلکہ پرلے درجہ کے متشرّع اور متدیّن لوگ تھے ۔شریعت پر پورے طور پر عامل تھے ۔ ہاں !اس میں شک نہیں کہ ان کے زمانہ میں بھی جاہل مولویوں نے ان پر کفر کے فتوے لگائے اور طرح طرح کی اذیتیں انہیں پہنچائیں اور یہی آج حضرت مرزا صاحبؑ کے ساتھ کیا جا رہا ہے ۔

چھٹا باب

حضرت مسیح موعودؑ پر دعوٰی ابنیّت کا الزام(1)

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ پر اعتراض

دوسرا دعوٰی جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سیّد حبیب صاحب نے منسوب کیا ہے، وہ ''اللہ تعالیٰ کا فرزند ہونے کا دعوٰی'' ہے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ کے الہامات اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ کو پیش کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> ''اب ناظرین کرام خود انصاف کریں کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (الاخلاص 112:1-3) پر ایمان رکھنے والا مسلمان ان دعاوی کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔ مسیحی بھی تو یہی کہتے ہیں کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا یوں نہیں ہے جیسے کہ ہم انسان اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ وہ خدا کے بیٹے اور اس کی اولاد کی جگہ ہے۔ معاذ اللہ''

مسئلہ ابنیّتِ مسیحؑ اور سیّد حبیب

سوال یہ ہے کہ سیّد صاحب نے مسیحی علم کلام کب اور کہاں پڑھا تھا کہ ان کے عقیدہ ابنیّت مسیحؑ کی تشریح انہوں نے ایسی جرأت اور وثوق سے کر دی۔ اگر عیسائی، حضرت مسیحؑ کو خدا کا حقیقی بیٹا نہیں مانتے اور تمام خدائی صفات کا انہیں حامل قرار نہیں دیتے تو خدا نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ:

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ اخبار ''پیغام صلح'' 27 اگست 1933ء

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (الانعام101:6)

''اس کا (خدا کا) بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ اس کی جورو ہی نہیں''۔

کیا عیسائی اس کا یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ہم تو حقیقی بیٹا مانتے ہی نہیں کہ جورو کی ضرورت پیش آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ میں عیسائیوں کا عقیدہ ایسا نہیں کہ سیّد حبیب کی سمجھ میں آسکے۔ وہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا حقیقی بیٹا بھی مانتے اور اس کی تمام صفات الوہیت کا انہیں وارث بھی یقین کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ خدا کی کوئی جورو نہ تھی جس سے وہ پیدا ہوئے ہوں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر زدّ ماری کہ جب تم خدا کی جورو نہیں مانتے تو حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کیسے بناتے ہو؟ عیسائیوں کو تو آج تک یہ سمجھ نہ آیا کہ وہ کہہ دیں کہ ہم حقیقی بیٹا نہیں مانتے، بلکہ بیٹے کی جگہ مانتے ہیں، سیّد حبیب صاحب کو ان کی طرف سے جھوٹی وکالت کا حق کس طرح مل گیا؟

حضرت مسیح موعودؑ نے فرزندِ خدا ہونے کا کبھی دعوٰی نہیں کیا

رہا حضرت مسیح موعودؑ کا معاملہ۔ سو آپ نے کبھی ان الہامات کی بناء پر فرزندِ خدا ہونے کا دعوٰی نہیں کیا بلکہ کھلے لفظوں میں فرمایا کہ:

''پیروی کرنے کے لائق یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ **نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا**''۔ (کشتی نوح ص10)

باوجود اس کھلے عقیدہ کے، یہ کہنا کہ انہوں نے فرزند خدا ہونے کا دعوٰی کیا، کیا یہ ظلم وافتراء نہیں؟

جماعت احمدیہ پر دھوکا دینے کا الزام

سیّد صاحب فرماتے ہیں:

''میں جانتا ہوں کہ مرزا صاحب کے عقیدت مند عوام کو مرزا صاحب کے ان دعاوی سے آگاہ نہیں کرتے۔ لوگوں کو ایک مجدّد اور خادم دین محمد صلعم کی بیعت کی دعوت دی جاتی ہے اور جب فریب خوردہ انسان عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس کے لئے ایسے خلاف عقل دعاوی کے متعلق ان توضیحات کو تسلیم کر لینا کوئی بڑی بات نہیں رہتی جو ایک غیرتمند کے لئے لایعنی ہوتی ہیں''۔

ان الفاظ میں سیّد صاحب نے جماعت احمدیہ پر ایسے خطرناک حملے کئے ہیں جو برداشت سے باہر ہیں۔

اَ۔ مرزا صاحب کے عقیدتمند عوام کو ان کے اصل دعاوی سے آگاہ نہیں کرتے۔

ب۔ مرزا صاحب کو ماننے والے فریب خوردہ اور عقل کھوئے ہوئے ہیں۔

ج۔ وہ غیرتمند نہیں کیونکہ خلاف عقل دعاوی کو مانتے ہیں۔

امر اوّل کے متعلق ہم ان کی خدمت میں وہی بات عرض کریں گے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو کہی تھی جس نے کسی مسلمان پر ڈر کے مارے کلمہ پڑھنے کا الزام دے کر اسے قتل کر دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهُ'' یہی ہم سیّد صاحب سے کہتے ہیں کہ کیا آپ نے ہمارا دل چیر کر دیکھ لیا ہے کہ ہمارا ظاہر اور باطن ایک جیسا نہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ ہمارے کوئی رشتہ دار نہیں، نہ ان کے لئے اپنے ایمان کو کھو کر کوئی دنیوی

فائدہ ہمیں حاصل ہوتا ہے بلکہ طرح طرح کے مصائب اٹھانے اور مخالفتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ ہم ان کے اصل دعاوی سے دنیا کو آگاہ نہیں کرتے۔لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ان کے اصل دعاوی وہ نہیں جو آپ قرار دیتے ہیں۔انہوں نے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعوٰی ہی نہیں کیا تو ہم کس طرح اس کا اعلان دنیا میں کریں؟!

فریب خوردہ اور غیرت وعقل سے خالی کون ہے؟

رہا فریب خوردہ اور عقل کو کھوئے ہوئے کا الزام سو یہ کوئی نئی بات نہیں۔اس سے پیشتر بھی اِنَّا لَنَرٰیکَ فِیْ سَفَاھَۃٍ (الاعراف 66:7) کہنے والے ہوگزرے ہیں۔جب انبیاءؑ اور ان کے ماننے والوں کو بھی لوگوں نے سفیہہ اور بیوقوف قرار دینے سے دریغ نہیں کیا تو حضرت مرزا صاحبؑ تو ایک مجدّد اور مامور ہی ہیں۔ان کے منکر اپنے پیشرووٴں کی اس سنّت سے کس طرح باہر رہ سکتے ہیں۔ہاں! ان کی غیرت وعقل کا خاتمہ تو اسی دن ہو چکا جب اس مامور الٰہی کی خدمات اسلام کا اعتراف کرنے کے باوجود، اسے مفتری علی اللہ اور الوہیّت وابنیت کا دعویدار قرار دینے لگ گئے۔کیا جو شخص اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی کے لئے بلاتا ہے، جو مسیحیت کے عقیدہ ابنیت کی تردید اس زور وشور سے کرتا ہے کہ اس کی نظیر کم از کم موجودہ زمانہ میں نظر نہیں آتی، وہ خود خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کا دعوٰی کر سکتا ہے؟ جو لوگ اس قدر موٹی بات کو نہ سمجھ سکیں، جو لوگ بار بار کے اعلانات اور مؤکد بعذاب قسموں پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، جو لوگ خود حضرت مرزا صاحب اور ان کے مریدین کو دن رات نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے دیکھ رہے ہوں اور ان کی نمازوں میں مسنون طریق کے علاوہ کوئی ایسا کلمہ نہ دیکھتے ہوں جس میں مرزا صاحب کی الوہیّت یا ابنیت کا کوئی ذکر ہو اور پھر بھی وہ ان کے دعوٰی خدائی اور

فرزندیت کا ڈھنڈورا پیٹتے پھریں، سیّد حبیب ہی اس بات کا فیصلہ کر دیں کہ انہیں سفیہہ اور فریب خوردہ کہا جائے یا ان کی غیر تمندی اور دیانت و امانت کا ماتم کیا جائے ؟!

مولانا رومؒ کے نزدیک اولیاء اطفالِ حقّ ہیں

افسوس! آج ہمارے مخالفین کو حقّ کے ساتھ یہاں تک دشمنی اور عناد ہو چکا ہے کہ جو باتیں بزرگانِ دین کے ملفوظات میں اب تک موجود ہیں، ان کو بھی آج کفر والحاد قرار دیا جاتا ہے، محض اس لئے کہ مرزا صاحب ایماندار اور ولی اللہ ثابت نہ ہوں۔ مثنوی مولانا رومؒ کے متعلق جو عقیدت مسلمانوں میں آج تک پائی جاتی ہے، وہ شائد بہت کم کتابوں کے متعلق ہو گی۔ یہاں تک کہ اُسے ''قرآن در زبان پہلوی'' کہا گیا ہے۔ اسی ''پہلوی قرآن'' میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گفت اطفال حق اند ایں اولیاء　　در غریبی فرد از کار و گیاہ

اولیاء اطفال حق اند اے پسر　　غائبی و حاضری بس با خبر

برتر انداز عرش و کرسی و خلا　　ساکنان مقصد صدق خدا

اولیاء راہست قدرت از الٰہ　　تیر جستہ باز گرد اند ز راہ

توہمیدانی یجوز ولا یجوز　　خود نمے دانی کہ حوری یا عجوز

کس قدر صفائی کے ساتھ ان اشعار میں اولیاء اللہ کو خدا کے فرزند قرار دیا گیا ہے۔ اور حاضر و غائب ہر دو حالتوں میں باخبر اور عرش و کرسی سے برتر بتایا گیا ہے۔ بلکہ یہاں تک ان کی قدرت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لے آتے ہیں اور آخر میں حضرت مولانا رومؒ نے سیّد صاحب جیسے معترضین کو کس قدر زبردست ڈانٹ پلائی ہے کہ تو جائز

اور ناجائز ہی کو لئے پھرتا ہے اور اپنا پتہ نہیں کہ دینی اور روحانی معاملات میں ایک حور کا مرتبہ رکھتا ہے یا بوڑھی کھوسٹ کا۔ کیا سیّد صاحب از راہ مہربانی بتائیں گے کہ مولانا رومؒ کے اس کلام کو وہ کیا سمجھتے ہیں اور کیا فتوی ان پر دینے کے لئے تیار ہیں؟

حدیث اَلْخَلْقُ عیَالُ اللّٰہِ

یہیں تک نہیں ایک حدیث بھی سن لیجئے۔ مشکوٰۃ شریف باب الشفقة والرحمة میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْخَلْقُ عیَالُ اللّٰہِ. مخلوقات اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ یہی درحقیقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے معنی ہیں جس کا ذکر مولانا حالی مرحوم نے اس شعر میں کیا ؎

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ھدیٰ کا　　　کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

فرمایئے! اب تو تمام مخلوق، خدا کا کنبہ بن گیا۔ اولیاء اللہ خدا کے بیٹے بن گئے۔ پھر مرزا صاحب کو انہی معنوں میں بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ کا الہام ہوا تو کونسا گناہ ہوگیا؟!

اَبْنَآءُ اللّٰہِ کلام الٰہی میں

کاش! آپ کی نظر قرآن کریم ہی پر ہوتی۔ سورۃ المآئدہ میں ارشاد الٰہی ہے:

قَالَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (المآئدة 18:5)

''یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں''۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے ''بیضاوی'' میں صاف طور پر لکھا ہے او المقرّبون عندہ قرب الا ولا د من والدھم. یا ابْنَآءَ اللّٰہِ کے یہ معنی ہیں کہ ہم اللہ کے ہاں مقرب ہیں۔ جیسے اولاد کی قربت ان کے والد سے ہوتی ہے۔ اور ''تفسیر کبیر'' میں اس کی مزید تشریح اس طرح ہے کہ:

ان لفظ الابن کما یطلق علٰی ابن الصلب فقد یطلق علٰی من یتخذ ابنآء واتّخاذہٗ بمعنی تخصیصہ بمزیدالشفقۃ والمحبۃ فالقوم ادعوا ان عنایۃ اللّٰہ بھم اشد واکمل عنایتہ بکل ماسوٰیھم لاجرم عبراللّٰہ تعالٰی عن دعوٰیھم انّھم ابنآء اللّٰہ.

''اس لفظ کا اطلاق جس طرح صلبی بیٹے پر ہوتا ہے، اسی طرح اس پر بھی ہوتا ہے جو بیٹا بنایا جائے۔ اور کسی کو بیٹا اس طرح بنایا جاتا ہے کہ اس کو زیادہ شفقت اور محبت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ پس یہود ونصارٰی نے جب دعوٰی کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور عنایت ان کے ساتھ اوروں کی نسبت زیادہ اور کامل ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا دعوٰی ان الفاظ سے تعبیر کیا کہ وہ اَبۡنَآءُ اللّٰہِ ہیں''۔

اس میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ یہود ونصارٰی کا دعوٰی اَبۡنَآءُ اللّٰہِ ہونے کا نہ تھا۔ وہ صرف یہی کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور شفقت سے خاص کیا ہے۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اَبۡنَآءُ اللّٰہِ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ:

1۔ابن یا ابنآء کا لفظ مجازی معنوں میں اس کے لئے بھی بولا جاتا ہے جس کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور شفقت کی جائے۔

2۔ان معنوں میں اَبۡنَآءُ اللّٰہِ کا لفظ اللہ تعالیٰ نے خود ہی استعمال کیا اور اسے جائز ٹھہرایا ہے۔

پس جب بیٹے کا لفظ مجازاً محبت وشفقت کے معنوں میں بولا جا سکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان معنوں میں اس لفظ کو یہود ونصارٰی کے متعلق استعمال کیا ہے، حالانکہ انہوں نے اَبۡنَآءُ اللّٰہِ اپنے آپ کو نہ کہا تھا، تو کون مسلمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ بات کو

ناجائز ٹھہرائے، اورکون عقلمند ہے جو اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ کو اللہ تعالیٰ کے حقیقی فرزند ہونے کا دعوٰی قرار دے۔ اگر بالفرض یہود و نصارٰی نے ہی اپنے آپ کو اَبْنَآءُ اللّٰہِ کہا ہو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ نہیں کہا کہ خدا کا تو بیٹا نہیں ہو سکتا، تم کیسے بیٹے بنتے ہو۔ بلکہ جواب میں فرمایا فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ. (المائدۃ 18:5) اگر تم خدا کے بیٹے ہو تو تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے۔ اس میں صاف اشارہ ہے کہ مقربین الٰہی کو مجازاً خدا کے بیٹے کہا جا سکتا ہے۔

بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ میں محبت وشفقت کا اظہار

ہاں! اولیاء اللہ میں سے ہونے کی وجہ سے حضرت مرزا صاحبؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص محبت وشفقت سے نوازا۔ اور اسی حقیقت کو اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ اس قسم کے استعارات اور مجازی کلمات قرآن میں جا بجا ہیں۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح 10:48) بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدۃ 64:5) میں کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی جسم ہی نہیں تو ہاتھ کہاں سے آ گئے؟ کیا وَلَدِیْ کے لفظ پر ناراض ہونے والے یَدُ اللّٰہِ کا جواز ثابت کریں گے؟ کیا سیّد حبیب ٹھنڈے دل سے ان حقائق پر غور کر کے بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصارٰی کے دعوٰی محبت الٰہی کو اَبْنَآءُ اللّٰہِ کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ کیوں کہا اور مولانا رومؒ نے اولیاء کو اطفال حق کیوں قرار دیا۔ اور اگر یہ تمام باتیں جائز ہیں تو حضرت مرزا صاحبؑ کے لئے اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ کا الہام کیوں جائز نہیں؟!

اَنْتَ مِنْ مَّآئِنَا وَھُمْ مِنْ فَشَلٍ

حضرت مسیح موعودؑ کو حقیقی ابن اللہ بنانے کے لئے سیّد صاحب نے ایک اور الہام

بھی نقل کیا ہے۔ اَنْتَ مِنْ مَّآئِنَاوَھُمْ مِنْ فشلٍ. اوراس کے معنی خود ہی یہ کئے ہیں کہ ''اے مرزا! تو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ خشکی سے''۔ اور پھر خود ہی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ باقی لوگ خشکی سے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ اگر مَآءٌ کے معنی نطفہ کر لئے جائیں جو لغوًا صحیح ہیں تو بات بدل جاتی ہے''۔

یہ لغت پر آپ کو عبور کب حاصل ہوا؟ اور کس لغت والے نے مَآءٌ کے معنی نطفہ کے کئے ہیں۔ ذرا مہربانی فرما کر حوالہ تو دیجئے۔ اور یہ بھی بتا دیجئے کہ **توجیه القول بما لا یرضٰی بہٖ قائله** (کسی کی بات کے ایسے معنی کرنا کہ قائل اس پر راضی نہ ہو) کو کس نے جائز ٹھہرایا ہے۔ کیوں آپ نے اپنے پاس سے ایسے معنی کر لئے جو حضرت مرزا صاحبؑ کے منشاء کے صریحاً خلاف ہیں۔ کیونکہ آپ نے اس الہام کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ:

''اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقوٰی کا پانی، وفا کا پانی، صدق کا پانی، حبّ اللہ کا پانی ہے، جو خدا سے ملتا ہے اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے''۔ (انجام آتھم حاشیہ ص 56)

فرمائیے! اس میں کہاں نطفہ کا ذکر ہے۔ کہاں اَنْتَ مِنْ مَّآئِنَا کے یہ معنی کئے ہیں کہ ''تو میرے نطفہ سے ہے''۔

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو! کچھ تو لوگو! خدا سے شرماؤ

سیّد صاحب کی طرف سے اپنی بدتہذیبی کا اعتراف

لیکن اس کے ساتھ ہی سیّد صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''اور مَـآءٌ سے نطفہ مراد لینا خارج از جواز نہیں، اس لئے کہ مرزا صاحب کے مریدِ خاص قاضی یار محمد صاحب نے اپنے ٹریکٹ موسوم بہ ''اسلامی قربانی'' میں ایک ایسا فقرہ لکھا ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی (معاذ اللہ) قوتِ رجولیّت کا ذکر بھی موجود ہے۔ اب غور کیجئے۔ جب رجولیّت کا ذکر بھی موجود ہو، عورت بننے کا دعوٰی موجود ہو، نطفہ کا قصّہ موجود ہو تو اس مضمون پر ٹھنڈے دل یا تہذیب سے بحث کیسے اور کیونکر کی جاسکتی ہے''۔

یہی تو ہم کہتے ہیں کہ آپ ''ٹھنڈے دل یا تہذیب سے'' بحث نہیں کر سکتے۔ جہاں مرد وعورت کے تعلقات کا ذکر آیا اور آپ کا قدم پھسلا۔ یہاں تک کہ استعارہ اور مجاز کو بھی آپ حقیقت بنا کر بدتہذیب بننے اور کئی جگہ اپنے پاس سے بھی غلط باتیں بنا کر اور ان پر ناواجب حاشیہ آرائی کر کے اپنی تہذیب کا خوب خاکہ چھاننے لگتے ہیں۔ یہیں پر دیکھ لیجئے! یہ کس نے آپ سے کہہ دیا کہ قاضی یار محمد، حضرت مرزا صاحب کے خاص مرید تھے؟ ہاں! اس میں شک نہیں کہ وہ بھی مریدین میں سے تھے لیکن کسی مرید کی بات کو بطورِ حجت پیش کرنا اور اس کا ملزم حضرت مرزا صاحبؑ کو ٹھہرانا، آپ ہی کی دیانتداری کا نتیجہ ہے۔ اگر جرأت ہے تو حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریر پیش کیجئے، جس میں انہوں نے مَـآءٌ کے معنی نطفہ کے کئے ہوں۔ اور اَنْتَ مِنْ مَّآئِنَاوَهُمْ مِنْ فشلِ. کی بناء پر اپنے آپ کو معاذ اللہ خدا کے نطفہ سے بتایا ہو۔

مجازی ابنیّت کے خلاف ایک انوکھی دلیل

احمدیّت کے ناقابل قبول ہونے کی چوتھی اور پانچویں دلیل بھی اسی مفروضہ دعوٰی الوہیت وابنیّت سے تعلق رکھتی ہے (جس کو سیّد صاحب نے ''ابوبیت'' و''ابوبنیّت'' کے نوایجاد الفاظ سے تعبیر کیا ہے) ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ چونکہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کو ابّ

قرار دینے کے بجائے ربّ کہا ہے اور ربّ کا لفظ ابّ سے زیادہ وسیع مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔اس لئے ’’اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مخلوق خدا میں سے کسی کو کنایتاً، اشارتاً یا استعارتاً خدا کا بیٹا مانا جائے‘‘۔اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ:

> ’’اس معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ اس کے پیغمبر محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کوئی مرد اپنا باپ بنائے یا سمجھے۔اور جب کسی کا رسولِ خدا کو اپنا باپ سمجھنا بھی خدائے برتر وتوانا کو گوارا نہیں، تو خود اللہ تعالیٰ کو باپ کہنے اور سمجھنے والے کے لئے اسلام کے وسیع حلقہ میں گنجائشِ داخلہ کہاں باقی رہ جاتی ہے‘‘۔

مجازی ابنیّت جائز ہے

اب اور رب کے مفہوم کا فرق آپ سے بڑھ کر ہمیں معلوم ہے۔اور ربّ کی وسعتِ معانی کو حضرت مسیح موعودؑ نے جس حد تک بیان کیا ہے، وہاں تک آپ کا وہم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں اور نہ یہ وسعت معانی لفظ اب کے مجازی استعمال کو مانع ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے اشارتاً، کنایتاً، استعارتاً استعمال کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا، حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے متعلق اسے استعارتاً استعمال کیا۔مولانا رومؒ نے اولیاء اللہ کو مجازاً **اطفال اللّٰہ** قرار دیا۔معلوم نہیں وہ کونسا اسلام ہے جو آپ کو اس لفظ کے مجازی استعمال سے روکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ابوّت

لیکن اس علم کو کیا کہا جائے جو نہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مجازی ابنیّت کو ناجائز ٹھہراتا ہے

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس میں شریک گردانتا ہے۔ **مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ** (الاحزاب 40:33) میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف مردوں کا جسمانی باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ بھی صرف مَردوں ہی کا جسمانی باپ نہیں، عورتوں کا جسمانی باپ ہے؟ پھر یہ کس نے آپ سے کہہ دیا کہ جسمانی ابوّت کی نفی کے ساتھ روحانی ابوّت کی بھی نفی ہے۔ کبھی تفاسیر کو اٹھا کر دیکھئے۔ تمام مفسرین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ **مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ** (الاحزاب 40:33) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ابوّت کی نفی اور **وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ** (الاحزاب 40:33) میں روحانی ابوّت کا اثبات ہے۔ دوسری جگہ **اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ** (الاحزاب 6:33) میں بھی ازواج مطہرات ؓ کو مائیں کہہ کر آپ ؐ کی روحانی ابوّت کا اظہار کیا گیا ہے جس کو سب مفسرین نے تسلیم کیا ہے۔ بطور مثال مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی مدرسہ دیوبند کی رائے سن لیجئے۔

> ''حاصل مطلب آیہ کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّت معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر **ابوّت معنوی** امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے''۔

تعجب ہے۔ تمام اُمّت کے اس کھلے مذہب کے خلاف آپ نہ تو مقربین الٰہی کو مجازاً ابنیّت الٰہی کا مرتبہ دیتے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اُمّت کے روحانی اور معنوی باپ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ **فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.**

فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول سے خدا اور رسول نہیں بن جاتا

اور کیا خوب فرماتے ہیں کہ:

''فنا فی اللہ کے بہانہ سے کسی کو اللہ ماننے والے فنا فی الرسول کو رسول خدا

مان لیں گے اور اگر ایسا ہو تو خدا اور رسول ہونے کے مدعی صاحبان کی تعداد شائد ہزاروں سے بھی متجاوز ہو جائے''۔

لیکن آپ کا اس میں کیا ہرج ہے؟ ہزاروں نہیں لاکھوں ہو جائیں، ہوں گے وہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول ہی۔ کوئی انہیں حقیقی طور پر نہ خدا تسلیم کرسکتا ہے اور نہ رسول۔ آج تک کتنے ہی ایسے لوگ ہوئے جن کی مثالیں میں اوپر دے چکا ہوں۔ پھر کس کس کو خدا اور رسول مانا گیا؟ باوجود اس کے، کہ انہیں نیک اور ولی اللہ مانا جاتا ہے، باوجود اس کے کہ انہیں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کے مرتبہ پر سمجھا جاتا ہے، انہیں اللہ اور رسول کسی نے تسلیم نہیں کیا، نہ ان کا دعوٰی تھا اور نہ ہی حضرت مرزا صاحبؑ کا کوئی ایسا دعوٰی ہے۔

ساتواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کی مریمی وعیسوی حالت (1)

حمل وغیرہ استعارہ کے رنگ میں

بحث ابنیّت ہی کے ضمن میں سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظِ ذیل بھی پیش کئے ہیں:

> ''مریم کی طرح عیسٰی کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور کئی ماہ بعد، جو دس ماہ سے زیادہ نہیں، بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسٰی بنایا گیا''۔

یہ فقرہ بھی آپ کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی دعوٰی ابنیّت کوئی نہیں بلکہ اس مریمی حالت سے، جو بروئے قرآن کریم ہر کامل مومن کو عطا ہوتی ہے، حالت عیسوی کی طرف منتقل ہونے کا ذکر ہے۔ اور ''استعارہ'' کا لفظ اور یہ الفاظ، کہ ''بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسٰی بنایا گیا''، اس بات کو صاف کر دیتے ہیں کہ اس سے حقیقی نفخ اور حقیقی حمل وغیرہ مراد نہیں۔

مؤمنوں کی مثال حضرت مریمؑ سے

قرآن کریم نے صریح لفظوں میں ہر مؤمن کی مثال فرعون کی بیوی اور حضرت مریمؑ سے دیتے ہوئے، اس قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ فرماتا ہے۔

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 7 ستمبر 1933ء

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ. (التّحریم66:11-12)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو ایمان لائے، فرعون کی عورت کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ اور مریم عمران کی بیٹی کی مثال دی ہے، جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا تو ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی"۔

یہاں صاف طور پر مؤمنوں کی مثال فرعون کی بیوی اور حضرت مریمؑ سے دی ہے۔ اور حضرت مریمؑ کا ذکر کرتے ہوئے، باوجود یہ کہ تمام ضمیریں مؤنث کی استعمال کی ہیں، فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا میں فِيْهِ کی ضمیر مذکر استعمال کی ہے۔ اور اس طرح اشارتاً بتا دیا ہے کہ ہر مومن میں، خواہ وہ مرد بھی ہو، نفخ روح ہوسکتا اور روحانی طور پر وہ حاملہ بن سکتا ہے۔ جس سے مقصود صرف ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کرنا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رومؒ کے کلام میں مریمی وعیسوی حالت کا ذکر

اسی کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت صاف اور واضح لفظوں میں یوں

بیان کیا ہے کہ:

جانِ کل با جان جُز آسیب کرد — عقل از د درے ستد درحبیب کرد

ہمچو مریم جاں ازاں آسیب حبیب — حاملہ شد از مسیحِ دلفریب

آں مسیحے نے کہ برخشک وتر است — آں مسیحے کز مسافت برتر است

پس ز جانِ جاں چو حامل گشت جان — از چنیں جانے شود حامل جہاں

پس جہاں زائد جہانے دیگرے — ایں حشر او را نماید محشرے

تا قیامت گر بگویم بشرم — من ز شرح ایں قیامت قاصرم

(ملاحظہ ہو مثنوی مولانا رومؒ دفتر دوم ص25 مطبع کریمی بمبئی)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار میں صاف طور پر بیان فرمایا ہے کہ جب تمام کائنات کی جان ایک جز ویعنی انسان کی جان سے تعلق پکڑتی ہے تو عقل وادراک انسانی کے رحم میں ایک نئی زندگی کا نطفہ پڑتا ہے۔ پھر اس بندہ کی جان، جو مریمؑ کی طرح ہے، اس حمل کے اثر سے ایک دلفریب مسیح کو حمل میں لے لیتی ہے۔ وہ مسیح نہیں جو خشک وتر پر یعنی عالم ظاہر میں گزر چکا ہے بلکہ وہ مسیح جس کی علوم رتبت اندازہ سے بڑھ کر ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی جان سے بندہ کی جان حاملہ ہو جاتی ہے تو ایسی جان سے ایک جہان حاملہ ہوتا ہے۔ پھر اس جہان سے ایک دوسرا جہان پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا انقلاب روحانی دنیا میں آتا ہے کہ گویا محشر بپا ہو گیا۔ انقلاب یا روحانی قیامت اس شان کی ہوتی ہے کہ اگر مَیں قیامت تک بھی اس کی شرح لکھوں تو اس سے قاصر رہوں گا۔

حضرت مولانا رومؒ کے متعلق سیّد صاحب کا کیا فتویٰ ہے

ان اشعار میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کس شرح وبسط کے ساتھ حالت

مریمی سے حالت عیسوی کے پیدا ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بندہ کو نہ صرف مریم قرار دیا ہے بلکہ ''جانِ کل'' سے اس کا حاملہ ہونا اور ایک دلفریب مسیح کو حمل میں لینا بھی وضاحت سے بیان کیا ہے اور پھر اس سے بھی آگے اس حاملہ جان سے تمام جہان کا حاملہ ہونا بتایا ہے۔ اب یہاں صاف طور پر ''عورت بننے کا دعوٰی موجود'' ہے۔ ''نطفہ کا قصّہ موجود ہے''۔ بندہ کے اللہ تعالیٰ سے حاملہ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ پس کیا جناب سیّد حبیب حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی اعلان فرمائیں گے کہ ان کے ''اس مضمون پر ٹھنڈے دل یا تہذیب سے بحث کیسے اور کیونکر ہوسکتی ہے''۔ تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ ان کی حرارت قلب اور بدتہذیبی اس موقعہ پر کیا گُل کھلاتی ہے۔ لیکن وہ یاد رکھیں جو کچھ وہ اس بارہ میں کہیں گے وہ حضرت مولانا رومؒ پر حملہ نہ ہوگا، وہ حضرت مرزا صاحب پر حملہ نہ ہوگا، وہ خود قرآن کریم پر حملہ ہوگا جس نے ایک مؤمن کو مریم قرار دے کر اس کا نفخِ روح سے حاملہ ہونا بیان کیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا پیدا کردہ محشر

یہ تو وہ درجہ ہے جس پر پہنچنے کے لئے آپ کی روح کو بھی تڑپ ہونی چاہئے۔ چہ جائیکہ اسے موردِ اعتراض بنایا جائے جو نہ صرف حالت مریمی سے حالت مسیحی تک پہنچا بلکہ بقول مولانا رومؒ اس سے ایک جہان حاملہ ہوکر ایک اور نیا جہان پیدا ہوا۔ اور مذہبی دنیا میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا کہ گویا محشر قائم ہوگیا۔ کاش! آپ لوگوں کی نظریں اس محشر کو دیکھ سکتیں تو ایسے استعارات پر پھبتیاں اُڑانے کے بجائے، اسی میں حضرت مرزا صاحب کا علومرتبت آپ کو نظر آجاتا اور آپ ان کے پاؤں چومنے کے لئے دوڑتے۔

آٹھواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی (1)

دعوٰی نبوّت اور کرشن وغیرہ

خدا اور فرزند خدا ہونے کے مزعومہ دعاوی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرنے کے بعد سیّد حبیب صاحب نے تیسرا، چوتھا اور پانچواں دعوٰی جو آپ کی طرف منسوب کیا ہے، وہ ''کرشن ہونے کا دعوٰی''، ''اوتار ہونے کا دعوٰی''، اور'' آریوں کا بادشاہ ہونے کا دعوٰی'' ہے۔ اور چونکہ ان سب امور پر انہوں نے علیحدہ مفصل بحث کی ہے، اس لئے ان پر سوائے اس کے یہاں کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کوئی تین علیحدہ علیحدہ دعوے نہیں بلکہ دعوٰی مجددّیت ہی کی ذیل میں آپ کی دعوت کی اُس شاخ کو بیان کیا گیا ہے جو ہندوؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ بہرحال اس پر علیحدہ اپنے موقعہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔ چھٹا دعوٰی جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ دعوٰی نبوّت ہے۔ اس پر بھی علیحدہ اقساط میں انہوں نے بحث کی ہے جس کا جواب اپنے موقعہ پر دیا جائے گا۔ یہاں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ ایک افتراء ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے نبوّت کا دعوٰی کیا۔ ہاں! ظلّی اور بروزی معنوں میں لفظ نبی انہوں نے اپنے متعلق ضرور استعمال کیا ہے، جیسا کہ پہلے اولیاء اللہ بھی اس لفظ کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ اس پر تفصیل کے ساتھ آئندہ روشنی ڈالی جائے گی۔

ابنِ مریم ہونے کا دعوٰی

ساتواں دعوٰی ابن مریم ہونے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ جو الفاظ اس دعوٰی

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 7 ستمبر 1933ء

کے ثبوت میں نقل کئے ہیں، ان میں صاف لکھا ہے کہ:

''نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے **عیسٰی بن مریم کی طرح** اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولّی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا اور اس اپنے بندہ کا نام ابنِ مریم رکھا''۔ (ازالہ اوہام ص659)

''عیسٰی بن مریم کی طرح'' کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ ابن مریم ہونے سے حضرت مرزا صاحب کی مراد وہی عیسٰی بن مریم نہیں، جو بنی اسرائیلی نبی تھا بلکہ اس کا مثیل ہونا مراد ہے۔ اور ہم اس سے پیشتر اولیاء اللہ کے ملفوظات سے یہ بتا چکے ہیں کہ اس امّت کے اولیاء، انبیاءؑ کے ناموں سے اپنے آپ کو موسوم کرتے رہے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے **عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ**. پھر اس میں کونسا تباعد لازم آتا ہے۔

محمد و احمد ہونے کا دعوٰی

آٹھواں، نوواں، دسواں اور گیارھواں دعوٰی یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے محمد، احمد، ظلّی محمد اور ظلّی احمد ہونے کا ادعا کیا ہے۔ اس پر بھی پیشتر ازیں مفصل بحث ہو چکی ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ یہ کوئی الگ دعاوی نہیں بلکہ فنا فی الرسول کا ایک مقام ہے جس پر پہلے بھی اولیاء اللہ پہنچتے اور محمد و احمد بنتے رہے ہیں۔ انہیں الگ الگ دعوے قرار دینا سیّد حبیب صاحب ہی کی خصوصیت ہے، ورنہ جس جس جگہ حضرت مرزا صاحب نے محمد و احمد کے الفاظ اپنے متعلق استعمال کئے ہیں، ظلّی رنگ میں ہی استعمال کئے ہیں۔ اور ظلّ اور بروز کا عقیدہ اس اُمّت میں مسلّم ہے جس پر آئندہ مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔

مسیح موعودؑ ہونے کا دعوٰی

بارھواں دعوٰی مسیح موعودؑ ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ مثیلِ مسیح اور ابن مریم اور مسیح موعود ایک ہی مقام کے مختلف نام ہیں۔ انہیں الگ الگ دعاوی قرار دینا صرف دعاوی کی ''کثرت، ندرت اور تنوّع'' ثابت کرنے کے لئے ہے۔ جن کی فہرست سے سیّد حبیب اپنی ''علمی فرومائیگی'' کی وجہ سے نہ صرف خود پریشان ہوئے بلکہ اپنے قارئین کو بھی پریشان کرنا چاہتے ہیں۔ کاش! انہیں الگ الگ دعوٰی قرار دے کر پریشان ہونے کے بجائے، وہ انہیں ایک ہی دعوٰی سمجھ کر اس پر مفصل بحث کرتے اور اپنے قارئین کو بتاتے کہ احادیث میں جو مسیح ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ آیا اس سے مسیح ناصریؑ مراد ہے یا کوئی اور؟ اگر مسیح ناصریؑ مراد ہے تو کیا وہ اب تک زندہ ہیں یا مُردوں میں سے اُٹھ کر آئیں گے؟ اور اس صورت میں ختم نبوّت کہاں باقی رہ جائے گی؟ اور اگر اس سے کوئی اور شخص مراد ہے، جو مسیح ابن مریم کا مثیل ہوگا، تو حضرت مرزا صاحبؑ کا کیا قصور ہے کہ انہیں اس کا مصداق نہ سمجھا جائے؟!

نزولِ ابن مریم کی احادیث اور سیّد حبیب سے ایک سوال

مگر افسوس ہے کہ سیّد صاحب نے اس سب سے زیادہ ضروری مسئلہ پر، جو حضرت مرزا صاحبؑ کے اصل دعاوی میں سے ہے، کوئی روشنی نہ ڈالی۔ کم ازکم ان احادیث کا مطلب تو بیان کر دیتے جن میں مسیح ابن مریمؑ کے آنے کی پیشگوئی ہے۔ اگر وہ احادیث صحیح ہیں تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو مسیح ابن مریم زندہ ہیں اور جیسا کہ عام اعتقاد ہے، وہی اُمّتِ محمدؐیہ کی اصلاح کے لئے نازل ہوں گے۔ بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی معاذ اللہ اس قدر کمزور ہو جائے گی کہ آپؐ کے متبعین میں سے کوئی شخص اس قابل نہ ہوگا کہ

آپؐ کے فیضان سے مستفیض ہو کر اُمّت کی اصلاح کر سکے اور اس کے لئے اُمّت کو ایک پرانے نبی کی ضرورت ہو گی جس کے آنے سے ختم نبوّت کی مہر تو کم از کم باقی نہ رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر مسیح ناصریؑ دو ہزار سال سے اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں تو کیا وہ **وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ** (الانبیآء 8:21) (اور اُن کے ہم نے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر متغیر تھے۔) کے قانون سے باہر ہیں؟ اور یا پھر احادیث میں جس کے آنے کا ذکر ہے، وہ مثیل ابن مریم ہوگا نہ کہ اصل ابن مریم۔

جب تک ان سوالات کا آپ جواب نہ دیں، اور ان تمام اعتراضات کو رفع نہ کریں جو عقیدہ حیاتِ مسیح اور مسیح کی آمد ثانی پر پڑتے ہیں، اس وقت تک حضرت مرزا صاحب کے مسیح موعودؑ ہونے کے دعوٰی کو قابلِ اعتراض قرار دینا ناواجب ہے۔

نزولِ مسیحؑ کا مطلب

حضرت مرزا صاحبؑ کا مسیح موعود ہونا تو دلائل قاطعہ سے ثابت ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ نے **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** (آل عمران 55:3) کے معنی مُمِیْتُکَ کر کے، حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** (ال عمران 144:3) سے صحابہؓ کے بھرے مجمع میں یہ استدلال کر کے، کہ جس طرح تمام پہلے رسول فوت ہو چکے، ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وصال فرما گئے، اس امر پر مہر لگا دی کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جن احادیث میں مسیح کی آمد ثانی کا ذکر ہے، ان سے کسی اور شخص کا مسیح کا ہم رنگ ہو کر آنا مراد لیا جائے۔ جیسے ملاقی نبی کی کتاب میں ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی تھی اور حضرت مسیحؑ نے حضرت یحییٰؑ کو اس کا مصداق قرار دیا۔

کیونکہ وہ ایلیا کی خو بو میں آئے۔

مسیح ناصریؑ اور ہے، مسیح محمدیؐ اور

پھر حدیث نبویؐ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسیح ناصری نہیں بلکہ امّتِ محمدؐیہ ہی کا کوئی فرد مراد ہے۔ حدیث **كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ.** میں **اِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ** کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ وہ امت محمدیہ میں سے ہوگا۔ پھر مسیح ناصری اور آنے والے مسیحؑ کے حلیے الگ الگ بتائے گئے ہیں۔ مسیح ناصریؑ کا رنگ سفید اور بال گھنگھریالے اور آنے والے مسیح کا رنگ گندم گوں اور سیّدھے بال (مؤخرالذکر حلیہ حضرت مرزا صاحبؑ کے حلیہ سے بالکل منطبق ہے) اور یہ دونوں حلیئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے ایک ہی جگہ دونوں حدیثیں لکھی ہیں۔ (باب واذکر فی کتاب مریم کے نیچے حدیث معراج میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ولقيت عيسٰى** ......**فقال ربعة احمر** . میں عیسیٰؑ کو ملا......فرمایا وہ متوسط گورے رنگ کے تھے۔ دوسری روایت میں فرمایا **بينما نائم اطوف بالكعبة فاذا رجل ادم سبط الشعرة** ۔ اضافہ) جس سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امام بخاریؒ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مسیح ناصری اور ہے اور مسیح محمدی اور۔

مسیح کا نام کیوں دیا گیا؟

اور ایسا ہی مسیح موعودؑ کا جو کام بتایا گیا ہے **فيكسر الصليب ويقتل الخنزير** حضرت مرزا صاحب ہی نے اس کام کو باحسن وجوہ سرانجام دیا۔ صلیبی مذہب کو دلائل قاطعہ سے اس طرح پاش پاش کیا کہ آج کسی عیسائی کو کسی احمدی کے مقابلہ کی جرأت نہیں۔ بلکہ حضرت مرزا صاحب ہی کی جماعت کی کوششوں سے یورپ اور امریکہ میں جوق در جوق عیسائی صلیبی عقیدہ کو

خیر باد کہہ کر اسلام کی آغوش میں چلے آرہے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی حقیقت کو اس شعر میں واضح کیا ہے ۔

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند(1)

چنانچہ محض اس نور کی وجہ سے جو آپ کو مسیحی قوم کے لئے دیا گیا، آپ کا نام ابن مریم اور مسیح موعود رکھا گیا۔ معلوم نہیں سیّد صاحب کو اس میں کونسی قباحت نظر آتی ہے۔ خود تو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر دوسروں کو مسیح الملک اور مسیحا بنا دیتے ہیں ۔

حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

پھر کیا خدا کے لئے حرام ہے کہ وہ اپنے کسی بندہ کا نام کسی مناسبت کی وجہ سے مسیح رکھ دے؟ اصل چیز تو کام ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کا کام مسیحیت کی اصلاح کا کام ہے، اگر آپ نے فی الواقعہ صلیب کی موت سے لوگوں کو بچا کر اسلام کی حیاتِ ابدی عطا کی ہے تو مسیح آپ کو کہہ دینے میں کیا ہرج ہے؟ اور کیوں سیّد صاحب کو یہ دعوٰی بُرا معلوم ہوتا ہے۔ غالب کہتے ہیں ۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ہاں! اگر حضرت مرزا صاحب کی ذات سے عناد ہے۔ اور باوجود ان کاموں کے، جن کو آپ بھی خدمات اسلام کے نام سے پکارتے اور ان کا اعتراف کرتے ہیں، اس بات سے آپ کو چڑ ہے کہ انہیں مسیح موعود کہا جائے تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ۔

حضرت مسیح موعودؑ کا دعوٰی مجدّدیت

چودھواں دعوٰی سیّد صاحبؒ نے حضرت مسیح موعودؑ کا مجدد ہونا بتایا ہے۔ اور اس

1۔ ترجمہ: چونکہ مجھے عیسائی قوم کے لئے ایک نور دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے میرا نام ابن مریم رکھا گیا ہے‘‘۔

میں شک نہیں کہ حضرت ممدوح کا اصل دعوٰی یہی ہے کہ آپ چودھویں صدی کے مجدّد ہیں۔ مسیح موعودؑ کا دعوٰی بھی مجدّدیّت ہی کی ذیل میں ہے۔لیکن سیّد صاحب نے اس کے متعلق بھی کچھ نہ لکھا کہ دعوٰی مجددیت پر انہیں کیا اعتراض ہے۔کیا حدیث نبویؐ میں مجدّدوں کے آنے کا وعدہ نہیں؟ کیا گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدد نہیں آتے رہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اس چودھویں صدی میں کوئی مجدد نہیں آیا۔غور طلب بات ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب مجدد نہیں تو اس صدی کا مجدد کون ہے؟

کیا مجدّد کی تلاش ضروری نہیں؟

سیّد صاحب نے حضرت امیر (مولٰینا محمد علیؒ) کے مضمون کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ مجدّد کو تلاش کرتے پھریں۔ گویا ان کے نزدیک مجدد کا آنا نہ آنا، اور ماننا نہ ماننا، برابر ہے۔اگر یہ صحیح ہے تو خدا تعالیٰ کا فعل، کہ وہ ہر صدی کے سر پر ایک مامور بھیجتا ہے، عبث ٹھہرتا ہے۔(جس طرح ساری امت کو یہ امر مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا، اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ اس امت میں مجدّد آتے رہیں گے۔ چنانچہ ''ابوداوٗد'' میں، جو بخاری اور مسلم کے بعد صحاحِ سِتّہ کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے **اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا**۔یعنی اللہ تعالیٰ اس امت (محمدؐیہ) کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کی اس کے لئے تجدید کرے) چنانچہ جو شخص مجدد ہو کر آتا ہے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ ہو کر اصلاح دین کا کام کیا جائے۔ضروری ہے کہ اس کے نفوسِ قدسیہ سے لوگ مستفید ہو کر تزکیہ حاصل کریں اور اس نور سے حصہ لیں جو وہ خدا کی طرف سے لے کر آتا ہے۔ جب تک یہ نہیں، اس وقت تک اس کا

آنا نہ آنا برابر ہے۔اور یہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے فعل کو عبث ٹھہرانے والی بات ہے۔

گذشتہ تیرہ صدیوں کے مجدّ دینؒ کے نام

سیّد صاحب نہایت سادگی سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس سے پیشتر تیرہ صدیوں کے مجددین کے نام بتائے جاسکتے اوران کے دعوے دکھائے جاسکتے ہیں۔نام تو سن لیجئے۔

پہلی صدی: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (حجج الکرامہ ص135)

دوسری صدی: حضرت امام شافعیؒ واحمد بن حنبلؒ (حجج الکرامہ ص135)

تیسری صدی: حضرت ابوشرحؒ وابوالحسن اشعریؒ (ایضاً ص136)

چوتھی صدی: حضرت ابوعبیداللہ نیشاپوریؒ وقاضی ابوبکر باقلانیؒ (ایضاً ص136)

پانچویں صدی: حضرت امام غزالیؒ (ایضاً)

چھٹی صدی: حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ (ایضاً)

ساتویں صدی: حضرت امام ابن تیمیہؒ وحضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (ایضاً)

آٹھویں صدی: حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وحضرت صالح بن عمرؒ (ایضاً ص137)

نویں صدی: حضرت سید محمد جونپوریؒ (ایضاً ص137)

دسویں صدی: حضرت امام سیوطیؒ (ایضاً ص138)

گیارہویں صدی: حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ (ایضاً ص138)

بارہویں صدی: حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دھلویؒ (ایضاً ص139)

تیرھویں صدی: حضرت سیّد احمد بریلویؒ (ایضاً ص139)

چودھویں صدی ہجری کا مجدد، مسیح اور مہدی ہوگا

چودھویں صدی ہجری کے متعلق لکھا ہے: ''وبرسر مائتہ چہاردھم کہ وہ سال کامل آنزا باقیست اگر ظہور مہدی علیہ السلام ونزول عیسٰی صورت گرفت پس ایشاں مجدد ومجتہد باشند''۔ (حجج الکرامہ ص139) لیجئے۔ نہ صرف تیرہ صدیوں کے مجدّدین کے نام ''حجج الکرامہ'' سے آپ کو بتا دیئے گئے بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ چودھویں صدی کا مجدد مہدی اور مسیح ہوگا۔ اب فرمایئے۔ صاحب حجج الکرامہ کو بھی حضرت مرزا صاحب سکھا آئے تھے کہ تم ایسا لکھ دو؟!

سابق مجدّدینؒ کے دعاوی

رہے سابق مجددینؒ کے دعاوی اور ان کو ماننے کا سوال، اس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریرات پڑھ لیجئے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں:

> ''وبدانند کہ برسر ہر مائتہ مجددے گذشتہ است اما مجدد مائتہ دیگر است ومجدد الف دیگر چنانچہ درمیان مائتہ والف فرق است در مجددین اینہا نیز ہمانقدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں ومجدد آنست کہ ہر چند دراں مدت، فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب واوتاد آں وقت بوند وبدلا نجباباشند'' (مکتوبات امام ربانی جلد2 مکتوب چہارم ص13و14)

اس عبارت میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے نہ صرف مجدد صدیازدہم بلکہ الف ثانی کا مجدد ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ اور اپنا مرتبہ دوسرے مجددین سے اتنا بلند بیان کیا ہے جتنا سو اور

ہزار سال میں فرق ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ اور صاف لکھا ہے کہ ایک مجدد جس وقت آ جائے، اس وقت اُمّتوں کو جو فیوض پہنچتے ہیں، وہ اسی کی معرفت پہنچتے ہیں۔کوئی غوث، کوئی قطب، کوئی ولی اللہ اور ابدال واوتاد اس کے توسط کے بغیر فیضِ روحانی سے مستفیض نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے مجدد کا درجہ! فرمائیے اب بھی آپ کو اس صدی کا مجدد تلاش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے یا نہیں۔اور سن لیجئے۔**حضرت شاہ ولی اللہ صاحب** محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''قد البسنی اللّٰہ سبحانہ خلعۃ المجددیۃ حین انتھت بی دورۃ الحکمۃ''

یعنی جب حکمت کا دورہ انتہاء تک پہنچ چکا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجدّدیّت سے سرفراز فرمایا (تفہیمات الٰہیہ)

مجدّد کو ماننے کی ضرورت

یہ تو آپ کا دعویٰ مجدّدیت ہے۔ اب اس دعویٰ کی عظمت اور مجدّد کو ماننے کی ضرورت کو بھی خود آپ ہی کے الفاظ میں سن لیجئے۔فرماتے ہیں:

فھمنی ربّی جلّ جلالہٗ اناجعلناک امام ھٰذہ الطریقۃ واوصلناک ذروۃ سنامھا وسددنا طرق الوصول الٰی حقیقۃ القرب کلھا الیوم غیر طریقۃ واحدۃ وھو محبتک والا نقیادلک فالسمآء لیس علٰی من عاداک بسمآء ولیست الارض علیہ بارض فاھل المغرب واھل المشرق کلّھم رعیتک وانت سلطانھم علموا اولم یعلموا فان علموا فازوا وان جھلوا خابوا۔

''میرے ربّ نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر

کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا ہے۔ اور حقیقتِ قرب تک پہنچنے کے اور طریقے مسدود کر دیئے ہیں، سوائے ایک طریقہ کے۔ وہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے۔ پس جو شخص تجھ سے عداوت کرے، نہ آسمانی برکات اس پر نازل ہوں گی اور نہ وہ ارضی برکات کا مورد ہوگا۔ اہل مغرب اور اہل مشرق سب کے سب تیری رعیّت ہیں اور تو ان کا بادشاہ ہے۔ خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں۔ اگر وہ جان لیں تو کامیاب ہوں گے اور اگر بے خبر رہیں تو خائب وخاسر ہوں گے‘‘۔ (تفہیمات الٰہیہ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اس کلام سے مجدّد کی عظمت اور بلندیٔ مرتبت عیاں ہے۔ اور صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کئے بغیر آسمانی اور زمینی برکات سے حصہ نہیں مل سکتا۔ یہاں تک کہ جو لوگ بے خبر ہیں، وہ بھی خائب وخاسر ہوں گے۔

چودھویں صدی ہجری کا مجدّد کہاں ہے؟

کیا اب بھی مجدد کا ماننا شاہ صاحب ضروری نہیں سمجھتے ؟ کیا اب بھی ہمارے مخالفین کو چودھویں صدی کا مجدد تلاش کرنے کی ضرورت نہیں؟ خدا کے بندو! تم حضرت مرزا صاحبؑ کو نہیں مانتے تو نہ مانو لیکن حدیث نبویؐ کو، جس کی صداقت تیرہ سو سال کے تواتر سے ثابت ہو چکی، نہ جھٹلاؤ۔ ان عظیم الشان بزرگوں اور راستبازوں پر تو زد نہ مارو جن کو تم خود مجدد مان چکے ہو۔ اگر تمہارے دلوں میں رائی برابر بھی صدق وایمان ہے تو اٹھو اور تلاش کرو کہ اس صدی میں کون مجدد پیدا ہوا۔ جو مسیح بھی ہے اور مہدی بھی۔ کیونکہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے مسیح اور مہدی ہونا ضروری ہے (حجج الکرامہ) ہاں! یہ ضروری ہے کہ اس کا اپنا دعوٰی ہو۔ وہ صدی

کے سر پر مبعوث ہوا ہو۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک مجدد کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔

غور کر کے دیکھ لو۔ کیا حضرت مرزا صاحبؑ کے سوائے اس صدی کے سر پر کوئی مجدد کھڑا ہوا؟ اور صدیوں میں تو کئی کئی مجدد ہوتے رہے۔ لیکن اس صدی میں تو آپ کے سوائے کسی بھی دوسرے نے دعویٰ نہ کیا۔ اور صرف آپ ہی ہیں جو مسیح بھی ہیں اور مہدی بھی۔

حضرت مسیح موعودؑ کے اقوال وافعال پر اعتراض

تم کہتے ہو کہ مرزا صاحبؑ کے ''دعاوی اور اقوال وافعال اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف'' ہیں، اس لئے ہم ان کو مجدد نہیں مانتے۔ یہ وہی بات ہے جس کی خبر آثار میں قبل ازیں آ چکی ہے کہ مسیح موعود اور مہدی کے اقوال وافعال کو علمائے ظواہر خلافِ اسلام قرار دیں گے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں:

> ''چوں مہدی علیہ السلام ...... احیاء سنت واماتت بدعت فرماید علمائے وقت کہ خوگر تقلید فقہا واقتداء مشائخ وآباء خود باشند گویند این مرد خانہ برانداز دین وملت ماست وبرمخالفت برخیزند وبحسب عادت خود حکم تکفیر وتضلیل وے کنند (حجج الکرامہ ص363)

ایسا ہی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات جلد 3 مکتوب 55 میں لکھتے ہیں کہ:

> ''نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات اورا (مسیح موعود) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ از کمال وقت وغموض ماخذ انکار نمائند ومخالف کتاب وسنّت دانند مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ بہ برکت ورع

وتقوٰی و بدولت متابعت سنّت درجہ علیہ او اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگراں درفہم آن عاجز اند ومجتہدات او را بواسطہ دقت معانی مخالف کتاب وسنت دانند‘‘۔

پس یہ کہنا، کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے دعاوی اور اقوال وافعال خلاف کتاب وسنّت ہیں، بروئے ارشادات بالا ان کی صداقت پر مہر تصدیق کرنا اوراپنی ’’علمی فرومائیگی‘‘ کا ثبوت دینا ہے۔ ان کے دعاوی پر تو مفصل روشنی ڈالی جا چکی۔ اوربھی جو دعاوی ان کی طرف منسوب کئے ہیں ان پر اوراقوال وافعال پر آگے چل کر دیکھ لیجئے گا کہ وہ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہیں۔ باوجود اس کے اگر پھر بھی ان کی مجددّیت، مہدویّت اور مسیحیت کے قائل نہ ہوں تو آپ کی قسمت۔

حدیثِ مجدّد کوجھٹلاؤ یا مجدّد پیدا کرو

لیکن اس صورت میں صدی کا مجدد تلاش کرنا، اس کا دعوٰی بتانا اورصدی کے سر پر اس کی بعثت ثابت کرنا آپ کا کام ہوگا۔ یا مولوی ظفرعلی خاں کی طرح سہل چھٹکارا حاصل کر لیجئے کہ حدیث مجدد ہی کو جھٹلا کر تمام مجددین کی تکذیب کر دیجئے اور انہیں مفتری علی اللہ قرار دے دیجئے۔ کیا سیّد حبیب فرمائیں گے کہ ان دونوں راہوں میں سے کونسی راہ انہیں پسند ہے؟

دعوٰی محدّثیّت، مجددّیت سے علیحدہ نہیں(1)

پندرھواں دعوٰی جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ محدّث ہونے کا دعوٰی ہے۔ فی الحقیقت اگرغور کر کے دیکھا جائے تو مجدّد اورمحدّث میں کوئی لمبا چوڑا فرق

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 11 ستمبر 1933ء

نہیں۔ اور پہلے اولیاء اللہؒ نے مکلّم ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو محدّث کہا ہے۔ خود سیّد حبیب نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس قول کو تسلیم کیا ہے کہ اس اُمّت میں کثرت مکالمہ مخاطبہ پانے والوں کو محدّث کہا گیا ہے ('' سیاست'' 28 جون) پس یہ کوئی نئ بات نہیں جو حضرت مرزا صاحبؑ نے کہی ہے۔ سیّد حبیب صاحب کو چاہیئے تھا کہ دعاوی کی فہرست بناتے ہوئے یہ بتاتے کہ اس پر فلاں اعتراض ہے۔

احمدیّت کو کچلنے کی تجویزیں

لیکن سیّد صاحب کا اپنی سینتیس قسطوں میں ان میں سے ایک بات پر بھی روشنی نہ ڈالنا اور خواہ مخواہ دعاوی کی فہرست کو لمبا کر کے لوگوں کو '' پریشان'' کرتے چلے جانا، بتاتا ہے کہ ان کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کی عدم واقفیت سے فائدہ اٹھا کر ان کے جذبات کو احمدیّت کے خلاف ابھارا جائے، اور انہیں اس پاک تحریک کے کچلنے کے لئے تیار کیا جائے جس میں وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔ اور اب وہ '' اصلاح قادیان'' کے نام سے ایسی تجاویز کر رہے ہیں جن کے ذریعہ اس کامیابی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ انہیں یاد رہنا چاہیئے کہ یہ کوئی مستحسن طریق نہیں اور نہ اس سے احمدیّت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ احمدیّت کو کچلنے کی ایک ہی راہ ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مجدّدیت کو غلط ثابت کیا جائے اور دکھایا جائے کہ اس صدی کے سر پر کون مجدّد آیا؟ وفاتِ مسیحؑ کو غلط ثابت کیا جائے اور ان تمام مسائل کو غلط ثابت کیا جائے جن کا ذکر ہم اس سے پیشتر کر آئے ہیں۔

احمدیّت کا استیصال ناممکن ہے

ورنہ یاد رکھیئے کہ احمدیّت کی جڑیں اب زمین کی پاتال تک پہنچ چکی ہیں۔ اور اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہوگئی ہیں۔ نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہے۔ اور اس کے ثمرات سے

تمام دنیا کے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ اور نیک طبائع ہر طرف سے کھچی ہوئی اس کی طرف آ رہی ہیں۔ اس عظیم الشان درخت کو اکھاڑنے کی کوشش کرنا اور ایسی زبردست تحریک کو کچلنے کے لئے زور لگانا، خود اپنی تباہی اور نامرادی کو دعوت دینا ہے۔ جاؤ۔ یورپ میں جا کر دیکھ لو۔ احمدیّت کے ثمرات کس طرح اسلام کی قوت کا موجب ہو رہے ہیں۔ کیا یہ کسی مفتری علی اللہ اور مخالف اسلام کے کام ہیں؟ آخر یہ کیا بات ہے کہ جس کو آپ مفتری علی اللہ کہتے ہیں، اسی کے ہاتھ پر اسلام کامیاب ہو رہا ہے۔ وہی آج لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (التوبۃ 33:9) کی پیشگوئی کو پورا کرنے کا موجب ہے؟ اگر یہ مجدد نہیں، اگر یہ محدّث نہیں، اگر یہ مسیح موعود اور مہدی نہیں، اور سب سے بڑھ کر میں کہوں گا اگر یہ شخص ظلّی طور پر محمد اور احمد کی چادر پہنے ہوئے نہیں، تو پھر حق اور باطل میں کوئی امتیاز نہیں رہ سکتا۔

''محمد مفلح'' ہونے کا دعوٰی

ایک دعوٰی ''محمد مفلح'' ہونے کا بھی سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوٰی حاشر ہونے کا بھی ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا انا حاشر الّذی یحشر النّاس علٰی قدمی. ظاہر ہے کہ اس کو کوئی الگ خاص منصب یا دعوٰی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ ایک صفاتی نام ہے جو کام کے لحاظ سے آپؐ کو دیا گیا۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحبؑ نے بھی جب محمدّیت کی چادر پہن کر کامیابی اور فلاح کا مقام پایا تو آپ کا نام اللہ تعالیٰ نے ''محمد مفلح'' رکھ دیا۔ ایسی باتوں کو دعاوی کی فہرست میں لانا ہے تو اور بھی بہت سے نام ہیں جن کے ذریعہ اس فہرست کو بہت زیادہ لمبا کر کے سیّد صاحب کی ''پریشانی'' کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ عبدالقادر، سلمان، حارث اور کئی ایک اور نام حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں موجود ہیں۔ ان کو کیوں دعاوی میں شمار نہیں کیا تا کہ ''دعاوی

کی کثرت، ندرت اور تنوّع'' بڑھ جاتی اور آپ کا مقصد زیادہ اچھی طرح پورا ہوسکتا۔

دعویٰ مہدویّت

سولہواں دعویٰ مہدی ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ بے شک صحیح ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ مہدی ہونے کا بھی تھا۔اس پر سیّد صاحب کو کیا اعتراض ہے۔کیا حدیث میں نہیں آیا **لَامَھْدِی اِلَّاعِیْسٰی** کیا مہدی کی علامات جو آثار میں لکھی ہیں پوری نہیں ہوچکیں؟ اگر ہوچکی ہیں تو حضرت مرزا صاحب نہ سہی کوئی اور مہدی پیدا کرلو۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ ان کا دعویٰ خونی مہدی ہونے کا نہیں۔جیسا کہ آپ کا اعتقاد ہے کہ مسیح موعود کے ساتھ مہدی بھی ظاہر ہوگا، جو اپنی شمشیرِ خوں آشام سے تمام کفّار کو نیست و نابود کردے گا۔ یہ اعتقاد اسلام کے خلاف ہے۔اسلام نے کہیں بھی کفار کو محض اختلافِ مذہب کی وجہ سے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، سوائے اس کے کہ وہ بالمقابل تلوار اٹھائیں۔(اس پر ہم آگے چل کر مسئلہ جہاد کے ضمن میں بحث کریں گے) لیکن یہاں اسی قدر عرض کرنا ہے کہ خونی مہدی ہونے کا مرزا صاحبؑ کو کوئی دعویٰ نہیں، اور نہ ایسے مہدی کا آنا اسلام جائز ٹھہراتا ہے۔ ہاں! **لَامَھْدِی اِلَّاعِیْسٰی** کی حدیث کے مطابق آپ مسیح بھی ہیں اور مہدی بھی۔

سترھواں دعویٰ جزوی وظلّی نبی ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔اس کو ''دعویٰ نبوّت'' سے الگ بیان کرنا محض دعاوی کا نمبر بڑھانے کے لئے ہے۔آگے چل کر نبوّت کی بحث میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

صور ہونے کا دعویٰ؟

اٹھارھواں دعویٰ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''چشمہ معرفت'' صفحہ 76 پر حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ: ''اس جگہ صور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے''۔اس لئے ان کا دعویٰ صور

ہونے کا بھی ہے۔ کیا یہ بھی کوئی منصب ہے کہ سیّد صاحب نے اس کو دعاوی کی فہرست میں الگ کر کے لکھا ہے! اور اس کے ثبوت میں جو فقرہ لکھا ہے، وہ بھی نا تمام ہے، چہ جائیکہ اس کی سیاق وسباق کی عبارات کو نقل کر کے قارئین کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے چشمہ معرفت صفحہ 75 پر یاجوج ماجوج کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے آیہ کریمہ **وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا.** (الکھف 99:18) نقل کی ہے اور بتایا ہے کہ جب **یاجوج ماجوج** کے فتن کمال کو پہنچ جائیں گے تو پھر قرنا پھونکا جائے گا۔ وہ قرنا کون ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ:

''یہی محاورہ پہلی کتابوں میں بھی آیا ہے کہ خدا کے نبیوںؑ کو خدا کی قرنا قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح قرنا بجانے والا قرنا میں آواز پھونکتا ہے، اسی طرح خدا ان کے دلوں میں آواز پھونکتا ہے۔ اور یاجوج ماجوج کے قرینہ سے قطعی طور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ قرنا مسیح موعود ہے۔ کیونکہ احادیثِ صحیحہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یاجوج ماجوج کے زمانہ میں ظاہر ہونے والا مسیح موعود ہی ہوگا''۔ (چشمہ معرفت ص78)

فرمایئے۔ اس میں کونسی خلاف اسلام بات ہے؟ اور کونسا نیا دعویٰ ہے۔ اس آواز کی وجہ سے، جو خدا نے مسیح موعود کے اندر پھونکی، انہوں نے اپنے آپ کو صور یا قرنا کہہ دیا تو کیا قیامت آ گئی؟!

سنگِ اسود ہونے کا دعویٰ؟

ایک انیسواں دعویٰ ''سنگِ اسود'' ہونے کا بھی پیش کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود ایک رؤیا میں بیان فرماتے ہیں کہ ''ایک شخص نے میرے پاؤں کو بوسہ دیا۔ میں نے کہا کہ سنگِ

اسود میں ہوں''۔معلوم نہیں اس میں کونسی ایسی بات ہے کہ اس کو''سنگِ اسود ہونے کا دعوٰی'' قرار دے دیا گیا۔ایک خواب یا کشف کی حالت ہے۔اسی حالت میں یہ کہا ہے کہ''سنگ اسود میں ہوں''۔جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ سنگ اسود کی طرح مخلوقِ خدا کی بوسہ گاہ آپ ہوں گے۔اوراس لحاظ سے ہر نیک اور پاک انسان، ہرایک راستباز اور ولی اللہ''سنگ اسود'' ہے۔ پھر کتب تعبیر میں صاف لکھا ہے **ومن رای انّہ یمسح وجهه بالحجر الا سود اویقبله فانّهٔ یصحب فاضلًا من اهل العلم ویکتسب منه فوائد.** یعنی جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس نے اپنا مونہہ حجرِ اسود سے چھوا ہے، وہ کسی فاضل کی صحبت اختیار کرے گا اور اس سے اکتسابِ علم کرے گا۔پس حضرت مسیح موعودؑ کو یہ دکھایا جانا کہ وہ سنگ اسود ہیں اورانہیں بوسہ دیا گیا ہے، آپؑ کی فضیلتِ علمی اورلوگوں کے اس سے فیض حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

''امین الملک جے سنگھ بہادر'' کا خطاب

بیسواں دعوٰی، جس کو سیّد صاحب نے عجیب ترین دعوٰی قرار دیا ہے، یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کو''امین الملک جے سنگھ بہادر'' کہا گیا۔ میں نہیں سمجھتا اس میں کونسی عجیب بات ہے۔تعجب ہے دعاوی کا نمبر بڑھا کران کی''کثرت، ندرت اورتنوّع'' ثابت کرنے کا سیّد صاحب کواس قدر شوق ہے کہ اصل حقیقت پرکوئی غور ہی نہیں کیا۔''امین الملک'' ہونا بھی خلاف شریعت ہے۔دنیوی بادشاہوں کے وزراء امین الملک ہو سکتے ہیں اوراحکم الحاکمین کا ایک مامور''امین الملک'' کا خطاب نہیں پا سکتا۔اس میں کونسی''عجیب ترین'' بات ہے۔اللہ تعالٰی نے حضرت مرزا صاحبؑ کو''امین الملک'' کے نام سے پکارا تو کیا اندھیر آ گیا۔کیا شرعاً یہ منع ہے؟ ذرااس کوبھی صاف کردیا ہوتا۔

رہا''جے سنگھ بہادر'' کا خطاب۔اس میں شک نہیں کہ غیرزبان کے لفظ ہونے کی وجہ

سے آپ کو یہ الفاظ اچنبا معلوم ہوں ۔مگر زبانیں تو سب خدا کی ہیں ۔کیا خدا کوکسی دوسری زبان میں کلام کرنا گناہ ہے۔ ہاں! اس کے معنی کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں کونسی خلاف شریعت بات ہے۔ ''جے'' کے معنی فتح۔ ''سنگھ'' کے معنی شیر۔تو ''جے سنگھ بہادر'' کے معنی ہوئے ''خدا کے شیر کی فتح''۔اس میں کیا برائی ہے۔شریعت کے خلاف کیا بات ہے۔ غیر زبان میں یہ الہام کیوں ہوا۔ چونکہ آپ کا مشن سکھوں کی طرف بھی تھا،اس لئے اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی کہ اللہ کے شیر کو سکھوں پر بھی فتح حاصل ہوگی ۔اس میں ''عجیب ترین'' کیا بات ہے؟ کیا فتح کی خوشخبری بُری چیز ہے۔ہاں! آپ لوگوں کے ایمان شائداس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ آپ کوکسی غیرقوم پر اسلام کی فتح بھی عجیب ترین اور اچنبا بات معلوم ہوتی ہے۔لیکن خدا کے ماموراوراس کی جماعت کے لئے، جو اس کی آیات بینات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے ایمانوں کو مضبوط کر چکے ہیں، یہ کوئی عجیب بات نہیں۔

اصل دعاوی پر کوئی بحث نہیں کی گئ

یہ کُل بیس دعوے ہیں جو سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کئے ہیں۔اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں،آپ کے صفاتی اور روحانی ناموں اور خوشخبریوں کو بھی دعاوی میں شمار کر کے خواہ مخواہ فہرست کو لمبا کر لیا گیا ہے تا کہ کسی طرح دعاوی کی ''کثرت، ندرت اور تنوّع'' ثابت ہو جائے۔اور سیّد صاحب کی پریشانی میں ان کے پڑھنے والے بھی شامل ہوں۔ہم بتا چکے ہیں کہ اگر ایسے ہی دعاوی سے اس فہرست کو لمبا کرنا تھا تو ہم سے پوچھ لیا ہوتا۔ہم اور بھی اس قسم کے دعاوی بتا کر اس فہرست کو اور لمبا کر دیتے۔لیکن اس سے سوائے اس کے، کہ سیّد صاحب کی ''علمی فرومائیگی'' کا ایک اور ثبوت فراہم ہو، اور کوئی نتیجہ نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اصل دعاوی وہی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔یعنی مجدّد، مسیح موعود اور مہدی۔ان دعاوی کو سیّد صاحب نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ لگانے کی انشاءاللہ جرأت ہوگی۔

✡

نو واں باب

ختم نبوّت کا مفہوم اور ظلّی بروزی نبوّت (1)

سیّد حبیب کی چھٹی دلیل

احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کی چھٹی دلیل سیّد صاحب نے یہ دی ہے کہ:

''مجھے علیٰ وجہ شہادت علم ہے کہ خاتم النّبیّن کا جو مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے، وہ احمدی جماعت کے مفہوم ذہنی سے کوسوں دور ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خاتم النّبیّن کے معنی یہ ہیں کہ سرورکائنات فداہ امی وابی کے بعد کوئی ظلّی، بروزی، صاحب شریعت یا بغیر صاحب شریعت نبی مبعوث نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس احمدی جماعت مرزا صاحب کی نبوّت کی قائل ہے اور خود مرزا صاحب مدعیٔ نبوّت ہیں۔ لہٰذا میرے لئے ''تحریک قادیان'' قابل قبول نہیں''۔

ختمِ نبوّت اور نزول مسیحؑ

خاتم النّبیّن کے یہ معنی جو سیّد صاحب نے کئے ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ ''عام مسلمانوں'' کے اس مفہوم ذہنی کے کہاں تک مطابق ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں، کہ بقول آپ کے ''سرورکائنات کے بعد کوئی ظلّی، بروزی، صاحب شریعت یا غیر صاحب شریعت نبی مبعوث نہیں ہوسکتا''، حضرت عیسیٰؑ کا

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ اخبار پیغام صلح 11 ستمبر 1933ء

دوبارہ آنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ کیا ختم نبوّت صرف نئے نبی کا آنا روکتی ہے اور پُرانے نبی کا آنا غیر ممتنع ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ بالکل صحیح آپ نے کہا ہے کہ خاتم النّبیّن کا یہ مفہوم ''احمدی جماعت کے مفہومِ ذہنی سے کوسوں دور ہے''۔

جماعت احمدیہ کے نزدیک ختمِ نبوّت کا مفہوم

ہمارے نزدیک ختم نبوّت نہ صرف نئے نبی کا آنا روکتی ہے بلکہ پُرانے نبی کا آنا بھی ممتنع ٹھہراتی ہے۔ اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

> ''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد اس امّت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا''۔ (نشان آسمانی ص28)

اس حوالہ کو سیّد حبیب صاحب نے خود دوسری جگہ نقل کیا ہے۔ اور ایک نہیں، دو نہیں، بیسیوں ایسے اقوال آپ کی تحریرات سے پیش کئے جاسکتے ہیں جن میں آپ نے ختمِ نبوّت کا وہ مفہوم بیان کیا ہے جس کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ سیّد حبیب اور ان کے دوسرے ہم نوا کسی ''ظلّی، بروزی، صاحب شریعت یا بغیر صاحب شریعت نبی کے مبعوث'' ہونے کے تو قائل نہیں لیکن ایک ایسے نبی کے آنے کے قائل ہیں جو ظلّی و بروزی نہیں بلکہ اصلی اور حقیقی نبی ہے۔ اور اس بات پر محکم ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جو رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآئِیۡلَ (ال عمران 49:3) تھے اور صاحب شریعت بھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنا کام بتایا ہے وَلِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ. (ال عمران 50:3) وہ آخری زمانہ میں اُمّت محمدؐیہ کی اصلاح کے لئے نازل ہوں گے۔ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت ختم نبوّت کہاں باقی رہ جائے گی؟!

اور کسی ''ظلّی ، بروزی ، صاحب شریعت یا بغیر صاحب شریعت نبی'' کے مبعوث نہ ہونے کا اعتقاد کہاں جائے گا ؟

تعجب ہے یہ لوگ خود تو ایسا اعتقاد رکھتے ہیں جو ختم نبوّت کے صریحاً منافی ہے اور الزام احمدی جماعت اور حضرت مسیح موعودؑ پر لگاتے ہیں کہ وہ ختم نبوّت کے قائل نہیں ۔ حالانکہ جماعت احمدیہ لاہور اپنے مرشد و امام حضرت مسیح موعودؑ کی اتباع میں خاتم النّبیّن کا جو مفہوم سمجھتی ہے، وہ وہی ہے جو ''عام مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے''۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عام مسلمان اس مفہوم کے باوجود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایک پرانا نبی بھی پھر دنیا میں آنے والا ہے۔ ہم اس کو بھی جائز نہیں سمجھتے ۔ ہاں ! ظلّی ، بروزی یا غیر شرعی نبوّت الگ چیز ہے۔ سیّد صاحب نے غلطی سے اس کو بھی اصلی اور حقیقی نبوّت سمجھ لیا ہے، حالانکہ درحقیقت یہ وہی ''رنگ انبیاء'' ہے جس کا اس سے پیشتر مفصّل ذکر کیا جا چکا ہے۔

نبوّت ختم ہے۔ مبشرات باقی ہیں

اسی کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزوی نبوّت کے نام سے پکارا ہے۔ چنانچہ فرمایا **لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ. قَالُوْا وَمَا الْمُبَشَّرَاتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلرُّوْیَا الصَّالِحَةُ** یعنی نبوّت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا، سوائے مبشرات کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ ! مبشرات کس چیز کا نام ہے۔ فرمایا رویائے صالحہ کا۔ اور پھر فرمایا **رؤیا الْمُوْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءِ مِّنَ النُّبُوَّةِ.** یعنی مؤمن کا رؤیا نبوّت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس حدیث کے لفظ صاف ہیں۔ **جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءٌ مِنَ النُّبُوَّةِ** ''نبوّت کا چھیالیسواں جزو'' کیا جزوی نبوّت اور **جُزْءِ مِّنَ النُّبُوَّةِ** میں کوئی فرق ہے؟

غور کرنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ جزوی نبوّت

جاری ہے جس کو مبشرات یا رویائے صالحہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اور محدّثین نے رؤیا میں الہام الٰہی کو بھی شامل کیا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک ملہم من اللہ جزوی نبوّت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اسی کو بزرگان اُمّت نے ظلّی، بروزی اور غیر شرعی نبوّت قرار دیا ہے جو محدّثیت کے مفہوم سے بڑھ کر نہیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔ لیکن سیّد حبیب کہتے ہیں کہ نہیں، کوئی ظلّی و بروزی نبی نہیں ہوسکتا۔ گویا وہ اُمّت کو مکالمات ومخاطبات الٰہیہ کے شرف سے بھی محروم کرنا چاہتے ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

مولانا رومؒ کے نزدیک پیرا اپنے وقت کا نبی ہے

ختمِ نبوّت کا یہ مفہوم ان بزرگان اُمّت کے ذہنوں میں نہ تھا جنہوں نے کھلے طور پر اس اُمّت میں نبوّت عامہ اور مطلق نبوّت کو جاری قرار دیا۔ اولیاء اللہ کو ظلِّ نبوّت ٹھہرایا۔ انہیں مرتبہ نبوّت پر فائز بتایا اور نبی کا لفظ ان پر استعمال کیا۔ بطور مثال ملاحظہ ہو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام، جو انہوں نے اپنے ''قرآں در زبان پہلوی'' یعنی مثنوی میں لکھا ہے۔ مولیٰنا رومؒ کے بارے میں لکھا ہے ۔

من چہ گوئم وَصفِ آں عالی جناب   نیست پیغمبر مگر دارد کتاب

مثنوی مولوی معنوی   ہست قرآن در زبان پہلوی

حضرت مسیح موعود بھی فرماتے ہیں ۔

وہ چہ خوب ست ایں اصول رہروی   یادگارِ مولوی در مثنوی

یعنی واہ واہ سلوک کا یہ اصول کیسا عمدہ ہے جو مثنوی مولوی رومی کی یادگار رہے۔ اور فرماتے ہیں ۔

ہم دریں معنیست گر تو بشنوی　　　یادگار مولوی در مثنوی

یعنی اگر تو سنے تو اسی مطلب کا مضمون اس مثنوی میں بھی ہے جو مولوی رومی کی یادگار رہے

حضرت مولٰینا روم فرماتے ہیں۔

چوں بدادی دست خود در دستِ پیر　　　بہر حکمت کو لطیف است و خبیر

او نبی وقت خویش است اے مُرید　　　تا زانکہ زد نورِ نبی آید پدید

مکر کن در کار نیکو خدمتے　　　تا نبوّت یابی اندر اُمّتے

(مثنوی مولانا روم دفتر پنجم)

ذرا دوسرا شعر بغور پڑھیئے۔ حضرت مولٰینا رومؒ فرماتے ہیں ع

او نبی وقت خویش است اے مرید

یہ ''او'' کی ضمیر کس طرف جا رہی ہے؟ یقیناً پیر کی طرف جا رہی ہے۔ اس میں کچھ شک ہے نہ شبہ۔ فرماتے ہیں کہ پیر اپنے وقت کا نبی ہے۔ گویا حضرت مولٰینا کے نزدیک ہر کامل پیر، ہر کامل شیخ اور کامل مرشد، نبی وقت ہے۔ خدا جانے ان تیرہ چودہ صدیوں میں کتنے ایسے نبی آئے ہوں گے اور کتنے آئندہ آئیں گے۔ آپ تو ایک نبی کا رونا رو رہے ہیں۔ یہاں تو نبیوں کا ایک لمبا سلسلہ نظر آتا ہے جو قیامت تک چلتا رہے گا۔

صاحبِ ''بحر العلوم'' کا عقیدہ کہ اولیاء اللہ کو نبوّت ملتی ہے

تیسرے شعر کی تشریح میں صاحبِ ''بحر العلوم'' فرماتے ہیں:

''از مکر مراد تدبیر است و مراد از نبوّت مرتبہ ارشاد است پس ایں نبوّت

> عامہ است و بایں نبوّت اولیاء میرسند وایشاں راالانبیاء والاولیاء می گویند وایں انبیاء واولیاء رالازم است کہ تابع نبی مشرع باشند...... وایں مقام رانبوّت مطلق مے گویند پس معنی قول۔ ''تانبوّت یابی اندر اُمّتے'' آنست کہ تامقام نبوّت مطلق درامت شود و باجود بودن از امت و باوجود بودن اوتابع رسول وشرع محمد اوراانباء ازحق میرسد''۔(بحرالعلوم دفتر پنجم)

یعنی مکر سے تدبیر مراد ہے اور نبوّت سے مراد مرتبہ ارشاد ہے۔ پس یہ نبوّت عامہ ہے۔اور اس نبوّت عامہ پر اولیاء پہنچتے ہیں اور انہیں الاولیاء والانبیآء کہتے ہیں۔اور ان انبیاء واولیاء پر لازم ہوتا ہے کہ صاحب شریعت نبی کے تابع ہوں......اور اس مقام کو نبوّت مطلق کہتے ہیں۔ پس اس قول کا، کہ''تانبوّت یابی اندر اُمّتے''، یہ مطلب ہوا کہ تا نبوّت مطلق کا مقام اس اُمّت کو حاصل ہو اور اس کے اُمّتی کو شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونے کے باوجود اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں پہنچیں ۔ جناب حبیب غور کریں کہ ان الفاظ میں صاحب بحرالعلوم نے کس صفائی کے ساتھ نبوّت عامہ اور مطلق نبوّت کو اُمّت میں جاری قرار دیا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں بھی ختم نبوّت کا وہ مفہوم ہرگز نہ تھا جو آج جناب حبیب کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔اور سن لیجئے:

> ''نبوّت تشریع ورسالت تشریع اگرچہ منقطع است بعد آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم لیکن اولیاء امت راکہ علمائے صالحان اند مرتبہ نبوّت اللہ تعالیٰ عطا فرمودہ است (بحرالعلوم دفتر ششم)

یعنی شرعی نبوّت اور شرعی رسالت اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو چکی ہے، لیکن اولیائے اُمّت کو، کہ علمائے صالح ہیں، اللہ تعالیٰ نے مرتبہ نبوّت عطا کیا ہے۔کیا صاحب بحرالعلوم کا یہ مفہوم ذہنی، جو ختم نبوّت کے متعلق انہوں نے پیش کیا ہے، حبیب صاحب

کے مفہوم ذہنی سے کوسوں دور نہیں، اور جماعت احمدیہ کا عقیدہ اور حضرت مسیح موعود کی نبوّت اوّل الذکر کے عین مطابق نہیں؟

امام شعرانیؒ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا عقیدہ

اور لیجئے۔امام العارف ربّانی سیّد عبدالوہاب الشعرانیؒ لکھتے ہیں:

قال الشیخ محی الدین فی حضرة الخیال ادرک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم العلم صورة اللبن ولذا کان یؤل به رؤیاه ھذا ھو ما ابقاه اللّٰه تعالٰی علی الامّة من اجزاء النبوّة فانّ مطلق النبوة لم یرتفع وانّما ارتفعت نبوة التشریع فقط کما یؤیده حدیث من حفظ القراٰن فقد ادرجت النبوة بین جنبیه فقد قامت بھٰذا النبوة بلا شک وقوله صلی اللّٰه علیه وسلم فلا نبی بعدی ولا رسول المراد لامشرع بعدی (الیواقیت والجواہر جلد 2 ص 22 مطبوعہ مصر)

یعنی شیخ محی الدین حضرت الخیال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو دودھ کی شکل میں پایا۔اس لئے دودھ کے خواب کی تعبیر علم سے کیا کرتے تھے۔اور اجزاء نبوّت میں سے یہی وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُمّت میں باقی رکھا ہے۔کیونکہ مطلق نبوّت نہیں رفع ہوئی اور صرف نبوّت تشریعی اٹھائی گئی ہے۔جیسا کہ اس حدیث سے تائید ہوتی ہے کہ جس نے قرآن حفظ کیا، نبوّت اس کے دونوں پہلوؤں میں درج کی گئی۔پس بیشک یہ نبوّت قائم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ کوئی رسول ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ

شریعت لانے والا کوئی نہیں۔

جزئی نبوّت، محدّثیّت ہے

کس قدر صاف اور کھلے الفاظ ہیں۔ اجزاء النبوّت یا رؤیا جس کو مطلق نبوّت کے نام سے تعبیر کیا ہے، وہ امت میں باقی ہے۔ تشریعی نبوّت ختم ہو چکی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا مفہوم ذہنی اس سے مختلف ہے اور حضرت مسیح موعود نے اس مطلق یا جزئی نبوّت سے بڑھ کر تشریعی نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جزئی نبوّت، نبوّت حقیقی ہے۔ احادیث اور اقوال آئمہ میں اس جزئی یا غیر تشریعی نبوّت کو محدّثیّت کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْٓ اُمَّتِیْٓ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ (بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

یعنی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے پہلے جو امتیں تھیں، ان میں محدّث ہوا کرتے تھے۔ پس اگر میری اُمّت میں کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

دوسری جگہ بخاری میں یہ حدیث ان الفاظ میں آئی ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیلَ رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْٓا اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ. (ایضًا)

یعنی حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے آدمی تھے جن سے مکالمہ (الٰہیہ) ہوتا
تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ سو اگر میری اُمّت میں اُن میں سے کوئی ہے
تو وہ عمرؓ ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے نزدیک کثرت مکالمہ پانے والا محدّث ہے

ان احادیث میں اس جزئی نبوّت کی، جو لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ میں
،تشریح ہے۔ اور ان سے صاف ثابت ہے کہ مبشرات، مکالمہ الٰہیہ یا جزئی نبوّت و محدّثیت ہی کا
دوسرا نام ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

**اعلم ایّھا الاخ الصدیق ان کلامه سبحانهٗ مع البشر قدیکون
شفا ھاوذٰلک الا فراد من الانبیآء علیھم الصلوٰة والتسلیمات
وقد یکون ذالک لبعض المکمل من متابعیھم بالتبعیة والوراثة
ایضًا واذا کثرھٰذا القسم من الکلام مع واحد منھم سمی محدّثًا
کما کان امیر المؤمنین رضی اللّٰہ تعالٰی عنه**

''اے برادر صدیق! جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام بشر کے ساتھ کبھی ایسا
ہوتا ہے جیسا ان کے سامنے اور یہ انبیاءؑ کے لئے ہے۔ اور کبھی ان کے
پیرووں میں سے بعض کے لئے جو کمال حاصل کر چکے ہوں، بہ سبب
پیروی اور وراثت کے بھی ایسا کلام ہوتا ہے۔ اور جب یہ قسم کلام ان میں
کسی ایک کے ساتھ کثرت سے ہو تو اس کا نام محدّث رکھا جاتا ہے۔ جیسے
امیر المومنین حضرت عمرؓ کا رکھا گیا''۔ (مکتوب پنجاہ)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس جزئی نبوّت یا مبشرات کے امّت میں باقی رہنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی۔ اور حضرت مولانا رومؒ صاحب بحر العلوم، حضرت امام شعرانیؒ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے اسے مطلق نبوّت یا نبوّت عامہ کے نام سے تعبیر کیا، وہ محدّثیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور یہی جماعت احمدیہ لاہور اور خود حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ ہے جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائے گا۔

بزرگانِ اُمّت کا مفہوم ذہنی اور سیّد حبیب

سیّد حبیب کا ''مفہوم ذہنی'' اگر اس سے مختلف ہو تو یہ ہمارا قصور نہیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کریں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور بزرگان اُمّت کے عقائد کو اپنا زاویہ نگاہ بنائیں۔ انہیں غور کرنا چاہئے کہ جب حدیث میں مبشرات یا جزئی نبوّت کے بقاء کا ذکر موجود ہے، جب بزرگانِ امّت صرف تشریعی نبوّت کے اُٹھ جانے کے قائل ہیں اور غیر تشریعی نبوّت کو لَمْ یَبْقَ مِنَ النَبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ کے ماتحت جزئی نبوّت یا نبوّت مطلقہ و نبوّت عامہ قرار دے کر جاری ٹھہراتے ہیں، تو یہ قول کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ:

> ''خاتم النّبیّن کے معنی یہ ہیں کہ سرورِ کائنات فداہ امی وابی کے بعد کوئی ظلّی، بروزی، صاحب شریعت یا بغیر صاحبِ شریعت نبی مبعوث نہیں ہوسکتا''۔

کیا وہ خاتم النّبیّن کے ان معنوں کے متعلق کوئی سند پیش کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو صاحب شریعت کے ماسوا ظلّی و بروزی یا جزئی نبوّت کو (جو غیر شرعی نبوّت ہے اور تمام اولیاء اللہ کو علیٰ قدر مراتب ملتی رہی ہے) کیونکر منقطع قرار دیا جاسکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ روحانی اور ظلّی نبوّت

اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض روحانی بھی بند ہوگیا۔ اور

آپؐ کی اتبّاع سے اب کوئی شخص اس خلعت مکالمہ ومخاطبہ کو بھی حاصل نہیں کرسکتا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبشرات یا جزونبوّت قرار دیا ہے۔ افسوس! کہ آج ظلّی و بروزی نبوّت کا اطلاق بھی گناہ ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فیض رسانی کو ظاہر کرتے ہیں جو کمالِ متابعت سے حاصل ہوتی اور فنافی الرسول کے درجہ تک پہنچاتی ہے اور جس کو تمام بزرگانِ اُمّت نے تسلیم کیا ہے۔

ظلّی نبوّت ''شرح فتوح الغیب'' میں (1)

سیّد صاحب کو چاہئے کہ ''شرح فتوح الغیب'' کا مطالعہ کریں۔ جس میں حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام **فحینئذ تکون وارث کل رسول ونبی وصدیق** کی تشریح کرتے ہوئے صاف لکھا ہے:

> ''پس اس وقت تُو ہوگا میراث خود کل پیغمبروںؑ اور صدیقوں کا جو کچھ کہ ان سے رہا ہے۔ اور مرتبہ علم اور دین اور منصب ارشاد ہدایت تجھ کو ملے گا کیونکہ **ولایت، نبوّت کا ظلّ ہے**''۔

پھر مرتبہ اوتیت **جوامع الکلم** کے ذیل میں لکھا ہے:

> ''(مجھے ایسے کلمات دیئے گئے جو جامع ہیں) جو خاص کلام حضرت خاتمیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ہے۔ اوران کلمات سے ہر کلمہ جامع ساکنان راہ قرب اور اصول کے لئے ایک قاعدہ کلیہ اور کامل دستور العمل ہے۔

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار ''پیغام صلح'' مورخہ 15 ستمبر 1933ء

چونکہ **ولایت درحقیقت نبوّت کا ظلّ ہے**۔ پس جو کچھ اس شخص میں ہے، وہ سایہ میں بھی ہویدا ہوگا۔ خصوصاً ولایت کبریٰ میں''۔(شرح فتوح الغیب ص 12و13 مطبوعہ نولکشور)

ظلّی نبوّت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں

ایسا ہی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اکمل تابعان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بجہت کمال متابعت وفرط محبت بلکہ بمحض عنایت وموہبت جمیع کمالات انبیاء متبوعہ خودراجذب مے نمایند وبکلیّت برنگ ایشاں منصبغ میگر دندحتی کہ فرق نمے ماند درمیان متبوعان وتابعان الابالاصالۃ والتبعیّۃ والا وّلیۃ والا خیریۃ ...... **فکیف یتصور المساوات بین الاصل والظل**'' (مکتوبات جلد1 مکتوب248)

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کامل تابعدار کمال متابعت اور کثرت محبت کی وجہ سے بلکہ محض عنایت وبخشش سے اپنے نبی متبوع کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں اور کلّی طور پر ان کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں حتّٰی کہ متبوع اور تابع میں کوئی فرق نہیں رہتا مگر صرف اصالت اور تابعداری اور مقدم اور مؤخر ہونے کا...... پس اصل اور ظلّ میں مساوات کیونکر متصور ہوسکتی ہے۔

حضرت اسمٰعیل شہیدؒ اور ظلّی نبوّت

کیا اس قدر کھُلے اور صاف ارشادات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا جائز ہے کہ ظلّی

و بروزی نبوّت کا اطلاق بھی کسی امّتی پر نہیں ہوسکتا۔ اور خاتم النّبیّن کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ ظلّی و بروزی اور غیر شرعی نبوّت بھی ختم ہوگئی۔ اگر اس سے بھی بڑھ کر صفائی کی ضرورت ہوتو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب ''صراط مستقیم'' کو پڑھ لیجئے۔ فرماتے ہیں:

> ''اور بہتیرے ایسے مزّکی اور مصفّٰی ہوں گے کہ ان کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشابہت ہوگی اور رسالت کے ظلّ ہوں گے اور جس موقعہ سے انبیاءؑ لوگ علوم غیبیہ اخذ کرتے تھے، اسی جگہ سے یہ لوگ بھی حاصل کریں گے۔ اس واسطے ایسے لوگ انبیاءؑ کے استاد بھائی کہلاتے ہیں۔ الغرض یہ لوگ اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ اگر نبی کا ہونا ختم نہ ہوتا تو منصب نبوّت پر یہ لوگ قائم ہوتے۔ حاصل کلام ایسے لوگ قیامت تک ہوا کریں گے''۔ (تمہید صراط مستقیم مترجمہ عبدالجبار)۔ پھر لکھا ہے:

> ''اور باوجودیکہ عہدہ نبوّت کا ختم ہوا، تب بھی واسطے متفاوت ہونے اوقات اور اشخاص کے، عہدے امامت کے مقرر ہوئے اور **منصبِ امامت کا حقیقت میں ظلّ نبوّت کا ہے**۔ اب نبی نہ ہوں گے مگر امامِ زمان ہوا کریں گے''۔ (مقدمہ صراط مستقیم ص 11)

''عام مسلمان'' اور بزرگانِ اُمّت

کیا اب بھی ظلّی اور بروزی اور غیر تشریعی نبوّت کے باقی رہنے میں کلام ہوسکتا ہے؟ کیا اب بھی سیّد حبیب اسی بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ خاتم النّبیّن کا جو مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے، وہ احمدی جماعت کے ''مفہوم ذہنی'' سے کوسوں دور ہے؟ وہ کون ''عام مسلمان'' ہیں جن کی طرف حبیب صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ کیا وہ مولانا رومؒ،

امام شعرانیؒ، شیخ محی الدین ابن عربیؒ، حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے علاوہ کوئی اور مسلمان ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ بے شک صحیح ہے کہ ان کے ''مفہوم ذہنی'' سے احمدی جماعت کا ''مفہوم ذہنی'' کوسوں دور ہے۔ احمدی جماعت کا ''مفہوم ذہنی'' انہی بزرگوں کے ''مفہوم ذہنی'' کے مطابق ہے جن کا اوپر ذکر ہوا اور انہی کے پاک ارشادات اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت وہ حضرت میرزا صاحبؑ کو ظلّی، بروزی، جزوی، مجازی اور غیر شرعی نبی مانتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ کہ کمال پیروی سے ظلّی نبوّت ملتی ہے

اسی کا دعوٰی خود حضرت مرزا صاحبؑ کو تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اور جانتا ہوں کہ تمام نبوّتیں اس پر (یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ مگر ایک قسم کی نبوّت ختم نہیں۔ یعنی وہ نبوت، جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے، وہ ختم نہیں۔ کیونکہ وہ محمدؐی نبوّت ہے یعنی اس کا ظلّ ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے۔ اور اسی سے فیض یاب ہے''۔ (چشمہ معرفت ص324)۔ پھر لکھا ہے:

''اور جب اس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک ظلّی نبوّت اس کو عطا کرتا ہے جو نبوّت کا ظلّ ہے۔ یہ اس لئے کہ تا اسلام ایسے لوگوں کے وجود سے تازہ رہے...... اور لعنت ہے اس شخص پر جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوّت کا دعوٰی کرے مگر یہ نبوّت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ہے، نہ کوئی نئی نبوّت''۔ (چشمہ معرفت ص325)

شرعی نبوّت ختم۔ رنگِ انبیاءؑ باقی

''مواہب الرحمٰن'' میں فرماتے ہیں:

''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں اُمّت وایشاں رارنگ انبیاء دادہ میشود وایشاں درحقیقت انبیاء نیستند زیراکہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ''۔(مواہب الرحمٰن ص66)

جزئی نبوّت یا محدّثیّت اور حضرت مسیح موعودؑ

جزئی نبوّت کے متعلق، جس کا حدیث اور بزرگانِ امّت کے کلام میں ذکر آ چکا ہے، حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

فاعلم ارشدک اللّٰہ تعالی ان النّبی محدث والمحدث نبی باعتبار حصول نوع من انواع النبوۃ وقد قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم لم یبق من النبوۃ الا المبشرات ای لم یبق من انواع النّبوّۃ الّا نوع واحد وھی المبشرات من اقسام الرؤیا الصادقۃ والمکاشفاۃ الصحیحۃ والوحی الذی ینزل علٰی خواص الاولیاء والنّور الّذی یتجلّٰی علٰی قلوب قوم مرجع فانظر ایّھا الناقد البصیر الفھیم من ھٰذا اسد باب النّبوّۃ علٰی وجہ کلّی بل الحدیث یدل علٰی انّ النّبوّۃ الّتی لیس فیھا الا المبشرات فھی باقیۃ الٰی یوم القیامۃ لاانقطاع لھاابدًا وقد علمت وقرأت فی کتب الحدیث انّ الرؤیا الصالحۃ جزء من ستّۃ واربعین جزء

من النّبوّۃ ای من النّبوّۃ التامۃ فلما کان الرؤیا نصیب من ھٰذہ المرتبۃ فکیف الکلام الّذی یوحٰی من اللّٰہ تعالٰی الٰی قلوب المحدّثین فاعلم ایّدک اللّٰہ ان حاصل کلامنا ان ابواب النّبوّۃ الجزئیۃ مفتوحۃ ابدًاولیس فی ھٰذا لنّوع الاالمبشرات والمنذرات من امور المغیبۃ اواللطائف القراٰنیۃ والعلوم اللدنیۃ واما النّبوّۃ الّتی تامۃ کاملۃ جامعۃ لجمیع کما لات الوحی فقد اٰمنّا بانقطا عھا من یوم نزل مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب 40:33)‘‘(توضیح مرام ص2)

ترجمہ۔’’سو جان لے اللہ تعالٰی تجھے ہدایت دے کہ نبی محدّث ہے اور محدّث نبی ہے اس اعتبار سے کہ انواع نبوّت میں سے ایک نوع حاصل کرتا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں باقی رہیں نبوّت سے مگر مبشرات یعنی نبوّت کے انواع میں سے صرف ایک نوع باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات ہیں از قسم رؤیائے صادقہ اور صحیح مکاشفات اور وحی جو خواص اولیاء پر اترتی ہے اور نور جو ایک دردمند قوم کے دل پر اترتا ہے۔ پس دیکھ لے اس سے اے تنقید کرنے والے بصیرت سے کام لینے والے فہیم کہ کیا باب نبوّت کلّی طور پر بند کیا گیا ہے بلکہ حدیث ولالت کرتی ہے اس بات پر، کہ نبوّت تامہ جو وحی شریعت کی حامل ہوتی تھی وہ منقطع ہوچکی ہے لیکن وہ نبوّت جس میں سوائے مبشرات کے کچھ نہیں، وہ قیامت کے دن تک باقی ہے۔ وہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوگی اور تو نے جانا ہے اور حدیث کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ رؤیائے صالحہ ایک

جزو ہے نبوّت کے چھیالیس اجزاء میں سے، یعنی نبوّت تامہ کے اجزاء میں سے۔ پس جب رؤیا کو بھی اس مرتبہ سے کچھ حظ حاصل ہے پس کیا ہو گا وہ کلام جو وحی کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدّثوں کے دل پر۔ سو جان لے اللہ تعالیٰ تجھے مدد دے کہ ہماری کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوّت جزوی کے دروازے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں اور اس نوع میں کچھ نہیں سوائے مبشرات کے اور منذرات کے، جو غیبی امور میں سے ہوں یا قرآنی لطائف کے اور لدنی علوم کے اور وہ نبوّت جو تامہ کاملہ ہے اور اپنے اندر رکھتی ہے سارے کمالات وحی کو سو ہم اس کے منقطع ہونے پر ایمان لا چکے اس دن سے جب یہ آیت نازل ہوئی مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ......الخ اور نہیں محمدؐ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں''۔

اس میں صاف طور پر حضرت مسیح موعودؑ نے تشریعی نبوّت کے اختتام اور جزئی نبوّت یا محدّثیّت کے بقا کا ذکر کیا ہے۔ جیسے اوپر بزرگانِ اُمّت کے کلام سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

نبوّت منقطع۔ کثرتِ مکالمہ باقی

یہی بات آپ نے اپنی آخری کتاب حقیقۃ الوحی میں فرمائی ہے کہ

''والنّبوّۃ قدانقطعت بعد نبیّنا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ولا کتاب بعد الفرقان الّذی ھو خیرالصحف السابقۃ ولا شریعۃ بعدالشریعۃ المحمدیۃ بیدانی سمیّت نبیًّا علٰی لسان خیرالبرّیۃ وذٰلک امر ظلّی من برکات المتابعۃ وما اریٰ فی نفسی خیرًا ووجدّت کلما

وجدّت من هذه النفس المقدسة وماعنی اللّٰہ من نبوّتی الّا کثرۃ المکالمۃ والمخاطبۃ ولعنۃ اللّٰہ علٰی من اراد فوق ذالک اوحسب نفسہ شیًٔا اواخرج عنقہ من الربقۃ النّبوّیۃ وان رسولنا خاتم النّبیّٖن وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین فلیس حقّ احد ان یدعی النّبوّۃ بعد رسولنا المصطفٰی علٰی طریقۃ المستقلۃ ومابقی بعدہٗ الّا کثرۃ المکالمۃ وھوبشرط الاتّباع لا بغیر متابعۃ خیرالبرّیۃ وواللّٰہ ماحصل لی ھٰذٰا المقام من انوار اتباع الاشعۃ المصطفویۃ سمیّت نبیًّا من اللّٰہ علٰی طریق المجاز لا علٰی وجہ الحقیقۃ‘‘.

(الاستفتاء حقیقۃ الوحی ص 64-65)

ترجمہ: اور نبوّت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی اور قرآن کریم کے بعد جو تمام پہلے صحیفوں سے بہتر ہے کوئی کتاب نہیں اور نہ شریعت محمدؐیہ کے بعد کوئی شریعت ہے۔ میرا نام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی، جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں، زبان پر نبی رکھا گیا اور یہ ایک ظلّی امر ہے جو برکات متابعت سے حاصل ہوا ہے۔ اور میں اپنے نفس میں کوئی نیکی نہیں پاتا اور جو کچھ میں نے پایا وہ اسی نفس مقدسہ سے پایا اور اللہ تعالیٰ نے میری نبوّت سے کثرت مکالمہ مخاطبہ کے سوائے اور کچھ مراد نہیں لیا اور جو شخص اس سے بڑھ کر ارادہ کرے یا اپنے آپ کو کوئی چیز سمجھے یا اپنی گردن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوا سے آزاد کرے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور ہمارے رسول خاتم النّبیّٖن ہیں اور ان پر رسولوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ پس کسی کا حق نہیں کہ ہمارے رسول مصطفیٰ

کے بعد مستقل طور پر نبوّت کا دعوٰی کرے اور اس کے بعد کثرت مکالمہ کے سوائے کچھ باقی نہیں رہا۔ اور وہ بھی خیرالبرّیہ کی اتباع کی شرط کے ساتھ بغیر متابعت کے نہیں۔ اور خدا کی قسم یہ مقام مصطفوی شعاؤں کی اتّباع کے بغیر مجھے حاصل نہیں ہوا اور میرا نام اللّٰہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا، حقیقی طور پر نہیں۔

ظلّی نبوّت، ولایت و محدّثیّت ہے

یہیں تک نہیں، ظلّی نبوّت کو بھی آپؑ نے صاف طور پر ولایت اور محدّثیّت ہی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں نے تو ان کتابوں کی تألیف سے صرف خدا کا نشان پیش کیا تھا۔ کیونکہ ولایت کامل طور پر ظلّ نبوّت ہے۔ خدا نے نبوّتِ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اثبات کے لئے پیشگوئیاں دکھلائیں''۔ (حجۃ اللّٰہ ص 14)

ایک اور جگہ لکھا ہے:

''ہمارے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد اس اُمّت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ **ہاں محدّث آئیں گے** جو اللّٰہ جلّ شانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوّتِ تامہ کی **بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں**''۔ (نشان آسمانی ص28)

محدّث بالقوّۃ نبی ہوتا ہے

پھر اسی محدّث کے متعلق لکھتے ہیں:

"ویکلّم اللّٰہ المحدّثین کما یکلّم النّبیّٖن ویرسل المحدّثین کمایرسل الرسل ویشرب المحدّث من عین یشرب منھا النّبیّ فلاشک انہٗ نبی لولاسد الباب وھٰذا ھوالسرّ فی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاسمی الفاروق محدّثا فقفا علٰی اثرہ قولہٗ لوکان بعدی نبی لکان عمر وما کان ھذالاشارۃ الٰی ان المحدّث یجمع کمالات النّبوّۃ فی نفسہٖ ولا فرق الا فرق الظاھر والباطن والقوّۃ والفعل" (حمامۃ البشریٰ ص82)

ترجمہ: اوراس میں شک نہیں کہ تحدیث محض ایک موھبت ہے جوکسب سے ہرگز نہیں ملتی جیسے کہ شان نبوّت ہے۔ اور محدّث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور محدّث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح رسول بھیجے جاتے ہیں۔اورمحدّث اسی چشمہ سے پیتے ہیں جس سے نبی پیتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگرنبوّت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ نبی ہوتا۔ اور اس میں یہ سرّ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروقؓ کومحدّث سےموسوم کیا اوراس کے بعد یہ فرمایا کہ اگر میرے بعدکوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ یہاں سوائے اس کےکوئی اشارہ نہیں کہ محدّث کےنفس میں کمالات نبوّت جمع ہوتے ہیں اورسوائے فرق ظاہر اور باطن اورقوّت اورفعل کےاورکوئی فرق نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ اور بزرگانِ اُمّت کےعقائد میں کوئی فرق نہیں

ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کےنزدیک بھی ظلّی و بروزی

اور غیر تشریعی نبوّت کے وہی معنی ہیں جو بزرگانِ امّت کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ اگر حضرت مسیحؑ موعود نے تشریعی نبوّت کو ختم قرار دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع سے ایک قسم کی نبوّت کا ملنا جائز قرار دیا ہے، تو یہی صاحب ''بحرِ العلوم'' کا ارشاد ہے کہ:

''یعنی قول ''تا نبوّت یابی اندر اُمتے'' آنست کہ مقامِ نبوّت مطلق در اُمّت شود و با وجود بودن از امّت و با وجود بودن او تابع رسول مشرع او را انباء از حق میرسد''

اگر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت سے ظلّی نبوّت عطا ہوتی ہے، تو یہی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

''اکمل تابعان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بجہت کمال متابعت وفرط محبت بلکہ بمحض عنایت وموہبت جمیع کمالات انبیائے متبوعہ خود را جذب می نمائند...... حتّٰی کہ فرق نمے ماند درمیان متبوعان وتابعان **الّا بـالاصالة والتبعية ...... فكيف يتصور المساوات بين الاصل والظلّ**''۔

اگر مسیح موعودؑ نے اولیاء اللہ کا انبیاءؑ کے رنگ میں رنگین ہونا بیان کیا ہے تو حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے بھی ''برنگ ایشاں منصبغ میگردند'' کہہ کر اسی کی تصدیق کی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے **لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ.** کے ماتحت نبوّت تامہ کے (جو وحی شریعت کی حامل ہوتی تھی) اختتام اور جزئی نبوّت، مبشرات والی نبوّت، کثرت مکالمہ ومخاطبہ والی نبوّت اور محدّثیت والی نبوۃ کے بقا کا اعلان کیا ہے، تو یہی امام شعرانیؒ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے اس کلام سے ثابت ہے جس میں صرف نبوّت تشریعی کے اُٹھ جانے اور اجزاء النّبوۃ کے باقی رہنے کا ذکر ہے۔ یہی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس ارشاد میں پایا جاتا ہے جس میں

کثرت مکالمہ مخاطبہ پانے والے کا نام انہوں نے محدّث رکھا ہے۔ اگر مسیح موعودؑ نے ولایت کو نبوّت کا ظلّ قرار دیا ہے تو شیخ عبدالحق محدّثؒ نے ''فتوح الغیب'' مصنفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں یہی لکھا ہے کہ ''ولایت درحقیقت نبوّت کا ظل ہے''۔ یہی حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''منصب امامت کا حقیقت میں ظلّ نبوّت کا ہے''۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ ''اگر نبوّت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو محدّث نبی ہوتا'' تو حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ ''اگر نبی کا ہونا ختم نہ ہوتا تو منصبِ نبوّت پر یہ لوگ قائم ہوتے''۔ اور سب سے آخر میں اگر حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کہا ہے کہ محدّث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں جس طرح نبی ہمکلام ہوتے ہیں۔ محدّث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح رسول بھیجے جاتے ہیں اور محدّث اسی چشمہ سے پیتے ہیں جس سے نبی پیتے ہیں، تو یہی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد ہے کہ ''گویا ہر دو (تابع ومتبوع) از یک چشمہ آب می خورندو، ہر دو آغوش یک کنارند و ہر دو در یک بستر اندو ہر دو در رنگ شیر وشکر اند تابع کجا ومتبوع کدام وتبعیت کر در اتحاد ونسبت تغائر گنجائش ندارو''۔

ہمارا ''مفہوم ذہنی'' بزرگان اُمّت کے مطابق ہے

پس فرمایئے۔ کہ کونسی بات میں حضرت مسیح موعودؑ یا جماعت احمدیہ کا اعتقاد امّت محمدؐیہ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''مفہوم ذہنی'' سے مختلف ہے۔ ''عام مسلمانوں'' کا ''مفہوم ذہنی''، جس کو سیّد حبیب نے ''علیٰ وجہ شہادت'' جماعت احمدیہ کے ''مفہوم ذہنی'' سے کوسوں دور قرار دیا ہے، اگر اس سے مختلف ہے تو اس کی پرواہ نہیں۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ ہمارا ''مفہوم ذہنی'' اسلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امّت کے بزرگ اولیاء ومشائخ کے ''مفہوم ذہنی'' کے عین مطابق ہے۔ جنہوں نے خاتم النّبیّن کا مفہوم صرف نبوّت

تشریعی کے اختتام تک ہی محدود قرار دیا اور ظلّی ، بروزی، مجازی اور جزوی نبوّت کو، جو محدّثیت کے مفہوم تک محدود ہے، جاری ٹھہرایا۔ اور اسی کا دعوٰی حضرت مسیح موعودؑ کو تھا۔ جیسے کہ فرمایا:

''ان اللّٰہ ما اراد من نبوّتی اِلّا کثرۃ المکالمۃ و المخاطبۃ وھو مسلم عند اکابر اھل السنّۃ'' (الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص16)

دسواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کے معتقدین میں اختلاف (1)

سیّد حبیب کی ساتویں دلیل

احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی ساتویں دلیل جو سیّد حبیب نے پیش کی ہے، وہ خود انہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''ہر پیغمبر کے بعض معتقدین مرتد ہوئے لیکن شاید تاریخ عالم میں مرزا صاحب کے سوا اور کوئی ایسی مثال موجود نہیں جس میں کسی نبی پر ایمان لانے والوں میں اپنے نبی کے دعوٰی نبوّت کے متعلق اختلاف ہوا ہو۔ مرزا صاحب وہ واحد مدعی نبوّت ہیں جن کے ادعائے نبوّت کے متعلق خود ان کے معتقدین میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے مریدوں کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ کا نام احمدی جماعت لاہور ہے اور دوسرا گروہ قادیانی کہلا رہا ہے۔ میں ان دو جماعتوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ مرزا صاحب متضاد باتیں فرما گئے۔ لہٰذا ان کی تحریک پر ایمان لانا خارج از بحث''۔

صریح غلط بیانی

کس قدر زبردست دلیل ہے جو سیّد صاحب کے نکتہ فہم دماغ سے نکلی ہے۔ کیوں نہ

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 15 ستمبر 1933ء

ہو جہاں سے ایسی ایسی ''قابل تعریف نظمیں بھی ٹپک پڑتی ہیں'' جن سے قارئین کرام اس سے قبل محظوظ ہو چکے ہیں، وہاں سے ایسے اچھوتے نکتوں اور نو ایجاد دلائل کا ''ٹپک پڑنا'' کونسی انوکھی بات ہے۔ واقعات سے غرض نہیں، دلائل دینا ان کا کام ہے۔ چاہے وہ واقعات کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوں۔ اپنی ''علمی فرمائیگی'' کا اعتراف کرنے کے باوجود بے بنیاد دعاوی سے اپنے قارئین کو مرعوب کرنا سیّد صاحب ہی کی جودتِ طبع کا نتیجہ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوٰی نبوّت کا تو ہے نہیں جیسا کہ قبل ازیں ثابت کیا جا چکا ہے، لیکن سیّد صاحب کا یہ فرمانا کہ:

> ''تاریخ عالم میں مرزا صاحب کے سوا اور کوئی ایسی مثال موجود نہیں جس میں کسی نبی پر ایمان لانے والوں میں اپنے نبی کے دعوٰی نبوّت کے متعلق اختلاف ہوا ہو''۔

ایک ایسی غلط بیانی ہے جس کو ان کی ''علمی فرمائیگی'' تک ہی محدود نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ روزمرہ کے مشاہدات اور واقعات عالم سے دانستہ اغماض کا نتیجہ قرار دینا چاہئے۔

حضرت عیسٰیؑ کے معتقدین میں اختلاف

کون نہیں جانتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معتقدین میں ان کے دعوٰی کے متعلق قرونِ اولٰی ہی میں شدید اختلاف پیدا ہوا جو اب تک برابر موجود ہے۔ آج بھی یورپ اور دیگر ممالک میں یونیٹیرین عیسائیوں کا ایک گروہ موجود ہے جو توحید الٰہی کا قائل ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ایک بشر اور رسول سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں دیتا۔ اس کے برخلاف حضرت عیسٰیؑ ہی کے معتقدین کا سوادِ اعظم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو انہیں خدا کا بیٹا قرار دیتے اور تختِ الوہیّت پر بٹھاتے ہیں۔ کیا اس کُھلے اختلاف کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سیّد صاحب یہ

کہنے کے لئے تیار ہوں گے کہ:

''میں ان دو جماعتوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ حضرت عیسٰیؑ متضاد باتیں فرما گئے لہٰذا ان پر ایمان لانا خارج از بحث''۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف

اس سے بھی بڑھ کر آج بریلویوں اور دیو بندیوں میں من جملہ اور مسائل کے اس بات پر بھی بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور عالم الغیب تھے یا نہ تھے۔ بریلوی حضرات، جن میں سیّد حبیب کے ممدوح مولوی سیّد دیدار علی شاہ بھی شامل ہیں اور ایسا ہی پیر سیّد جماعت علی شاہ بھی، اس بات پر مصر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر قرار دینا اور ان کے علمِ غیب سے انکار کرنا کفر ہے۔ اس کے برخلاف دیو بندی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور علم غیب انہیں حاصل نہ تھا۔ دونوں قرآن کریم ہی سے استدلال کرتے بلکہ یکساں آیات پر اپنے دعاوی کی بنیاد رکھتے ہیں۔ پھر کیا جناب حبیب اس کُھلے اختلاف کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنے کے لئے تیار ہوں گے کہ:

''میں ان دو جماعتوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ قرآن کریم نے متضاد باتیں فرمائی ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متضاد باتیں فرما گئے لہٰذا ان پر ایمان لانا خارج از بحث''۔

آپ نہ کہیں، ایک غیر مسلم آپ کی اسی دلیل سے کام لے کر اسلام کو یہی جواب دے سکتا ہے۔ فرمایئے اس صورت میں آپ اسے کیا جواب دیں گے۔ آخر وہ کونسی وجہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے معتقدین کا ان کے دعوے کے متعلق اختلاف اور خود مسلمانوں کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کھلا اختلاف وہی نتیجہ پیدا نہیں کرتا جو حضرت مسیح موعودؑ کے

معتقدین کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے؟

سیّد حبیب صاحب کی تاریخ دانی

ایسے کھلے کھلے واقعات کے ہوتے ہوئے سیّد صاحب کا یہ دعوٰی کہ ''تاریخ عالم میں مرزا صاحب کے سوا اور کوئی ایسی مثال موجود نہیں جس میں کسی نبی پر ایمان لانے والوں میں اپنے نبی کے دعوٰی نبوّت کے متعلق اختلاف ہوا ہو''، کہاں تک صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاریخی واقعات کے گھڑنے کا الزام آج تک ہندوؤں پر دیا جاتا تھا، لیکن یہ آج معلوم ہوا کہ جناب حبیب کو بھی اس بارہ میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ اور ان کی تاریخ دانی کا یہ عالم ہے کہ کھلے واقعات پر بھی ''تاریخ عالم'' کے نام سے پردہ ڈالنے سے نہیں جھجکتے۔

مثیلِ مسیح کی صداقت

اگر تعصّب اور تنگ نظری سے کام نہ لیا جاتا تو یہی ایک بات حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اور آپ کے مثیل مسیح ہونے کا ایک کھلا ثبوت تھی کہ آپ کے معتقدین میں بھی آپ کے دعوٰی کے متعلق ویسا ہی اختلاف پیدا ہوا، جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معتقدین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ کے بھی معتقدین کا ایک بڑا حصہ غلو اور افراط کی راہ پر گامزن ہو کر آپ کو اولیاء اللہ سے نکال کر نبی بنانے کے درپے ہے۔ اور آپ کے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیتا ہے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے معتقدین کا ایک بڑا حصہ انہیں انبیاءؑ کے زمرہ سے نکال کر تختِ الوہیت پر بٹھاتا اور ان کی الوہیّت وابنیّت پر ایمان نہ لانے والوں کو ابدی جہنمی قرار دیتا ہے۔ آہ! کاش حق شناسی کا مادہ ہوتا تو یہی ایک بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو پہچاننے کے لئے کافی تھی کہ جس طرح سے یہود نے مسیح ناصریؑ کے تمثیلی کلمات اور استعارات کی وجہ سے ان پر خدا کا بیٹا بننے اور ''کفر بکنے'' کا الزام لگایا اور جناب

مسیحؑ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تمہارے بڑے تو خدا بھی کہلا چکے (یوحنا 34:10)

بعینہٖ اسی طرح اُمت محمدؐیہ کے ان نام نہاد علماء نے، جنہیں زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود کے نام سے پکارا گیا ہے، مسیح محمدی پر خدا اور خدا کا بیٹا بننے اور کفریہ کلمات استعمال کرنے کا الزام دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے اولیاء اللہ مجازاً خدا بھی کہلائے اور خدا کے بیٹے بھی۔ لیکن افسوس کہ تعصب کی رنگدار عینک ان ظاہر اور کھلے کھلے واقعات اور صداقت کے ان بین نشانات کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتی ہے اور وہی بات جو مامور من اللہ کی صداقت اور مثیل مسیح ہونے کا کھلا ثبوت ہے، اس کو غلط ''تاریخ عالم'' کے پردہ میں چھپا کر جھٹلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

خدا کو کیا جواب دو گے؟

ہم پھر سیّد صاحب کی خدمت میں خلوص کے ساتھ عرض کریں گے کہ وہ غور اور تدبر کی آنکھوں سے ان باتوں کو دیکھیں۔ محض مرزا صاحب کا نام اور ظاہر پرست علماء کے فتوے دیکھ کر حق کو چھپانے اور بیّن دلائل کو غلط رنگ میں پیش کر کے الٹا نتیجہ نکالنے کا طریق چھوڑ دیں۔ آخر ایک روز مرنا ہے۔ خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ کیا وہاں آپ جرأت سے یہ کہہ سکیں گے کہ چونکہ مرزا صاحب کے معتقدین میں ان کے دعوٰی کے متعلق اختلاف تھا اس لئے میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور تھا کہ مرزا صاحب متضاد باتیں فرما گئے لہٰذا ان پر ایمان لانا خارج از بحث تھا۔ کیا وہ حق تعالیٰ کے سامنے بھی اس نام نہاد ''تاریخ عالم'' کو پیش کرنے کی جرأت کریں گے جس کے رو سے ان کے نزدیک کسی نبی کے معتقدین میں اس کے دعوٰی کے بارہ میں اختلاف نہیں ہوا؟

کیا اختلاف فہم تضاد کا نتیجہ ہوتا ہے

ذرا سوچیئے اور غور کر کے دیکھئے کہ اگر خود آپ کے کسی کلام سے کوئی شخص ایک نتیجہ

نکالے اور دوسرا شخص ایک اور۔ اور روزمرہ اس قسم کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں، تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ نے متضاد باتیں کہی ہیں؟ کیا خود صحابہؓ کے اندر بیسیوں مسائل میں اختلاف نہ تھا۔ آج بھی مسلمانوں کے اندر کس قدر فرقے موجود ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں، شرک اور توحید میں، اور جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور عالم الغیب ہونے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ سب فرقے قرآن کریم اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر کیا سمجھا جائے کہ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ متضاد باتیں فرمائی ہیں۔ کہیں دیوبندی حضرات کے خیال کے مطابق امکان کذب باری کا اعلان کیا ہے اور کہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایسی ناقص صفت سے بری ٹھہرایا ہے۔ کہیں قبروں اور پیروں کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سیّد حبیب کے ممدوح پیر جماعت علی شاہ اور مولوی دیدار علی وغیرھم کا عقیدہ ہے۔ اور کہیں وہابی خیال کے مطابق اس کو شرک عظیم قرار دیا ہے۔ کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہے اور ان کے عالم الغیب ہونے کی نفی کی ہے۔ اور کہیں انہیں عالم الغیب کہا ہے اور ان کے بشر ہونے کی نفی کی ہے۔ غور کر کے دیکھ لیجئے آپ کی یہ دلیل کہاں پہنچتی ہے اور کس کس جگہ زد مارتی ہے۔ کیا اس دلیل کو لے کر دنیا کی کوئی صداقت، کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان، کوئی بڑے سے بڑا راستباز اور خود اللہ تعالیٰ سچا ٹھہر سکتا ہے اور اس کا کلام مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تضاد کے الزام سے بچ سکتے ہیں؟ جناب حبیب کو چاہئے تھا کہ ایسے دلائل پیش کرنے سے پہلے انہیں واقعات کی کسوٹی پر پرکھ لیتے اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھتے کہ اس میں نہ کچھ اسلام کا باقی رہتا ہے اور نہ دنیا کی کوئی صداقت ہی قابل قبول ٹھہر سکتی ہے۔ کسی صاحب علم نے آج تک کسی مدعی کی تکذیب کے لئے اس بات کو دلیل نہیں ٹھہرایا کہ اس کے معتقدین میں اس کے دعویٰ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور نہ ہی یہ کہنا صحیح ہے کہ تاریخ عالم میں کوئی ایسا مدعی نبوّت

نہیں ہوا جس کے دعوٰی کے متعلق اس کے معتقدین میں اختلاف ہو۔ حضرت عیسٰیؑ کی مثال اوپر پیش کی جا چکی ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دیو بندیوں اور بریلویوں کا اختلاف پیش کیا جا چکا ہے۔ کیا جناب حبیب ان دو مثالوں پر غور کریں گے؟!

مقصدِ بعثت میں کوئی اختلاف نہیں

اسی دلیل کو آگے چل کر سیّد صاحب نے اس رنگ میں پیش کیا ہے کہ:

> ''میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ مرزا صاحب وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کیا اور ان کے معتقدین میں ان کی بعثت کے مقصد کے متعلق اختلاف ہے۔ لہٰذا یہ کام بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ انسان کس گروہ کی ترجمانی مقاصدِ بعثت کو صحیح تسلیم کرے''۔

لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معتقدین میں آپ کی بعثت کے مقصد کے متعلق اختلاف ہے۔ دعوٰی کے متعلق اختلاف تو کہا جا سکتا ہے۔ بعثت کے مقصد کے متعلق اختلاف؟ یہ سیّد حبیب صاحب ہی کی اختراع ہے۔ کیا سیّد صاحب بتا سکتے ہیں کہ وہ کونسا اختلاف ہے جو ان کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کے متعلق آپ کے معتقدین میں پایا جاتا ہے؟ اس وقت تک تو آپ کے تمام معتقدین، خواہ وہ قادیانی ہوں یا لاہوری، آپ کی بعثت کا مقصد تجدید دین اور اعلائے کلمۃ اللہ یا تبلیغ اسلام ہی سمجھتے ہیں۔ اور خود سیّد صاحب نے منقولہ بالا فقرات سے چند سطور پہلے یہ تسلیم کیا ہے کہ ''اسلام کی تردید، تنسیخ اور تکمیل تو خارج از امکان ہے۔ اور نہ مرزا صاحب کا دعوٰی ہی یہ ہے کہ وہ ان اغراض سے آئے''۔

پھر وہ کونسا نیا مقصد بعثت ہے جو سیّد صاحب کے نزدیک آپ کے معتقدین میں

مختلف فیہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیّد صاحب کی ''علمی فرو مائیگی'' یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ ''دعوٰی میں اختلاف'' اور ''مقصد بعثت میں اختلاف'' ان کے نزدیک ایک ہی بات ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان دونوں میں مفہوم کا کس قدر اختلاف ہے۔ ''مقصد بعثت میں اختلاف'' سے ان کی مراد درحقیقت ''دعوٰی میں اختلاف'' ہی ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے معتقدین میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے متعلق ہم اوپر مفصل بحث کر چکے ہیں۔ سیّد صاحب کو چاہئے تھا کہ مضمون کو شائع کرنے سے پیشتر کسی واقف کار صاحبِ علم کو دکھا لیتے تا کہ قدم قدم پر انہیں ایسی سخت ٹھوکریں نہ کھانی پڑتیں۔ لیکن جہاں حالت یہ ہو کہ ''تحریک قادیان'' جیسے اہم علمی و دینی موضوع پر مضمون لکھے جا رہے ہیں اور ایک قدم لاہور میں ہے اور ایک قدم بلوچستان میں۔ کوئی قسط ریل میں لکھی جاتی ہے اور کوئی پشت شتر پر۔ اور اس طرح یک سرو ہزار سودا کا عالم پیدا ہو چکا ہے، وہاں سیّد حبیب جیسے ''علمی فرو مائیگی'' رکھنے والے انسان سے ایسی پیش پا افتادہ غلطیوں کا سرزد ہونا کوئی تعجب انگیز امر نہیں۔

گیارہواں باب

حضرت مسیح موعودؑ پر دعوٰی نبوّت کا الزام

سیّد حبیب کی آٹھویں دلیل

اپنے مضمون کی قسط ہشتم میں سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی تحریک کے خلاف میری آٹھویں دلیل یہ ہے کہ:

''مرزا صاحب مدعی نبوّت ہیں اور خدائے اسلام نے نبوّت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کامل دین دیا۔ اور اس دین کو ایک کتاب میں منضبط کر کے فرما دیا کہ ہم نے اسے (قرآن کو) نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں حضور اُمی لقب (فداہ روحی) کے بعد اگر کوئی نبی آئے تو کیوں؟ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نبی آئے گا (1) اسلام کی تنسیخ کے لئے۔ (2) اسلام کی تردید کے لئے۔ (3) اسلام کی تکمیل کے لئے۔ (4) اسلام کی تشریح کے لئے۔ (5) اسلام کی تفسیر کے لئے۔ (6) اسلام کی تصحیح کے لئے۔

میں ادب سے عرض کروں گا کہ اسلام کی تردید یا تنسیخ اور تکمیل تو خارج از امکان ہے، اور نہ مرزا صاحب کا دعوٰی ہی یہ ہے کہ وہ ان اغراض سے آئے ہیں۔ لہٰذا ان پر بحث کرنا فضول ہے۔ قرآن اور اسلام مرادف ہیں۔ لہٰذا اسلام یا قرآن کی تشریح اور تفسیر کرنے والوں کو اگر

> پیغمبر مان لیا جائے، تو شاید ایسے پیغمبروں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اور ابھی کروڑوں مفسر اور شارح انشاء اللہ تعالیٰ پیدا ہوکر رہیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام کو کسی جدید نبی کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب کا دعویٰ نبوّت ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو کوئی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کرسکتا''۔

حضرت مسیح موعودؑ کا درجہ

جہاں تک ہم غور کرتے ہیں سیّد صاحب کی یہ دلیل صرف دلائل کا نمبر بڑھانے کے لئے ہے۔ ورنہ اس سے قبل ساتویں دلیل میں بھی یہی بات وہ بہ تغیر الفاظ کہہ چکے ہیں اور اس کے جواب میں بزرگان اُمت کے حوالجات سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ایک ظلی و بروزی نبوّت ہے جس کا مفہوم محدّثیت سے بڑھ کر نہیں۔ جہاں تک نبوّت تامہ کاملہ شرعیہ کا تعلق ہے، وہ حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اور اب کوئی شخص اصلی اور حقیقی معنوں میں نبوّت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور نہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسا دعویٰ کیا۔ آپ کو قرآن کا شارح اور مفسر کہہ لیجئے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ آپ کا سب سے بڑا کام قرآن کریم کے اسرار و غوامض کو کھولنا تھا جن کو آپ نے نہایت صفائی کے ساتھ کھول کر رکھ دیا۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ یہ شارح اور مفسر اُن شارحین اور مفسرین میں سے نہیں جن کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہو چکی ہے۔ ایسے لوگ، جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں، اگرچہ وہ قرآن کی تکمیل اور تنسیخ کے لئے نہیں، بلکہ تفسیر ہی کے لئے آتے ہیں، لیکن جو تفسیر وہ کرتے ہیں وہ عام شارحین کے فہم سے بلند ہوتی ہے۔ کیونکہ مامورین عرفان الٰہی کے چشمہ سے پیتے اور اللہ تعالیٰ کے نور سے روشنی پا کر غوامض قرآن کو کھولتے اور مفاسد زمانہ کی اصلاح کرتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام

آزاد نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں اسی حقیقت کی طرف حسب ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''دعوت کا مقام دوسرا مقام ہے اور عزیمت دعوت کا دوسرا۔ ضرور نہیں کہ ہر راہ روکی یہاں تک رسائی ہو۔ عہد ظہور دعوت میں ہزاروں اصحاب علم وکمال موجود ہوتے ہیں، مگر دروازہ کھولنے والا صرف مجدد العصر ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے ظہور کے لئے ضروری نہیں کہ عامہ اصحاب علم وحق کبھی معدوم ہو گئے ہوں''۔ (تذکرہ ص246)

پس حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ اگرچہ نبوّت کا نہیں مگر عام شارحین میں سے بھی انہیں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ ایک ماموراور محدّث ومجدد ہیں۔ اور اپنی عظمت اور کاموں کے لئے اُمت کے اولیاء اور مجددین میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارا یہ اعتقاد کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نبوّت کا نہ تھا، سیّد صاحب کو پہلے ہی معلوم تھا اور اسی لئے منقولہ بالا عبارت کے بعد ہی وہ فرماتے ہیں کہ:

''اگرچہ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ یہ ثابت کروں کہ مرزا صاحب مدعی نبوّت تھے یا نہیں لیکن چونکہ امکان ہے کہ جماعت لاہور میری تحریر کے جواب میں کچھ لکھے اور اس جماعت کو یقیناً میرے دلائل کی مخالفت میں قلم اُٹھانے کا حق حاصل ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا جائے، ورنہ اس جماعت کے لوگ اتنا لکھ کر تمام ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے کہ ''سیّد حبیب'' کا تمام استدلال ہی غلط ہے، اس لئے کہ اس نے مرزا صاحب کو مدعیٔ نبوّت مان کر بحث کی ہے۔ اور مرزا صاحب سرے سے اس بات کے دعویدار ہی نہ تھے کہ وہ نبی ہیں''۔

1۔ کیا اکثریت کا اعتقاد دعوٰی نبوّت پر دال ہے

اس احتمال کے پیش نظر سیّد صاحب نے مسئلہ نبوّت پر جو بحث کی ہے، اس میں سب سے پہلے تو حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰی نبوّت کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ:

> ''مرزا صاحب کے جو مرید اس بات کے قائل ہیں کہ مرزا صاحب نے دعوٰی نبوّت نہیں کیا، ان کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے، ظاہر ہے کہ مسلمان جب مرزا صاحب کے متعلق یہ فیصلہ کرنے بیٹھیں گے کہ مرزا صاحب مدعی نبوّت تھے یا نہیں تو وہ اکثریت کے قول کو اپنے لئے دلیل تسلیم کریں گے اور اقلیّت کے معتقدات کو رد کرنے پر مجبور ہوں گے''۔

کیا سیّد صاحب از راہ نوازش بتائیں گے کہ اکثریّت واقلیّت کا یہ معیار انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔ کیا قرآن کریم میں کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی دینی مسئلہ کی صحت یا کسی مذہب کی صداقت کا فیصلہ کرنے بیٹھو تو یہ دیکھ لیا کرو کہ لوگوں کی اکثریّت اس کے متعلق کیا کہتی ہے۔ اکثریّت اگر اُسے سچا کہے تو سچّا سمجھ لیا کرو اور اگر اکثریت اسے سچا نہ کہے تو اُسے جھوٹا سمجھ لو۔ اگر کسی صداقت کو پرکھنے کا یہی معیار ہے تو جناب حبیب کو چاہئے کہ بدھ مذہب کو قبول کرلیں۔ کیونکہ اس کے پیروؤں کی تعداد آج دنیا میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس سے بھی اتر کر اگر چاہیں تو مسلمانوں کے معتقدات کو رد کر کے مذہب عیسوی کو قبول کرلیں کہ اس کے پیرو بھی مسلمانوں سے بہر حال اکثریت میں ہیں۔ اور سیّد صاحب فیصلہ کر چکے ہیں کہ'' وہ اکثریت کے قول کو اپنے لئے دلیل تسلیم کریں گے۔ اور اقلیت کے معتقدات کو رد کرنے پر مجبور ہوں گے''۔ یہیں تک نہیں، خود عیسائیت کے اندر بھی وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ نے ابنیّت والوہیّت کا کوئی دعوٰی نہیں کیا، ان کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے۔ اور

زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو حضرت عیسٰیؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ پس کیا سیّد صاحب اپنے ہم مشرب مسلمانوں کی طرف سے یہ اعلان کرنے کے لئے تیار ہیں کہ جب وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق یہ فیصلہ کرنے بیٹھیں گے کہ وہ مدعی ابنیّت والوہیت تھے یا نہیں، تو وہ اکثریت کے قول کو اپنے لئے دلیل تسلیم کریں گے اور اقلیت کے معتقدات کو رد کرنے پر مجبور ہوں گے۔

میں حیران ہوں کہ کس قسم کے پھس پھسے اور بودے دلائل پر سیّد صاحب نے اپنے استدلالات کی بنیاد رکھی ہے۔ قرآن میں تو مذہب کی صداقت کا یہ معیار نہیں قرار دیا گیا کہ اکثریت جس طرف ہو، وہی معتقدات صحیح ہیں۔ بلکہ جابجا فرمایا ہے کہ خدا کے شکر گزار بندے اور تدبر و تفکر کرنے والے انسان بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں۔ پھر سیّد صاحب نے یہ دلیل کہاں سے لی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مدعی نبوّت ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے اکثریت کے قول کو صحیح تسلیم کیا جائے گا اور اقلیت کے معتقدات کو ردّ کر دیا جائے گا۔

2۔ حضرت امیر مولٰینا محمد علیؒ کی سابقہ تحریرات اور سیّد حبیب کا استدلال

حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰی نبوّت کے ثبوت میں دوسری دلیل سیّد صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ ''ادعائے نبوّت سے انکار کرنے والوں کے سردار (حضرت مولانا) مولوی محمد علی صاحب ایم اے خود اس بات کے قائل رہ چکے ہیں کہ مرزا صاحب نبی تھے''۔

اس کے ثبوت میں سیّد صاحب نے ریویو آف ریلیجنز (اردو) کی وہ متعدد عبارات نقل کی ہیں، جن پر اس سے پیشتر قادیانی جماعت کے جواب میں بار بار روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ ان عبارات میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ذیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

1۔ ''پیغمبر آخر زمان'' 2۔ ''موعود پیغمبر'' 3۔ ''موعود نبی'' 4۔ ''فارسی

الاصل نبی‘‘ 5۔ ’’نبی آخرزمان‘‘ 6۔ ’’منہاج نبوّت پر اگر کوئی شخص چلے تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں شُبہ باقی نہیں رہ سکتا‘‘ 7۔ ’’بانی سلسلہ احمدیہ کے نیست ونابود کرنے کے لئے اس قسم کی مخالفت کی گئی جیسی ہمیشہ سے انبیاء کی مخالفت ہوتی رہی ہے‘‘ 8۔ ’’اب کوئی خدارا غور کرے کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعوٰی مسیحیت اس قسم کی بے لوث زندگی ہے یا نہیں جیسے انبیاء کی ہوتی ہے‘‘ 9۔ ’’سچے نبی کا یہی ایک بڑا بھاری نشان ہے کہ جو اعتراض اس پر کیا جاوے گا، وہ سارے نبیوں پر پڑے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ایسے مامور من اللہ کو ردّ کرتا ہے، وہ گویا کل سلسلہ نبوّت کو رد کرتا ہے‘‘ 10۔ ’’ہندوستان کے مقدس نبی مرزا غلام احمد قادیانی‘‘ 11۔ ’’آخرین میں بھی اولین کی طرح نبی مبعوث ہونے کی پیشگوئی ہے‘‘۔

سیّد حبیب صاحب کا دعوٰی ہے کہ ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت کے قائل رہ چکے ہیں۔ اس لئے وہ سوال کرتے ہیں کہ ’’مولوی صاحب اپنے ان اقوال کا مطالعہ کریں اور پھر بتائیں کہ ان کے خیالات میں جو تبدیلی ہوئی وہ کب اور کیونکر ہوئی‘‘۔

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا جواب

سیّد صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ نہیں، بارہا ان اقوال وعبارات کا مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اور یہ اعلان بھی کر چکے ہیں کہ:

’’مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ خود حضرت مرزا صاحبؑ نے بھی لفظ

نبی کا استعمال مجازی اور لغوی معنی میں کیا اور ہم نے بھی اسی لغوی اور مجازی معنی کے رو سے اس کا استعمال کیا۔ اس کا ثبوت اسی قدر کافی ہے کہ اسی ریویو آف ریلیجنز میں ذیل کی تحریر بھی موجود ہے۔ جو صاف بتاتی ہے کہ لفظ نبی کا استعمال اپنے حقیقی معنی میں یا شرعی اصطلاح میں نہیں کیا گیا بلکہ لغوی معنی میں اور مجازی طور پر کیا ہے''۔

''اگر باب نبوّت مسدود نہ ہوتا تو محدّث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا۔ اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدّث کا حمل نبی پر جائز ہے۔ یعنی کہہ سکتے ہیں اَلْـمُحَدَّثُ نَبِیٌّ''۔
(ریویو آف ریلیجنز جلد 3 ص 117)

''یہی اُمت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالیٰ کے روشن نشان ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں''۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد 3 ص 131۔ منقول از ٹریکٹ جماعت قادیان کی تبدیلی عقیدہ ص 2)

مامورین الٰہی اور منہاج نبوّت

یہ تو حضرت امیر ایدّہ اللہ کا جواب ہے جس سے ظاہر ہے کہ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں ''نبی'' وغیرہ کے جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے، وہ لغوی و مجازی معنوں میں ہی تھے۔ اور ان کا اعتقاد اس وقت بھی وہی تھا جس کا آج اعلان ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی قابل غور امر ہے کہ مامورین الٰہی کی، خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی، صداقت کو ایک ہی معیار پر پرکھا جاتا ہے جس کو ''منہاج نبوّت'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس حال میں محدّث اور نبی ایک ہی

چشمہ سے پیتے اور ایک ہی قوت واستعداد اپنے اندر رکھتے ہیں، تو ضروری ہے کہ ان کی صداقت کا معیار بھی ایک ہی ہو۔ یعنی جن دلائل سے نبی کی صداقت کو پرکھا جاتا ہے، انہی دلائل سے محدّث کو پرکھا جائے۔ اسی نقطہ نگاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت امیر ایّدہ اللہ نے ''ریویو'' کی پیش کردہ عبارات میں منہاج نبوّت کو بار بار پیش کیا۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی مخالفت کو انبیاء کی مخالفت سے تشبیہ دی۔ حضرت مسیح موعود کی زندگی کا ویسے ہی بے لوث ہونا بیان کیا جیسے انبیاءؑ کی زندگی بے لوث ہوتی ہے۔ اور سچّے نبی کے اس نشان کو پیش کرتے ہوئے، کہ جو اعتراض اس پر کیا جاتا ہے، وہ سارے نبیوں پر پڑتا ہے، ایک مامور من اللہ کی تردید کو کل سلسلہ نبوّت کی تردید قرار دیا۔ کون عقل سلیم رکھنے والا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ان عبارات سے حضرت امیر ایّدہ اللہ کا منشاء حضرت مسیح موعود کو نبی ثابت کرنا ہے۔ کون صاحبِ علم اس بات کو مان سکتا ہے کہ محدّثین کو منہاج نبوّت ہی پر پرکھا نہیں جاتا، اور ان کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے انہی دلائل سے کام نہیں لیا جاتا جو انبیاءؑ کی صداقت کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

رہے ''پیغمبر آخر زمان'' اور ''موعود نبی'' وغیرہ الفاظ، ان کے متعلق حضرت امیر خود ارشاد فرما چکے ہیں کہ یہ لغوی ومجازی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اگر ان الفاظ کا منشاء حضرت مسیح موعود کو حقیقی نبی ثابت کرنا ہوتا تو ریویو آف ریلیجنز کی تمام تحریرات میں سے کوئی ایک آدھ فقرہ ہی اس قسم کا پیش کیا جاتا جس میں مسیح موعودؑ کے نہ ماننے والوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا۔

اخبار پیغام صلح کے دو حوالے

اسی ضمن میں سیّد صاحب نے اخبار پیغام صلح جلد 1 کے بھی دو حوالے پیش کئے ہیں۔ جن میں ایک جگہ حضرت مسیح موعودؑ کو 'اللہ تعالٰی کے سچے رسول'' قرار دیا گیا ہے۔ اور

دوسرے موقعہ پر لکھا ہے کہ ’’ہم حضرت مسیح موعود ومہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں‘‘۔ان دونوں حوالجات کو بھی حضرت امیر ایدہ اللہ اور آپ کی جماعت کی تبدیلیٔ عقیدہ کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔اور یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ درحقیقت نبی ہونے کا تھا۔حالانکہ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اخبار ’’پیغام صلح‘‘ کو کبھی ایڈٹ نہیں کیا۔اور نہ ان دونوں تحریرات کے نیچے آپ کے یا جماعت احمدیہ لاہور کے کسی ذمہ دار فرد کے دستخط ہیں۔

اس زمانہ میں جب یہ تحریرات لکھی گئیں، ’’پیغام صلح‘‘ کی ادارت ایک ایسے شخص (ماسٹر احمد حسین فرید آبادی) کے سپرد تھی جو اندرونی طور پر میاں محمود احمد صاحب کے ہم عقیدہ تھے۔ وہی ان تحریرات کے لکھنے کے ذمہ دار تھے اور ان کی ایسی ہی حرکات کی بنا پر انہیں ’’پیغام صلح‘‘ سے علیحدہ کر دیا گیا۔جس کے بعد انہوں نے باقی عمر قادیان میں میاں محمود احمد صاحب کی مجاورت ہی میں بسر کی۔ایسے شخص کی تحریر کو حضرت امیر یا جماعت لاہور کے عقیدہ کے ثبوت میں بطورِ حجت پیش کرنا اپنی کم فہمی کا ثبوت دینا ہے۔اگر حق اور صداقت سے غرض ہوتی اور ’’پیغام صلح‘‘ کے اصل پرچوں کو دیکھا ہوتا تو سیّد صاحب کو معلوم ہو جاتا کہ یہ دونوں تحریرات غیر ذمہ دارانہ ہیں۔کیونکہ ’’پیغام صلح‘‘ کے اسی پرچہ میں، جو مؤخرالذکر حوالہ پر مشتمل ہے، حضرت مسیح موعود کے یہ الفاظ بھی درج ہیں:

> ’’قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں لیکن ختم نبوّت کا بکمال تصریح ذکر ہے۔اور پرانے اور نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے۔ اور حدیث لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میں بھی نفی عام ہے۔پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریح

> قرآن کو عمداً اچھوڑ دیا جائے۔ اور خاتم النّبیّین کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے، جو وحی نبوّت منقطع ہو چکی تھی، پھر سلسلۂ وحی نبوّت کا جاری کر دیا جائے کیونکہ جس میں شان نبوّت باقی ہے، اس کی وحی بلا شبہ نبوّت کی وحی ہوگی''۔

یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔ کیا جو شخص مسیح موعود کو ''اس زمانہ کا نبی اور رسول اور نجات دہندہ'' مانتا ہو، وہ اسی پرچہ میں، جس میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہو، خود حضرت مسیح موعود ہی کے یہ الفاظ کیونکر لکھ سکتا ہے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں نفی عام ہے اور خاتم النّبیّین کے بعد ایک نبی کا آنا ماننا جرأت، دلیری، گستاخی، خیالات رکیکہ کی پیروی اور نصوص صریحہ قرآن کو عمداً اچھوڑنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ کلام ذمہ دار اصحاب کی طرف سے شائع کرایا جا رہا تھا، اس لئے اسی پرچہ میں ایڈیٹر صاحب نے اپنے خیال اور عقیدہ کو پیش نظر رکھ کر وہ اعلان کر دیا یا قادیانی اصحاب کی طرف سے کرا دیا گیا، جو آج ہماری تبدیلی عقیدہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔

میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین کے سابقہ عقائد اور الزام دعویٰ نبوّت کی تردید

لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر ہم سیّد صاحب سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ دلیل صحیح ہے کہ حضرت امیر ایّدہ اللہ اور اخبار ''پیغام صلح'' کا کسی وقت حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق نبی کا لفظ استعمال کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ کا دعویٰ نبی ہونے کا تھا، ورنہ آپ کے متعلق ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے جاتے، تو کیا میاں محمود احمد صاحب اور ان کے اکابر مریدین کے وہ اقوال جن میں انہوں نے صاف اور صریح الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوتوں کو بند اور حضرت مسیح موعودؑ کو مجددین کے زمرہ میں شامل

کرتے ہوئے لغوی اور جزوی نبی قرار دیا ہے، اس بات کا ثبوت نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نبی ہونے کا نہ تھا؟ سیّد صاحب کے پاس کونسی سند ہے جس کے رو سے وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب ایدہ اللہ کی سابقہ تحریرات کو تو مسیح موعودؑ کے دعویٰ نبوّت کے ثبوت میں پیش کر سکتے ہیں، لیکن میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین کے انکار دعویٰ نبوّت کو حضرت مسیح موعود کے انکار کا ثبوت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ میاں صاحب اور ان کے مریدین کے سابقہ اقوال، جن کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی، سب سے بڑھ کر اس بات پر حجت ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ہرگز ہرگز نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف محدّث اور مجدد کے معنوں میں ہی ظلّی و بروزی اور جزوی ومجازی نبی کے الفاظ استعمال کئے اور انہی معنوں میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے بھی ''ریویو'' میں لفظ نبی وغیرہ آپ کے متعلق استعمال کیا۔ چنانچہ میاں صاحب اور ان کے مریدین کے بعض اقوال ذیل میں بطور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں:

> **میاں محمود احمد صاحب:** ''اللہ تعالیٰ نے آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو خاتم النّبیّین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا''۔ (الحکم 14 مارچ 1911ء)

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوّت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی ......آپؐ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا......اس سے بڑھ کر کیا نشان ہوسکتا ہے کہ آپ کے دعویٰ کے بعد کوئی شخص، جو مدعیٔ نبوّت ہوا ہو، کامیاب نہیں ہوا۔ پس یہ اس طرف اشارہ تھا کہ **كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا** (الاحزاب 33:40) یعنی ہم نے آپ کو خاتم النّبیّین بنایا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔ (تشحیذ الاذہان اپریل 1910ء)

اس سے معلوم ہوا کہ 1910ء تک یعنی حضرت مرزا صاحب کی وفات کے دو سال بعد تک بھی قادیانی جماعت کے موجودہ امام کا یہی عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوٰی نبی ہونے کا نہ تھا۔

مولوی سیّد سرور شاہ صاحب: ''لفظ نبی کے معنی اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ **اوّل** اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا۔ **دوم** عالی رتبہ شخص، جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرف مکالمہ سے ممتاز کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے وہ نبی ہے۔ اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں'' (بدر 16 فروری 1911ء)

مفتی محمد صادق صاحب: ''شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّن ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا اور نہ پُرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے...... چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں، اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں''۔ (بدر جلد 9 نمبر 51و52)

میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی: ''ہاں حضرت مرزا صاحب نے محدّث ہونے کا دعوٰی کیا ہے اور محدّث کی تعریف جو احادیث صحیح بخاری وغیرہ سے ثابت

ہوتی ہے، وہ ایک قسم کی جزوی نبوّت اور ظلّی اور طفیلی رنگ کی ہوتی ہے۔ جو ہر ایک محدّث امتی کو عطا ہوتی ہے''۔(انواراللہ مطبوعہ 1904ء ص263)

''غرض حضرت مرزا صاحب نے محدّث ہونے کا دعوٰی کیا ہے، نہ نبی حقیقی ہونے کا، جو خاتم النّبیّن کے منافی اور لَانَبِیَّ بَعۡدِیۡ کے خلاف ہے''۔ (انواراللہ مطبوعہ 1904ء ص269)

کیا ان صاف اور کھلی تحریرات سے یہ ثابت نہیں کہ جو عقیدہ میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین کی طرف سے آج پیش کیا جاتا ہے، وہ ان کی بعد کی اختراع ہے۔ اور ان کے یہ سابقہ اقوال صاف طور پر بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوٰی نبی ہونے کا ہرگز نہ تھا۔ وہی دلیل، جس سے کام لیتے ہوئے سیّد حبیب نے حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب ایّدہ اللہ کی سابقہ تحریرات کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوّت کا دعوٰی کیا تھا، اسی دلیل کو سامنے رکھ کر میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین کی ان تحریرات کو پڑھیں اور پھر بتائیں کہ کیا یہ تمام تحریرات اس بات کا ثبوت نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوّت کا دعوٰی ہرگز نہیں کیا۔ بلکہ آپ کا دعوٰی محدّثیت کا ہے جو جزوی ولغوی نبوّت کا مفہوم اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسی جزوی ولغوی نبوّت کے مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت امیر نے ''ریویو آف ریلیجز'' میں نبی وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جس کی مفصل تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

مسئلہ نماز اور نبوّت مسیح موعودؑ

حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰی نبوّت کے ثبوت میں تیسری دلیل سیّد صاحب نے یہ دی ہے کہ ''مولوی محمد علی صاحب کو تسلیم ہے کہ تکفیر اس صورت میں ممکن ہے کہ مرزا صاحب کو نبی مانا جائے اور اس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کو کافر جاننے والے

مرزائی ان کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے‘‘۔اس کے ثبوت میں حضرت امیر ایّدہ اللہ کی کتاب ’’تحریک احمدیت‘‘ حصہ اوّل ص 29 کا ایک حوالہ نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

’’بالآخر حضرت مولوی (نورالدینؓ) صاحب کے انتقال کے بعد جماعت احمدیہ کے دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق کا عقیدہ یہ رہا کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی، خواہ وہ انہیں مسلمان ہی نہیں، مجدد اور مسیح موعودؑ بھی مانتے ہوں اور خواہ وہ ان کے نام سے بھی بے خبر ہوں، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور دوسرے فریق کا عقیدہ یہ رہا کہ ہر کلمہ گو، خواہ وہ اسلام کے کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، مسلمان ہے۔ اور کوئی شخص اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار نہ کرے۔ مسئلہ نبوّت مسیح موعود، جو آج کل فریقین کے درمیان اختلاف کا اہم مسئلہ سمجھا جاتا ہے، درحقیقت اسی مسئلہ تکفیر سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ تکفیر بغیر اس کے ممکن نہ ہوسکتی تھی کہ حضرت مرزا صاحب کو منصبِ نبوّت پر کھڑا کیا جائے‘‘۔

اس عبارت سے سیّد صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ کہ ’’مولوی محمد علی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی تکفیر صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مرزا صاحب کو نبی مانا جائے۔ **اور تکفیر کی علامت یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں کے پیچھے نماز ادا نہ کی جائے‘‘۔**

اس نتیجہ کے آخری الفاظ اور ’’تحریک احمدیت‘‘ کی منقولہ بالا عبارت کو ملا کر پڑھیئے کیا اس تمام عبارت میں اشارتاً کنایتاً بھی کہیں نماز کا ذکر کیا یا عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کو تکفیر کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ پھر سیّد صاحب نے یہ نتیجہ کہاں سے پیدا کیا؟ اور کیوں اسے حضرت امیر ایّدہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کا جواب ہماری سمجھ سے باہر

ہے۔اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس سے اگلے ہی فقرہ میں لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے پچھلے دنوں اپنی جماعت کے عقائد کے متعلق ایک اعلان لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ہم مکفّر مسلمانوں کے سوائے سب کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں''۔

حیرانی ہے کہ اس کُھلے اعلان کے ہوتے ہوئے یہ کیونکر کہہ دیا گیا کہ مولوی محمد علی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا ان کی تکفیر کی علامت ہے۔تکفیر کی علامت نہیں بلکہ ان کے مکفّر ہونے کا نتیجہ ہے۔کیونکہ جماعت احمدیہ لاہور کا مسلک یہی ہے کہ جو شخص بھی کسی مسلمان کی،خواہ وہ قادیانی احمدی ہو یا بریلوی،حنفی،شیعہ ہو یا سنّی،نجدی وہابی ہو یا دیوبندی،تکفیر کرے،اس کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھتے۔چہ جائیکہ حضرت مسیح موعودؑ کے مکفرین کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ہمارے نزدیک تکفیرِ مسلمانان ایک ایسا خطرناک جرم ہے جو اتحاد اسلامی کو پاش پاش کرنے کا موجب ہے۔جب تک یہ خطرناک مرض مسلمانوں سے دور نہ ہوگا،اس وقت تک ان کی اخوّت اور اتحاد کا شیرازہ مضبوط نہیں ہوسکتا۔اور اس کا علاج صرف یہی ہے کہ مکفّرین سے قطع تعلق کرلیا جائے۔حدیث میں بھی آتا ہے **ایما رجل قال لاخیہ یا کافر فقد بآء بھا احد ھما** یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کہے اے کافر! پس ان میں سے ایک نے اس کفر کو لے لیا۔پس جو مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے اور بالخصوص جو شخص مجدّد وقت، مامور من اللہ اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر قرار دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیونکر روا ہوسکتا ہے۔

علیحدگیٔ نماز کی وجہ

اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ عام مسلمانوں کے پیچھے ہمارا نماز نہ پڑھنا اس بات کی

علامت ہے کہ ہم انہیں کافر سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ اس کو اس بات کی دلیل ٹھہرایا جاسکے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبی ہونے کا تھا، ہم تو دن رات اعلان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے محض نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا۔ اور یہ ہم ہی نہیں کہتے، خود حضرت مسیح موعودؑ نے یہی لکھا ہے کہ ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا''۔ (تریاق القلوب ص130) اور اس عبارت پر مزید تشریح کے لئے یہ حاشیہ دیا ہے:

> ''یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے، ماسوا جس قدر ملہم اور محدّث ہیں، گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں، ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا''۔

اس عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے نہ صرف مسئلہ کفر و اسلام، بلکہ مسئلہ نبوّت کو بھی صاف کر دیا اور بتا دیا کہ باوجود اس بلند شان رکھنے کے، جو آپ کو جناب الٰہی میں حاصل ہے، اور باوجود اس خلعت مکالمہ الٰہیہ کے، جس سے آپ سرفراز ہیں، آپ محض ملہم اور محدّث ہونے کا ہی دعویٰ رکھتے ہیں، نبی ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتے۔ اور اس لئے آپ کا محض انکار موجب کفر نہیں اور نہ ہمارا عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا تکفیر کی علامت ہے۔ ایسا ہوتا تو کم از کم قادیانی جماعت کے پیچھے ہم نماز پڑھ لیتے۔ کیونکہ وہ تو بہرحال حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ لیکن ہم ان کے پیچھے بھی نماز اس وجہ سے نہیں پڑھتے کہ وہ تمام کلمہ گوؤں کو، محض اس خیال سے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں شامل نہیں، کافر قرار دیتے ہیں۔ اس لئے عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم انہیں کافر سمجھتے ہیں بلکہ اس کی

وجہ وہ تکفیر ہے جو عام مسلمانوں کی طرف سے کسی کلمہ گو اور بالخصوص حضرت مسیح موعودؑ اور جماعت احمدیہ کی روا رکھی جاتی ہے۔ اگر آج ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو مکفّر مولویوں سے بیزاری کا اعلان کریں اور حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت اور تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان قرار دیں، تو ہم ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں۔

سیّد حبیب کا ایک ذاتی واقعہ

لیکن اس کی تکذیب کرتے ہوئے سیّد حبیب نے اپنا ایک ذاتی واقعہ لکھا ہے کہ:

''میں نے تین مختلف مواقع پر مولوی صاحب (حضرت امیر ایّدہ اللہ) کے پیچھے نماز ادا کی۔ لیکن ایک دفعہ جب یہ بحث چھڑی تو مولوی صاحب نے کہا کہ ہم تو سیّد صاحب (حبیب) کے پیچھے نماز پڑھنے پر تیار ہیں۔ لیکن پھر خود ہی فرمایا کہ ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ایک نماز نہیں ہوئی۔ اس فقرہ نے وہ کام کیا جو ہزاروں دلیلیں اور لاکھوں تحریریں نہ کر سکتیں۔ میری آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ ہٹ گیا۔ میں نے تینوں نمازیں دوہرائیں اور توبہ کی۔ اس واقعہ سے مقصود صرف اس بات کا اظہار ہے کہ جماعت لاہور بھی مرزا صاحب کو نبی مانتی ہے لیکن شاید کہتر (ادنیٰ، چھوٹا۔ ناقل) درجہ دیتی ہے''۔

سیّد صاحب کے اس بیان کے جواب میں حضرت امیر ایّدہ اللہ نے ڈلہوزی سے ایک چٹھی انہیں لکھی جو 12 جولائی 1933ء کے ''سیاست'' میں چھپ چکی ہے۔ اس کا یہاں نقل کر دینا کافی ہوگا۔ وھو ھذا:

''مکرم معظم سیّد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ جو سلسلہ مضامین ''تحریک

قادیان'' کے عنوان سے لکھ رہے ہیں، اس کا جواب اس سلسلہ کے ختم ہونے پر انشاء اللہ لکھوں گا۔ اور آپ نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ اس کے جواب کو اخبار میں جگہ دیں گے۔ سر دست اس ذاتی معاملہ کی نسبت، جو آپ نے 11 مئی کے اخبار میں لکھا ہے، آپ کی غلط فہمی کو دور کرنے کی اجازت چاہتا ہوں. اور چونکہ یہ معاملہ کسی مسئلہ سے نہیں بلکہ میری ذات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے امید ہے کہ ان چند سطور کو قریب ترین اشاعت میں جگہ دے کر ممنون فرمائیں گے. آپ نے لکھا ہے۔ (یہاں سیّد صاحب کا وہ بیان نقل کیا گیا ہے جو اوپر درج ہو چکا ہے اور پھر اس کے جواب میں حضرت امیر ایدہ اللہ لکھتے ہیں۔ ناقل) کہ:

''امر واقع یوں ہے کہ ایک مجمع میں نماز مغرب کا وقت آ گیا اور آپ نے اکیلے نماز شروع کر دی۔ تب ایک بزرگ نے آپ کو روکا اور کہا کہ اکیلے نماز مت پڑھیں۔ اور (لوگ بھی) نماز پڑھنے والے ہیں۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ چنانچہ آپ نے سلام پھیر دیا تو میں نے کہا کہ آپ امامت کرائیں۔ ممبر آپ کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے۔ مگر آپ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا۔ میری موجودگی میں آپ آگے نہ ہوں گے۔ اور اس کے ساتھ ہی کوئی بات مذاقیہ آپ نے فرمائی جس کا جواب اسی طرح میں نے مذاقیہ یہ دیا کہ بہتیرے لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ (اسی مجلس میں ایسے لوگ بھی موجود تھے) ہماری ایک نماز نہ ہوئی تو کیا ہوا۔

آپ نے اس وقت اس بات کو قطعاً اس رنگ میں نہیں لیا جیسا کہ اب اخبار میں تحریر فرمایا ہے۔ بلکہ میری اس بات کے باوجود، آپ نے خود

مجھے آگے کیا اور میرے پیچھے نماز ادا کی۔ اور بحث تو ایک طرف رہی، اشارتاً بھی نہ اس وقت نہ بعد میں (حالانکہ دیر تک مجلس قائم رہی) یہ نہ فرمایا کہ آپ کو میرے یہ الفاظ ناگوار گذرے ہیں۔ بلکہ ان الفاظ کے بعد ہی نماز میرے پیچھے ادا کر کے خود بتایا کہ آپ نے ان الفاظ کا قطعاً وہ مفہوم نہیں لیا جواب لے رہے ہیں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے الفاظ کا ہرگز وہ منشاء نہ تھا جو آپ نے اپنے اخبار میں پیش کیا ہے۔ بلکہ آپ کی مذاقیہ بات کے جواب میں مَیں نے بھی مذاقیہ طور پر ہی وہ لفظ کہے تھے۔ میں اگر آپ کو دھوکا بھی دے لوں تو اپنی جماعت کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم لوگ صرف منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں جو حضرت مرزا صاحب کو کافر نہ کہتا ہو اور فی الواقع ایسا نہیں کرتے۔ یہ ہماری جماعت کا مسلّمہ فیصلہ ہے اور دوسرے بہت سے دوستوں کے علاوہ میں نے خود ایسا کیا ہے اور اگر آپ خود پسند کریں تو جب چاہیں لاہور میں ایک اجتماع کسی نماز کے وقت کریں۔ میں بھی اپنی جماعت کے ساتھ اس اجتماع میں شامل ہوں گا۔ اور جو شخص اس مجمع میں سے اعلان کر دے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتا ہے، کافر نہیں کہتا اور کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتا، میں اپنی ساری جماعت کے ساتھ اس کے پیچھے نماز ادا کروں گا۔ اور یہ بھی دریافت نہ کروں گا کہ وہ اہل سنت میں سے ہے یا اہل تشیع میں سے، مقلّد ہے یا غیر مقلّد، حنفی ہے یا شافعی یا حنبلی، آمین کس طرح کہتا ہے، ہاتھ کہاں باندھتا ہے یا کُھلے ہی چھوڑتا

ہے۔ اگر آپ اس طریق فیصلہ پر راضی ہیں تو صرف ایک لاہور نہیں، پنجاب کے ہر بڑے شہر میں آپ میرے ساتھ چلیں، اور اسی طرح اپنی جماعت کے ساتھ **غیر مکفّر** کے پیچھے نماز پڑھنے کا عملی ثبوت دینے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علیؒ‘‘

جماعت احمدیہ لاہور کا عام مسلمانوں پر احسان

فرمایئے اس سے بڑھ کر صفائی کس طرح ہوسکتی ہے۔ اور اس کُھلے فیصلہ کے خلاف یہ کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کا عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ انہیں کافر سمجھتی اور حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتی ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کا تو عام مسلمانوں پر احسان ہے کہ صرف حضرت مرزا صاحب ہی نہیں، ہر کلمہ گو کی تکفیر سے بیزاری ظاہر کر کے مکفرین کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور اس طرح تفریق بین المسلمین سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے تکفیر کے مرض کو دور کرنے اور اتحاد اسلامی کو مضبوط کرنے میں کوشاں ہے۔ چاہیئے تھا کہ اس نیک کام میں ہمارا ساتھ دیا جاتا تا کہ تکفیرِ مسلمین کا نام ونشان جلد از جلد مٹ کر نماز کی علیحدگی کا سوال ہی اٹھ جاتا تاہم افسوس ہے کہ تکفیر تو کرتے ہیں آپ لیکن الزام جماعت احمدیہ پر دیتے ہیں۔ جس کو کوئی انصاف پسند جائز قرار نہیں دے سکتا۔

عام مساجد سے جماعت احمدیہ کا اخراج

ایک اور بات جو سیّد صاحب نے اسی ضمن میں فرمائی، یہ ہے کہ

’’اگر احمدی جماعت لاہور کے احباب غیر مرزائی مسلمانوں کو کافر نہ جانتے

> تو جداگانہ نماز کا بندوبست ہی نہ کرتے، بلکہ ہم انہیں ہر روز دوسرے مسلمانوں کی طرح مختلف مساجد میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے۔ علی الخصوص عیدین اور نماز جمعہ یہ شاہی مسجد میں ادا کرتے۔ لیکن صورت واقعہ یہ ہے کہ ان کی علیحدہ مسجد موجود ہے اور یہ اسی میں نماز ادا کرتے ہیں''۔

علیحدگی نماز کی اصل وجہ ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سیّد صاحب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ابتدًا جماعت احمدیہ کے لوگ مختلف مساجد ہی میں نماز پڑھتے تھے لیکن عام مسلمانوں کی تنگدلی اور مولویوں کے جوش غضب نے اس کو برداشت نہ کیا۔ اور مختلف جگہوں میں انہیں مساجد سے روکا گیا، مار پیٹ تک نوبتیں پہنچیں۔ مسجدوں کے فرش اس خیال سے اکھاڑے گئے کہ ''مرزائی'' کے آنے سے وہ ناپاک ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی مسجد کا متولّی اتفاق سے احمدی ہو گیا اور اس تقریب سے احمدیوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنا شروع کر دیا تو اس کو بھی گوارا نہ کیا گیا اور مسجد کو چھیننا اور احمدیوں کو ان میں ذکر الٰہی سے روکنا سب سے بڑا اسلامی فرض سمجھا گیا۔ اسی لاہور میں گمٹی بازار کے وسط میں ایک پرانی مسجد موجود ہے جس کے متولّی مولانا غلام حسین مرحوم احمدی تھے۔ جماعت احمدیہ نے وہاں مولانا ممدوح ہی کی اقتداء میں نمازیں اور جمعہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا لیکن عام مسلمانوں کی ذہنیّت نے اس کو بھی گوارا نہ کیا۔ اور فساد وغیرہ پر آمادہ ہوئے۔ اور انجمن اسلامیہ پنجاب سے جماعت احمدیہ کے خلاف دعوٰی دائر کرا دیا۔ جماعت احمدیہ نے محض اس خیال سے، کہ مقدمہ بازی اور فسادات سے مسلمانوں کی قوّتِ عمل اور روپیہ ضائع نہ ہو، اس مسجد کو چھوڑ کر اپنی علیحدہ مسجد بنا لی۔

فسادات اور مساجد کو چھیننے کی یہ ذہنیّت آج بھی مسلمانوں میں بدستور موجود ہے۔ حال ہی میں جماعت احمدیہ لاہور کے ایک مبلغ مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع تبلیغ اسلام کے لئے فجی تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں محض ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے انہیں جامع مسجد میں

جا کر نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ کیا یہ اسلامی طریق ہے۔ کیا ایسے طرزِ عمل کے ہوتے ہوئے بھی سیّد حبیب یہ کہہ سکتے ہیں کہ احمدی مختلف مساجد میں جا کر نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟ پھر اسی لاہور میں کوچہ چابک سواراں کے اندر ایک چھوٹی سی پرانی مسجد ہے جو لاہور کی قادیانی جماعت کے سکرٹری سیّد دلاور شاہ صاحب کی تولیّت میں ہے۔ اور وہی وہاں امامت کراتے ہیں۔ اور اس لئے محلّہ کے احمدی وہاں جا کر ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ سے اسی محلّہ کے بعض مسلمان ان کو وہاں سے نکالنے کے درپے ہیں۔ اور کبھی اپنا علیحدہ امام کھڑا کر کے ان کی نمازوں میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی مقدمات سے ان پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس محلّہ میں قریب ہی چار پانچ مسجدیں موجود ہیں۔ ہر چند ان لوگوں کو سمجھایا گیا کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا یا کسی کی نماز میں خلل ڈالنا طریق اسلامی کے خلاف ہے۔ لیکن انہیں یہ گوارا ہی نہیں کہ کوئی احمدی بھی کسی مسجد میں آرام اور اطمینان سے نماز پڑھ سکے۔ یہ سچ ہے کہ قادیانی جماعت کے لوگ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور اسی بناء پر دوسرے مسلمانوں کی تکفیر بھی کرتے ہیں، لیکن اس اعتقاد کی وجہ سے ایک ایسی مسجد سے انہیں نکالنا، جس پر وہ سالہا سال سے قابض چلے آتے ہیں، کہاں تک جائز ہے۔ کیا سیّد حبیب ان لوگوں کو سمجھا نہیں سکتے۔ اور صرف احمدیوں ہی پر الزام دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کاش ! کچھ خوفِ خدا ہوتا تو واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر بات کی جاتی۔ اور خواہ مخواہ احمدیوں ہی کو ملزم ٹھہرانا ضروری نہ سمجھا جاتا۔

دوسرے فرقوں کی علیحدگی نماز

دوسری جگہ سیّد صاحب نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ’’ شیعہ اور سنّی بھی ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے‘‘۔ اور لکھا ہے کہ ’’ یہ شرف اہلِ حدیث گروہ ہی کو حاصل ہے

کہ اس نے شمول نماز سے انکار نہیں کیا‘‘۔

حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ اہل حدیث گروہ کی بھی اپنی علیحدہ مساجد ہر جگہ موجود ہیں جہاں وہ جمعہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ لاہور میں چینیا نوالی مسجد اہل حدیث کی مشہور مسجد ہے۔ کیا کبھی کسی نے دیکھا کہ گروہ اہل حدیث نے اپنی مسجد کو چھوڑ کر شاہی مسجد میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کی ہوں۔ اہل حدیث کا گروہ ہر جمعہ کی نماز مسجد چینیا نوالی میں اور ہر عید کی نماز شاہی مسجد کے باہر پریڈ کے میدان میں پڑھتا ہے۔ باوجود اس کے یہ کہنا کس قدر غلط ہے کہ ’’یہ شرف اہل حدیث گروہ ہی کو حاصل ہے کہ اس نے شمول نماز سے انکار نہیں کیا‘‘۔ کب انہوں نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شمول نماز کا اقرار اور عملاً شمولیت اختیار کی؟ صرف اہل حدیث گروہ ہی پر منحصر نہیں، مسلمانوں کا ہر فرقہ، قطع نظر اس کے کہ وہ دوسروں کو کافر سمجھتا ہے یا نہیں، اپنی نمازوں کا بندوبست دوسروں سے علیحدہ ہی رکھتا ہے۔ خود خانہ کعبہ میں چار مصلّے اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ہر گروہ اسلامی نے اپنی زندگی اور جماعتی نظام کو مضبوط کرنے کے لئے نمازوں کا علیحدہ انتظام ہی ضروری سمجھا ہے۔ پس اگر احمدی بھی اس پر عامل ہوں تو اس میں کیا نقصان ہے۔ بالخصوص جبکہ انہیں کافر قرار دیا جاتا ہے اور مساجد میں ان کا قدم بھی رکھنا گوارا نہیں کیا جاتا۔ ہاں! اگر فتوی تکفیر کو اٹھا دیا جائے تو علیحدہ جماعتی انتظام نماز کے باوجود غیر مکفروں کے پیچھے نماز پڑھ لینے میں ہمیں کوئی باک نہیں۔ کیا سیّد حبیب اس کے لئے کوشش کریں گے؟

جرم تکفیر سے کون بری ہے؟

لیکن سیّد صاحب فرماتے ہیں کہ ’’دنیا میں معدلت گستری کا اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو بلا ثبوت جرم مجرم تسلیم نہ کیا جائے۔ لیکن جماعت احمدیہ لاہور کا اصول اس کے برعکس معلوم

ہوتا ہے۔ وہ ہر مسلمان کو بلا ثبوت مرزائیوں کی تکفیر کا مجرم قرار دے کر اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ وہ ہر مسلمان کو تکفیر احمدیت سے بری سمجھ کر اس کے پیچھے نماز ادا کرتے اور جس کو اس جرم کا مجرم مسلم الثبوت جان لیتے، اس کی قیادت میں نماز ادا کرنے سے انکار میں حق بہ جانب ہوتے''۔

یہ بھی کیا معدلت گستری ہے کہ مولویوں کی طرف سے تکفیر کی ایک عام رو چلتی ہے۔ فتوٰئ کفر شائع ہوتے ہیں۔ اور شوق تکفیر یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ نہ صرف حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کو کافر قرار دیا جاتا ہے بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے، اسے بھی کافر ٹھہرا دیا جاتا ہے مگر اس کے خلاف عام مسلمانوں میں سے ایک بھی آواز نہیں اٹھتی۔ اگر کوئی ایسے مسلمان ہیں جو تکفیر احمدیّت سے بیزار ہیں تو کیوں وہ اس کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے؟ جب تک وہ ایسا نہ کریں ان مکفرین ہی کے ساتھ انہیں سمجھا جائے گا جن کی اقتداء میں وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ پچھلے دنوں لاہور سے جو فتوٰی کفر''زمیندار'' میں شائع ہوا، کون مسلمان ہیں جن کو اس کی تائید سے بری قرار دیا جائے۔ کیا مولوی داؤد غزنوی (امام مسجد چینیانوالی) کے مقتدیوں میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کے امام نے اس فتوٰی پر دستخط کرنے میں غلطی کا ارتکاب کیا۔ اور میں اس سے بیزار ہوں۔ وہ تو مولوی صاحب کے برادر عزیز مولوی اسمٰعیل غزنوی کو بھی اس بناء پر کافر قرار دینے کے درپے تھے کہ وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں، جس کے پریزیڈنٹ میاں محمود احمد صاحب تھے، کیوں شامل ہیں۔ کیا مولوی احمد علی صاحب امام مسجد شیرانوالہ دروازہ کے تمام مقتدی فتوٰئ کفر پر دستخط کرنے میں اپنے امام کو حق بجانب نہیں سمجھتے؟ کیا مولوی معو ان حسین صاحب مرحوم امام مسجد شاہی کے مقتدیوں میں سے کسی نے انہیں فتوٰی کفر پر دستخط کرنے سے ٹوکا یا اشارتًا و کنایتًا ان کی حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا؟ کیا مولوی دیدار علی صاحب امام مسجد اندرون دہلی دروازہ اور مولوی محمد احمد

صاحب امام مسجد وزیر خاں احمدیوں کی تکفیر میں سخت تشدّد سے کام نہیں لیتے؟ اور ان کے مقتدیوں میں سے کوئی ایسا پیدا ہوا ہے جو ان کی ان حرکات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھتا ہو؟ اور تو اور مولوی غلام مرشد صاحب جیسے وسیع المشرب انسان کو بھی احمدیوں کو تقلیدًا کافر کہنا ہی پڑا۔ اگرچہ تحقیقی طور پر کافر کہنے سے انکار کرنے کی پاداش میں انہیں تکلیف بھی اٹھانی پڑی۔ پس وہ کون سے مسلمان ہیں جن کو تکفیر احمدیت سے بری قرار دے کر ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جایا کرے؟ وہ کونسی جامع مسجد ہے جس کے امام کو تکفیر احمدیت کا مجرم نہ سمجھ کر جمعہ اور عیدین کی نمازیں وہاں ادا کر لی جایا کریں؟ خود سیّد حبیب نے احمدیوں کی تکفیر کے جواز و عدم جواز پر ایک جداگانہ بحث کرنے کا وعدہ کرنے کے باوجود آخر کار اس مسئلہ کو مولویوں ہی کے سپرد کر دیا، جو پہلے ہی سے تکفیر کے حامی ہیں۔ پھر فرمایئے یہ کہاں کی ''معدلت گستری'' ہے کہ ایسے ناگوار حالات میں، جو وبائے عام کی صورت اختیار کر چکے ہیں، ہر مسلمان کو خواہ مخواہ جرم تکفیر سے بری سمجھ کر ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ جرم تو ہر ایک پر ثابت ہے۔ جب تک کوئی شخص اس کے خلاف آواز بلند کر کے اپنی بریّت کا ثبوت پیش نہ کرے، اسے مجرم ہی سمجھا جائے گا۔ سیّد حبیب کو اگر اتنا ہی خیال ہے تو خود ہی ہمّت کریں اور جرأت کے ساتھ اعلان کریں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے مریدین (کم از کم جماعت احمدیہ لاہور) مسلمان ہے۔ اور جو شخص انہیں کافر قرار دیتا ہے وہ اس سے بیزار ہیں۔ کیا سیّد حبیب صاحب اس اعلان کی جرأت کریں گے؟

بارھواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر میں نبی ورسول کے الفاظ کا استعمال

مسئلۂ نبوّت کے متعلق ایک اصولی نکتہ

حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت کے ثبوت میں چوتھی دلیل سیّد صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ آپ نے اپنے کلام میں جابجا نبی ورسول کے الفاظ اپنے متعلق استعمال کئے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے بعض حوالجات بھی پیش کئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان پر نظر ڈالی جائے ہم اس اصولی نکتہ کو پھر یاد دلا دینا ضروری سمجھتے ہیں، جو قبل ازیں اولیاء اللہ کے کلام سے حضرت مسیح موعود کے اقوال وارشادات کا موازنہ کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ تمام امت محمدؐیہ، کل اولیاء اور علماء ومشائخ اس بات پر متفق ہیں اور حضرت مسیح موعود نے بھی بار بار اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ نبوّت حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو چکی۔ کیونکہ شریعت آپؐ پر کامل ہوگئی اور آپؐ کے بعد کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں رہی لیکن اس کے ساتھ ہی مرور زمانہ سے پیدا ہونے والے مفاسد سے امت کو بچانے اور دین کو تازہ کرنے کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ سے نور اور الہام پا کر کھڑے ہوں۔ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر زبان پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر صدی کے سر پر مجدد کے آنے کی پیشگوئی صادر ہوئی۔ اور امت کے نیک لوگوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین کے ساتھ مکالمۂ مخاطبہ الٰہیہ کے جاری رہنے کی خوشخبری سنائی گئی۔ جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر حق الیقین پیدا کرنے اور معرفت الٰہیہ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ فرمایا **لَقَدْ کَانَ فِیْ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ مِنْھُمْ فَعُمَرُ.** تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جن

سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوتا رہا ہے، بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں، سو اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوتو وہ عمرؓ ہے۔اسی حدیث سے قبل رِجَالٌ يُّكَلَّمُوْنَ کی جگہ مُحَدَّثُوْنَ کا لفظ آیا ہے۔اوران دونوں احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگر چہ شریعت اپنے کمال کو پہنچ کر ختم ہوچکی ہے، لیکن مکالمہ مخاطبہ کا سلسلہ باقی ہے اور ایسے لوگ، جو اس شرف سے مشرف ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْآ اَنْبِيَآءَ قرار دے کر محدّث کے نام سے پکارا ہے۔

غیرتشریعی نبوّت کوئی نبوّت نہیں

اسی کو دوسرے موقعہ پر لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ کے الفاظ میں بیان کیا۔اور جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءٍ مِنَ النُّبُوَّةِ کہہ کر ایک جزئی نبوّت قرار دیا۔اور بعد میں بزرگانِ اُمت نے مطلق نبوّت، نبوّت عامہ، ظلّی و بروزی اور غیرتشریعی نبوّت وغیرہ اصطلاحات اس کے لئے وضع کیں۔لیکن نام خواہ کچھ رکھ لیا جائے اور نبوّت کا لفظ بھی اس پر بولا جائے، مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْآ اَنْبِيَآءَ کی حد بندی سے اسے متجاوز قرار نہیں دیا جا سکتا۔کیونکہ اصطلاحِ اسلام میں نبوّت جس چیز کا نام ہے، وہ بغیر شریعت کے نہیں ہوسکتی، البتہ لغت میں چونکہ نبا کے معنی خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانا ہے۔اور ایک محدّث یا مُكَلَّمٌ مِّنَ اللّٰهِ کو بھی اظہار علی الغیب دیا جاتا ہے۔جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ’’ولا یظہر علٰی غیبہ احدا الّا من ارتضٰی من رسول . رسول کا لفظ عام ہے۔جس میں رسول اور نبی اور محدّث داخل ہیں‘‘۔(آئینہ کمالات اسلام ص322)

اس لئے لغوی معنوں میں اور بطور مجاز نبی کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے، **ورنہ ظلّی و بروزی یا غیرتشریعی نبوّت، نبوّت کی کوئی قسمیں نہیں**۔ وہ چیز جو اصلی اور حقیقی معنوں میں نبوّت کہلا سکتی ہے، وہ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔بغیر شریعت یا احکام جدیدہ کے کوئی نبوّت

نہیں ہوسکتی۔ ایک مکلّم من اللہ، ایک محدّ ث، ایک مجدد کو غیر شرعی نبی کہہ لو، ظلّی و بروزی نبی قرار دے لو، مجازی نبی کے نام سے پکارو، لیکن یہ تمام نام سوائے لغوی معنوں کی نبوّ ت اور محدّ ثیت و مجدّ دیّت کے اور کوئی حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتے اور نہ اسے اصلی اور حقیقی نبوّ ت قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے جو آج دینی علوم کا مذاق کم ہو جانے کی وجہ سے عام طور پر لوگوں کو لگتی ہے۔ اور افسوس ہے کہ ہمارے قادیانی دوست بھی غلو اور افراط کی اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے ظلّی و بروزی اور غیر تشریعی نبوّ ت کو اصلی نبوّ ت ہی کی ایک قسم قرار دے دیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ظلّ اور بروز کے الفاظ صرف ذریعہ حصول نبوّ ت کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں (یعنی پہلے انبیاءؑ براہ راست ہوتے تھے۔ اب ذریعہ حصول نبوّ ت بدل گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے نبی ہوا کریں گے) ورنہ نفس نبوّ ت کے لحاظ سے اس میں اور سابق انبیاءؑ کی نبوّ ت میں کوئی فرق نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک نبی صاحب الشریعت ہوتا ہے

اس موقعہ پر قادیانی عقائد کی غلطیوں کو ہی واضح کرنا ہمارے پیش نظر نہیں، بلکہ مسئلہ نبوّ ت کی بحث میں ضمناً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قادیانی اصحاب کا یہ خیال اور مخالفین مسیح موعود کا یہ وہم، کہ ظلّی و بروزی یا غیر تشریعی نبوّ ت بھی نبوّ ت ہی کی قسمیں ہیں، اور کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ان الفاظ کے پردہ میں درحقیقت اصلی اور حقیقی نبوّ ت ہی کا دعوٰی کیا تھا، ازسرتاپا غلط اور خود حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کے قطعاً خلاف ہے۔ ''تریاق القلوب'' میں یہ صاف اور کُھلا ارشاد موجود ہے کہ:

> ''یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوںؑ کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور

احکام جدیدہ لاتے ہیں۔لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم
اور محدّث ہیں، گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں، ان
کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا‘‘۔(تریاق القلوب ص130)

یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک نبی صرف صاحب الشریعت اور
احکام جدیدہ لانے والے ہی کو کہا جاتا ہے اور صاحب الشریعت کے ماسوا مکلّم اور محدّث ہی
ہو سکتے ہیں۔صرف ’’تریاق القلوب‘‘ ہی میں نہیں، بعد کی کتابوں میں بھی حضرت مسیح موعودؑ نے
اپنا یہی خیال اور یہی عقیدہ ظاہر کیا۔چنانچہ ’’مواہب الرحمٰن‘‘ میں فرمایا:

’’وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت وایشاں را
رنگ انبیاء دادہ مے شود وایشاں درحقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن
حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است‘‘۔(مواہب الرحمٰن ص66)

کیا کوئی صاحبِ فہم انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ان الفاظ میں حضرت مسیح موعود نے اصلی
اور حقیقی نبیوں کے آنے کی کوئی گنجائش باقی رکھی ہے۔صاف لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے ساتھ
مکالمات بھی ہوتے ہیں۔انہیں رنگ انبیاء بھی دیا جاتا ہے لیکن وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔
کیونکہ **قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا**۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح
موعود صرف شریعت لانے والے کو ہی نبی سمجھتے ہیں، ورنہ یہ فقرہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ چونکہ قرآن
نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا، اس لئے اولیاء اللہ درحقیقت نبی نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت

پس شرعی اور غیر شرعی نبوّت کی تقسیم محض فرضی ہے، جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔
کیونکہ نبوّت، شریعت یا احکام جدیدہ ہی کا دوسرا نام ہے۔اور غیر تشریعی نبوّت، نبوّت کی کوئی

قسم نہیں بلکہ صرف لغوی مفہوم کے لحاظ سے مجازاً نبوّت کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

''ایسے ہی بہت سے الہام ہیں جن میں اس عاجز کے متعلق نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے۔ وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوّت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوّت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے، بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا''۔ پھر فرمایا:

''اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں۔ اور نبوّت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق اور معارف بیان کرنا۔ سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے''۔ (خط مندرجہ اخبار الحکم مورخہ 7 اگست 1899ء)

اس لئے جہاں جہاں آپ کی کسی تحریر یا کلام میں نبی اور رسول کا لفظ آئے گا، اس کو اسی تشریح کے ماتحت سمجھا جائے گا۔ اور نبوّت حقیقی اس سے مراد لینا ہرگز جائز نہ ہوگا، خواہ وہاں غیر تشریعی نبی کے الفاظ ہوں یا ظلّی و بروزی اور اُمتی نبی کے یا بغیر کسی تشریح کے نبی کا لفظ آیا ہو، اس کا مفہوم مندرجہ بالا تشریح سے متجاوز نہ ہوگا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں حدیث نبویؐ کے ماتحت محدّثیّت کہا جا سکتا ہے۔

نبی اور رسول ہونے کا ''دعویٰ''

اسی مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اگر ان حوالجات کو دیکھا جائے جو سیّد حبیب نے پیش کئے ہیں تو بات آسان ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلا حوالہ جو پیش کیا گیا ہے، وہ بدر 5 مارچ 1908ء

کا ہے جس میں سے پہلے تو صرف یہ فقرہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ ''ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں''۔ اور پھر آگے چل کر حوالہ جات کا نمبر بڑھانے کے لئے سیاق وسباق عبارت کے ساتھ یوں نقل کیا گیا ہے:

''ایسا رسول ہونے سے انکار کیا گیا ہے جو صاحب کتاب ہو۔ دیکھو! جو امور سماوی ہوتے ہیں ان کے بیان میں ڈرنا نہیں چاہئے۔ اور کسی قسم کا خوف کرنا اہل حق کا قاعدہ نہیں...... ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ دراصل یہ نزاع لفظی ہے۔ خدائے تعالیٰ جس کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرے، جو بلحاظ کمیّت وکیفیّت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں، اسے نبی کہتے ہیں۔ اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی ہیں''۔ پھر لکھا ہے

''اُسی ڈائری میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ ''ہم پر کئی سالوں سے وحی نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی شان اس کے صدق کی گواہی دے چکے ہیں، اسی لئے ہم نبی ہیں۔ امر حق کے پہنچانے میں کسی قسم کا اخفاء نہ رکھنا چاہئے''۔

ان تمام عبارات میں جس نبوّت کا ذکر ہے اس کو ایک ہی فقرہ میں صاف کر دیا ہے ''ایسا رسول ہونے سے انکار کیا گیا ہے جو صاحب کتاب ہو''۔ اوپر ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جو شریعت یا کتاب لے کر آئے۔ اس کے علاوہ محدّث اور مکلّم من اللہ کو صرف لغوی معنوں میں مجازاً نبی کہہ سکتے ہیں۔ ایسا ہی نبی اور رسول ہونے کا دعوٰی منقولہ بالا عبارات میں ہے۔ جس کو یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا کہ ''دراصل یہ نزاع لفظی ہے''۔ یعنی ان الفاظ کا مفہوم وہی ہے جو عام مسلمانوں میں کثرت مکالمہ ومخاطبہ یا محدّثیت کا

مفہوم ہے۔حضرت مسیح موعود اسے مجازاً الغوی معنوں میں نبوّت کے نام سے پکارتے ہیں۔صرف الفاظ کا اختلاف ہے۔مفہوم ایک ہی ہے۔

اولیاءاللہ جیسی نبوّت

دوسرا حوالہ بدر 19 اپریل 1908ء کا ہے۔جس کے حسب ذیل الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

''ہمارے نبی ہونے کے وہی نشانات ہیں جو تورات میں مذکور ہیں۔مَیں کوئی نیا نبی نہیں ہوں۔ **پہلے بھی کئی نبی گذرے ہیں جنہیں تم لوگ سچّے مانتے ہو''۔**

اس عبارت میں جلی کردہ الفاظ خود اس کے مفہوم کو ظاہر کر رہے ہیں۔اور بتا رہے ہیں کہ آپ کی نبوّت ویسی ہی ہے جیسی قبل ازیں اولیائے اُمت کو ملتی رہی اور لوگ انہیں سچّے مانتے ہیں۔یہی بات آپ نے قریباً ایک مہینہ بعد یعنی اپنی وفات سے بیس گھنٹے پہلے 25 مئی 1908ء کو ایک سرحدی کے جواب میں فرمائی۔جس کا ذکر 10 جون 1908ء کے بدر میں ص 7 پر حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

''جس شخص پر پیشگوئی کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا اظہار بکثرت ہو اسے نبی کہا جاتا ہے۔خدا کا وجود خدا کے نشانوں کے ساتھ پہنچانا جاتا ہے، اسی لئے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں۔مثنوی میں لکھا ہے۔'' آں نبی وقت باشداے مرید''۔محی الدین ابن عربیؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔حضرت مجددؒ نے بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے۔پس کیا سب کو کافر کہو گے؟ یاد رکھو کہ یہ سلسلۂ نبوّت قیامت تک جاری رہے گا''۔

اخبار عام کا حوالہ(1)

ایک حوالہ ''اخبار عام'' 23 مئی 1908ء کا دیا گیا ہے۔جس میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک خط طبع ہوا ہے۔لیکن اس میں سے صرف ذیل کے الفاظ نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے:

''میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔اور اگر مَیں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔اور جس حالت میں خدا نے میرا نام نبی رکھا تو مَیں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک کہ اس دنیا سے گذر جاؤں''۔

لیکن اس کے بعد اگلا فقرہ، جو لفظ نبی کی اصل حقیقت کو ظاہر کرنے والا ہے،عمدًا چھوڑ دیا گیا ہے۔مندرجہ بالا فقرات کے بعد ہی حضرت مسیح موعودؑ لکھتے ہیں:

''مگر مَیں ان معنوں میں نبی نہیں ہوں کہ گویا مَیں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔**سو مَیں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا''**۔

کیا یہ الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو ثابت نہیں کرتے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعوٰی نبوّت کا ہرگز نہ تھا بلکہ صرف لغوی معنوں میں مجازًا لفظ نبی کا استعمال آپ نے اپنے متعلق کیا ہے۔ لیکن اس انصاف اور معدلت گستری کو دیکھئے کہ جن الفاظ میں آپ نے اس حقیقت کو کھول کر

1۔مطبوعہ درضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 27 ستمبر 1933ء

بیان کیا اور لفظ نبی کی تشریح کی ہے، اس کو سیّد صاحب نے حذف کر دیا اور جن الفاظ سے شبہ پیدا ہونے کا احتمال تھا، ان کو نقل کر دیا۔ معلوم نہیں یہ ''شریفانہ طریق'' سیّد صاحب نے کیوں پسند کیا۔ لیکن یہ ان کا قصور نہیں حضرت مسیح موعودؑ کی اصل تحریرات کو تو انہوں نے دیکھا ہی نہیں ان کی نظر صرف معترضین کی کتابوں پر ہے۔ جس قدر حوالے انہوں نے دیئے اور جس صورت میں کتر بیونت کر کے الفاظ کو نقل کیا ہے اسی کی تقلید سیّد صاحب نے بھی کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی منصفانہ اور محققانہ طریق نہیں۔ اگر وہ اصل کتابوں میں سے ان تمام حوالوں کو سیاق وسباق عبارات کے ساتھ پڑھتے تو خود ہی انہیں اعتراضات کی لغویت معلوم ہو جاتی جیسا کہ مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہے۔

''رسول'' کا لفظ

اسی سلسلہ میں سیّد صاحب نے متعدد ایسی عبارات پیش کی ہیں جن میں حضرت مسیح موعودؑ نے ''رسول'' کا لفظ اپنے متعلق استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک حوالہ دافع البلاء صفحہ 10 کا ہے جہاں حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ:

> ''تیسری بات، جو اس وحی سے ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ بہرحال، جب تک طاعون دنیا میں رہے، گو ستّر برس تک رہے، قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا، کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے''۔

اسی دافع البلاء کے صفحہ 11 پر لکھتے ہیں ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا''۔ ایک حوالہ ''براہین احمدیہ'' حصہ پنجم صفحہ 55 کا بھی ہے، جہاں لکھا ہے ''میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت، ایک وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا''۔

ایسا ہی ''البشریٰ'' جلد2 صفحہ 56 کا ایک حوالہ دیتے ہوئے سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قرآن پاک کی ایک آیت اپنی شان میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''کہہ دو (کہ) اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول ہوکر آیا ہوں''۔ پھر لکھتے ہیں:

''حقیقۃ الوحی ص 107 پر قرآن پاک کی ایک آیت کو اپنے الہام کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔جس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''(اے مرزا(1)) تو بے شک رسولوں میں سے ہے''۔

ان تمام حوالجات میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے متعلق ''رسول'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔اس لفظ کی تشریح آپ نے اپنی ایک کتاب ''سراج منیر'' میں نہایت وضاحت سے کی ہے اور لکھا ہے کہ:

''ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوّت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پُرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی مُلہم کو نبی کے لفظ سے یاد کرے۔کیا تم نے وہ حدیثیں نہیں پڑھیں جن میں رسول اللہ آیا ہے۔عرب کے لوگ تو اب

1۔ یہ ترجمہ حضرت مسیح موعود نے تو کیا نہیں۔نہ کہیں ''اے مرزا'' کے الفاظ ترجمہ میں موجود ہیں۔ بلکہ الہام یہ ہے یٰسٓ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ جس کے معنی حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کئے ہیں ''**اے سردار تو خدا کا مرسل ہے**''۔

اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہو گیا کہ مُرْسَلْ کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استعمال کرے۔ کیا قرآن میں سے فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ (یٰسٓ 14:36) بھی یاد نہیں رہا۔ انصافاً دیکھو کیا یہی تکفیر کی بناء ہے۔ اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے۔ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں، لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں، ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا، جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے، وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوّت کے دروازے خاتم النّبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلّی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کے رو سے آ سکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی''۔ (سراج منیر ص 3)

کس قدر پُر زور تحریر ہے۔ کس قدر کھول کھول کر نبی اور رسول کے الفاظ کا اصل مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ کیا ہمارے مخالفین کو حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں میں، جہاں نبی اور رسول کے الفاظ نظر آتے ہیں، وہاں ایسی صاف اور واضح تحریرات اور تشریحات دکھائی نہیں دیتیں؟ پھر یہ کس قدر ظلم اور افتراء ہے کہ محض چند مبہم فقرات کو لے کر ایسے معانی کر دیئے جائیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی کھلی تشریحات کے قطعاً خلاف ہیں؟ صاف لکھا ہے کہ رسول کا لفظ عرب میں فرستادہ پر بولا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اگر اپنے ایک فرستادہ کو رسول کہہ دیا

تو کونسا جرم ہو گیا۔ قرآن کریم میں بھی تو مسیحؑ کے حواریوں کے متعلق اِنَّآ اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ (یٰسٓ 14:36) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اگر مسیحؑ کے حواری بھی، جو نبی نہ تھے، اپنے آپ کو مرسل کہہ سکتے ہیں، تو مثیل مسیح کو مرسل یا رسول مجازی معنوں میں کیوں نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں تک حقیقت کا سوال ہے، حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت واضح الفاظ میں بتا دیا کہ نہ رسول اور نہ نبی کا لفظ حقیقی معنوں پر محمول ہے بلکہ مجاز اور استعارہ کے طور پر لغوی معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے ان الفاظ سے نبوّت و رسالت کا دعوٰی مراد لینا کس قدر ناحق کوشی اور ظالمانہ حرکت ہے۔

تیرھواں باب

مسئلہ نبوّت اور خصوصیّت مسیح موعودؑ (1)

حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰی نبوّت کے ثبوت میں ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحہ 391 کو بھی سیّد صاحب نے پیش کیا ہے اور آپ کے حسب ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:

''غرض اس حصّہ کثیر وحی الٰہی اور امورِ غیبیہ میں اس اُمت میں سے مَیں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء، ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں، ان کو یہ حصّہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں نہیں پائی جاتی''۔

اس عبارت کا مطلب زیادہ صفائی کے ساتھ واضح ہو جاتا، اگر اس کے بعد کے چند اور فقرے بھی نقل کر دیئے جاتے جن میں مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ ہی صاف طور پر لکھا ہے کہ:

''اور ضرور تھا کہ ایسا ہو، تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی۔ کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ بھی اسی قدر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصّہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا اس لئے اللہ تعالٰی کی مصلحت نے ان

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 27 ستمبر 1933ء

بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث
صیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے‘‘۔

خصوصیّت کی بناء حدیث نبویؐ پر

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کا نام پانے میں جس خصوصیّت کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے مندرجہ بالا الفاظ میں کیا ہے، وہ صرف اس پیشگوئی کی بناء پر ہے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے متعلق پائی جاتی ہے۔ اور جس میں عیسٰی اور ابن مریم اور نبی اللہ کے الفاظ میں آپ کو پکارا گیا ہے۔ چنانچہ سباق عبارت میں صاف طور پر لکھا ہے:

> ’’اب واضح ہو کہ احادیث نبوؐیہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلعم کی اُمت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسٰی اور ابنِ مریم کہلائے گا۔ اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا‘‘۔

لیکن حضرت مسیح موعود کا دعوٰی سچ مچ عیسٰی اور ابن مریم ہونے کا نہیں بلکہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں آپ نے ان الفاظ کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا اور مثیل عیسٰی اور مثیل ابن مریم ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ پس نبی کا نام بھی آپ کو مجاز اور استعارہ ہی کے طور پر دیا گیا، جیسا کہ اسی ’’حقیقۃ الوحی‘‘ کے آخر میں صاف طور پر لکھا ہے کہ:

> ’’سُمّیتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ۔
> میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا، حقیقی طور پر نہیں‘‘۔
> (الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص 65)

ایسا ہی ’’سراج منیر‘‘ میں حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا، جو حدیث میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے، وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا''۔ (سراج منیر ص3)

''نبی کا نام پانا'' نبی بننا نہیں

پھر یہ نہیں فرمایا کہ مجھے نبی بننے کے لئے مخصوص کیا گیا، بلکہ فرمایا کہ ''نبی کا نام پانے کے لئے'' مخصوص کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ نبی بننے اور نبی کا نام پانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ نبیوں کی پیش گوئیوں میں آپؐ کی آمد کو خدا کی آمد اور آپ کے ظہور کو خدا کا ظہور قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ایسی پیش گوئیوں کی وجہ سے کسی نے بھی آج تک آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نہیں مانا۔ ظاہر ہے کہ پیشگوئیوں میں ہمیشہ مجاز اور استعارہ ہوتا ہے اور نبی کا نام پانا بھی مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے۔ اسے دعوٰی نبوّت قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس ذکر خصوصیّت سے پہلے ص390 پر لکھتے ہیں:

''اور پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوّت کا دعوٰی کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے۔ بلکہ جس نبوّت کا دعوٰی کرنا قرآن شریف کی رو سے منع معلوم ہوتا ہے، ایسا کوئی دعوٰی نہیں کیا گیا۔ صرف یہ دعوٰی ہے کہ ایک پہلو سے اُمّتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنخضرت صلعم کے فیض نبوّت کی وجہ سے نبی۔ اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالٰی سے بکثرتِ شرفِ مکالمہ مخاطبہ پاتا ہوں''۔

کیا کوئی صاحب فہم یہ قیاس کر سکتا ہے کہ چند سطریں پیشتر تو حضرت مرزا صاحب دعوٰی نبوّت منسوب کرنے کو افتراء قرار دے چکے ہوں اور چند ہی سطریں بعد خود ہی دعوٰی

نبوّت کر دیں ۔ اور پھر کتاب کے آخر میں جا کر اسی کثرت مکالمہ مخاطبہ والی نبوّت کو عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ قرار دے دیں ۔

ایک پہلو سے اُمّتی اور ایک پہلو سے نبی

لیکن سیّد صاحب نے اس عبارت سے آگے چل کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''ایک پہلو سے اُمّتی اور ایک پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوّت کی وجہ سے نبی'' ہونے کا جو دعوٰی کیا گیا ہے تو اس سے یہ ظاہر کرنا مراد ہے کہ ''میری نبوّت کا ذریعہ پہلے نبیوںؑ کے ذریعہ سے الگ ہے، مگر مقصود میں سب برابر ہیں'' ۔

یہ نتیجہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اور اُمتی نبی کی ان تمام تشریحات کے بالکل خلاف ہے جو آپ نے جابجا اپنی کتابوں میں کی ہیں ۔ ایک پہلو سے اُمّتی اور ایک پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوّت کی وجہ نبی ہونے کے الفاظ شروع سے آخر تک آپ کی تمام تحریرات میں موجود ہیں ۔ اور ان کی جو توجیہہ آپ نے کی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

> ''سو یہ بات کہ اس کو (یعنی مسیح موعود کو) اُمتی بھی کہا اور نبی بھی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتّیت اور نبوّت کی اس میں پائی جائیں گی ۔ جیسا کہ محدّث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن صاحب نبوّت تامہ تو صرف ایک شان نبوّت ہی رکھتا ہے ۔ غرض محدّثیت دونوں رنگوں میں رنگین ہوتی ہے'' ۔ (ازالہ اوہام ص 533)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوّت کی وجہ سے نبی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ذریعہ حصول نبوّت بدل گیا ہے اور نفسِ نبوّت میں تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک پہلو سے امّتی کہہ کر بتا دیا کہ امتّیت اور نبوّت کی دونوں شاخیں آپ میں پائی جاتی ہیں ۔

جو صاحب نبوّت تامہ میں نہیں بلکہ محدّث میں پائی جانی ضروری ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس عبارت میں یا اس کے بعد خصوصیّت کے ذکر میں اصلی نبوّت یا نبوّت تامہ کا دعوٰی کیا ہے۔ اگر کسی نبوّت کا یہاں ذکر ہے تو وہ محدّثیت کے مفہوم سے بڑھ کر نہیں۔

اشد مشابہت انبیاءؑ کی وجہ سے خصوصیّت

رہا یہ کہ وہ خصوصیت کیسی ہے جس کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے صفحہ 391 پر کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ بتایا جا چکا ہے کہ نبی بننے میں خصوصیت آپ نے بیان نہیں کی بلکہ نبی کا نام پانے میں خصوصیت بتائی ہے۔ کیونکہ پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب پر یہ نام نہیں بولا گیا بلکہ مجملاً علماء اُمَّتِیُ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کہہ کر انبیاءؑ کے ساتھ انہیں مشابہت دے دی گئی۔ لیکن مسیح موعود کو جو کثرت مکالمہ مخاطبہ ہوا اس نے اس مشابہت کو حد کمال تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ اس اشد مشابہت کے اظہار کے لئے حرف تشبیہ کی بھی ضرورت نہ رہی اور آپ کو خصوصیت سے نبی کہہ کر پکارا گیا۔ اس سے آپ اولیاء کے زمرہ سے باہر نہیں ہو جاتے بلکہ اولیاء میں ایک خصوصیت آپ کو دی گئی ہے۔ کوئی شخص رستم کا نام پانے سے فی الواقعہ رستم نہیں بن جاتا۔ اور نہ جس کو شیر کہا جائے، وہ حقیقت میں شیر بن جاتا ہے۔ بلکہ صفت بہادری میں رستم اور شیر کے ساتھ اشد مشابہت رکھنے کی وجہ سے اسے یہ نام دے دیا جاتا ہے۔ اس سے دوسروں کے اندر بہادری کی نفی بھی مقصود نہیں ہوتی۔ دوسرے بھی اگرچہ بہادر ہوں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ رستم اسی کو کہا جاتا ہے جس سے صفت بہادری کا اظہار ہو۔ ایسا ہی پہلے اولیاء اور ابدال و اقطاب اگرچہ رنگِ انبیاءؑ رکھنے کی وجہ سے کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ تھے، لیکن مسیح موعود اس رنگ میں حد درجہ رنگین ہونے یا بالفاظ دیگران سے بہت بڑھ کر کثرت مکالمہ پانے کی وجہ سے مجازاً نبی اللہ کہلایا۔ یہی آپ کی خصوصیت ہے۔ اس سے بڑھ کر انبیاءؑ کے زمرہ میں آپ کو شامل کرنا اور اصلی اور حقیقی نبوّت کا مدعی قرار دینا، سیاق وسباق عبارت کے قطعاً خلاف ہے۔

چودھواں باب

''ایک غلطی کا ازالہ'' اور مسئلہ نبوّت

سیّد صاحب کی بھول بھلیاں

بحثِ نبوّت ہی کے ضمن میں سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ ''مرزا صاحب نے ادعائے نبوّت کو ایک بھول بھلیاں بنا دیا ہے۔ جس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ لیکن مَیں ایک مثال پر اکتفاء کرتا ہوں۔ آپ نے 5 نومبر 1901ء کو ایک اشتہار دیا تھا جو ہو بہو حسب ذیل ہے''۔

اس کے بعد اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' بحذف عبارات نقل کیا ہے۔ ''ہو بہو حسب ذیل ہے'' لکھ کر پھر صفحوں کے صفحے حذف کر جانے ''ہو بہو'' جناب حبیب ہی کے کمالات کا کرشمہ ہے۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ اس اشتہار میں ''ادعائے نبوّت'' کہاں ہے۔ اور اس کو ''بھول بھلیاں'' کیونکر بنایا گیا ہے۔ اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' ہمارے سامنے ہے۔ ہم پہلے بھی اس کو متعدد مرتبہ مطالعہ کر چکے ہیں اور سیّد حبیب کی ''بھول بھلیاں'' دیکھنے کے لئے آج پھر اس کو لفظ بلفظ مطالعہ کیا ہے۔ ہمیں تو ایک بھی ایسی بات اس میں نظر نہیں آتی جس کو بھول بھلیاں کہا جا سکے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اس میں فنافی الرسول، ظلّی نبوّت، نبوّت محمدؐیہ کی چادر، ظلّی محمد اور ظلّی احمد، بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا جو ذکر بار بار کیا گیا ہے، وہ سیّد صاحب کے فہم ودماغ سے اس قدر بالا ہے کہ وہ ان کو ''بھول بھلیاں'' کے سوائے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جس شخص نے اولیاءاللہ کی کتابیں کبھی مطالعہ نہ کی ہوں، صوفیاء کے کلام کو نہ پڑھا ہو، فنافی الرسول کی اصطلاح سے کوئی واقفیت نہ رکھتا ہو، بروز اور ظلّ کے معنی تک نہ جانتا ہو، اس کے لئے ''ایک غلطی کا ازالہ'' ''بھول بھلیاں'' نہیں تو اور کیا ہوگا۔ ہم قبل ازیں اولیاءاللہ کے

کلام سے بالوضاحت یہ بتا چکے ہیں کہ فنا فی الرسول کے درجہ پر پہنچ کر ان کے مونہوں سے ایسے ایسے کلمات نکلتے ہیں کہ گویا ان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی دوئی ہے ہی نہیں۔ جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر بالکل آگ کی شکل اختیار کر لیتا اور آگ ہی کی طرح جلاتا ہے، بعینہٖ اسی طرح کمال متابعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انسان کو اس درجہ تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں فنا ہو کر ظلّی محمد اور ظلّی احمد بن جاتا ہے۔

فنا فی الرسول اور بروزی نبوّت

''ایک غلطی کا ازالہ'' میں شروع سے آخر تک اسی بات پر زور دیا گیا ہے، جیسا کہ عبارات ذیل سے ظاہر ہے۔

1۔ نبوّت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی **فنا فی الرسول** کی۔ پس جو شخص نبوّت کی اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے، اس پر ظلّی طور پر وہی نبوّت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوّت محمدؐی کی چادر ہے۔ اس لئے اس کا نبی ہونا غیریت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے۔

2۔ غرض میری نبوّت اور رسالت باعتبار محمدؐ اور احمدؐ ہونے کے ہے، نہ میرے نفس کے رو سے۔ اور یہ نام **بحیثیت فنا فی الرسول** مجھے ملا، لہٰذا خاتم النّبیّین کے مفہوم میں فرق نہ آیا۔

3۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو، یا جس کو بغیر توسط آنجنابؐ اور ایسی **فنا فی الرسول** کی حالت کے جو آسمان پر اس کا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا جائے، یونہی نبوّت کا

لقب عنایت کیا جائے۔وَمَنْ ادّعٰی فَقَدْ کَفَرَ.

4۔لیکن اگر کوئی شخص اسی خاتم النّبیّن میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے،اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا انعکاس ہو گیا ہو،تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا۔کیونکہ وہ محمد ہے گو ظلّی طور پر۔

5۔ہاں! یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے، خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں، بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے۔یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر، اور اس میں سے ہو کر، اور اس کے نام محمدؐ اور احمدؐ سے مسمّی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی(1)۔

6۔اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے ''براہین احمدیہ'' میں میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے۔اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوّت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔کیونکہ ظلّ اپنے اصل سے علیحدہ

1۔اس فقرہ میں صاف بتا دیا کہ رسول اور نبی صرف لغوی معنوں میں ہوں. لغت کے رو سے رسول کے معنی بھیجا ہوا اور نبی کے معنی غیب کی خبریں پانے والا۔اس لئے ''میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی'' کے الفاظ اصطلاحی معنوں میں نہیں۔یعنی اصلی نبوّت اور رسالت اس سے مراد نہیں۔

نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلّی طور پر محمد ہوں ۔صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پس اس طور پر خاتم النّبیّن کی مہر نہیں ٹوٹی ۔ کیونکہ محمدؐ کی نبوّت محمدؐ تک ہی محدود رہی ، یعنی بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا، نہ اور کوئی ۔ یعنی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی طور پر تمام کمالات محمدی معہ نبوّت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلّیت میں منعکس ہیں، تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوّت کا دعوٰی کیا۔

7۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ مقصود تھا کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کا وارث ہوگا۔ اس کے نام کا وارث، اس کے خلق کا وارث، اس کے علم کا وارث، اس کی روحانیت کا وارث اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائے گا۔ اور وہ اپنی طرف سے نہیں، سب کچھ اس سے لے گا اور اس میں فنا ہو کر اس کے چہرہ کو دکھلائے گا۔

8۔ جس طرح بروزی طور پر محمدؐ اور احمدؐ نام رکھے جانے سے دو محمدؐ اور دو احمدؐ نہیں ہو گئے ، اسی طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النّبیّن کی مہر ٹوٹ گئی۔

9۔ بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

10۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوّت کا بھی اظہار کریں۔

11۔اور چونکہ وہ بروز محمدیؐ ، جو قدیم سے موعود تھا، وہ مَیں ہوں، اس لئے بروزی رنگ کی نبوّت مجھے عطا کی گئی۔

12۔ایک بروز محمدیؐ جمع کمالات محمدؐیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لئے مقدّر تھا، سو وہ ظاہر ہو گیا۔اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوّت کے چشمہ سے پانی لینے کے لئے باقی نہیں۔

کیا یہ ’’بھول بھلیاں‘‘ ہیں

یہ ہے وہ دعوٰی نبوّت، جو اشتہار ’’ایک غلطی کا ازالہ‘‘ میں کیا گیا ہے۔کیا کوئی اہل علم اور صاحب فہم انسان اس کو اصلی اور حقیقی نبوّت پر محمول کر سکتا ہے؟ کیا فنا فی الرسول والی نبوّت، بروزی اور ظلّی نبوّت، جس سے ظلّ اور اصل میں کوئی غیریت نہیں رہتی، اُمت محمدیہ میں اولیاء اللہ کو نہیں ملتی رہی؟ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صاف لکھا ہے:

’’دریں مقام تابع بہ متبوع نہجے مشابہت پیدا میکند کہ گویا اسم تبعیت از میان می خیزد و امتیاز تابع ومتبوع زائل می گردد چناں متوہم می شود کہ تابع دررنگ متبوع ہر چہ میگرد و از اصل میگرد د و گویا ہر دو از یک چشمہ آب می خورند و ہر دو آغوش یک کنار اند و ہر دو در یک بستر اند و ہر دو در رنگ شیر وشکر اند۔ تابع کجا ومتبوع کدام وتبعیت کرا در اتحاد نسبت تغائر گنجائش ندارد و عجب معاملہ است دریں مقام ہر چند با معان نظر مطالعہ می نمائد نسبت تبعیت ہیچ ملحوظ ومنظور نمی گردد و امتیاز تابعیت ومتبوعیت اصلا مشہود نمی شود و این قدر ہست کہ خود را طفیلی می داند و وارث نبی خود می یابد‘‘۔

یعنی اس مقام پر تابع،متبوع کے ساتھ اس طور پر مشابہت پیدا کرتا ہے۔

> کہ تبعیت کا نام درمیان سے اُٹھ جاتا ہے۔ اور تابع، اور متبوع کا امتیاز زائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع متبوع کے رنگ میں ہو کر اصل جگہ سے ہر چیز حاصل کر رہا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں۔ اور ایک ہی بستر میں ہیں۔ اور شیر وشکر کے رنگ میں ہو جاتے ہیں۔ پھر تابع کہاں اور متبوع کون اور تابعداری کس کی؟ اتحاد میں غیریت کی نسبت کوئی گنجائش نہیں رکھتی۔ اس جگہ پر یہ عجب معاملہ ہے کہ جس قدر امعان نظر سے دیکھا جائے، تبعیت کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اور تابعیّت اور متبوعیّت ہرگز دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں! البتہ اس قدر ضرور ہے کہ (تابع) اپنے آپ کو طفیلی جانتا ہے اور اپنے آپ کو وارث نبی سمجھتا ہے (مکتوبات امام ربانیؒ جلد 2 مکتوب نمبر 54)

فرمائیے ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں کونسی ایسی بات ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس بیان کے خلاف ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے کہ ''اگر کوئی شخص اسی خاتم النّبیّین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریّت کے، اسی کا نام پا لیا ہو'' تو یہی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ ''دریں مقام تابع بہ متبوع نہجے مشابہت پیدا میکند کہ گویا اسم تبعیّت ازمیان می خیزد''۔ اگر حضرت مسیحؑ موعود نے یہ فرمایا کہ ''میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی طور پر تمام کمالات محمدیؐ معہ نبوّت محمدؐیہ کے میرے آئینہ ظلیّت میں منعکس ہیں''۔ اگر آپؑ نے بروز کو من تو شدم تو من شدی ...... الخ'' کا مصداق قرار دیا، تو یہی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد ہے کہ ''گویا ہر دو از یک چشمہ آب میخورند و ہر دو آغوش یک کنار اند و ہر دو در یک بستر اند و ہر دو در رنگ شیر وشکر اند تابع کجا ومتبوع کدام ...... الخ'' لیکن باوجود اس نفی مغائرت اور اتحاد کلّی کے، جو اصل اور بروز یا

تابع اور متبوع میں پایا جانا بیان کیا گیا ہے، جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ''ایں قدر ہست کہ خود را طفیلی مے داند و وارث نبی خود می یابد'' اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے بار بار اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی اور وارث قرار دیا۔ غرض وہ تمام باتیں جو ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمائی ہیں، حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے کلام سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور نہ صرف حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے کلام سے، بلکہ ہم اس سے پیشتر ثابت کر چکے ہیں کہ تمام اولیاء اللہ کے ملفوظات میں ایسی ہی باتیں اور اسی قسم کی نبوّت پائی جاتی ہے۔ پس کیا سیّد صاحب ان سب کو ''بھول بھلیاں'' قرار دینے کی جرأت کریں گے؟ کیا وہ بتائیں گے کہ وہ کونسی ''بھول بھلیاں'' ہیں جو انہیں ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں نظر آتی ہیں؟ اور سابق اولیاء اللہ کے ملفوظات میں نہیں؟ سوائے اس کے، کہ ان کی ''علمی فرومائیگی'' ہر اس بات کو جو ان کے فہم وعلم سے بالا ہو ''بھول بھلیاں'' بنا دیتی ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ان صاف اور عام فہم عبارات کو، جو دعوٰی فنا فی الرسول اور بروزی وظلّی نبوّت پر مشتمل ہیں، ''بھول بھلیاں'' کے نام سے تعبیر کیا جا سکے۔

بلا واسطہ اور بالواسطہ نبوّت

لیکن سیّد صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''اس اشتہار میں مرزا صاحب نے نبوّت کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک بلا واسطہ۔ دوم بالواسطہ۔ اور اپنے لئے فرمایا کہ میں بواسطہ نبوّت محمدؐ یہ نبی ہوں۔ مطلب یہ کہ میری نبوّت کا ذریعہ پہلے نبیوںؑ کے ذریعہ سے الگ ہے مگر مقصود میں سب برابر ہیں''۔

قربان جائیں اس فہم کے۔ وہ کونسا فقرہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں ہے جس میں

حضرت مسیح موعودؑ نے نبوّت کی دو قسمیں کی ہیں اور کہاں یہ فرمایا ہے کہ ''میری نبوّت کا ذریعہ پہلے نبیوںؑ کے ذریعہ سے الگ ہے مگر مقصود میں سب برابر ہیں''۔ ہم سیّد صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اس مضمون یا اس مفہوم کا کوئی فقرہ، کوئی ایک لفظ ہی اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' سے دکھادیں۔ ورنہ اپنی ''علمی فرمائیگی'' کا اعتراف کرتے ہوئے اس غلط نتیجہ سے رجوع کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلاواسطہ اور بالواسطہ کے الفاظ اگرچہ ذریعہ حصول کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی نبوّت کا اصلی اور غیر حقیقی ہونا بھی ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ بالواسطہ نبوّت کوئی نبوّت نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ایک امّتی کو جو نبوّت ملتی ہے، وہ خود حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کے مطابق نبوّت تامہ نہیں بلکہ محدّثیت ہے۔ نبوّت وہی ہے جو بلاواسطہ اور براہ راست ہو، نبوّت وہی ہے جو شریعت یا احکام جدیدہ کی حامل ہو، غیر تشریعی اور بالواسطہ نبوّت، مجازی اور لغوی نبوّت ہے جس کو اصطلاحِ شریعت میں محدّثیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

غیر صاحب شریعت اور لغوی نبی

اور اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں جہاں فنافی الرسول ہونے اور ظلّی و بروزی نبوّت پانے کا بار بار ذکر کیا ہے، وہیں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ:

> ''جس جس جگہ میں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے، صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے، کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے''۔

پس جب آپ کو نہ مستقل اور نہ صاحب شریعت نبی ہونے کا دعوٰی ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے باطنی فیوض حاصل کرنے اور آپ ہی کا نام پانے کا ذکر آپ نے کیا ہے، تو اس کو دعوٰی نبوّت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کو لغوی اور مجازی نبوّت کہا جائے گا۔ جس کا نام اصطلاح شریعت میں محدّثیّت ہے۔ اسی کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''نبی ایک لفظ ہے جو عربی اور عبرانی میں مشترک ہے یعنی عبرانی میں اس لفظ کو نابی کہتے ہیں اور یہ لفظ نابا سے مشتق ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنا۔ اور نبی کے لئے شارع ہونا شرط نہیں ہے''۔

آخری فقرہ میں صرف لغوی نبی مراد ہے جو خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرتا ہے۔ اس کے لئے شارع ہونا شرط نہیں اور ایسا ہی نبی ہونے کا آپ نے دعوٰی کیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض لغوی نبوّت ہے جس کا اصطلاحِ اسلام والی اصلی اور حقیقی نبوّت سے، جو حامل شریعت ہوتی ہے، کوئی تعلق نہیں۔ یہ دراصل محدّثیّت ہے اور نبوّت کا لفظ اس پر مجازاً ابولا جاتا ہے۔ پس سیّد حبیب فرمائیں کہ اس میں کیا ''بھول بھلیاں'' ہیں جو ایک عقلِ سلیم رکھنے والے انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں؟ کہاں بلا واسطہ اور بالواسطہ حصول نبوّت کو نبوّت کی دو قسمیں قرار دیا گیا ہے؟ اور کہاں بالواسطہ نبوّت کے نام سے اصلی اور حقیقی نبوّت کا دعوٰی کیا گیا ہے جو لغت اور محدّثیّت کے مفہوم سے متجاوز ہے؟ کیا وہ اس پر غور کرنے اور سمجھنے کی تکلیف گوارا کریں گے؟

۞

پندرھواں باب

اقرار وانکارِ نبوّت کی بحث(1)

سیّد حبیب کی نویں دلیل

احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کی نویں دلیل سیّد صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ ''مرزا صاحب کے دعوٰی کو صحیح تسلیم کرنے سے میرے انکار کی نویں دلیل یہ ہے کہ وہ نبوّت کے مدعی بھی ہیں اور اس سے انکاری بھی''۔اس کے بعد حضرت مسیح موعود کی تحریرات میں سے بہت سے ایسے حوالے پیش کئے ہیں جن میں آپ نے دعوٰی نبوّت سے انکار کیا ہے۔ اور اپنے وہی عقائد بیان کئے ہیں جو اہل سنّت والجماعت کے عقائد ہیں۔

انکارِ نبوّت کے حوالجات

اور صاف طور پر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ''سیّدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعیٔ نبوّت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔میرا یقین ہے کہ وحیٔ رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی''۔

ایسا ہی دہلی کی جامع مسجد والی تقریر بھی درج کی ہے۔جس میں آپ نے دعوٰی نبوّت کے الزام کو''دروغ اور باطل محض'' ٹھہراتے ہوئے ختم نبوّت کے منکر کو''بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ازالہ اوہام صفحہ 421 کے وہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

1۔ضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 3 اکتوبر 1933ء

جن میں دعوٰی نبوّت سے انکار اور محدّثیت کا اقرار ہے۔ اور 3 فروری 1892ء کو ایک مباحثہ کے دوران میں جو اقرار نامہ آپ نے مخالف مولوی کو لکھ کر دیا کہ:

''اس لفظ نبی سے مراد نبوّت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدّث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلّم مراد لئے ہیں، تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے میں کیا عذر ہوسکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدّث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمائیں''۔

مجازی اور لغوی نبوّت کے حوالے انکار نبوّت میں

اور بھی اسی قسم کے متعدد حوالے نقل کئے ہیں جن میں ذیل کے ارشادات بھی ہیں۔

''محدّثیت کو اگر ایک مجازی نبوّت قرار دیا جائے تو کیا اس سے دعوٰی نبوّت لازم آ گیا'' (ازالہ اوہام ص422)

''مجازی معنوں کے رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے''۔ (سراج منیر ص3)

''اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوّت یا رسالت کا دعوٰی نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کا استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اسے بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں'' (حاشیہ انجام آتھم ص27)

''اور اس جگہ میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا

ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے، یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے‘‘۔(حاشیہ اربعین نمبر 3 ص 25 وضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص 24)

’’اس پر رسول اور نبی کا لفظ بولنا غیر موزوں نہیں بلکہ فصیح استعارہ ہے‘‘۔ (حاشیہ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص 24)

’’سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ ‘‘۔ (الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص 65) یعنی میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا، حقیقی طور پر نہیں‘‘۔

یہ تمام حوالجات سیّد صاحب نے انکار ادعائے نبوّت کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ مجاز اور استعارہ کے طور پر اور لغوی معنوں کے رو سے لفظ نبی کا استعمال دعوٰی نبوّت نہیں کہلا سکتا۔ پھر حیرانی ہے کہ کہاں اور کس جگہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی نبوّت کو مجازی نہیں بلکہ اصلی اور حقیقی، اور لغوی نہیں بلکہ اصطلاحی قرار دیا ہے۔ جو حوالے انہوں نے اس سے پیشتر اقرارِ نبوّت کے پیش کئے ہیں، ان میں بھی مجازی اور لغوی معنوں میں لفظ نبی کو استعمال کیا ہے۔ جس کا ثبوت ہم قبل ازیں پیش کر چکے ہیں۔

ڈائری اور دستخطی تحریر میں فرق

زیادہ سے زیادہ اخبار بدر 5 مارچ 1908ء کی ڈائری کے یہ الفاظ سیّد صاحب کو شاق گزرتے ہیں کہ ’’**ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں**‘‘۔

اس کی بھی مفصّل تشریح سیاق وسباق عبارت سے کی جا چکی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ڈائری اور اپنی دستخطی تحریر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی ڈائری، جو اخبار بدر اور الحکم میں شائع ہوتی رہی ہے وہ آپ کی دستخطی تحریر نہیں،

بلکہ آپ کی تقاریر اور گفتگو کو مدیرانِ اخبارات مذکور نے اپنے الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔ اس لئے جہاں تک استناد کا سوال ہے، ڈائریوں کو وہ پایہ حاصل نہیں ہوسکتا جو حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی دستخطی تحریرات کو حاصل ہے۔ اور اگر اس کو اتنا ہی قابل اعتبار ٹھہرایا جاتا ہے تو انہی ڈائریوں میں حضرت مسیح موعودؑ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ''محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ تشریعی نبوّت بند ہے غیر تشریعی جاری ہے مگر میرے نزدیک دونوں قسم کی نبوّتیں بند ہیں''۔ اس میں صاف طور پر تشریعی اور غیر تشریعی دونوں قسم کی نبوتوں کو بند قرار دیا گیا ہے۔ اگر ڈائریوں سے سند پکڑنی ہے تو کیوں اس ڈائری کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈائری کو ہرگز وہ درجہ نہیں دیا جاسکتا جو حضرت مسیح موعودؑ کی اصل دستخطی تحریر کو حاصل ہے۔ اس لئے (اخبار) بدر کا مندرجہ بالا حوالہ آپ کی ان کھلی تحریرات کے بالمقابل، جن میں صاف لفظوں میں دعوٰی نبوّت سے انکار کیا ہے، پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اقرارِ دعوٰی نبوّت کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا

پس جہاں تک اقرار دعوٰی نبوّت کا تعلق ہے سیّد حبیب نے کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کیا جس میں مجازی اور لغوی نبوّت سے بڑھ کر اصلی اور اصطلاحی نبوّت کا اقرار کیا گیا ہے۔ اور مجازی اور لغوی نبوّت کے اقرار کو وہ انکارِ نبوّت کے ذیل میں نقل کر کے اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ اس کو دعوٰی نبوّت یا اقرارِ نبوّت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ پس فرمائیے کہ اقرار اور انکار کے جس تضاد کو پیش کر کے وہ احمدیّت کو ناقابلِ قبول قرار دے رہے ہیں، وہ تضاد کہاں ہے۔ اور ان کی یہ دلیل کس قدر لغو اور باطل ہے؟ یا تو کوئی ایسا حوالہ دیا جائے جس میں حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنی نبوّت کو مجازی اور لغوی نہیں بلکہ حقیقی اور اصطلاحی قرار دیا ہو۔ اور اگر یہ نہیں تو مجازی اور لغوی نبوّت کے دعوٰی کو انکارِ نبوّت کے ذیل میں

نقل کر کے سیّد صاحب نے خود اقرار کرلیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں اور کسی جگہ بھی نبوّت کا دعوٰی نہیں کیا۔ اور اس لئے ان کی یہ دلیل، کہ نبوّت کا اقرار بھی کیا ہے اور انکار بھی، غلط اور نا قابل قبول ہے۔

ظلّی اور بروزی نبوّت اور ’’تین میں ایک اور ایک میں تین‘‘ کا معمّہ

لیکن ان تصریحات کے باوجود سیّد صاحب فرماتے ہیں: ’’انکار وادعائے نبوّت کے متعلق مرزا صاحب کی تحریریں دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ ع ’’بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست‘‘ لیکن برادران قادیان یہ کہہ کر لوگوں کو بہلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب شریعت کے بغیر نبی مبعوث ہوئے۔ ایسا نبی، ظلّی اور بروزی نبی ہوتا ہے۔ اسی کو محدّث کہتے ہیں۔ اور محدّث اور مجدّد نبی نہیں ہوتے وغیرہ وغیرہ۔ تحریک قادیان کا یہ جز و مسیحی حضرات کے تین میں ایک اور ایک میں تین خداؤں کے اصول سے کچھ کہتر معمّہ نہیں۔ جو لوگ صریح اور پیچ وخم سے مبرا دین مبین کی موجودگی میں ایسے گورکھ دھندوں میں الجھنا پسند کرتے ہیں، ان کی جدّت اور دقّت پسندی انہیں مبارک ہو‘‘۔

’’برادران قادیان‘‘ سے اگر جماعت قادیان مراد ہے تو ان کی طرف مندرجہ بالا عقیدہ منسوب کرنا صریحاً غلط بیانی یا اپنی ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔ ہم تو دل سے چاہتے ہیں کہ برادران قادیان ظلّی اور بروزی نبوّت کو محدّثیت سے بڑھ کر درجہ نہ دیں۔ اور یہ اعلان کر دیں کہ محدّث اور مجدّد چونکہ نبی نہیں ہوتے، اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے نبوّت کا دعوٰی ہرگز نہیں کیا۔ یہی بات ہمارے اور قادیانی حضرات کے مابین ما بہ النزاع ہے۔ اور یہ قادیانی جماعت کا عقیدہ نہیں بلکہ لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے کہ ظلّی و بروزی نبی کو محدّث کہا جاتا ہے۔ اور محدّث ومجدّد نبی نہیں ہوتے۔ اگر سیّد حبیب اسے قادیانی جماعت کا عقیدہ سمجھتے ہیں تو

ہم ممنون ہوں گے کہ وہ اپنی اس تحریر کی تصدیق قادیانی جماعت کے امام سے کرا دیں۔ کیا وہ اس کے لئے کوشش کریں گے؟!

رہا یہ امر، کہ ظلّی و بروزی نبوّت کو محدّثیت اور غیر نبوّت قرار دینا مسیحی حضرات کے ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کے معمہ کے برابر ہے، یہ سیّد صاحب کی ''علمی فرو مائیگی'' کا ایک اور ثبوت ہے۔ کب مسیحی حضرات نے تین خداؤں کے عقیدہ کو ایک مجازی امر قرار دیا؟ کب انہوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام ظلّی و بروزی خدا ہیں؟ کاش! سیّد صاحب نے کچھ تو علم حاصل کیا ہوتا۔ ظلّ اور بروز، مجاز اور استعارہ سے کچھ تو واقفیت حاصل کی ہوتی۔ اگر ظلّی و بروزی اور مجازی نبوّت کو غیر نبوّت قرار دینا ان کے نزدیک ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کے معمہ کے برابر ہے، تو کہاں لے جائیں گے آپ علم معانی و بیان کو، جو مجاز اور استعارہ کی بحثوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا کریں گے آپ اس حدیث کو، جس میں **اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ** کا ارشاد زبان مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نافذ ہوا ہے۔ کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بادشاہ کو **ظِلُّ اللّٰہِ** قرار دینا اس کی الوہیّت پر دال ہے؟ اور اگر یہ نہیں تو کیا ایسا کہنا ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کے معمہ کے برابر ہے؟ کاش! ظلّ اور بروز کے لغوی معنوں پر ہی غور کر لیا جاتا تو آسانی سے سمجھ آ جاتا کہ سایہ کبھی اصل نہیں ہوتا، اور نہ دوسرے شخص کی صفات اپنے اندر لینے سے کوئی شخص فی الحقیقت اور بعینہٖ وہی ہو جاتا ہے۔ دوسرے سے مستعار لینے والا کبھی اصل مالک نہیں ہوتا۔ کیا اگر کسی شخص کو شیر کہا جائے، تو سیّد حبیب اس کی دُم اور کھال اور پنجے اور تمام وہ باتیں تلاش کرنی شروع کر دیں گے جو شیر کے اندر پائی جاتی ہیں؟ یا اس کو ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کا معمہ قرار دیں گے؟ آہ افسوس! کہ آج مسلمانوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہر کہ و مہ اٹھتا ہے اور دینی امور کو محلِ اعتراض بنانے کے لئے علمی حقائق کو جھٹلانے لگ جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی بدنصیبی پر دال ہے۔ ورنہ یہی قوم ایک

وقت علوم کا سر چشمہ تھی۔ ظِلّ اور بروز، مجاز اور استعارہ کی اصطلاحات بہت سی علمی موشگافیوں کا موجب تھیں لیکن آج یہی چیزیں اس بدنصیب قوم کے لئے ایک ''گورکھ دھندا'' ہیں اور سیّد حبیب جیسوں کے لئے ''تین میں ایک اور ایک میں تین سے کچھ کمتر معمہ نہیں''۔ ع
بسوخت عقل ز حیرت کہ اینچہ بوالعجبی ست۔ کاش! سیّد صاحب کو کچھ علم سے مَس ہوتا تو ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کرتے۔

سولھواں باب

فضیلتِ مسیح موعودؑ اور مسئلۂ نبوّت

کیا ظلّی و بروزی کے الفاظ نبوّت کی گولی پر شکر کا پردہ ہے؟

اسی ظلّی و بروزی نبوّت کی بحث کے سلسلہ میں سیّد صاحب فرماتے ہیں:

''اس خیال سے، کہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ مرزا صاحب کا بروزی وظلّی نبی ہونے کا دعوٰی ادعائے نبوّت کی تلخ گولی پر شکر کا ایک پردہ تھا۔ جس سے مدعا یہ تھا کہ لوگ ادعائے نبوّت کی ناخوشگوار گولی کو نگل لیں اور بس۔ مَیں مرزا صاحب کی تقریروں سے یہ واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ اپنی شان ایسی بتا گئے ہیں جو جزوی وظلّی نبی تو ایک طرف رہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بالاتر ہے۔ اور خود سردار امّی لقب صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی کسی طرح کمتر نہیں''۔

پیشتر اس کے، کہ حضرت مسیح موعودؑ کی ان مزعومہ ''تقریروں'' پر غور کیا جائے جو ان فقرات کے بعد سیّد صاحب نے پیش کی ہیں، ہمیں ان کے منقولہ بالا فقرات پر حیرت اور افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ اگر ظلّی و بروزی نبی ہونے کا دعوٰی ''ادعائے نبوّت کی تلخ گولی پر شکر کا ایک پردہ ہے'' تو کیا کہنا چاہئے ان بزرگان امّت کو جو اس سے پیشتر ولایت کو ظلّی نبوّت قرار دے چکے ہیں (ملاحظہ ہو ص 108-110 کتاب ھذا)۔ کیا ان کا یہ ادعا بھی نبوّت ورسالت کی تلخ گولی پر شکر کا پردہ ہی تھا؟! اور وہ بھی دراصل اپنی نبوّت کی ناخوشگوار گولی کو مسلمانوں سے نگلوانا چاہتے تھے؟ اگر یہی خیال ہے تو حضرت سیّد عبدالقادر

جیلانیؒ، شیخ عبدالحق محدّث دھلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی پاک روحوں کو اس ناپاک خیال سے جو تکلیف ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ یہ اولیاء اللہ کے ساتھ بغض وعداوت ہے کہ ظِــلّ کے لفظ کو مکر اور فریب کا پردہ قرار دیا جائے۔ حضرت مرزا صاحبؑ کے انکار دعوٰی نبوّت کے جو حوالے سیّد صاحب نقل کر چکے ہیں، ان میں کسی ایسے پردہ کی گنجائش کہاں باقی رکھی گئی ہے؟! لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کو کافر قرار دینے کے لئے ان لوگوں کے ہاتھ میں سوائے اس کے اور کوئی حربہ نہیں کہ اُن کے صاف وصریح انکار کو پس پشت ڈال کر ظلّی اور بروزی کے الفاظ کو ''شکر کا پردہ'' قرار دیا جائے اور فی الحقیقت اسے دعوٰی نبوّت ٹھہرا دیا جائے! یہ سیّد حبیب نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ یہی ان کے مولویوں کا ابتداء سے طریق چلا آتا ہے کہ مدعی کے صریح بیان اور فہم کے خلاف ظلّی و بروزی کی تہہ میں اصل نبوّت کا دعوٰی قرار دے کر عوام الناس کو بدگمان کیا جا رہا ہے۔ افسوس کہ سیّد حبیب بھی، بایں ہمہ دعوٰئ انصاف پسندی اور احقاق حقّ، اپنے پیشرووٴں کے اس مذموم طریق کو اختیار کرنے سے بچ نہ سکے۔ اور کیونکر بچ سکتے تھے! وہاں تو علم کے باوجود غلط بیانی سے کام لیا جاتا تھا اور یہاں علم ہی سے خیر صلاّ ہے۔ پس وہ ظلّی و بروزی کو اپنے پیشرووں کی تقلید میں ''ادعائے نبوّت کی تلخ گوئی پر شکر کا پردہ'' نہ قرار دیں تو اور کیا کریں؟!

اولیاء اُمّتِ محمدؐیہ کی فضیلت انبیاءؑ پر

لیکن اس کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ کی اس بلند شان کو پیش کرنا، جو بعض حالات میں انبیاءؑ سے آپ کی فضیلت کی موجب ہے، اپنی کم علمی کا ایک اور ثبوت دینا ہے۔ امّت محمدؐیہ کو انبیائے کرامؑ پر بعض حالات میں ایک خاص فضیلت حاصل ہے اور اس اُمّت کے اولیاء نے اس فضیلت کا دعوٰی بھی کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کے اس کلام سے ظاہر ہے جو ''سیف ربانی'' میں منقول ہے۔ فرماتے ہیں:

''منّ اللّٰہ تعالٰی علی بالمجاورۃ بطیبۃ المبارکۃ فکنت یومافی الخلوۃ متوجھا اذکر اللّٰہ تعالٰی فاخذ نی الحقّ تعالٰی عن العالم وعن نفسی ثمّ ردّنی وکان اقول لوکان موسٰی بن عمران حیّا ما وسعہ الّا اتّباعی علٰی طریق الانشآء لاعلٰی طریق الحکایۃ
(سیف ربانی ص100)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر (مدینہ) طیبہ مبارکہ کی مجاورت کا احسان کیا۔ اور میں ایک دن خلوۃ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا۔ پھر کھینچ لیا مجھ کواللہ تعالیٰ نے اس عالم سےاوراپنے نفس سے۔ پھر مجھ کولوٹا دیااوراس وقت میں یہ کہتا تھا کہ اگر موسٰی بن عمران زندہ ہوتا تو اس کو میری تابعداری بطورانشاء کے، نہ بطورحکایت کے، کرنی پڑتی۔

اب اس میں صاف طور پر حضرت موسٰی علیہ السلام پر اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ سیّدعبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کوبھی نبوّت کا دعوٰی تھا؟ کہ انہوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی پر اپنے آپ کوفضیلت دی؟ ایک اوراس سے بھی بڑھ کرمثال سن لیجئے۔ ''قلائدالجواہر'' میں محمد بن یحیٰی تاوانی نے ارقام فرمایاہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرجیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جاء نی ابوالعباس الخضر علیہ السلام یمتحننی بما امتحن بہ الاولیآء من قبلی فکشف لی عن سریرتہٖ ففتح علّی بما خاطبہ بہ ثم قلت لہ وھو مطرق ان یاخضران کنت قلت لموسی انّک لن تستطیع معی صبرا یا خضران کنت اسرائیلیاً فانّک اسرائیلی وانا محمدی. فھاانااوانت. وھٰذہ الکرّۃ وھٰذا المیدان. ھٰذا

محمّد وھٰذا الرحمٰن ......''

یعنی ابوالعباس جناب خضر علیہ السلام میرے پاس آئے تاکہ میرا امتحان لیں جس طرح مجھ سے پہلے اولیاء اللہ کا امتحان انہوں نے لیا۔ پس مجھ پر ان کی سریرۃ منکشف کر دی گئی اور وہ بات مجھ پر کھول دی گئی جس سے وہ مجھ سے خطاب کرنے والے تھے۔ پھر میں نے کہا۔ اے خضر! اگر تو نے موسٰیؑ سے کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کرے گا، تو میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ اے خضر! اگر تو اسرائیلی ہے تو میں محمدؐی ہوں۔ پس یہ میں ہوں اور یہ تو ہے۔ یہ گیند ہے اور یہ میدان ہے۔ یہ محمدؐ ہے اور یہ رحمٰن ......''۔

شان اور منصب میں فرق

کس قدر زبردست مقابلہ ہے۔ اُمّت محمدؐیہ کی شان اور فضیلت کو کس قدر واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو بھی پیچھے ڈال دیا اور ان پر اپنی یہ فوقیت بیان کی کہ جس بات میں وہ ہار گئے، میں نہیں ہار سکتا۔ کیونکہ میں محمدؐی ہوں۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مراتب اور فیوضِ روحانی اس درجۂ عالیہ تک پہنچے ہوئے ہیں کہ آپؐ کے متبعین اپنی شان میں پہلے انبیاءؑ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اس میں کسی کی ہتک نہیں، نہ کسی نبیؑ کی توہین ہے۔ کیونکہ نبیؑ اپنے منصب کے لحاظ سے بے شک غیر نبی پر فضیلت رکھتا ہے لیکن کاموں اور شان کے لحاظ سے بعض اوقات غیر نبی بھی اس سے بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ محض ایک جزئی فضیلت ہے جو غیر نبی کو نبیؑ پر ہو سکتی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے مخالفین اس سے گھبراتے کیوں ہیں؟! اسے کس بنا پر دعوٰی نبوّت پر محمول کرتے ہیں!۔ شان اور چیز

ہے جو کارناموں کے لحاظ سے حاصل ہوتی ہے اور منصب اور ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام باوجود ایک غیر نبی ہونے کے اس علم کے لحاظ سے، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا، حضرت موسیٰؑ سے بڑھ گئے۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ اپنے منصب نبوّت کے لحاظ سے خضر علیہ السلام پر فضیلت رکھتے تھے۔ پھر حضرت مرزا صاحبؑ پر اعتراض کیوں ہے جو اپنی فضیلت کو محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ آگے چل کر آپ کے اپنے اقوال سے ثابت کیا جائے گا۔

اولیاء اللہ کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

کیا تمہیں پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت دوسروں سے بلند ہو؟ نرا منہ سے کہہ دینے سے آپؐ کی شان بڑھ نہیں سکتی۔ آپؐ کی شان اسی سے بلند ہوتی ہے کہ آپؐ کی برکت سے ایسی بلند شان کو انسان حاصل کرے جو بعض انبیاءؑ کو حاصل نہیں۔ سابق انبیاءؑ مختص القوم تھے اور اس لحاظ سے ان کے کاموں کا دائرہ بھی محدود تھا۔ لیکن اس امّت کے مصلحین کا دائرۂ اصلاح بعض انبیاءؑ سے زیادہ وسیع، بالخصوص مسیح موعودؑ کا دائرہ اصلاح کُل دنیا پر محیط ہے۔ اور زمانہ کے حالات نے کام کی عظمت وشان کو اس قدر بڑھا دیا ہے کہ بعض سابق انبیاءؑ کے کاموں کو وہ عظمت اور شان حاصل نہیں۔ اس سے کسی نبیؑ کی توہین نہیں ہوتی، بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، یہ ایک جزئی فضیلت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کو بلند کرنے کی موجب۔ معلوم نہیں اس میں ہمارے مخالفین کا کیا نقصان ہے!۔ یہ تو ساری اُمّت کے لئے فخر کا مقام ہے اور ہمیں ناز ہے کہ ہم اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہیں جس کی اتباع کرنے والے اگرچہ نبی نہیں ہوتے (کیونکہ شریعت کی اب ضرورت نہیں رہی) تاہم اپنی شان میں بعض انبیاءؑ سے بڑھ کر ہیں۔ مگر آہ افسوس! آج اس

امّت کے نادان افراد اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت حاصل ہو جائے۔ مسیح ناصریؑ کو یہ مرتبہ دے دیں گے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ایسی صفات کا مالک بنا دیں گے جو اسے الوہیّت کے تخت پر بٹھا دے، لیکن مسیح محمدی کو ایسی شان اور عظمت دینا گناہ ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کو بڑھانے والی ہیں۔ اس کو دعوٰی نبوّت نہیں کہہ سکتے، اور نہ کسی نبی پر جزئی فضیلت حاصل کرنے کے لئے دعوٰی نبوّت کی ضرورت ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی تو اسی میں ہے کہ آپؐ کے پیرو نبی نہ ہونے کے باوجود، اپنی شان کے لحاظ سے نبیوںؑ سے بڑھ جائیں، اگرچہ اپنے منصب کے لحاظ سے نبیوںؑ کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔

''نبیوں کا تھیلا'' والا جملہ حضرت مسیح موعودؑ کا نہیں

ان تصریحات کی روشنی میں ان اقوال وارشادات کو پڑھیئے جو سیّد حبیب نے حضرت مرزا صاحبؑ کی عظمت اور بلندی شان کے متعلق پیش کئے ہیں، تو آپ پر اصل مطلب خود واضح ہو جائے گا اور پتہ لگ جائے گا کہ ان میں دعوٰی نبوّت کہاں پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ذیل کا جملہ ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے ''میں وہ تھیلا ہوں کہ جس میں تمام نبی بھرے پڑے ہیں۔ تمام میں محمد صلعم بھی شامل ہیں''۔

اس کا حوالہ کوئی نہیں دیا۔ اور دیتے بھی کہاں سے؟ حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر میں اس قسم کے الفاظ موجود نہیں۔ اگر ہوں تو ہم سیّد صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس تحریر کا حوالہ پیش کریں، ورنہ خوف خدا سے کام لیتے ہوئے ایسی ناپاک غلط بیانی سے رجوع کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں لکھی بلکہ دوسرے معترضین کی کتابوں سے نقل کی ہے۔ لیکن کیا یہ بھی انصاف اور حق پسندی ہے کہ جو بھی بات کسی مخالف نے حضرت

مرزا صاحب کی طرف منسوب کر دی، سیّد حبیب نے اس انتساب کو صحیح سمجھ کر اسے فوراً نقل کر دیا۔ اگر حق وحقیقت سے کوئی غرض ہے تو ایسی غلط باتیں منسوب کرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان سے رجوع کریں۔

دوسرا حوالہ ''براہین احمدیہ'' حصہ پنجم کا ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے ''اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر راستباز اور مقدس نبی گزر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے جائیں سو وہ میں ہوں''۔

ان الفاظ میں نبوّت کا دعویٰ یا انبیاءؑ پر فضیلت کا اظہار کہاں ہے؟! انبیاءؑ اور راستبازوں کے نمونے کیا غیر نبی میں نہیں آ سکتے؟ ہمیں تو حکم ہے **تخلقوا باخلاق اللّٰہ**۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق الٰہی کا نمونہ اپنے اندر پیدا کر کے دکھایا، تو کیا وہ اس سے خدا ہو گئے؟ منقولہ بالا فقرہ کے سیاق وسباق کو اگر پڑھ لیا جاتا تو اس سے بھی بات صاف ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے صفحہ 89 سے یہ مضمون چلتا ہے جہاں فرمایا ہے کہ:

> ''اور بعد اس کے میری نسبت براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں یہ بھی فرمایا **جری اللّٰہ فی حلل الانبیآء** یعنی رسول خدا تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پیرایوں میں۔ اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر اخیر تک جس قدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں، خواہ وہ اسرائیلی ہیں یا غیر اسرائیلی، ان سب کے خاص واقعات اور خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ اور ایک بھی نبی ایسا نہیں گذرا جس کے خواص یا واقعات میں سے اس عاجز کو حصہ نہیں دیا گیا۔ ہر ایک نبی کی فطرت کا نقش میری فطرت میں ہے۔ اسی پر خدا نے

مجھے اطلاع دی۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے، جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا، اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی ان کے مشابہ ہیں، اگر وہ توبہ نہ کریں۔ غرض اس وحی الٰہی میں یہ جتلانا منظور ہے کہ **یہ زمانہ جامع کمالات اخیار وکمالات اشرار ہے**‘‘۔

اس تمام عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ انبیاءؑ اور راستبازوں کے نمونے اپنے اندر ہونے سے کیا مراد ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں وہ تمام مفاسد پیدا ہو گئے ہیں جو گذشتہ انبیاءؑ کے زمانوں میں پائے جاتے تھے اور ان تمام اشرار کے مشابہ لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو انبیاءؑ کے دشمنوں میں سے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس زمانہ کے مصلح کو ان تمام انبیاءؑ کے خواص اور صفات دی جاتیں تا کہ وہ ان مفاسد کی اصلاح کرسکتا۔ نبوّت کا سوال یہاں کوئی نہیں۔ کیا بغیر نبی ہونے کے کوئی شخص اصلاح مفاسد نہیں کرسکتا؟ یا پہلے انبیاءؑ کے خواص اور نمونوں کو نہیں پا سکتا؟ اگر ایسا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی جو تعلیم قرآن نے دی ہے، وہ کہاں تک قابل عمل ہے۔ اور تخلقوا باخلاق اللّٰہ پر انسان کیونکر عامل ہوسکتا ہے؟! انبیاءؑ کے نمونے اپنے اندر لینے سے کوئی شخص نبی نہیں بن جاتا۔ نبوّت کے لئے، جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں، شریعت کا لانا شرط ہے۔ اور چونکہ شریعت کی اب ضرورت نہیں، اس لئے خواہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع سے کتنے ہی بلند مراتب کو پالے، اپنی تمام شان میں کسی سابق نبیؑ سے بڑھ جائے یا انبیاءؑ کے خواص اور نمونے اپنے اندر پیدا کرلے، اس سے وہ نبی نہیں بن جاتا۔

هُوَ اَفْضَلُ مِنْ بَعْضِ الْاَنْبِیَآءِ

اس کے بعد ’’معیار الاخیار‘‘ صفحہ 11 کا ایک حوالہ پیش کیا ہے۔ جس میں حضرت مسیح

موعودؑ لکھتے ہیں ’’میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرینؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے درجہ پر ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکرؓ تو کیا، وہ تو بعض انبیاءؑ سے بہتر ہے‘‘۔

اس میں کون سی ایسی بات ہے جو قابل اعتراض ہو۔ امام ابن سیرینؒ امّت مرحومہ کے قابل احترام آئمہ میں سے ہیں۔ ان کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے مہدی کے متعلق لکھا ہے **هُوَ اَفْضَلُ مِنْ بَّعْضِ الْاَنْبِيَآءِ**۔ ظاہر ہے کہ مہدی کو کسی نے نبی نہیں مانا۔ باوجود اس کے امام ابن سیرینؒ کا انہیں **هُوَ اَفْضَلُ مِنْ بَّعْضِ الْاَنْبِيَآءِ** کہنا ثابت کرتا ہے کہ کم از کم امام ممدوح کے نزدیک ایک غیر نبی بھی بعض انبیاءؑ سے افضل ہوسکتا ہے۔ اور یہی حضرت مرزا صاحبؑ کا دعویٰ ہے کہ آپ باوجود غیر نبی ہونے کے اپنی شان اور کاموں کے لحاظ سے مسیح ابن مریمؑ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی بات کا ذکر آپ نے ’’سراج منیر‘‘ میں کیا ہے، جہاں فرمایا کہ ’’تم تو قائل ہو کہ جزئی فضیلت ایک ادنیٰ شہید کو ایک بڑے نبیؑ پر ہوسکتی ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ مَیں خدا کا فضل اپنے پر مسیحؑ سے کم نہیں دیکھتا...... اس کو کیا کہو گے جو کہا گیا **هُوَ اَفْضَلُ مِنْ بَّعْضِ الْاَنْبِيَآءِ**‘‘۔

وہی امام ابن سیرینؒ کا قول یہاں بھی نقل کیا ہے۔ اور صاف بتا دیا کہ یہ جزئی فضیلت ہے جو مسلمانوں کے نزدیک ایک ادنیٰ شہید کو ایک بڑے نبیؑ پر ہوسکتی ہے۔ پس فرمایئے! آپ کو اس پر کیا اعتراض ہے؟! جب ایک ادنیٰ شہید بھی ایک بڑے نبی سے افضل ہوسکتا ہے، جو امّت کا مسلّمہ عقیدہ ہے، تو حضرت مرزا صاحبؑ، جن کا دعوٰی مہدی ہونے کا ہے، اور پہلے سے ان کے متعلق خبر دی جا چکی ہے کہ **هُوَ اَفْضَلُ مِنْ بَّعْضِ الْاَنْبِيَآءِ** اگر وہ اپنے آپ کو مسیحؑ سے جزئی رنگ میں افضل قرار دیں تو کون سی قیامت آ گئی۔ اور اس سے دعوٰی نبوّت کس طرح ثابت ہو گیا؟! سیّد صاحب کو چاہیئے تھا کہ پہلے اپنے علماء سے پوچھ لیتے کہ آیا ان کے نزدیک ایک ادنیٰ شہید کا مرتبہ ایک بڑے نبی سے بڑھ کر ہے یا نہیں۔ اور آیا ابن سیرینؒ نے مہدی کے متعلق **هُوَ اَفْضَلُ مِنْ بَّعْضِ الْاَنْبِيَآءِ** لکھا ہے یا نہیں؟ اور اس سے

دعوٰی نبوّت کہاں لازم آتا ہے۔اب بھی انہیں چاہئے کہ اس کے متعلق تحقیقات کریں۔اور حقیقتِ حال کو معلوم کرنے کے بعد اپنے اعتراض کو واپس لیں۔

ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو

چوتھا حوالہ ’’دافع البلا‘‘ کا دیا گیا ہے(1)۔جس کے صفحہ 20 پر حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر درج ہے ۔

ابنِ مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمدؐ ہے

اس کے ساتھ ہی صفحہ 13 کے یہ فقرے نقل کئے ہیں۔

’’اے عیسائی مشنریو! ابن المسیح مت کہو۔دیکھو! آج تم میں ایک ایسا ہے جو اس مسیحؑ سے بڑھ کر ہے‘‘۔اگر ’’دافع البلاء‘‘ کے صفحہ 13 اور صفحہ 20 پر محض اتنے ہی الفاظ ہوتے، جتنے نقل کئے گئے ہیں، تو کچھ اشتباہ کی گنجائش بھی ہوسکتی تھی۔لیکن سیاق وسباق میں اس بات کو ایسا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اسے پڑھ کر اس وہم میں نہیں پڑ سکتا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مقصود خواہ مخواہ اپنی بڑائی کا اظہار کرنا یا دعوٰی نبوّت کو ثابت کرنا ہے۔صفحہ 20 پر یہ ایک ہی شعر نہیں جو نقل کیا گیا ہے، بلکہ اس سے پہلے تین اور بھی اشعار ہیں جن میں فرماتے ہیں۔

زندگی بخش جام احمدؐ ہے کیا ہی پیارا یہ نامِ احمدؐ ہے
لاکھ ہوں انبیاءؑ مگر بخدا سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا میرا بستاں کلامِ احمدؐ ہے
ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

1۔مطبوعہ درضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 15 اکتوبر 1933ء

ان اشعار کے ساتھ ہی یہ فقرہ بھی لکھا ہے ’’یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ اور اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح ابن مریمؑ سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو، تو میں جھوٹا ہوں۔ **خدا نے ایسا کیا، نہ میرے لئے بلکہ اپنے نبیؐ مظلوم کے لئے‘‘۔**

اب فرمایئے! اعتراض کی گنجائش کہاں باقی ہے۔ جہاں تک اپنے نفس کی بڑائی کا سوال ہے، اسے تو ’’**نہ میرے لئے**‘‘ کے الفاظ صاف کر دیتے ہیں اور کھول کر بتا دیا ہے کہ یہ بڑائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپ کو دی گئی ہے۔ اشعار میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر ہے۔ اور آپؐ ہی کی مدح وثناء کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو۔ کیونکہ غلام احمدؐ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام، ابن مریمؑ سے بڑھ کر ہے۔ یہ کس کو کہا؟ اشعار سے پہلے یہ فقرہ اس کی تفسیر کے لئے کافی ہے ’’یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عیسائیوں نے شور مچا رکھا تھا کہ مسیحؑ بھی اپنے قرب اور وجاہت کے رو سے واحد لاشریک ہے۔ اب خدا بتلاتا ہے کہ دیکھو میں اس کا ثانی پیدا کروں گا جو اس سے بھی بہتر ہے جو غلام احمد ہے۔ یعنی **احمدؐ کا غلام**‘‘۔ ایسا ہی صفحہ 13 کا جو فقرہ پیش کیا گیا ہے، وہاں ساتھ ہی انہی عیسائیوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:

’’سچا شفیع میں ہوں۔ جو اس بزرگ شفیع کا سایہ ہوں۔ اور اس کا ظلّ جس کو اس زمانہ کے اندھوں نے قبول نہ کیا...... خدا نے اس امّت سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیحؑ سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا تا یہ اشارہ ہو کہ عیسائیوں کا مسیح کیا خدا ہے جو احمدؐ کے ادنیٰ غلام سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یعنی وہ کیسا مسیح ہے جو اپنے قرب اور شفاعت کے مرتبہ میں احمدؐ کے غلام سے بھی کمتر ہے‘‘۔

ان تمام فقرات اور عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ:

1۔حضرت مسیح موعودؑ کا تمام روئے سخن عیسائیوں کی طرف ہے جو مسیحؑ کی الوہیّت کے قائل ہیں۔

2۔مسیحؑ کی الوہیّت کے خلاف آپ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ان سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام ہی اپنی شان میں بڑھ کر ہیں۔ پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سے بھی کمتر ہے، وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے!

3۔صاف طور پر کھول کھول کر اپنی بڑائی اور فضیلت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی اور فضیلت کا نتیجہ قرار دیا۔ بلکہ ایک اور جگہ اپنی اس بڑائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور عظمت کے اظہار کا موجب ٹھہرایا ہے۔جیسے فرمایا ؎

جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے　　برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے

کون انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے ان عبارات میں کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کا اظہار جرم ہے؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ آپؐ کی شان وعظمت تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بہت بڑھ کر ہے۔ پھر کیا آپؐ کے ظلّ میں وہی عظمت وشان پیدا نہیں ہوسکتی ؟ کیا سورج کا عکس جس وقت شیشہ پر جا کر پڑتا ہے تو اس سے وہی روشنی، وہی حدّت اور آنکھوں کو چندھیا دینے والی کرنیں پیدا نہیں ہوتیں جو آفتاب میں پائی جاتی ہیں۔کون کہتا ہے کہ وہ عکس حقیقتاً سورج ہے اور شیشہ کے اندر کا سورج بیرونی آفتاب سے علیحدہ چیز ہے۔ وہ تو درحقیقت کوئی علیحدہ چیز ہی نہیں۔ جب تک اصل آفتاب اس کے سامنے ہے، اس وقت تک وہ سب کچھ ہے۔ جب آفتاب اس کے سامنے سے ہٹا تو کچھ

بھی باقی نہ رہا۔ بعینہٖ یہی حال ظلّ اور بروز کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، جن کا قلب صافی ایک شیشہ کی طرح صاف ہو چکا ہے، اسی پاک نبیؐ کا نور اپنے اندر لے کر اس کی صفاتِ عالیہ اور کمالات کو اپنے اندر جمع کر کے ایسے منور ہوئے کہ ایک مسیحؑ کیا کئی نبیوںؑ سے بڑھ گئے۔ اور یہ تمام بڑائی ان کی نہیں بلکہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بڑائی ہے، جن کا عکس ان کے قلب صافی پر پرتو فگن ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور کمالات مسیح علیہ السلام سے بہت بڑھ کر ہیں تو لازمی ہے کہ آپؐ کا ایک غلام آپؐ کا ظلّ اور بروز بھی مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر ہو، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال مرتبت اور بلندی شان پر حرف آتا ہے۔ پس اگر آپؐ کا ایک ادنیٰ غلام بھی اپنی تمام شان میں مسیح علیہ السلام سے بڑھ سکتا ہے (جو درحقیقت ایک جزئی فضیلت ہے جو غیر نبی کو نبیؑ پر ہو سکتی ہے، کیونکہ نبیؑ اپنے منصب کے لحاظ سے غیر نبی پر بہت بڑی فضیلت اور فوقیت رکھتا ہے) تو اسی میں مسیحیت کی موت ہے۔ یہی الوہیّت مسیحؑ کے ابطال کا ایک کُھلا ثبوت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کو آج یہ گوارا ہی نہیں کہ مسیح علیہ السلام کو تختِ الوہیّت سے نیچے اتار کر ان کے اصل منصب پر بٹھایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت وشان کا اظہار کیا جائے جس کے آپؐ مالک ہیں۔ مرزا صاحبؑ کی مخالفت کرنی ہے۔ خواہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی حرف کیوں نہ آجائے اور عیسائیت ہی کو تقویت کیوں نہ پہنچے! الفاظ کی کتر بیونت سے مطلب کو بگاڑنا اور جھوٹے الزامات اور مکر وفریب سے اس مامور من اللہ کو بدنام کرنا آج ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے جس پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

عیسٰی کجاست تا بنہد پا بہ منبرم

اسی سلسلہ میں ''ازالہ اوہام'' صفحہ 158 کا یہ شعر نقل کیا گیا ہے ؎

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسٰی کجاست تا بنہد پا بہ منبرم(1)

حیرانی ہے کہ اس شعر میں کونسی فضیلت یا نبوّت کا ذکر ہے اور کیوں سیّد صاحب نے اسے پیش کیا ہے۔ اس میں تو صرف اپنے مسیح موعودؑ ہونے اور مسیح ناصریؑ کے وفات یافتہ ہونے کی وجہ سے دوبارہ نہ آنے کا ذکر ہے ''عیسٰی کجاست تا بنہد پا بہ منبرم'' میں مسیحؑ کی کوئی توہین نہیں بلکہ ایک امر واقعہ کا اظہار ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اب کہاں زندہ ہیں کہ وہ پھر آئیں اور اس منبر مسیحیت پر، جہاں مجھے بٹھایا گیا ہے، قدم رکھیں۔ اس میں کونسی توہین کی بات ہے اور حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنی بڑائی اور نبوّت کا کہاں اس میں ذکر کیا ہے؟!

مسئلہ فضیلت ''حقیقۃ الوحی'' میں

اس کے بعد ''حقیقۃ الوحی'' کے حسب ذیل الفاظ پیش کیئے ہیں:

''مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریمؑ میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں، وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں، وہ ہرگز نہ دکھا سکتا''۔

''یہ شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ کیوں تم مسیح ابن مریمؑ سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے ہو''۔

ان فقرات کے نقل کرنے میں پھر ایسی کتر بیونت سے کام لیا گیا ہے جس کے بیسیوں نمونے قبل ازیں پیش کیئے جا چکے ہیں۔ اگر سیاق وسباق عبارت کو نقل کیا جاتا، تو جو مفہوم ان فقرات سے پیدا کرنا سیّد صاحب کا مقصود ہے، وہ ہرگز پیدا نہ ہوسکتا تھا۔ فضیلت کی بحث

1۔ اردو ترجمہ: مَیں ہوں جو بشارات کے مطابق آیا ہوں۔ عیسٰی کہاں ہے جو میرے منبر پر قدم رکھے۔

''حقیقۃ الوحی'' کے کم وبیش آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ان آٹھ صفحات میں سے دو فقرے نقل کر دینا دیانت وامانت کے کہاں تک مطابق ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص قرآن میں سے **لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ** (النسآء 43:4) کے الفاظ پیش کر کے کہہ دے کہ قرآن نے نماز کے قریب بھی پھٹکنے سے منع کیا ہے۔ ان فقرات میں حضرت مسیح موعودؑ نے جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی وضاحت ذیل کی عبارات سے ہوتی ہے، جو منقولہ بالا فقرات کے سیاق وسباق پر مشتمل ہیں:

> ''اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسیح ابن مریمؑ آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور میں آخری خلیفہ اس نبیؐ کا ہوں جو خیر الرسل ہے۔ اس لئے خدا نے چاہا کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے ان لوگوں کو گوارا نہ ہوں گے جن کے دلوں میں حضرت مسیحؑ کی محبت پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے''۔

> ''ہاں اس قدر جانتا ہوں کہ آسمان پر خدا تعالیٰ کی غیرت عیسائیوں کے مقابل پر بڑا جوش مار رہی ہے۔ **انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مخالف وہ توہین کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ قریب ہے کہ ان سے آسمان پھٹ جائے**۔ پس خدا دکھلاتا ہے کہ اس رسولؐ کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح ابن مریمؑ سے بڑھ کر ہیں''۔

> ''اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ، **جبکہ مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے، اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کے لئے آیا تھا، تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں بھی دی گئی ہیں جو اس بوجھ کے اٹھانے کے لئے ضروری تھیں۔**

اور وہ معارف اور نشان بھی دیئے گئے ہیں جن کا دیا جانا اتمام حجت کے لئے مناسب وقت تھا۔ مگر ضروری نہ تھا کہ حضرت عیسٰیؑ کو وہ معارف اور نشان دیئے جاتے۔ کیونکہ اس وقت ان کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے حضرت عیسٰی کی سرشت کو صرف وہ قوتیں اور طاقتیں دی گئیں جو یہودیوں کے ایک تھوڑے سے فرقہ کی اصلاح کے لئے ضروری تھیں۔ اور ہم قرآن شریف کے وارث ہیں جس کی تعلیم جامع تمام کمالات ہے۔ اور تمام دنیا کے لئے ہے۔ مگر حضرت عیسٰیؑ صرف توریت کے وارث تھے جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم ہے۔ اسی وجہ سے انجیل میں ان کو وہ باتیں تاکید کے ساتھ بیان کرنی پڑیں جو توریت میں مخفی اور مستور تھیں۔ لیکن قرآ شریف سے ہم کوئی امر زیادہ بیان نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے اور وہ توریت کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں''۔

پھر جس حالت میں یہ بات ظاہر اور بدیہی ہے کہ **حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اسی قدر قوتیں اور طاقتیں دی گئی تھیں جو فرقہ یہود کی اصلاح کے لئے کافی تھیں تو بلا شبہ ان کے کمالات بھی اسی پیمانہ کے لحاظ سے ہوں گے** جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَانُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ. (الحجر 21:15)

ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر ہم قدر ضرورت سے زیادہ ان کو نازل نہیں کیا کرتے۔ پس یہ حکمتِ الٰہیہ کے برخلاف ہے کہ ایک نبی کو امّت کی اصلاح کے لئے وہ علوم دیئے جائیں جن علوم سے وہ امّت مناسبت ہی نہیں رکھتی۔

''انسانی سرشت بہت سی شاخوں پر مشتمل ہے اور کئی مختلف قوتیں خدا نے اس میں رکھی ہیں۔ **لیکن انجیل نے صرف ایک ہی قوت عفو اور درگذر پر زور دیا ہے۔** گویا انسانی درخت کی صدہا شاخوں میں سے صرف ایک شاخ انجیل کے ہاتھ میں ہے۔ پس اس سے حضرت عیسٰی کی معرفت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ وہ کہاں تک ہے۔ **لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت انسانی فطرت کے انتہاء تک پہنچی ہوئی ہے۔** اس لئے قرآن شریف کامل نازل ہوا۔ اور یہ کچھ برا ماننے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** (البقرة2:253) یعنی بعض نبیوں کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ پس اگر ہماری فطرت کو وہ قوتیں نہ دی جاتیں **جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کو ظلّی طور پر حاصل کر سکتیں** تو یہ حکم ہمیں ہرگز نہ ہوتا کہ اس بزرگ نبیؐ کی پیروی کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فوق الطاقت کوئی تکلیف نہیں دیتا''۔

''**پس اس امت مرحومہ کی فطرت عالیہ** کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کو حکم ہوا ہے کہ **تمام گذشتہ متفرق کمالات کو اپنے اندر جمع کرو۔** یہ تو عام طور پر حکم ہے **اور خواص کے مدارج خاصہ اسی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔** اسی وجہ سے **اس امّت کے باکمال صوفی اس پوشیدہ حقیقت تک پہنچ گئے ہیں کہ انسانی فطرتوں کے کمال کا دائرہ اسی امّت نے پورا کیا ہے''۔**

''خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ **میں ایک ایسے نبی کا تابع ہوں جو انسانیّت کے تمام کمالات کا جامع تھا اور اس کی شریعت اکمل اور اتم تھی اور تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ضروری تھی** تو پھر اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت

مسیح علیہ السلام کو وہ فطرتی طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں۔ کیونکہ وہ **ایک خاص قوم کے لئے آئے تھے**۔ اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے تھے جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوّت دی۔ **وھٰذاتحدیث نعمة اللّٰہ ولا فخر**۔''

''کیا جس قادر مطلق نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پیدا کیا، وہ ایسا ہی ایک اور انسان یا اس سے بہتر پیدا نہیں کرسکتا''۔

''بنی اسرائیل میں حضرت موسٰی علیہ السلام عظیم الشان نبی گزرے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے توریت دی اور جن کی عظمت اور وجاہت کی وجہ سے بلعم باعور بھی ان کا مقابلہ کر کے تحت الثرٰی میں ڈالا گیا اور کتّے کے ساتھ خدا نے اس کی مشابہت دی۔ وہی موسٰیؑ ہے جس کو ایک بادیہ نشین شخص کے علوم روحانیہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا اور ان غیبی اسرار کا کچھ پتہ نہ لگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا.** (الکھف 65:18) خدا تعالیٰ کے کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص کو محض بے وجہ خدا بنایا گیا۔ جس کی چالیس کروڑ آدمی پرستش کر رہے ہیں۔ تب اس نے مجھے ایسے زمانہ میں بھیجا کہ جب اس عقیدہ پر غلو انتہاء تک پہنچ گیا تھا۔ اور تمام نبیوںؑ کے نام میرے نام رکھے مگر مسیح ابن مریم کے نام سے خاص طور پر مجھے مخصوص کر کے وہ میرے پر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر کی گئیں''۔

''یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دو مسیح ظاہر ہوں گے اور آخری مسیح (جس سے اس زمانہ کا مسیح مراد ہے) پہلے مسیح سے افضل ہوگا۔ اور عیسائی ایک

ہی مسیح کے قائل ہیں مگر کہتے ہیں کہ وہی مسیح ابن مریم، جو پہلے ظاہر ہوا، آمد ثانی میں بڑی قوت اور جلال کے ساتھ ظاہر ہو گا کہ آمد اوّل کو اس سے کچھ نسبت نہیں''۔

''اور اسلام نے بھی آخری مسیح کا نام حکم رکھا ہے اور تمام دنیا کے مذاہب کا فیصلہ کرنے والا اور محض اپنے دَم سے کفار کو مارنے والا قرار دیا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا اس کے ساتھ ہو گا اور اس کی توجہ اور دعا بجلی کا کام کرے گی''۔

''پھر جب خدا نے اور اس کے رسولؐ نے اور تمام نبیوںؑ نے آخری زمانہ کے مسیح کو اس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر یہ شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ کیوں تم مسیح ابن مریمؑ سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے ہو۔ عزیزو! جبکہ میں نے ثابت کر دیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آنے والا مسیح میں ہوں، تو اس صورت میں جو شخص پہلے مسیح کو افضل سمجھتا ہے، اس کو نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ سے ثابت کرنا چاہئیے کہ آنے والا مسیح کچھ چیز ہی نہیں نہ نبی کہلا سکتا ہے نہ حکم۔ جو کچھ ہے پہلا ہے۔ خدا نے اپنے وعدہ کے موافق مجھے بھیج دیا۔ اب خدا سے لڑو۔ ہاں! میں صرف نبی ہی نہیں بلکہ ایک پہلو سے امتی بھی تا **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور کمالِ فیضان ثابت ہو**''۔ (حقیقۃ الوحی ص 150-155)

ان تمام عبارات میں صاف طور پر بار بار حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بتایا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر جس فضیلت کا انہیں دعوٰی ہے:

1۔ وہ ان کمالات کی وجہ سے ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ناصریؑ سے بڑھ کر حاصل ہیں۔ ظلّی طور پر وہی کمالات آپؐ کی پیروی کی وجہ سے مسیح موعود کو بھی دیئے گئے۔

2۔ مسیحؑ کو الوہیّت کے تخت پر بٹھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو توہین کی گئی ہے، وہ خدا تعالیٰ کی غیرت کو جوش میں لا رہی ہے۔ اور وہ دکھاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ خادم مسیح اسرائیلی سے بڑھ کر ہیں۔

3۔ جس طرح مثیل موسیٰ، موسیٰؑ سے بڑھ کر ہے۔

4۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسیح ناصری کا دائرہ اصلاح ایک خاص قوم تک محدود تھا لیکن مسیح موعود کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع میں کُل دنیا پر محیط ہے۔ اس لئے لازمی امر تھا کہ مؤخر الذکر کو مسیح اوّل سے بڑھ کر قوت حاصل ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی آخری فقرہ میں ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ جو فضیلت آپ کو حاصل ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور کمالِ فیضان کی وجہ سے ہے، نہ کہ نبی ہونے کی وجہ سے۔ اور حضرت موسیٰؑ جیسے اولو العزم نبی کے مقابلہ میں ایک بادیہ نشین کے کمال علم کو پیش کرتے ہوئے اس امر کو صاف کر دیا کہ جس فضیلت کو آپ پیش کر رہے ہیں، وہ وہی ہے جو غیر نبی کو نبی پر ہوسکتی ہے۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ امّت محمدؐیہ کی فطرت عالیہ کو تمام گذشتہ کمالات اپنے اندر جمع کرنے کا حکم ہے۔ اور اس امّت کے باکمال صوفیوں کی مثال اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ انسانی فطرتوں کے کمال کا دائرہ اسی امت نے پورا کیا ہے۔ پس یہ کہنا، کہ حضرت مسیح موعودؑ نے محض اپنی ہی فضیلت مسیح ناصریؑ پر جتائی ہے اور اس طرح نبوّت کا دعویٰ کیا ہے، ایک صریح غلط بیانی ہے۔ آپ نے اس امت کا وہ کمال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شان اور عظمت بیان کی ہے جو دوسرے انبیاءؑ پر انہیں حاصل ہے۔ کیا ہمارے مخالفین کو مسیح اسرائیلیؑ کے ساتھ ایسی ہی محبت ہے کہ اس کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی علومرتبت اور خیر امت کی فضیلت بھی گوارا نہیں؟ اگر یہی خیال ہے تو یہ اسلام انہیں مبارک ہو۔ ہمیں وہ کفر ہی کافی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بلند کرنے کا موجب ہے۔ مسیح ناصری علیہ السلام کی وہ عظمت درکار نہیں جو انہیں خدائی کے درجہ تک پہنچاتی اور اسلام کو دنیا سے مٹانا چاہتی ہے۔

صد حسین است در گریبانم

اسی ضمن میں سیّد صاحب نے ''درّثمین'' سے یہ شعر بھی نقل کیا ہے ۔

کربلائے است سَیر ہر آنم   صد حسین است در گریبانم (1)

لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیا حسین علیہ السلام بھی نبی تھے کہ ان پر بھی آپ کے خیال کے مطابق کوئی فضیلت حاصل نہیں کرسکتا؟ سیّد الشہداء بے شک انہیں کہیئے لیکن شہادت سے بڑھ کر صدّیقیّت کا مرتبہ بھی تو موجود ہے۔ جس پر اس امّت کے سینکڑوں اور ہزاروں بزرگ پہنچے۔ کیا ان سب کو محل اعتراض ٹھہرایا جائے گا یا ان کے بلند مراتب ہی سے انکار کر دیا جائے گا؟ تعجب ہے۔ ایک طرف آپ لوگوں کے نزدیک اس امت کا ایک ادنیٰ غلام شہید بھی ایک نبی پر فضیلت پا سکتا ہے اور دوسری طرف اس شخص کو، جو شہادت سے بڑھ کر بلند مرتبہ پر فائز ہے، اور دین مبین کی خاطر امام حسینؓ سے بڑھ کر دکھ اور مصائب اٹھا رہا ہے، اتنی بھی اجازت

1۔ اردو ترجمہ: کربلا میری ہر آن کی سیر گاہ ہے۔ سینکڑوں حسین میرے گریبان کے اندر ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے فارسی منظوم کلام کا اردو ترجمہ ایک فاضل بزرگ محمد اسماعیل پانی پتی مرحوم نے کیا ہے۔ ان کے مطابق ''اس شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضرت حسینؓ تو ایک ہی مرتبہ کربلا گئے تھے۔ مگر میں ہر وقت کربلا (یعنی مصیبت میں ہوں اور مجھ پر ایک سو حسینوں کے برابر مصیبت پڑی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ''ایسے ایسے سو حسین میرے گریبان میں پڑے ہیں''۔ حضرت امام حسینؓ کا جو احترام و اکرام اور عزت و توقیر حضرت مرزا صاحب کے دل میں تھی، وہ آپ کی تحریرات سے ظاہر و باہر ہے۔

نہیں دیتے کہ اپنی مشکلات اور پیش آمدہ مصائب کا اظہار اس شعر کے ذریعہ سے کر سکے۔ جس کا مفہوم محض اس قدر ہے کہ امام حسینؓ کو جو دکھ اور مصائب دشتِ کربلا میں اٹھانے پڑے، ان کا نظارہ میں ہر آن کر رہا ہوں اور سو حسین کے دکھ میرے گریبان میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس میں کسی کی توہین نہیں، اپنی مشکلات کا اظہار ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ امام حسینؓ کے مصائب اپنی شدّت کے لحاظ سے کتنے ہی دلسوز اور روح فرسا کیوں نہ ہوں لیکن ان کی میعاد چند گھڑی یا زیادہ سے زیادہ چند دن تھی۔ لیکن مرزا صاحب پر مخالفین کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ پڑتے ہوئے آج نصف صدی کا عرصہ منقضی ہو چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اصل دکھ اور سب سے زیادہ مصیبت، جو ایک مامور من اللہ کی جان کو پگھلا دینے کا موجب ہو سکتی ہے، وہ مخلوق خدا کی گمراہی ہے۔ مسلمانوں کی راہ ہدایت سے دوری اور قرآن سے مہجوری ایک طرف، اور آریہ، عیسائی، برہمو، دہریہ، مادہ پرست غرض کفر و شرک کا وہ طوفان جو آج تمام دنیا پر ایک سیلاب عظیم کی شکل میں چھایا ہوا ہے دوسری طرف، اس حقیقت کو اظہر من الشّمس کر رہا ہے کہ اس صدی کے مجدد کو کس قدر شدید بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت امام حسینؓ کو تو ایک یزید سے مقابلہ تھا لیکن یہاں سینکڑوں اور ہزاروں یزید بہت بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ دین حق کو کچلنے کے در پے تھے۔ جس کو دیکھ کر آپ کی روح پکار اٹھی ؎

تیر بر معصوم مے بارد خبیثِ بد گُہر   آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمین(1)

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید   دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں(2)

1۔ اردو ترجمہ: بداصل اور خبیث انسان اُس معصوم پر تیر چلاتا ہے۔ آسمان کو مناسب ہے کہ زمین پر پتھر برسائے۔

2۔ اردو ترجمہ: افواجِ یزید کی مانند ہر طرف کفر جوش میں ہے اور دینِ حق زین العابدینؒ کی طرح بیمار و بےکس ہے۔

اوراس نہایت کرب و بلا کی حالت نے آپ کے دل کو جو صدمہ پہنچایا، اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ؎

ایں دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جانِ ما گداخت   کثرتِ اعدائے ملت، قلّتِ انصارِ دیں(1)

کیا یہ کوئی چھوٹا سا غم ہے۔ کیا یہ دشت کربلا کی مصیبت سے کسی درجہ کم ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ کے عیش پسند اور تنعم پرست علماء کے نزدیک یہ غم چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن وہ شخص جس کو دنیا کی اصلاح کا کام سپرد کیا گیا ہو، کس طرح سے ایسے حالات میں آرام کر سکتا ہے۔ اس کی تو زندگی کا ہر ہر لمحہ پکار پکار کر ''صد حسین است درگریبانم'' کا اعلان کر رہا ہے۔ اس حامئ اسلام، اس دین کا غم کھانے والے کو موردِ اعتراض بنانا کس نیک آدمی کا کام ہوسکتا ہے۔ اگر دین کا کچھ غم اور درد ہوتا تو میرزا کو متہم کرنے کے بجائے اس کے پاؤں چومنے کے لئے دوڑتے اور اس کے ساتھ ہو کر دین کی حمایت و نصرت کا کام سرانجام دیتے۔ لیکن آہ! اس نے سچ کہا تھا ؎

مردمِ ذی مقدرت مشغول عشرتہائے خویش   خورم وخنداں نشستہ با بُتانِ نازنیں(2)

عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس   زاہداں غافل سراسر از ضرورتہائے دیں(3)

اس نے دعا بھی کی ہے آہ اور اعتراضات اور عیب چینی کرنے کے بجائے اس کے

1۔اردو ترجمہ: دینِ احمدؐ کے متعلق ان دو فکروں نے میری جان کا مغز گُھلا دیا (یعنی) اعدائے ملّت کی کثرت اور انصار دین کی قلّت نے۔

2۔اردو ترجمہ: امراء عیش وعشرت میں مشغول ہیں اور حسین عورتوں کے ساتھ خرم وخنداں بیٹھے ہیں۔

3۔اردو ترجمہ: علماء دن رات نفسانی جوشوں کے باعث آپس میں لڑ رہے ہیں اور زاہد ضروریاتِ دین سے بالکل غافل ہیں۔

ساتھ ہو کر آمین ہی کہہ دو۔

اے خدا زود آ و بر ما آبِ نصرتہا ببار یا مرا بردار یارب زیں مقامِ آتشیں (1)

اے خدا نورِ ہدٰی از مشرقِ رحمت برار گمرہاں را چشم کُن روشن ز آیاتِ مبیں (2)

مسیح موعودؑ کا عرفان اور اپنی وحی پر یقین

فضیلت ہی کی بحث کے ضمن میں سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت کے ثبوت میں آپ کے یہ اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفاں نہ کمترم ز کسے (3)

آنچہ داد است ہر نبی را جام داد آں جام را مرا بتمام (4)

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دانمش ز خطا (5)

ہمچو قرآن منزّہ اش دانم از خطا ہا ہمیں است ایمانم (6)

1۔ اردو ترجمہ: اے خدا! جلد آ اور ہم پر اپنی نصرت کی بارش برسا۔ ورنہ اے میرے رب اس آتشیں جگہ سے مجھ کو اٹھا لے۔

2۔ اردو ترجمہ: اے خدا! رحمت کے مطلع سے ہدایت کا نور طلوع کر اور چمکتے ہوئے نشان دِکھلا کر گمراہوں کی آنکھیں روشن کر۔

3۔ اردو ترجمہ: اگرچہ انبیاءؑ بہت ہوئے ہیں۔ مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں۔

4۔ اردو ترجمہ: جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اس نے کامل طور سے مجھے دیا ہے۔

5۔ اردو ترجمہ: جو کچھ خدا کی وحی سے میں سنتا ہوں خدا کی قسم میں اسے غلطی سے پاک سمجھتا ہوں۔

6۔ اردو ترجمہ: مَیں اسے قرآن کی طرح غلطیوں سے پاک جانتا ہوں اور یہی میرا ایمان ہے۔

آں یقینِ کہ بود عیسٰی را بر کلامے کہ شد برو القا(1)

واں یقیں کلیم بر تورات واں یقیں ہائے سیّدالسّادات(2)

کم نیم زاں ہمہ بروئے یقیں ہر کہ گوید دروغ ہست لعیں(3)

کیا ان اشعار میں حضرت مسیح موعودؑ نے نبوّت یا انبیاءؑ پر فضیلت کا دعوٰی کیا ہے۔ کیا یہ کہنا، کہ مجھے عرفان الٰہی کا وہی جام پلایا گیا ہے جو انبیاءؑ کو پلایا گیا اور اپنی وحی پر ویسا ہی یقین ہے جیسا انبیاءؑ کو اپنی وحی پر یقین ہوتا ہے، دعوٰی نبوّت پر دال ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو سمجھنا چاہئیے کہ امّت مرحومہ میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہوا جس کو کامل عرفان نصیب ہوا ہو یا یقینی وقطعی وحی اس پر نازل ہوئی ہو۔ گویا جتنے راستباز اس امّت میں گذرے، جتنے مجددین اور ملہم من اللہ ہوئے، وہ سب کے سب نعوذ باللہ عرفان الٰہی سے بےنصیب اور یقینی وقطعی الہام سے محروم تھے۔ پھر ان کو راستباز کہنا ہی فضول ہے۔ کیونکہ جس کو عرفان الٰہی پورے طور پر حاصل نہیں اور جو الہام اسے ہوتا ہے وہ یقینی نہیں بلکہ مشکوک ہے کہ ممکن ہے کہ شیطان کی طرف سے ہو، تو پھر انہیں راستباز کیسے مانا جا سکتا ہے اور ان کی اقتداء کیونکر ہو سکتی ہے۔ پہلی امّتوں میں تو غیر نبیوں کو بھی ایسا قطعی اور یقینی الہام ہوتا رہا جو غلطی سے پاک ہونے میں انبیاءؑ کی وحی سے کسی طرح کم نہ تھا۔ جیسے حضرت موسٰیؑ کی والدہ کا الہام۔ جس کے مطابق انہوں نے اپنے لختِ جگر کو دریا میں ڈال دیا۔ یا حضرت خضرؑ کا الہام جس کے رو سے انہوں نے ایک بچہ کو قتل کر دیا۔ ایسا ہی حضرت مریمؑ کا الہام بھی خطا سے پاک تھا۔ پس کیا یہ امّت ہی ایسی گئی

1۔ اردو ترجمہ: وہ یقین جو عیسٰیؑ کو اس کلام پر تھا جو اس پر نازل ہوا تھا۔

2۔ اردو ترجمہ: اور وہ یقین جو موسٰیؑ کو توراۃ پر تھا اور وہ یقین جو سید المرسلینؐ کو حاصل تھا۔

3۔ اردو ترجمہ: مَیں یقین کے معاملہ میں ان میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ جو جھوٹ بولتا ہو وہ لعنتی ہے۔

گذری ہے کہ اس کے کامل افراد کو بوجہ غیر نبی ہونے کے، نہ کامل عرفان حاصل ہوسکتا ہے اور نہ وہ اپنے الہام کو خطا سے پاک یقین کر سکتے ہیں؟!

حضرت مسیح موعودؑ نے ’’نزول المسیح‘‘ میں جہاں یہ اشعار لکھے ہیں، نثر میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے جس سے دعوٰی نبوّت کے اثبات کے بجائے اس کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ’’جو شخص تاریکی میں پڑا ہوا ہے اور اس سے بے خبر ہے کہ خدا کا یقینی اور قطعی کلام بھی اس کے بندوں پر نازل ہوا کرتا ہے، وہ خدا کے وجود سے ہی بے خبر ہے۔ لہٰذا وہ اپنی طرح تمام دنیا کو وساوس کے نیچے پامال دیکھتا ہے۔ اور اس کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ بجز وساوس اور اضغاث احلام اور حدیث نفس کے اور کچھ نہیں۔ اور غائیت کار وہ ظنّی طور پر، نہ یقینی اور قطعی طور پر، الہام الٰہی کا خیال دل میں لاتا ہے۔ مگر ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی الٰہی تجلی فرماتا ہے، اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی۔ کیا خالص نور کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے؟ پھر جس حالت میں موسٰیؑ کی ماں کو بھی یقینی الہام ہوا، جس پر پورا یقین رکھ کر اس نے اپنے بچہ کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بجرم اقدامِ قتل مجرم نہ ہوئی، تو کیا یہ امّت اسرائیل کے خاندان کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہے؟ اور پھر اسی طرح مریمؑ کو بھی یقینی الہام ہوا جس پر بھروسہ کرکے اس نے قوم کی کچھ پرواہ نہیں کی، تو حیف ہے اس امّت مخذول پر جو ان عورتوں سے بھی کمتر ہے۔ پس اس صورت میں یہ امّت خیرالامم کاہے کو ہوئی بلکہ **شرالامم** اور **اجہل الامم**

ہوئی۔اسی طرح خضرؑ، جو **نبی نہیں تھا**،اس کوعلم لدنی دیا گیا،تو کیا اگر اس کا **الہام ظنّی تھا یقینی نہیں تھا**،تو کیوں اس نے ایک بچہ کو ناحق قتل کر دیا۔ اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ الہام، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینا چاہیئے ،یقینی اور قطعی نہ تھا تو کیوں انہوں نے اس پر عمل کیا۔پس اگر ایک شخص اپنی نابینائی سے میری وحی سے منکر ہے، تاہم اگر وہ مسلمان کہلاتا ہےاور پوشیدہ دہریہ نہیں،تواس کےایمان میں یہ بات داخل ہونا چاہیئے کہ یقینی قطعی مکالمہ الٰہیہ ہوسکتا ہے۔اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی یقینی پہلی امّتوں میں اکثر مردوں اورعورتوں کو ہوتی رہی اور وہ **نبی بھی نہ تھے**، اس امّت میں بھی یقینی اور قطعی وحی کا وجود ضروری ہے۔تا یہ امّت بجائے افضل الامم ہونے کے احقر الامم نہ ٹھہر جائے۔سو خدا نے آخری زمانہ میں اکمل اوراتم طور پر یہ نمونہ دکھایا‘‘۔

پھر آگے چل کر صفحہ 114 پر اسی بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

’’اس تمام بیان کا خلاصہ درخلاصہ یہ ہے کہ تازہ کلام الٰہی خدا کی شریعت کا پشت بان ہےاوراس کشتی کو، جو گناہوں کے سبب سے غرق ہونے لگتی ہے، جلد تر کنارامن تک پہنچانے والا ہے۔مگر شاید کوئی بھول نہ جائے، اس لئے بار بار کہا جاتا ہے کہ کلام الٰہی سے مراد وہی کلام ہے جو زمانہ کے لئے تازہ طور پر اترتا ہےاوراپنی طبعی خاصیّت سے ملہم اوراس کے ہم نشینوں پر ثابت کرتا ہے کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں۔اورایسا ملہم طبعًا اس میں اور خدا کے دوسرے کلمات میں، جو پہلے نبیوںؑ پر نازل ہوئے،من حیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھتا۔گو دوسری وجوہ سے کچھ فرق ہو‘‘۔

اس (1) عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس حقیقت کو صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ اپنی وحی کو قرآن اور دوسرے انبیاءؑ کی طرح منزّہ سمجھنے اور عرفان الٰہی میں انبیاءؑ سے کم نہ ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر دعوٰی نبوّت مراد ہوتا، اگر انبیاءؑ پر اپنے آپ کو افضل قرار دینا مقصود ہوتا تو امِ موسٰیؑ اور حضرت مریمؑ اور حضرت خضرؑ کی مثالیں نہ دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ ''پہلی اُمتوں میں اکثر مردوں اور عورتوں کو وحی ہوتی رہی ہے۔ اور وہ **نبی بھی نہ تھے**''۔ اور اس طرح صرف اپنے لئے ہی نہیں، اُمت محمدؐیہ کے لئے عام طور پر یقینی اور قطعی کلام الٰہی کو ضروری قرار نہ دیتے۔ لیکن ان تمام مثالوں سے آپ نے اس حقیقت نفس الامری کو واضح کر دیا ہے کہ منقولہ بالا اشعار میں آپ کی مراد محض اسی قدر ہے کہ آپ کو جو الہام ہوتا ہے وہ ویسا ہی یقینی اور خطاء سے منزّہ ہے، جیسے انبیاءؑ کا الہام یقینی اور خطاء سے منزّہ ہوتا ہے۔ اور آپ باوجود غیر نبی ہونے کے دوسرے راستبازانِ امّت کی طرح عرفان الٰہی کے اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں انبیاءؑ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کی کوئی مراد نہیں۔ نہ اس میں دعوٰی نبوّت ہے اور نہ اپنی وحی کو دوسرے انبیاء کی وحی کے مساوی قرار دیا ہے۔ بلکہ صاف لکھا ہے کہ ملہم اپنے اور انبیاءؑ کے الہام میں صرف من حیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھتا ''گو دوسری وجوہ سے فرق ہو''۔ باوجود اس کے یہ کہنا، کہ منقولہ بالا اشعار میں آپ نے اپنی وحی کو درجہ اور حیثیت کے لحاظ سے انبیائے کرام کی وحی کے مساوی اور مماثل قرار دیا اور اپنے آپ کو انبیاءؑ میں سے بلکہ ان سے بڑھ کر ٹھہرایا ہے، صریحاً خلاف بیانی سے کام لینا ہے۔

ایک عام مسلمان کا عرفان اور انوارِ الٰہی پانے والے کاملین

وحی کا انبیاءؑ کی طرح یقینی اور قطعی ہونا اور انبیاءؑ کی طرح عرفان الٰہی حاصل ہونا کسی

1۔ مطبوعہ در ضمیمہ پیغام صلح مورخہ 19 اکتوبر 1933ء

کو نبی نہیں بنا دیتا۔ کیا اس امّت میں ایسے پاک، خدا رسیّدہ اور عارف باللہ نہیں ہوئے جن کا عرفان انبیاءؑ کے عرفان سے کسی طرح کم نہ تھا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تو ایک مسلمان کا عرفان اس درجہ پر ہونا چاہئے کہ فرمایا احسان یہ ہے کہ **ان تعبداللّٰہ کانّک تراہ فان لم تکن تراہ فانّہ یراک**۔ ''تو خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے دیکھ نہ سکے تو ایسا تو ہونا چاہئے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔ فرمائیے! جب ہماری عبادات میں عرفان الٰہی کا یہ مرتبہ پیدا ہونا ضروری ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں تو وہ لوگ، جنہیں مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہو چکا ہو اور رات دن انوار الٰہی کا نزول ان پر بارش کی طرح ہوتا ہو، ان کی باتوں کا جواب ملتا ہو اور ان کی دعائیں سنی جاتی ہوں، ان کا عرفان کس درجہ پر پہنچا ہوا ہوگا اور اسے انبیاءؑ کے عرفان سے کس طرح کم کہا جا سکتا ہے؟!

محدّث بالقوۃ نبی ہونے کی وجہ سے نبیوںؑ کا عرفان رکھتا ہے

جس حالت میں علمائے اُمّت کو کانبیآء بنیؔ اسرآئیل قرار دیا گیا ہے۔ جس حالت میں ایک محدّث بالقوہ نبی ہوتا ہے، جیسا کہ اس سے پیشتر ثابت کیا جا چکا ہے، تو اسی بالقوہ نبی کے منہ سے یہ نکلنا کیوں ناجائز ہے کہ ؎

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　　من بعرفان نہ کمترم زکسے

کیوں ایسا شخص اپنی وحی کو انبیاءؑ کی طرح قطعی اور یقینی نہیں کہہ سکتا؟! فرق تو صرف قوت اور فعل کا ہے۔ ایک محدّث اگرچہ منصب نبوّت پر فائز نہیں، اگرچہ اس کی وحی شریعت کی حامل نہیں، جسے وحی نبوّت کہا جا سکتا ہے، تاہم اس میں قوت اور استعداد نبی ہونے کی موجود ہے۔ اس کا وہی تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جو انبیاءؑ کا تعلق ہوتا ہے۔ پھر اس کے لئے یہ کہنا کیوں ناجائز ہے کہ ؎

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا　　　بخدا پاک دانمش ز خطا

اگر ایک محدّث، ایک مجدّد اور ایک مامور من اللہ کی وحی بھی شک اور ریب سے پاک نہیں، اگر اسے خود اپنی وحی کے منجانب اللہ ہونے پر ویسا ہی ایمان نہیں جیسا کہ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان ہے، تو وہ دوسروں کی ہدایت و رہبری کس طرح کرسکتا ہے۔ جس شخص کا اپنا دل حق الیقین اور کامل عرفان کے درجہ پر پہنچا ہوا نہیں، بلکہ شک اور ظنیات سے بھرا ہوا ہے، وہ دوسروں کو نیکی اور ہدایت کی طرف کیونکر بلاسکتا ہے اور کیسے انہیں یقین دلاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ ؎

ہست آں وحی تیرہ سوختنی　　کہ نہ بوداست بریقیں مبنی (1)

اس اُمّت میں تو بے شمار ایسے انسان ہو گذرے ہیں جنہوں نے اپنے نور عرفان اور یقینی اور قطعی الہام الٰہی کے ذریعہ سے سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں کو پرلے درجہ کے فسق و فجور سے نکال کر عارف باللہ اور ملہم من اللہ بنا دیا۔

ایک سابق ولی اللہؒ کا قول

ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چیزے کہ انبیاء را حاصل نبود کل　　آں چیز بے مشقت آساں شداست مارا(2)

پھر حضرت مرزا صاحب اگر فرمائیں کہ ؎

آنچہ داداست ہر نبی را جام　　داد آں جام را مرا بتمام

1۔ ترجمہ: وہ تاریک وحی جلا دینے کے قابل ہے جو یقین پر مبنی نہ ہو۔

2۔ ترجمہ: جو چیز انبیاءؑ کو حاصل نہیں ہوئی، وہ بے مشقت ہمیں حاصل ہو گئی۔

تو کیا اندھیر آ گیا؟ اگر حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی وہ چیز، جو انبیاءؑ کو ساری کی ساری نہ مل سکی تھی، بلا مشقت آسانی کے ساتھ میّسر آ گئی، تو حضرت مرزا صاحبؑ، جو مامور من اللہ، محدّث اور مجدّد اور مسیح موعود اور مہدی معہود کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں، اس کامل عرفان اور یقینی اور قطعی مکالمہ کا شرف کیوں حاصل نہیں کر سکتے، جو انبیاءؑ کو حاصل تھا!

مہدی ’’قرب نبوّت‘‘ کی راہ پر۔ مجدد الف ثانیؒ کا قول

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب نمبر 123 دفتر سوم میں مسیح موعود اور مہدی کے وصول الی اللہ کا راستہ قرب ولایت نہیں، قرب نبوّت قرار دیا ہے، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا راستہ قرب نبوّت سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ’’معاملہ توسط مربوط براہ دومی است از دو راہ مذکور کہ عبارت از قرب ولایت و در راہ اوّل کہ عبارت از قرب نبوّت است معاملہ توسط مفقود است ہر کہ بآں راہ واصل گشتہ است وہیچ حائلے ومتوسطے درمیاں ندارد وبے توسط احدے اخذ فیوض و برکات می نمائد توسط وحیلولت در راہ اخیر است فقط معاملہ آں موطن علیحدہ است چنانچہ گذشت وحضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وحضرت مہدی علیہ الرضوان براہ اوّل واصل اند چنانچہ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما براہ اوّل واصل گشتہ در ضمن آں مبرو راند علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام‘‘۔

یعنی توسط و وسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستہ پر موقوف ہے جو قربِ ولایت سے مراد ہے۔ لیکن راہ اوّل میں، جو قرب نبوّت سے مراد ہے، توسط و وسیلہ کا معاملہ مفقود ہے۔ اس راستہ سے جو

کوئی واصل ہوا ہے کوئی حائل ومتوسط درمیان نہیں آیا۔ دوسرے کے وسیلہ کے بغیر فیوض وبرکات حاصل ہوئی ہیں توسط وحیلولہ فقط دوسرے راستہ میں ہے۔ اس متوسط کا معاملہ علیحدہ ہے جیسے کہ گزر چکا۔ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہ اوّل (قربِ نبوّت) سے واصل ہیں۔ جیسے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں راہ اوّل سے واصل ہیں‘‘۔

پس جو شخص قربِ نبوّت کی راہ سے واصل ہے، اس کا عرفان نبیوںؑ کے عرفان کی طرح اور اس کی وحی نبیوںؑ کی وحی کی طرح قطعی اور یقینی کیوں نہیں؟ حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے مخالفین مسیح موعودؑ کی عداوت میں اس قدر دور چلے گئے ہیں کہ سابق بزرگانِ امت کے خیالات اور معتقدات بھی انہیں یاد نہیں رہے۔ اور اگر یاد دلائے جائیں تو طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے انہیں ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان بزرگوں کے کلام کو بھی اضغاث واحلام قرار دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں اگر ان لوگوں کا کلام والہام اضغاث واحلام تھا، تو تمہارے پاس کیا سند ہے کہ تمہارے کلام کو منجانب اللہ اور **کالوحی من السمآء** سمجھ لیا جائے اور تمام راستبازانِ اُمت کے کلام کو اضغاث واحلام قرار دے کر کیا چیز باقی رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس امّت کو خیر اُمّت کہا جا سکے؟!

حضرت مسیح موعودؑ کاملین اُمّت سے باہر نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ’’حقیقۃ الوحی‘‘ میں کاملین اُمّت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’تیسری مبارک اور کامل حالت حق الیقین کہلاتی ہے۔ اور انسانی

معرفت کامل نہیں ہوسکتی اور نہ کدورتوں سے پاک ہوسکتی ہے، جب تک حق الیقین تک نہیں پہنچتی ۔ کیونکہ حق الیقین کی حالت صرف مشاہدات پر موقوف نہیں بلکہ بطور حال کے، انسان کے دل پر وارد ہو جاتی ہے ۔ اور انسان محبت الٰہی کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر اپنے نفسانی وجود سے بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ پر انسانی معرفت پہنچ کر قال سے حال کی طرف انتقال کرتی ہے اور سفلی زندگی بالکل جل کر خاک ہو جاتی ہے اور ایسا انسان خدا تعالیٰ کی گود میں بیٹھ جاتا ہے جیسا کہ ایک لوہا آگ میں پڑ کر بالکل آگ کے رنگ میں آجاتا ہے اور آگ کی صفات اس سے ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں ۔ ایسا ہی اس درجہ کا آدمی صفاتِ الٰہیہ سے ظلّی طور پر متصف ہو جاتا ہے'' ۔ (حقیقۃ الوحی ص 23)

پھر اسی تیسرے درجہ کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ 48 پر فرماتے ہیں :

''یہ وہ کامل درجہ ہے جس کے ساتھ ظنّ جمع نہیں ہوسکتا اور یہی وہ درجہ ہے جو بشریّت کی سردی اور قبض کو بکلّی دور کرتا ہے ۔ اس حالت کا نام حق الیقین ہے اور یہ مرتبہ محض کامل افراد کو حاصل ہوتا ہے جو تجلیات الٰہیہ کے حلقہ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور علمی اور عملی دونوں حالتیں ان کی درست ہو جاتی ہیں ۔ اس درجہ سے پہلے نہ علمی حالت کمال کو پہنچتی ہے اور نہ عملی حالت مکمل ہوتی ہے ۔ اور اس درجہ کو پانے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے کامل تعلق رکھتے ہیں ۔ اور حقیقت میں وحی کا لفظ انہی کی وحی پر اطلاق پاتا ہے کیونکہ وہ شیطانی تصرفات سے پاک ہوتی ہے اور وہ ظن کے درجہ پر نہیں ہوتی بلکہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے'' ۔

ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے عرفان الٰہی اور قطعی اور یقینی وحی پانے میں اپنے آپ کو دیگر کاملین اُمّت سے علیحدہ نہیں رکھا۔ بلکہ انہیں بھی اس میں شامل کیا ہے۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ انبیاءؑ کی طرح عرفان اور قطعی اور یقینی وحی پانے کا جو دعوٰی آپ نے کیا ہے، وہ آپ کے دعوٰی نبوّت پر دال ہے۔ اگر اسے دعوٰی نبوّت کہہ سکتے ہیں تو پھر سمجھنا چاہئے کہ تمام کاملین امّت نبی تھے۔ ہاں فی الواقعہ وہ نبوّت جو محدّثیت سے بڑھ کر نہیں، آپ کو اور دوسرے مقدسینِ امّت کو حاصل تھی اور اسی لحاظ سے ان کا عرفان انبیاءؑ سے کم نہ تھا اور نہ ان کی وحی یقینی ہونے کے لحاظ سے انبیاءؑ سے کم درجہ پر تھی۔ سیّد حبیب کو اگر اس پر اعتراض ہے تو سب سے پہلے ان لوگوں پر فتوٰی لگائیں جنہوں نے محدّث کو بالقوۃ نبی یا نبیوں کے رنگ میں رنگین قرار دیا۔ حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ پر زبان طعن دراز کریں جنہوں نے وہ تمام چیزیں بھی آسانی کے ساتھ بلا مشقت حاصل ہو جانے کا دعوٰی کیا جو انبیاءؑ کو پوری حاصل نہیں ہوئیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلام کو ردّ کریں، جنہوں نے مہدی اور مسیح کو ''قرب نبوّت'' کے راستہ پر گامزن قرار دیا۔ اور اس بات کا اعلان کریں کہ یہ امت حق الیقین کے درجہ کو پانے اور حضرت خضرؑ اور حضرت مریم اور ام موسٰی رضی اللہ عنہما کی طرح قطعی اور یقینی وحی کا شرف حاصل کرنے سے بھی محروم ہے۔ اور اس لئے اس کا کوئی فرد اس عرفان کو نہیں پا سکتا جو انبیاءؑ کو حاصل تھا اور نہ قطعی اور یقینی وحی سے فیضیاب ہوسکتا ہے۔ اگر وہ اس بات کا اعلان کرنے یا اسے ماننے کے لئے تیار نہیں تو حضرت مرزا صاحب پر کیا اعتراض ہے کہ انہوں نے باوجود غیر نبی ہونے کے اپنے عرفان کو انبیاءؑ کی طرح قرار دیا ہے؟

بیٹے کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ کو مدعی نبوّت ثابت کرنے کے لئے ایک یہ دلیل بھی سیّد صاحب

نے پیش کی ہے:

''اپنے فرزند ارجمند میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کی شان میں مرزا صاحب اپنی کتاب البشریٰ جلد دوم صفحہ 21 و124 پر عربی میں لکھتے ہیں کہ:

(ترجمہ) ''میرا پیدا ہونے والا بیٹا گرامی ارجمند ہوگا اول وآخر کا مظہر ہوگا۔گویا اللہ تعالیٰ خود آسمان سے اُترے گا''۔

جب بیٹا خود اللہ ہوتا بہ پدر چہ رسد۔اس کے بعد مرزا صاحب کا اپنے اسی فرزند ارجمند کے متعلق یہ کہنا موجب حیرت نہیں کہ مرزا صاحب کو الہام ہوا اوران کے لڑکے کی شان میں انہیں کسی کا یہ شعر سنایا گیا ؎

اے ختم رسل قرب تو معلومم شد   دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

یہ شعر ''تریاق القلوب'' صفحہ 42 پر درج ہے۔مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب آج دنیا میں زندہ ہیں۔محمد مصطفیؐ (فداہ ابی) ان سے پہلے دنیا میں تشریف لائے تھے۔اگر آج یہ کہا جائے کہ مرزا بشیرالدین محمود صاحب فخر رسل ہیں،تو اس کے صاف معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ احمد مجتبیٰؐ (فداہ روحی) سے بھی بڑھ کر ہیں۔اور جب بیٹے کی یہ شان ہے تو آپ کو صرف بروزی اورظلّی نبی ماننا کیسے ممکن ہے''۔

اگر اسی قسم کے دلائل سے حضرت مرزا صاحب کو مدعی نبوّت ثابت کرنا ہے تو کیوں نہ **یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ** (الفتح 10:48) کوخدائی کا دعوٰی قرار دیا جائے۔اور کیوں نہ **مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی** (الانفال 17:8) کو دعوٰی الوہیّت کی دلیل گردانا جائے؟ لیکن حیرانی اس بات پر ہے کہ سیّد صاحب کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ ''البشریٰ'' حضرت مرزا صاحب

کی کوئی کتاب نہیں۔ کس سادگی کے ساتھ لکھا ہے کہ ''مرزا صاحب اپنی کتاب البشریٰ ...... میں لکھتے ہیں''۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کتاب ''بخاری'' میں لکھتے ہیں۔ سیّد صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ''البشریٰ'' مرزا صاحب کی کوئی کتاب نہیں، بلکہ آپ کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ جو آپ کے ایک مرید خان صاحب چوہدری منظور الٰہی صاحب نے شائع کیا ہے۔

''ذرّیّت'' سے مراد

جس الہام کا انہوں نے حوالہ دیا ہے، اس میں ہرگز یہ نہیں لکھا کہ ''میرا پیدا ہونے والا بیٹا گرامی ارجمند ہوگا''۔ نہ میاں محمود احمد صاحب کا کہیں ذکر ہے بلکہ ''ازالہ اوہام'' کے حوالہ سے ایک الہام نقل کیا ہے۔ جو اصل کتاب ''ازالہ اوہام'' میں ان الفاظ کے ساتھ درج ہے:

> ''بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے۔ کیونکہ نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذرّیّت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیحؑ سے مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے اترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دے گا۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو، جو شبہات کی زنجیروں میں مقید ہیں، رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی و ارجمند مظہر الحق والعلا کانّ اللّٰہ نزل من السمآء''۔

فرمایئے۔ اس میں کہاں مرزا بشیر الدین محمود احمد کا ذکر ہے۔ اپنی ذرّیّت سے ایک شخص کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ اور ذرّیّت کا لفظ وسیع معنی رکھتا ہے۔ صلبی اولاد پر

بھی ذرّیّت کا لفظ بولا جاتا ہے جو جب تک نسل قائم ہے، ذرّیّت ہی کہلائے گی۔اورحضرت مسیح موعودؑکا الہام ہے تـریٰ نسلًا بعیدًا. تو ایک دور کی نسل دیکھے گا۔ایک اور الہام ہے اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ. نَافِلَةً لَّکَ. جس کے معنی آپ نے کئے ہیں ''ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا''۔اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ کب وہ پیدا ہوگا۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَنَادَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ. میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔حالانکہ حضرت ابراہیمؑ آپؐ سے کئی نسلیں پہلے ہوئے۔پھر روحانی اولاد بھی ذرّیّت میں داخل ہے۔ اس لئے نہیں معلوم کہ جس کے متعلق پیشگوئی ہے، وہ صلبی اولاد میں سے ہوگا یا روحانی میں سے۔اور کب ہوگا۔حضرت مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ ''ممکن ہے اس کی تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا پیدا ہو یا یہ بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو'' (الحکم 10 اپریل 1906ء ص 1)

کانّ اللّٰہ نزل من السمآء کا مطلب

ہاں یہ سچ ہے کہ ''فرزند دلبند گرامی وارجمند مظہرالحق والعلا کانّ اللّٰہ نزل من السمآء اسے ضرور کہا ہے۔لیکن اس میں نہ تو خدائی ہے اور نہ نبوّت۔عربی عبارت کا ترجمہ، جو البشریٰ میں موجود ہے، حسب ذیل ہے:

> ''حق اور علو کا مظہر اس کا ظہور ایسا ہوگا کہ گویا اللہ تعالیٰ ہی بلندی سے نازل ہوا ہے''۔

اس میں کہاں اس کو خدا قرار دیا ہے۔''گویا اللہ تعالیٰ ہی بلندی سے نازل ہوا'' کا فقرہ بھی صاف ہے۔''گویا'' کا لفظ اور اصل عربی الہام میں ''کانّ'' کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ وہ حقیقتاً خدا نہیں۔''آئینہ کمالات اسلام'' میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس سے خدا تعالیٰ کا جلال اور حق کا ظہور مراد لیا ہے۔یـظـهـر بـظـهـوره جـلال ربّ العالمین. اس کے ظہور کے

ساتھ ربّ العالمین کا جلال ظاہر ہوگا (آئینہ کمالات اسلام ص578)۔ حدیث میں نزولِ باری تعالیٰ سے خدا کی رحمت کا نزول اور قرب الٰہی مراد لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی ص 109۔ جہاں حدیث ینزل ربّنا تبارک وتعالٰی کل لیلة الٰی السمآء الدنیا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے **النزول والهبوط والصعود والحرکات من صفات الاجسام واللّٰه تعالٰی متعال عنه والمراد نزول الرحمته وقربه تعالٰی** یعنی نازل ہونا، اترنا، چڑھنا اور حرکات، یہ تو جسم کی صفتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ اللہ کے نازل ہونے سے مراد اس کی رحمت کا نازل ہونا اور اس کا قرب حاصل ہونا ہے۔ فرمایئے۔ ان معنوں کے مطابق **کانّ اللّٰه نزل من السمآء** کا مصداق خدا ہوگا یا خدا کا مقرب؟ اور اس کا آنا خدا کا آنا ہوگا یا خدا کی رحمت کا نزول؟

بڑائی یا فضیلت کا سوال

اوّل تو اس میں کوئی خاص بڑائی کی بات نہیں۔ تمام کاملین امّت اور بالخصوص حضرت مسیح موعودؑ ان معنوں سے **کانّ اللّٰه نزل من السمآء** ہی تھے۔ لیکن اگر اس کی شان دوسروں سے بلند بھی ہو تو کیا ہرج ہے۔ کیا بیٹا باپ سے بڑھ نہیں سکتا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیّت میں سے ہونے کے باوجود ان سے بلند مرتبت نہ رکھتے تھے؟ لیکن ظاہر ہے کہ بلند مرتبت ہونے کے باوجود وہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ زمرہ انبیاءؑ ہی میں شامل تھے۔ اسی طرح آنے والا ''فرزند دلبند گرامی وارجمند'' **کانّ اللّٰه نزل من السمآء** ہونے کے باوجود باپ کے ساتھ زمرہ اولیاء ومحدّثین ہی میں شامل ہوگا۔ اس سے نکل کر نبیوںؑ کے زمرہ میں نہیں جاسکتا۔

فخرِ رسل کا مطلب

رہا یہ الہامی شعر کہ ؎

اے فخرِ رسل (1) قربِ تو معلومم شد دیر آمدۂ ز راہ دُور آمدۂ

اس میں بھی میاں محمود احمد صاحب یا ان کی نبوّت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ کیا بڑوں کو اپنی سعادت منداولاد پر فخر اور ناز نہیں ہوا کرتا؟ پھر اگر کوئی شخص غیر نبی ہو کر نبیوں کا کام کرے اور بہترین اخلاق اس سے ظاہر ہوں، تو رسول اس پر کیوں فخر نہ کریں۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک کافر اور حضرت علیؓ کی معرکہ آرائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

او تفے انداخت بر روئے علی افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

اس میں صاف طور پر حضرت علیؓ کو فخر انبیاءؑ قرار دیا گیا ہے۔ کیا وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تھے؟ سیّد حبیب کو چاہئے تھا کہ ایسی باتیں لکھنے اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف انہیں ایسے حتمی دلائل کے طور پر پیش کرنے سے پہلے ان پر غور کر لیتے۔ کسی صاحب علم سے دریافت کر لیتے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت یا خدائی کا دعوٰی پایا جاتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس کو حضرت مرزا صاحب کے مدعی نبوّت ہونے پر بطور دلیل گردانا جا سکتا ہے؟

شان بلند ہونے کے باوجود ''نبیوں کا مثیل'' ہوگا، نہ نبی

آپ فرماتے ہیں ''اور جب بیٹے کی یہ شان ہے تو آپ کو صرف بروزی اور ظلّی نبی ماننا کیسے ممکن ہے''۔

1۔ سیّد حبیب نے اس کو ''اے ختمِ رسل'' لکھا ہے۔ جو حضرت مرزا صاحبؑ کی کتابوں سے ان کی عدم واقفیت کی ایک اور دلیل ہے۔

اے جناب! بیٹے کی شان بھی (جو معلوم نہیں کب اور کس قسم کا بیٹا ہوگا، روحانی ہوگا یا صلبی) بروزی وظلّی نبی سے بڑھ کر نہیں۔ یعنی حضرت مرزا صاحب کی طرح نبوّت کے رنگ ہی میں وہ رنگین ہوگا۔ خواہ شان کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ''ازالہ اوہام'' کے منقولہ بالا الفاظ میں حضرت مرزا صاحب نے اسے صاف طور پر ''نبیوں کے مثیل'' قرار دیا ہے۔ اس لئے بیٹے کی پیشگوئی کا نہ تو آپ کے دعویٰ نبوّت سے کوئی تعلق ہے، اور نہ جب تک وہ پوری نہ ہو، اس پر بحث کرنے کی حاجت۔

انت اسمی الاعلیٰ

فضیلت اور نبوّت ہی کی بحث میں بعض الہامات بھی سیّد صاحب نے پیش کئے ہیں۔ جن میں سے ایک الہام ہے انت اسمی الاعلیٰ جس کا ترجمہ کیا ہے ''اے مرزا تو میرا سب سے بڑا نام ہے''۔ حالانکہ اصل الہام میں ''یامرزا'' کہیں نہیں۔ لیکن کیا خدا کا اعلیٰ نام ہونے سے دعویٰ الوہیّت یا دعویٰ نبوّت ثابت ہوگیا؟ اگر اَنَا الْحَقُّ یاسُبْحَانِیْ کہنے والا مدعی الوہیّت نہیں تو جس کو خدا صرف اپنا ''اعلیٰ نام'' قرار دے، وہ مدعیٔ الوہیّت کیسے ہوگیا؟ جن لوگوں کو صوفیاء کی کتابوں سے ایک ادنیٰ سی بھی مزاولت ہے، وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ سیر وسلوک کی منازل میں سالک کو اسماء الٰہیہ سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف منازل سلوک میں مختلف اسماء الٰہیہ اس کے پیش نظر رہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تعلیم سلوک کا ذکر کرتے ہوئے، جو اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے انہوں نے حاصل کی، فرماتے ہیں۔ ''اوّل۔ اس درویش کو آپ نے ذکر اسم ذات کی تعلیم کی''۔ اس قسم کے کلمات تمام صوفیاء کے ملفوظات میں ملتے ہیں۔ اور سلوک کی جس منزل پر سالک کو پہنچنا اور عروج کرنا ہوتا ہے، اس کے مطابق کوئی نہ کوئی اسم الٰہی اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ اور اسی اسم

کے مطابق اس کے اخلاق ترقی اور پرورش پاتے ہیں۔ اگر وہ اسم رحمٰن کا ذکر کرتا ہے (وہ ذکر نہیں جو موجودہ صوفیوں میں پایا جاتا ہے۔ اور زبانی نعروں سے آگے دل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں) بلکہ خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیّت کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے، تو وہ خود بھی مخلوق الٰہی کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے لگتا ہے۔ اور اسی طرح جس جس اسم کی طرف وہ رجوع کرتا ہے، وہی صفات اس کے اندر پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ **تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ** کا مجسم نمونہ بن جاتا ہے۔ اور یہی سالک کے عروج کا انتہائی مقام ہے۔ اسی بات کی طرف **انت اسمی الاعلٰی** کے الہام میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تو میرے سب سے بڑے اسم کا مجسم نمونہ ہے۔ بالفاظ دیگر مدارج سلوک کے انتہائی مقام پر آپ پہنچ چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے اسم کا مقام ہے۔ یہ تو مقام ولایت میں آپ کا درجہ بتایا گیا ہے۔ اس کو نبوّت یا الوہیّت سے کیا تعلق۔ ہاں مظہر الوہیّت یا فنافی اللہ کہہ لیجئے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی حقیقت اس میں نہیں۔

يَحْمَدُكَ اللّٰهُ مِنْ عَرْشِهٖ وَيَمْشِيْ اِلَيْكَ

ایک اور الہام کا ترجمہ دعوٰی نبوّت ہی کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ ''خدا عرش پر تیری حمد کرتا ہے اور تیری طرف چل کر آتا ہے''۔

کیا خدا کا بندے کی حمد کرنا کوئی بُرائی ہے؟ خدا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی بھیجتا ہے۔ پس اگر اپنے ایک پاک بندے کی حمد کرے تو کیا گناہ ہے؟ اور اس پر کیا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اگر کہیں کہ حمد تو خدا کے لئے ہے، بندہ کے لئے جائز نہیں، تو یہ بھی غلط ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال کیا۔ آپؐ نے تھوڑی دیر ٹھہر کر فرمایا۔ سائل کہاں ہے؟ اور اس کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ **کَاَنَّهٗ حَمِدَهٗ** گویا کہ

آپؐ نے اس کی تعریف فرمائی۔قرآن شریف میں ہے **وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَالَمْ یَفْعَلُوْا.** (اٰل عمران 188:3) لوگ چاہتے ہیں بغیر کام کرنے کے ہی ان کی حمد کی جائے۔پس حمد کا لفظ بندہ کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی تعریف کرنا کوئی برائی کی بات نہیں۔الہام کا دوسرا ٹکڑہ ہے **وَیَمْشِیْ اِلَیْکَ.** خدا تیری طرف چل کرآتا ہے۔اس پر کیا اعتراض ہے؟ کیا حدیث قدسی میں نہیں ہے **ان اتانی یمشی اتیته هرولة** اگر میرا بندہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ لیجئے یہاں تو خدا چل کر نہیں، دوڑ کر آتا ہے۔اس پر کیوں وہی اعتراض نہیں ہوسکتا جو **یَمْشِیْ اِلَیْکَ** پر کیا جاتا ہے۔اور اس الہام میں نبوّت کا دعوٰی کہاں ہے؟!

’’میں خدا کی باڑ ہوں‘‘

ایک یہ الہام بھی پیش کیا ہے۔جس کے اصل عربی الفاظ ہیں **انی همی الرحمن** ’’مَیں خدا کی باڑ ہوں‘‘۔اس پر کیا اعتراض ہے؟ یہ تو خدا کے الفاظ ہیں،مرزا صاحب کے نہیں۔البتہ پہلے **قُلْ** کا لفظ محذوف سمجھا جائے تو معنی بن جاتے ہیں کہ کہہ دے مَیں خدا کی باڑ ہوں۔لیکن یہ بھی تو بتایا ہوتا کہ اس پر اعتراض کیا ہے؟ کیا خدا کی باڑ ہونا کوئی گناہ ہے؟ باڑ حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ پس اگر خدا کے اپنے ایک مامور کو نیک اور صالح بندوں کی شیطانی تحریکات سے حفاظت کرنے کی وجہ سے اپنی باڑ کہہ دیا تو کیا گناہ ہوگیا؟ حضرت صالح کی اونٹنی اگر **هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ** (الاعراف 73:7) کہلا سکتی ہے۔اگر اینٹ اور پتھر کا گھر **بَیْتُ اللّٰهِ** کہلا سکتا ہے تو ایک مامور اور مجدد خدا کی باڑ کیوں نہیں کہلا سکتا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

سیّد صاحب لکھتے ہیں:

''انجام آتھم کے صفحہ 78 پر آپ (حضرت مرزا صاحب) لکھتے ہیں **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ ان کی شان میں نازل ہوئی نہ کہ رسول امی لقب (فداہ ابی) کی شان میں''۔**

جلی الفاظ اگر سیّد صاحب انجام آتھم یا کسی اور کتاب سے دکھا دیں تو منہ مانگا انعام پائیں۔حضرت مرزا صاحب نے کبھی اور کسی جگہ نہیں لکھا کہ **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ** (الانبیاء107:21) کی آیہ کریمہ میری ہی شان میں نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل نہیں ہوئی۔ ہاں! یہ آپ کا الہام ضرور ہے۔اور ہم اس سے پیشتر ثابت کر آئے ہیں کہ مسیح موعود کی رسالت ظلّی اور بروزی ہے۔اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تمام دنیا کی اصلاح آپ کے سپرد کی گئی ہے، اس لئے آپ ظلّی طور پر رحمۃ للعالمین بھی ہیں۔اس میں برائی کی کیا بات ہے اور کہاں یہ لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہیں اتری؟ کیا سیّد صاحب اس کا جواب دیں گے؟

دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا

پھر لکھا ہے کہ: اسی طرح ''اربعین'' صفحہ 4و5 پر لکھتے ہیں۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو **دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا** کے جو خطاب دیئے گئے تھے وہ مجھے (مرزا صاحب کو) بھی عطا ہوئے''۔

اس میں کونسی بُری بات ہے۔ جب حضرت مرزا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلّ ہیں تو آپ ظلّی طور پر **سِرَاجًا مُّنِیْرًا** کیوں نہیں کہلا سکتے۔**دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ** تو آپ ہیں ہی، کہ دنیا جہان میں دعوت الی الاسلام آپ کا کام ہے۔اگر **سِرَاجًا مُّنِیْرًا** بھی ظلّی طور پر ہوں تو کیا نقصان ہے؟ اصل سراج منیر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔آپ کے ماتحت

اگر ظلّی طور پر آپ کے متبعین بھی دنیا کے لئے سراج منیر بن جائیں، تو اس میں آپؐ ہی کا کمال ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق فرماتے ہیں۔

افلت شموس الاوّلین وشمسنا ابدا علٰی افق العلٰی لا تغرب

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی تشریح میں فرماتے ہیں

''مراد از شمس آفتاب فیضان وارشاد است واز افول آن عدم فیضان مذکور وچوں بوجود حضرت شیخ معاملہ کہ باولین تعلق داشت بادقرار گرفت واو واسطہ وصول رشد وہدایت گردید چنانچہ پیش از وے اولین بودہ اند ونیز تا معاملہ توسط فیضان برپا است بتوسل اوست ناچار راست آمدا **فلت شموس الاوّلین وشمسنا**......الخ (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب نمبر 123)

یعنی شمس سے مراد ہدایت وارشاد کے فیضان کا آفتاب ہے۔ اور اس کے غروب سے مراد فیضان کا نہ ہونا ہے۔ چونکہ حضرت شیخ قدس سرہ کے وجود سے وہ معاملہ، جو اولیّن سے تعلق رکھتا تھا، شیخ قدس سرہ کے سپرد ہوا اور وہ رشد وہدایت کے پہنچنے کا واسطہ و وسیلہ بن گئے۔ جیسے کہ ان سے پہلے بزرگوار ہوئے ہیں۔ نیز جب تک فیضان کے وسیلہ کا معاملہ برپا ہے، شیخ قدس سرہ کے توسل وتوسط ہی سے ہے۔ اس لئے درست ہوا **افلت شموس الاولین وشمسنا** ......الخ۔ پس جب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں آفتاب فیضان ورشد کہلا سکتے ہیں تو مسیح موعودؑ سراج منیر کیوں نہیں کہلا سکتے؟

''میں عبد منصور اور مسیح اور مہدی ہوں''

اسی سلسلہ میں خطبہ الہامیہ کے صفحات 18، 19، 30، 35، 158 اور 171 کے حسب

ذیل الفاظ نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ مرزا صاحب اپنے رتبہ کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

> ''میں نور ہوں، مجدّد و مامور ہوں، عبد منصور، مہدی معہود اور مسیح موعود ہوں۔ مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ میں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں۔ اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں۔ اور سورج ہوں جس کو دُھواں چھُپا نہیں سکتا۔ اور ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو۔ ہرگز نہیں پاؤ گے۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہو گا۔ اور میں اپنے خدا کی طرف سے تمام قوت اور برکت اور عزت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ اور یہ میرا قدم ایک ایسے منارہ پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم کی گئی ہے۔ بس خدا سے ڈرو اور مجھے پہچانو اور نافرمانی مت کرو۔ میرے سوا اور دوسرے مسیح کے لئے میرے زمانہ کے بعد قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ پس جو میری جماعت میں داخل ہوا دراصل میرے سردار خیر المرسلین (محمد رسول اللہ) کے صحابہؓ میں داخل ہوا (یعنی میرے مرید صحابہؓ کے برابر ہیں)''(1)۔

اس عبارت میں ''خطبۂ الہامیہ'' کے مذکورہ بالا صفحات سے مختلف فقرات لے کر انہیں اس طرح ملا دیا گیا ہے گویا کہ یہ ایک ہی مسلسل عبارت ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کہاں کی دیانتداری ہے اور ایمانداری ہے اور پھر ان فقرات میں کونسی ایسی بات ہے جو سیّد صاحب کو اسلام کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ کیا نور، مجدّد و مامور، عبد منصور، مہدی معہود اور مسیح موعود ہونا خلاف اسلام ہے؟ کیا ہر ایک مجدّد اور مامور من اللہ خدا کا نور نہیں ہوتا۔ کیا گذشتہ تیرہ

1۔ بین القوسین الفاظ سیّد حبیب نے اپنی طرف سے لکھے ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ نہیں۔

صدیوں میں مجدّد و مامور نہیں ہوتے رہے؟ عبد منصور تو ہر ایک کامیاب انسان ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب بالخصوص عبد منصور ہیں کہ ایک ایسے وقت میں، جب چاروں طرف سے ہر مذہب کے لوگ مخالفت پر کھڑے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرما تا رہا ہے اور اب تک فرما رہا ہے۔ پس آپ کو اگر عبد منصور نہ کہا جائے تو کیا ان لوگوں کو کہا جائے جو ہر طرح کی کوششوں، ہر قسم کے ساز و سامان اور بڑے بڑے جتھوں کے باوجود، آج تک ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ کیا مولوی محمد حسین بٹالوی کو عبد منصور کہا جائے جو حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کے بعد نہایت درجہ ذلیل وخوار ہو کر مرا؟ کیا مولوی ثناء اللہ کو منصور کہا جائے جس کے ہزارہا اشتہارات اور کتابیں اور ہر آٹھویں دن خدا کے مامور پر تمسخر واستہزاء اس کی جماعت کا ایک بال بیکا نہ کر سکے۔ اور ان کی تمام کوششوں کے باوجود آج وہ ایک ایسا تناور درخت بن چکا ہے جس کی ایک ٹہنی بھی ہلانا ناممکن امر ہے۔ دنیا اس کے اثمار شیریں سے آج مستفید ہو رہی ہے اور مخالفین اسلام کے حملوں سے بچنے کے لئے آج اس کے سایہ کے سوائے اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ سیّد حبیب کے مضامین، ممکن ہے ان لوگوں کے نزدیک، جن کے دلوں میں پہلے سے کجی اور عناد ہے، کچھ حیثیت رکھتے ہوں، لیکن کتنے احمدیوں کو برگشتہ کرنے کا موجب ہوئے؟ مولوی ظفر علی خاں جگہ جگہ پھر کر اور اپنے اخبار ''زمیندار'' کے ذریعہ سے بھی احمدیّت کو نیست و نابود کر دینے کے جو جتن کر رہے ہیں، وہ کہاں تک کامیابی کی صورت حاصل کر چکے ہیں؟ کہاں ہے وہ جمعیۃ دعوت وارشاد، جس کے زیر اہتمام بارہ لاکھ روپیہ جمع کر کے جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کو روکنے اور یورپ و امریکہ میں فرقہ بندی کا دنگل قائم کرنے کا عزم کیا گیا تھا؟ کیا آج اس کا وجود دنیا میں باقی ہے؟ غور کر کے دیکھ لیجئے۔ ہر پہلو سے کامیابی کس کو حاصل ہے۔ جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس امام کو یا ان لوگوں کو جو انہیں کافر سمجھتے اور رات دن ان کے خلاف کوششیں کرتے اور جتھے بناتے ہیں؟ جنہیں مرزا صاحب کی ناکامی کے لئے دعائیں

کرتے اور ماتھے رگڑتے ہوئے بھی نصف صدی کا عرصہ گذر چکا ہے؟ اس کو بھی چھوڑ یئے۔ غیر مذاہب کے بالمقابل آج کون مظفر ومنصور ہے؟! کیا ہمارے مخالفین بھی کسی آریہ، کسی عیسائی کے بالمقابل جا کر کامیاب ہوئے؟ ہاں! اگر کسی کو وقتی طور پر کوئی کامیابی حاصل ہوئی تو مرزا صاحبؑ کے ہتھیاروں سے کام لے کر حاصل ہوئی۔ لیکن جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے، اس کے نام ہی سے آریوں اور عیسائیوں کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ یہ کہہ کر جان چھڑانا چاہتے ہیں کہ تم اسلام کے نمائندے نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے تمہیں کافر قرار دیا ہے۔ لیکن یورپ میں جا کر دیکھ لو، خود ہندوستان اور دنیاء اسلام کے تعلیم یافتہ طبقہ پر نظر دوڑاؤ، تمہیں نظر آجائے گا کہ اسلام کی عزت رکھنے والے، اسلام کو دنیا میں کامیاب بنانے والے، اسلام کو دنیا کا بہترین مذہب ثابت کرنے والے، آج وہی لوگ ہیں جن کی نمائندگی اسلام سے انکار کیا جاتا اور دن رات ان کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیا وہ شخص، جس نے ان لوگوں کو کھڑا کیا اور جس کو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت دبا نہ سکی، عبد منصور نہیں؟ کیا اسے مجدد اور ماموراور مہدی اور مسیح کہنا ناجائز ہے؟ اگر وہ ان دعاوی میں سچا نہیں تو خدا کی عدالت میں کیوں اتنا اندھیر پڑ گیا کہ اسلام کے ان حقیقی نمائندوں اور خیرخواہوں کو، جو آج سواد اعظم کے نام سے اتراتے پھرتے ہیں، کامیابی نہیں ہوتی۔ مرزا صاحب کے خلاف ان کی دعائیں بھی سنی نہیں جاتیں۔ اور جہاں اسلام کی حمایت اور نصرت کا سوال ہوتا ہے، جماعت احمدیہ ہی سب سے پیش پیش نظر آتی ہے۔ کیا اس میں خدا کی کُھلی نصرت اور تائید غیبی نہیں۔ باوجود اس کے اگر مرزا صاحب کے عبد منصور اور مامور الٰہی کہلانے پر اعتراض کیا جائے، تو اس سے بڑھ کر کورچشمی اور ضد وتعصب اور کیا ہوسکتا ہے۔

''مَیں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں''

یہ واقعات ہیں۔ اور ان واقعات کی روشنی میں کون حق پسند مرزا صاحبؑ کے اس

کلام کو غلط قرار دے سکتا ہے کہ:

''مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ میں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں اور سورج ہوں جس کو دُھواں چھپا نہیں سکتا۔ اور ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو۔ ہرگز نہیں پاؤ گے''۔

اس میں سابقینِ اُمّت کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں بلکہ اپنے ہی زمانہ کے لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ ''مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ''۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ مرزا صاحب کی عظمت و بزرگی، ان کے کارناموں اور خدمات اسلام کو اس زمانہ کے لوگوں سے قیاس کرنا صحیح نہیں، بلکہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے قول کے مطابق تو تیرہ سو برس میں بھی ایسی خدمت اسلام کسی نے نہیں کی، جیسی ایک ''براہین احمدیہ'' کے ذریعہ ہی مرزا صاحب نے سرانجام دی۔ پھر اس میں کیا کلام ہوسکتا ہے کہ آپ اسلام کا مغز ہیں جس کے ساتھ کوئی چھلکا نہیں۔ آپ اسلام کی روح ہیں جس کے ساتھ کوئی جسم نہیں۔ اسلام کا چھلکا اور اسلام کا جسم آج ان مولویوں کے پاس ہے جو ذرا ذرا سی بات کو ''ضروریاتِ اسلام'' قرار دے کر مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ اس بے مغز چھلکے اور بے روح جسم سے اسلام کا کوئی فائدہ نہیں۔ دنیا کو آج مغز اور روح کی ضرورت ہے جو مرزا صاحب کے سوائے کہیں نہیں مل سکتی ۔

علم آں بود کہ نور فراست رفیق اوست   ایں علم تیرہ را بہ پشیزے نمے خرم (1)

1۔ علم تو وہ ہے کہ فراست کا نور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس تاریک علم کو تو مَیں ایک کوڑی کو بھی نہیں خریدتا۔

اس لئے یہ کہنا صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے کہ ''میں وہ سورج ہوں جس کو کوئی دھواں چھپا نہیں سکتا'' کس قدر مخالفتوں کے دھوئیں اُٹھے تا کہ اسلام کے اس سورج پر تاریکی کا پردہ ڈال دیں، لیکن کیا اس کی تیز کرنوں اور نورِ عالمتاب کے سامنے کوئی چیز ٹھہر سکی؟ کیا آج کوئی ایک بھی ایسا شخص پیدا ہوا جس نے مرزا صاحب کے مانند یا عشرِ عشیر بھی اسلام کی خدمت کی ہو اور خدا کا چہرہ دنیا کو دکھایا ہو؟ اگر نہیں تو اُن کا یہ قول کیوں صحیح نہیں کہ ''ایسا کوئی شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو، ہرگز نہیں پاؤ گے''۔

''میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہو''

ہاں! آپ نے بالکل صحیح فرمایا کہ:

> ''میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہوگا اور میں اپنے خدا کی طرف سے تمام قوت اور برکت اور عزت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ اور یہ میرا قدم ایک ایسے منارہ پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم کی گئی ہے۔ بس خدا سے ڈرو اور مجھے پہچانو اور نافرمانی مت کرو۔ میرے سوا اور دوسرے مسیح کے لئے میرے زمانہ کے بعد قدم رکھنے کی جگہ نہیں''۔

یہ کوئی ایسے کلمات نہیں جو محلِ تعجب ہوں۔ اگر مرزا صاحب سچے ہیں اور واقعات ان کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں تو وہ کون شخص ہے جو ایک راستباز ماموراِلٰہی کو جھوٹا قرار دے کر ولایت کے درجہ تک پہنچ سکے۔ کیا یہ حدیث قدسی یاد نہیں **مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ** یعنی خدا نے کہا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی، اس کو میں جنگ کا الٹی میٹم دیتا ہوں۔ اگر مرزا صاحب ولی اللہ ہیں تو ان سے عداوت رکھنے والا ولایت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور یقینی امر ہے کہ جو شخص آئندہ ولی ہو، وہ مرزا صاحب کی صداقت اور راستبازی کا بھی

قائل ہو۔ آپ کو مجدد، مسیح اور مہدی مانتا ہو۔ پھر ایسا شخص آپ میں سے اور آپ کے عہد پر نہیں تو اور کون ہے؟ رہا یہ، کہ خدا کی طرف سے آپ تمام قوت، برکت اور عزت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں یا نہیں، اس پر واقعات زمانہ خود شہادت دے رہے ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

میرا قدم اس بلند منارہ پر ہے جہاں ہر بلندی ختم ہے

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قوت اور برکت وعزت کا یہ اثر ہے کہ اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے، اسلام کی عزت کو بچانے، اسلام کو دنیا کا معقول اور بہترین مذہب ثابت کرنے میں آپ کا قدم اس بلند ترین منارہ پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم ہے۔ سیّد حبیب کا اس میں کیا بگڑتا ہے کہ مرزا صاحب کا قدم ایک ایسے بلند منارہ پر ہو جہاں سے وہ اسلام کا نور دنیا کو پہنچا سکیں اور اس کے حقائق ومعارف سے دنیا کی تشنگی کو بجھا سکیں۔ جس طرح سے موجودہ زمانہ میں مفاسد اور خدا سے دوری اور اسلام سے مہجوری، بلکہ مخالفت اس انتہاء تک پہنچ چکی ہے، جہاں مفاسد کی ہر ایک بلندی ختم ہے، ویسے ہی ضروری تھا کہ اس زمانہ کے مجدد کو اسلام کے اس بلند مینار پر کھڑا کیا جاتا، جہاں علوم ومعارف کی ہر ایک بلندی ختم ہو جائے۔ اس میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی عزت ہے۔ لیکن ہمارے مخالفین کو مرزا صاحب کی کوئی ایسی بات پسند نہیں جو اسلام کی عزت کا موجب ہو۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو قائم کرنے والی ہو۔ کاش! خود ہی کچھ کر کے دکھاتے۔ جن علوم سے مرزا صاحب نے اسلام کی صداقت کو دنیا میں پھیلایا ہے، تم بھی کوئی ایسا علم پیش کر سکتے تو تمہیں بھی ہم اس مینار پر سمجھ لیتے جس پر مرزا صاحب کھڑے ہیں۔ لیکن یہاں تو نور اور تاریکی کا مقابلہ ہے۔ علم کہاں اور اسلام کی اشاعت کہیں؟ اس لئے ہم پھر مجدد وقت کے اس فرمان کی طرف تمہیں توجہ دلاتے ہیں کہ ''خدا سے ڈرو اور مجھے پہچانو اور نافرمانی مت کرو۔

میرے سوا اور دوسرے مسیح کے لئے میرے زمانہ کے بعد قدم رکھنے کی جگہ نہیں''۔

جو میری جماعت میں داخل ہوا وہ خیر المرسلینؐ کے صحابہؓ میں داخل ہوا

ہاں! یہ سچ ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کی جماعت میں داخل ہوا، درحقیقت (وہ) سردار خیر المرسلینؐ کے صحابہؓ میں داخل ہوا۔ یہ مرزا صاحب ہی نہیں کہتے، ان سے پہلے تمام بزرگان اُمت کا یہی خیال ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کس قدر کُھلے لفظوں میں فرماتے ہیں:

''وہم چنیں اصحاب حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ از انبیاء اولوالعزم است از سابقا نند و بواسطہ متابعت ایں شریعت ملحق بہ اصحاب خاتم الرسل اند علیہم الصلوٰۃ والسلام از بزرگی متاخران ایں اُمت تو اند بود کہ آں سرور فرمودہ باشد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام **لایدری اولھم خیرام اخرھم**

یعنی ایسے ہی حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، جو اولوالعزم نبی ہیں، ان کے اصحاب سابقین میں ہیں اور اس شریعت کی متابعت کے باعث حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ سے ملحق ہیں متأخرین کی اس بزرگی کے باعث ہی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا **لایدری اولھم خیرام اخرھم**. یعنی نہیں معلوم ان کے اوّل بہتر ہیں یا آخر۔

پس جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسیح موعود کے اصحاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملحق قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **لایدری اولھم خیرام اخرھم** نقل کر کے یہ بتایا ہے کہ متأخرین بھی سابقین

اُمت میں شامل ہیں۔تو حضرت مرزا صاحب نے ،جن کا دعوٰی ہی مسیح موعود ہونے کا ہے، اگر اپنے ساتھ شامل ہونے والوں کو خیر المرسلینؐ کے صحابہؓ میں داخل ہونے کی خوشخبری دی تو کیا گناہ کیا؟ اس میں کونسا نبوّت کا دعوٰی ہے۔اسلام کی کیا توہین ہے۔ بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت فیضان کا ثبوت ہے کہ صرف اوّلین ہی کے تزکیہ کا آپ موجب نہیں ہوئے بلکہ آخرین نے بھی آپؐ کے ایک غلام اور ظلّ کے فیض محبت سے وہ تزکیہ حاصل کیا کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ انہیں ملحق قرار دیا گیا۔لیکن سیّد حبیب اور ان کے ہم مشربوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت گوارا بھی ہو۔انہیں تو ہر اس بات سے عناد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی ہو۔کیونکہ وہ مرزا صاحب کے منہ سے نکلی اور ان کی صداقت کو ثابت کرنے والی ہے ؎

شدم کہ ما رقیباں دامن کشیدہ رفتم گومشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

شہداء کی انبیاءؑ پر فضیلت ۔مجدد الف ثانیؒ کا قول

نبوّت کی تمام بحث کو سیّد صاحب ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

''میں مرزا صاحب کی تحریروں کے حوالے دے کر ثابت کر چکا ہوں کہ مرزا صاحب ایک مقام پر دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ خدا کے نبی اور رسول ہیں اور تمام انبیاءؑ سے (جن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں)افضل ہیں اور اس دعوٰی پر خدا کی قسم کھاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ وہ بروزی اور ظلّی نبی ہیں جو بالفاظ دیگر محدّث ہوتا ہے۔لیکن اپنا مقام تمام انبیاءؑ علیہم السلام سے ارفع واعلیٰ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اچانک ادعائے نبوّت سے انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبوّت

کا دعوٰی کرنے والا اسلام سے خارج ہے۔ وغیرہ وغیرہ‘‘۔

کہاں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ ’’وہ خدا کے نبی اور رسول ہیں اور تمام انبیاءؑ سے...... افضل ہیں‘‘۔ کم از کم ان تحریروں میں، جو حبیب صاحب نے نقل کی ہیں، ایسا کوئی دعوٰی نہیں۔ ہر جگہ ظلّی اور بروزی نبی بہ معنی محدّث ہی اپنے آپ کو لکھا ہے۔ اور ادعائے نبوّت سے انکار بھی کیا ہے، چہ جائیکہ اپنا مقام تمام انبیاء علیہم السلام سے ارفع و اعلیٰ ظاہر کیا ہو۔ اس کے متعلق ہم تفصیل کے ساتھ اوپر بحث کر چکے ہیں۔ اور آپ کی اپنی تحریروں سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام پر جزئی فضیلت کا دعوٰی تھا جو ایک غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے نئی نہیں کہی۔ اُمّت محمدؐ یہ کا مقام تو مسلّم طور پر اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کا ایک ادنیٰ شہید بھی انبیاءؑ پر جزئی فضیلت رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’در احادیث صحیح آمدہ است کہ بعضے از کمالات در افراد امتاں باشد کہ انبیاءؑ غبط آں نمائیند علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و حال آنکہ فضل کلّی مر انبیاء را ست بر جمیع افراد امتاں و نیز در حدیث آمدہ است کہ شہداء فی سبیل اللہ بہ چند چیز بر انبیاءؑ مزیت دارند شہداء را احتیاج بغسل نیست و انبیاء را غسل باید داد و بر شہداء نماز جنازہ نیامدہ است چنانچہ مذہب امام شافعی است و بر انبیاءؑ نماز جنازہ باید کرد و در قرآن فرمودہ کہ شہداء را شما موتے نہ پندارید کہ احیا اند انبیاء را موتے فرمودہ ایں ہمہ فضائل جزئیہ اند قصورے در فضل کلّی انبیاء ندارند‘‘۔

یعنی احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ امتوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رشک کرتے ہیں۔ حالانکہ

> انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو امّت کے تمام افراد پر فضل کلّی ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں میں انبیاءؑ پر زیادتی رکھتے ہیں۔ شہداء کو غسل کی حاجت نہیں اور انبیاء کو غسل دینا چاہئے۔ شہداء پر نماز جنازہ نہیں آئی جیسے کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور انبیاءؑ پر نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ جانو، وہ زندہ ہیں اور انبیاءؑ کو مردہ فرمایا ہے۔ یہ سب جزئی فضائل ہیں جو انبیاءؑ کے فضائل کلّی میں قصور پیدا نہیں کرتے ہیں۔

یہی جزئی فضیلت ہے جس کا دعویٰ حضرت مرزا صاحب کو حضرت مسیح علیہ السلام پر ہے۔ ''تمام شان'' میں افضل ہونے کے باوجود بھی وہ جزئی فضیلت ہی ہے، کلّی فضیلت نہیں۔ ''تمام شان'' کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد تمام وہ کارنامے اور خدمات اسلام ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ نے سرانجام دیں۔ اور جن کا موقعہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں ملا۔ اس میں نبوّت کا دعویٰ کوئی نہیں اور نہ تمام انبیاءؑ پر افضل ہونے کا دعویٰ ہے۔ کاش! سیّد حبیب ایسی بے سروپا باتیں لکھنے کے بجائے ان حقائق پر، جو اوپر پیش کئے جا چکے ہیں، چشمِ بصیرت کے ساتھ غور کرتے۔

سترھواں باب

تفہیمِ الہامات اور حضرت مسیح موعودؑ (1)

سیّد حبیب کی دسویں دلیل

احمدیّت کے ناقابل قبول ہونے کی دسویں دلیل، جو سیّد حبیب نے پیش کی ہے، حسبِ ذیل ہے:

''ادعائے نبوّت کی اس بھول بھلیاں میں اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے بعض الہامات ایسے ہیں جو خود ان کی سمجھ میں نہیں آئے، لہٰذا لازم ہے کہ ایسے الہامات کی تفہیم کے واسطے خدائے تعالیٰ مزید نبی مبعوث کرے۔ گویا مرزا صاحب نے اجرائے نبوّت کا ایک سلسلہ جاری کر دیا ہے۔ اور یہ کہنا مشکل ہے کہ کتنے نبی آئیں گے جو ان الہامات کے معانی دنیا پر واضح کریں گے۔ پس دسویں دلیل، جو مجھے مرزا صاحب کی تحریک قبول کرنے سے مانع ہے، یہ ہے کہ مرزا صاحب پر ایسے الہامات ہوئے ہیں جو خود ان کے فہم میں نہیں آئے۔ حالانکہ میرے علم و یقین کے مطابق کوئی پیغمبرؑ یا نبیؑ ایسا نہیں گذرا جس پر خدا نے اس قدر بے اعتمادی کی ہو کہ ان کو پیام بھیجا ہو اور پھر اس پیام کے معنی نہ سمجھائے جائیں۔ معاذ اللہ! اس سے تو خدا پر بخل کا الزام ثابت ہوتا ہے یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے کسی کو منتخب کر لیتا ہے اور پھر اس پر اعتماد نہیں

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 23 اکتوبر 1933ء

کرتا۔ اور یہ بات خدائے علیم وحکیم کی شان کے خلاف ہے‘‘۔(سیاست 30 مئی)

وحی نبوّت اور وحی ولایت میں فرق

ان تمام اعتراضات کی بناء یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کو غلطی یا بے سمجھی سے مدعی نبوت سمجھ لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی وحی کو وحی نبوّت قرار دے کر یہ تمام اعتراض کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ بار بار بتایا جا چکا ہے کہ ان کا کوئی نبوّت کا دعویٰ نہیں اور نہ ان کی وحی، وحی نبوّت ہے۔ نبیوںؑ کے متعلق تو یہ کہنا درست ہے کہ ان کی وحی میں، جو شریعت کی حامل ہو، کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس کے معنی سمجھ میں نہ آسکیں۔ کیونکہ وحی نبوت تمام امّت کے لئے واجب العمل ہے۔ لیکن وحی ولایت چونکہ شریعت کی حامل نہیں ہوتی، اس لئے ضروری نہیں کہ اس کا ایک ایک لفظ فوراً سمجھ میں آجائے، نہ وحی نبوّت کی طرح اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور نہ اس کی تفسیر کے لئے کسی اور مامور من اللہ یا نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔ واجب العمل چیز جو مؤمن بہ کہلا سکتی ہے، وہ تو نبی متبوع کی شریعت یا وحی نبوّت ہے۔ اُمّتی کی وحی والہام تو صرف مبشرات اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یا بعض وقت اصل شریعت کے کسی حکم کی طرف اس میں توجہ دلائی جاتی ہے۔ اور مبشرات اور پیشگوئیوں کا جہاں تک تعلق ہے، ان میں متشابہات کثرت سے ہوتے ہیں اور بعض ایسے الفاظ بھی رکھ دیئے جاتے ہیں جن کا صحیح مفہوم اسی وقت کھلتا ہے، جب وہ پیشگوئی واقعات کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

انبیاءؑ کو بھی پیشگوئیوں میں غلطی لگ جاتی ہے

اور تو اور خود انبیاءؑ کی وحی میں بھی جو باتیں مبشرات اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتی ہیں، ان کے معنی بسا اوقات فوراً سمجھ آنا مشکل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے متعلق فرمایا اَسْرَعُکُنَّ بِیْ اَطْوَ لُکُنَّ یَدًا تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے

گی جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ ازواج مطہراتؓ نے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے ہاتھ ناپنا شروع کئے لیکن آپؐ نے منع نہ کیا اور اس کا وہ مفہوم نہ بتایا جو بعد میں واقعات نے ظاہر کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آپؐ پر اس وقت تک اس کی اصل حقیقت منکشف نہ ہوئی تھی اور بعد میں واقعات نے یہ بتادیا کہ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا سے مراد وہ ام المؤمنینؓ تھیں جن کا ہاتھ سخاوت میں سب سے زیادہ لمبا تھا(1)۔

ایسا ہی صحیح بخاری میں یہ بھی حدیث موجود ہے **قال ابو موسٰی عن النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم رأیت فی المنام انی اھاجر من مکّة الٰی ارض بھانخل فذھب وھلی الٰی انّما الیمامة اوھجر فاذا ھی المدینة یثرب** (بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ) یعنی حضرت ابوموسٰیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسی زمین کی طرف مَیں نے ہجرت کی جو کھجوروں والی ہے۔ میرا گمان یمامہ یا ہجر کی طرف گیا مگر دراصل وہ مدینہ تھا۔

ایک اور واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپؐ مکہ معظّمہ میں حج کے ارکان ادا کر رہے ہیں۔ آپؐ نے خیال کیا کہ اسی سال حج ہو گا، اس لئے آپؐ صحابہؓ کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ لیکن حدیبیہ کے مقام پر کفّار نے روک دیا اور ایسی شرائط پر صلح ہوئی جو بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کو ظاہر کرتی تھیں۔ انہی شرائط میں مکہ

1۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم میں سے کون سی آپؐ سے جلدی ملے گی فرمایا تم میں سے جس کا ہاتھ لمبا ہے تو ایک چھڑی لے کر وہ ناپنے لگیں تو سب میں سے حضرت سودہ کا ہاتھ لمبا تھا۔ بعد میں (جب زینبؓ فوت ہوئیں تو) ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ سے لمبائی سے مراد صدقہ دینا تھا اور وہ ہم میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں اور وہ صدقہ دینے سے بہت محبت رکھتی تھیں۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

میں اس سال داخلہ سے بھی روک دیا گیا اور اگلے سال آپؐ نے حج کیا۔ رؤیا تو پورا ہو گیا لیکن اس کے فہم میں یہ غلطی ہوئی کہ آپؐ اسی سال اس کو پورا کرنے کے لئے چل پڑے۔ ان تمام واقعات سے صاف ثابت ہے کہ جہاں تک پیشگوئیوں اور مبشرات کا تعلق ہے، نبی اور ولی ہر دو کو اس کے فہم میں غلطی بھی لگ سکتی ہے اور بعض وقت بعض الفاظ کا سمجھ آنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ وہ الہام، جس کے معنوں کا یقینی طور پر سمجھ آ جانا ضروری ہے، وہ صرف وحی نبوت ہے۔ اور ولیوں کی وحی کو تو وحی نبوت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف امور غیبیہ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ بے اعتمادی نہیں بلکہ علیم وحکیم خدا کے علم وحکمت کی دلیل ہے۔ ان کے متعلق یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کرتے ہوئے بے اعتمادی کی اور بخل سے کام لیا، خود اپنی ناسمجھی اور علمی فرومائیگی کا ثبوت دینا ہے۔ اس کو بے اعتمادی نہیں کہتے بلکہ یہ تو ملہم کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک اور ایمان پیدا کرنے کا موجب ہے۔ ملہم اگر مفتری اور کاذب ہو تو وہ یقیناً ایسا ہی الہام بنائے گا جو لوگوں کو سمجھ آ سکے۔ الہام میں ایسے الفاظ کا آ جانا، جن کا مفہوم خود ملہم کو معلوم نہیں، اس کی صداقت پر دال ہے۔ اور جب وہ الفاظ، جو ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتے ہوں، اپنا مفہوم خود واقعات کی صورت میں واضح کر دیں تو خدا تعالیٰ کی ہستی اور ملہم کی صداقت پر ایسا زبردست ایمان پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا دل بے اختیار اس کے آستانہ عبودیّت پر گر جاتا ہے۔ سیّد حبیب ان غوامض واسرار الٰہی کو کیا سمجھیں؟! وہ باتیں، جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے والی ہیں، وہ آج ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے بخل اور اس کے مامور کے کذب کی دلیل ہیں۔ اور جو بات کھلی اور ظاہر ہو وہ ''خدائے علیم وحکیم کی شان'' کے عین مطابق ہے۔ اس قسم کا ''علیم وحکیم'' خدا جناب حبیب کو مبارک ہو۔ ہمیں وہی ازلی ابدی خدا کافی ہے جو بعض وقت استعارات میں بھی کلام کرتا اور ایسے الفاظ بھی اپنے اولیاء کے الہام میں رکھ دیتا ہے جن کا مفہوم اگرچہ اس وقت معلوم نہ ہو، لیکن بعد کے واقعات اس کو ظاہر کرتے اور اس کا ''علیم وحکیم'' خدا ہونا منکشف کر دیتے ہیں۔ جو ایک مؤمن کے لئے تازگیٔ ایمان کا موجب ہوتا ہے۔

کیا الہام کا سمجھ میں نہ آنا بے اعتمادی کی دلیل ہے؟

میں حیران ہوں کہ اس قدر صریح حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کیونکر جائز ہے کہ اگر ملہم کو اپنا کوئی الہام سمجھ میں نہ آئے تو گویا خدا نے اس پر بے اعتمادی کی۔ اور ایسا شخص اگر کوئی نیک تحریک شروع کرے تو یہی بات اس تحریک کے نا قابل قبول ہونے کی دلیل گردان لی جائے۔ اگر یہ فی الواقعہ کوئی دلیل ہے تو سیّد صاحب کو چاہئے کہ سب سے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے انکار کریں جن پر خدا نے تو ایسی بے اعتمادی کی کہ صرف یہی بتایا کہ آپؐ کھجوروں والی جگہ کی طرف ہجرت کریں گے اور یہ نہ بتایا کہ اس سے مراد مدینہ ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یمامہ یا ہجر مراد لی۔ پھر یہی نہیں، اس بے اعتمادی نے یہاں تک ترقی کی کہ رؤیا میں اتنا تو بتا دیا کہ آپ حج کر رہے ہیں، لیکن یہ نہ بتایا کہ کب حج ہوگا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کو اپنی جانیں خطرہ میں ڈالنا پڑیں اور آخر بظاہر کمزور شرائط پر صلح ہوئی۔ کیا یہ بے اعتمادی حضرت مرزا صاحبؑ کی بے اعتمادی سے کچھ کم ہے؟ بہتر ہے کہ ہمیں ایسے ''بے اعتماد'' آدمیوں کے ساتھ ہی رہنے دو۔ آپ جیسے بااعتمادوں کی ہمیں ضرورت نہیں جن پر خدا نے کبھی اپنے آپ کو منکشف ہی نہیں کیا۔ آپ کا ایمان تو صرف اس بات تک محدود ہے کہ خدا ہونا چاہئے، لیکن ایک احمدی کا ایمان، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سچے متّبع کا ایمان تو یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ وہ اپنے ذاتی تجارب اور مشاہدات کی رو سے کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فی الواقعہ موجود ہے۔ پس تمہارے جیسے بااعتمادوں کے بجائے یہ بے اعتماد لوگ ہی ہمارے لئے کافی ہیں کہ جن سے خدا تو مل جاتا اور بصیرت ایمانی تو حاصل ہو جاتی ہے۔

غیر زبان میں الہام

لیکن سیّد صاحب نے اپنی اس دلیل کو ذیل کے ارشاد سے اور پختہ کرنا چاہا ہے۔ فرماتے ہیں ''میں اپنی اس دلیل کو مرزا صاحب کے مقرر کردہ معیار پر جانچتا ہوں۔ آپ کتاب ''چشمہ

معرفت'' کے صفحہ 209 پر لکھتے ہیں کہ یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصلی زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو میں سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے اور ایسے الہام سے فائدہ کیا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہو''۔ لیکن اس معیار کے قائم کرنے کے بعد آپ کتاب ''نزول المسیح'' کے صفحہ 75 پر لکھتے ہیں کہ ''زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوئے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں۔ جیسے انگریزی یا سنسکرت وغیرہ''۔

''اس کے بعد کون ایسا صاحب عقل سلیم ہوگا جو تسلیم نہ کرے گا کہ مرزا صاحب نے خود جو معیار مقرر کیا تھا، وہ اس پر پورے نہیں اُترے''۔ ان عبارات کے نقل کرنے میں پھر اسی کتر بیونت سے کام لیا گیا ہے جو ہمارے مخالفین کی خصوصیت ہو چکی ہے۔ ''چشمہ معرفت'' سے جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے، اس میں یہ بتانا مقصود نہیں کہ ملہم کی اپنی زبان کے علاوہ اسے کسی اور زبان میں الہام نہیں ہو سکتا بلکہ وہاں آریوں کے اس دعوٰی کی تردید مقصود ہے کہ الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی زبان میں نازل ہو جو بنی نوع انسان میں بولی نہ جاتی ہو بلکہ ''خاص ایشور کی ہی زبان ہو''۔ اس کی تردید حضرت مسیح موعودؑ نے مختلف دلائل سے کی ہے۔ مثلاً یہ کہ ''جس حالت میں بموجب اصول آریہ کے، نوع انسان قدیم سے ہے، تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی زبانیں بھی قدیم ہوں تو پھر قدامت کی وجہ سے ان میں فرق کیا ہوا اور ویدک کی سنسکرت میں کونسی خاص علامت ہے جس سے وہ ایشور کی زبان سمجھی جاوے''۔

اسی سلسلہ میں یہ بتاتے ہوئے، کہ اگر سنسکرت کے ایشری زبان ہونے کی تائید میں اس کا متروک الاستعمال ہونا پیش کیا جائے تو بہتیری اور بھی زبانیں متروک الاستعمال ہیں۔ اور بہت ہیں جن پر انواع واقسام کے تغیّرات آ چکے ہیں، اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ:

''پس ماننا پڑتا ہے کہ جس نے انسان کو بنایا اسی نے ان کی زبانوں کو بنایا

ہے۔ اور وقتاً فوقتاً وہی ان میں تغیّرات ڈالتا ہے۔ اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور ایسے الہام سے کیا فائدہ ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ پس جب کہ بموجب اصول آریہ سماج کے، وید کے رشیوں کی زبان ویدک سنسکرت نہیں تھی اور نہ وہ اس کے بولنے اور سمجھنے پر قادر تھے اور پھر خدا کا ایسی بیگانہ زبان میں ان کو الہام کرنا گویا دیدہ ودانستہ اپنی تعلیم سے محروم رکھنا تھا۔ اور اگر کہو کہ خدا ان کو ان کی زبان میں سمجھا دیتا تھا کہ ان عبارتوں کے یہ معنی ہیں تو اس صورت میں پرمیشر کا یہ عہد بحال نہیں رہے گا کہ انسانی زبان میں اس کو بولنا حرام ہے‘‘۔

اس(1) تمام عبارت اور اس کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ ’’انسان کی اصل زبان‘‘ اور ’’انسانی زبان‘‘ سے حضرت مسیح موعودؑ کی مراد ملہم کی زبان نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی زبان مراد ہے۔ یعنی آپ نے آریوں کے اس اصول کی تردید کرتے ہوئے، کہ الہام انسانی زبان میں نہیں بلکہ ایشری زبان میں ہونا چاہئے، جہاں اور مختلف دلائل پیش کئے ہیں، وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ غیر معقول اور بیہودہ بات ہے کہ بنی نوع انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور ایشری زبان میں ہو جس کو بنی نوع انسانی کا کوئی فرد سمجھ ہی نہ سکتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ملہم کو اپنی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں الہام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آگے چل کر صاف لکھتے ہیں کہ:

’’اول قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی نازل ہونا شروع ہوا تھا۔

1۔ مطبوعہ درضمیمہ اخبار پیغام صلح مورخہ 15 نومبر 1933ء

> کیونکہ اوّل مخاطب قریش ہی تھے۔ مگر بعد اس کے قرآن شریف میں عرب کی اور اور زبانوں کے بھی الفاظ آ گئے ہیں۔ اور ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے، اس لئے ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیض یاب ہیں۔ اور چونکہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بنا دے اس لئے **ہم کبھی دوسری زبانوں میں الہام پاتے ہیں** مگر اکثر خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ عربی میں ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بہت حصّہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ ہوتا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور اس طور پر ایک نئے طریق سے ملہم کو یقین دلایا جاتا ہے کہ جس رسولؐ پر وہ ایمان رکھتا ہے، وہ سچا رسول ہے۔ اور جس کتاب کو وہ مانتا ہے، یعنی قرآن شریف کو، وہ خدا کی کتاب ہے۔ غرض **جبکہ اب بھی مختلف زبانوں میں الہام ہوتا ہے** اور صدہا پیشگوئیاں اس الہام کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں، تو کیا اب تک یہ ثابت نہ ہوا کہ خدا ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے''۔

اس عبارت میں صاف طور پر حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ''اب بھی مختلف زبانوں میں الہام ہوتا ہے''۔ ''اور ہم کبھی دوسری زبانوں میں الہام پاتے ہیں''۔ پس فرمایئے۔ اس میں کونسی ایسی بات ہے جو ''نزول المسیح'' صفحہ 75 کے ان الفاظ کے خلاف ہو جن

میں آپ نے لکھا ہے کہ ''زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوئے جن سے ہمیں کچھ بھی واقفیت نہیں۔ جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ''۔

اگر چشم انصاف سے دیکھا جاتا تو کوئی تضاد ''چشمہ معرفت'' اور ''نزول المسیح'' کی عبارات میں نہ تھا۔ اوّل الذکر میں، جہاں آریوں کے اس اصول کی تردید کرتے ہوئے، کہ الہام بھی ایشری زبان میں ہونا چاہئے نہ کہ انسانی زبان میں، یہ بتایا ہے کہ جس زبان کو انسان (یعنی تمام نوع انسان) سمجھ ہی نہیں سکتا، اس میں الہام ہونا فضول بات ہے۔ وہیں ملہم کی اپنی زبان کے علاوہ دوسری انسانی زبانوں میں الہام کا ہونا بھی تسلیم کیا ہے اور خود اپنا بھی دوسری زبانوں میں الہام پانے کا تذکرہ ہے۔ اور یہی بات مؤخرالذکر حوالہ میں ہے کہ مجھے دوسری زبانوں انگریزی، سنسکرت یا عبرانی میں، جن سے مجھے کچھ واقفیت نہیں، الہام ہوتے ہیں۔ ان دو باتوں میں کونسا تضاد ہے جو سیّد حبیب کی پوچ دلیل کی استواری کا موجب ہوسکتی ہے۔ اور کون صاحبِ عقل سلیم ہوگا جو تسلیم نہ کرے گا کہ سیّد حبیب نے ان حوالجات کو پیش کر کے اپنی دلیل کو اور زیادہ کمزور اور بودا بنالیا ہے۔

الہام ایلی اوس کے معنی

اس کے بعد سیّد صاحب نے وہ الہامات پیش کئے ہیں جن کے معانی حضرت مسیح موعودؑ پر واضح نہیں ہوئے۔ ان میں سب سے پہلے ''البشریٰ'' جلد اوّل صفحہ 26 سے یہ الہام نقل کیا ہے۔ ''ایلی ایلی لماسبقتنی ایلی اوس''۔ اس الہام کے پہلے حصّہ کے معنی حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کئے ہیں:

''اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑا''۔ اور آخری الفاظ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے ''آخری فقرہ اس الہام کا یعنی

ایلی اوس باعث سرعت ورود مشتبہ رہا اور نہ اس کے کچھ معنی کھلے ہیں (واللّٰہ اعلم بالصواب)''۔اس فقرہ کو نقل کر کے سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ:''حبیب عرض کرتا ہے کہ پہلے فقرہ کے معنی مرزا صاحب کو اس لئے معلوم تھے کہ یہ فقرہ انجیل میں موجود ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ صلیب پر حضرت عیسیٰؑ نے یہ فقرہ استعمال کیا۔ مرزا صاحب نے جو اضافہ کیا، وہی ان کی سمجھ میں نہیں آیا''۔

اس میں شک نہیں کہ ایلی ایلی لماسبقتنی انجیل کا ایک مشہور فقرہ ہے۔ اور ممکن ہے حضرت مرزا صاحب کو ان الفاظ کے معنی اسی وجہ سے معلوم ہوں کہ عام طور پر یہ فقرہ ان معنوں سے مشہور ہے، ورنہ آپ کا کوئی دعوٰی عبرانی زبان کے ماہر ہونے کا نہیں۔ لیکن حبیب صاحب کا تعریضی پیرایہ میں اس کو پیش کرنا موجبِ حیرت واستعجاب ہے۔ آخر کیوں نہ ہو؟! خود بدولت کا مبلغ علم تو اس قدر ارفع ہے کہ اخبار نویس ہونے کے باوجود ''قلم'' اور ''درد'' کی تذکیرو تانیث بھی پورے طور پر معلوم نہیں۔

رہے''ایلی اوس'' کے الفاظ، جناب حبیب نے انہیں حضرت مرزا صاحب کا اضافہ قرار دیا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ایلی ایلی لما سبقتنی کے الفاظ تو فی الواقعہ القاء ہوئے تھے۔ لیکن ''ایلی اوس'' کا اضافہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی طرف سے کر لیا؟ کون عقلمند اس بات کو باور کرے گا کہ ایک ملہم من اللہ اپنے الہام میں اپنی طرف سے بھی اضافہ کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی ایسے الفاظ کا جن کے معنی وہ خود نہ جانتا ہو! حبیب صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص اپنے پاس سے ایک بات بنا کر اسے الہام الٰہی ظاہر کرنا چاہتا ہے، وہ ایسی بات یا ایسا فقرہ نہیں بنایا کرتا جو اس کی اپنی سمجھ سے باہر ہو۔ وہ تو اپنی طرف سے ایسا کلام پیش کرنے کی کوشش کرے گا جس کو وہ خود بھی خوب اچھی طرح سمجھ سکتا اور دوسروں کو بھی سمجھا سکتا

ہو۔ یہ تو حضرت مرزا صاحب کی صداقت اوران الفاظ کے الہام الٰہی ہونے کا کھلا ثبوت ہے کہ بعض ایسے فقرات بھی القاء ہوئے ہیں جو ایک غیر زبان ہونے کی وجہ سے آپ خود بھی سمجھ نہ سکے۔ اگر الہام الٰہی نہ ہوتا اور حبیب صاحب کے خیال کے مطابق اپنے پاس سے انٹ سنٹ اضافہ کرلیا ہوتا تو اس کے کوئی معنی بھی نہ ہوتے۔لیکن اگر لغت کو دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ''ایلی اوس'' کوئی مہمل فقرہ نہیں بلکہ بامعنی جملہ ہے۔ ایلی کے معنی تو وہی ہیں جو بقول حبیب صاحب انجیل کے ایک فقرہ کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کو معلوم تھے۔ یعنی ''اے میرے خدا''۔ اور ''اوسٌ'' کے معنی ہیں ''انعام''، ''عطیہ''۔المنجد میں ہے اٰس. اَوْسًا وایاسًا. اعطیٰ. عوض. اَلْاَوْسُ، العطیّة (المنجد صفحہ 13) یعنی اٰس. اَوْسًا کے معنی ہیں اس نے انعام دیا، معاوضہ دیا۔اَوْسٌ کے معنی ہیں عطیہ۔لہٰذا ایلی اوس کے معنی ہوئے ''اے میرے خدا مجھ پر انعام کر''۔ پس فرمایئے۔ اس میں کونسی قابل اعتراض بات ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو اگر معنی معلوم نہ تھے تو نہ سہی۔ انہیں لغت کا امام ہونے کا دعوٰی نہیں۔ اور نہ آپ کے الہامات شریعت کے حامل تھے کہ ہر لفظ کا سمجھ آنا ضروری تھا۔مبشرات میں سے کسی لفظ کے معنی نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی آئندہ کسی وقت کھلنے والے ہوں یا ایسے الفاظ سے ملہم کی صداقت پر ایک دلیل قائم کرنا اور یہ بتانا مقصود ہو کہ وہ الہامات کو اپنے پاس سے نہیں بناتا بلکہ جو کچھ خدا سے سنتا ہے، وہی بیان کرتا ہے، خواہ خود کسی لفظ کے معنی سمجھ سکتا ہو یا نہ سمجھ سکتا ہو۔

ھو شعنا نعسًا کا مطلب

سمجھ نہ آنے والے الہامات کی اور بھی مثالیں سیّد صاحب نے دی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:

''ایک اور مثال سنیئے۔ ''براہین احمدیہ'' کے صفحہ 556 پر ارشاد ہوتا ہے۔

''خدا نے فرمایا ھو شعنا نفسًا. یہ دونوں فقرے شاید عبرانی ہیں اور اس کے معنی ابھی تک اس عاجز پر نہیں کھلے''۔

ھو شعنا نفسًا تو کوئی الہام نہیں، البتہ ھو شعنا نعسًا کے الفاظ میں ایک الہام ''براہین احمدیہ'' میں موجود ہے۔ جس کے معنی اگرچہ حضرت مسیح موعود پر نہیں کھلے، تاہم یہ کوئی بے معنی الفاظ نہیں۔ ھو شعنا کے الفاظ انجیل متی باب 21۔ آیت 9 میں موجود ہیں۔ جہاں لکھا ہے ''اور بھیڑ، جو اس کے آگے آگے جاتی اور پیچھے پیچھے چلی آتی تھی، پکار پکار کر کہتی تھی ابن داؤد کو ھوشعنا. مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔ عالم بالا پر ھوشعنا''۔ اس آیت کے نیچے حاشیہ پر ھوشعنا کے متعلق لکھا ہے کہ ''عبرانی زبان میں اس کے معنی ہیں کرم کر کے نجات دی۔ زبور 25:118 کو دیکھو''۔ پس ھو شعنا کے الفاظ کے معنی تو انجیل سے معلوم ہو گئے کہ ''کرم کر کے نجات دی'' رہا نعث (1) کا لفظ۔ لغت میں نَعَثَ وَاَنْعَثَ کے معنی ہیں کوئی چیز لے لینا (To take a thing)۔ ملاحظہ ہو الفرائد الدریہ فی اللّغتین العربیة والا نکلیزیة مطبوعہ بیروت صفحہ 781۔ پس ھو شعنا نعثًا کے معنی ہیں ''ہمیں لے لے یا ہمارا سب کچھ لے لے اور کرم کر کے ہمیں نجات دے''۔

اس میں کونسی بات ہے جس کے سمجھنے کے لئے سیّد حبیب کے نزدیک کسی دوسرے ماموریا ولی کے آنے کی ضرورت ہے۔ اور کس نے آپ سے کہا ہے کہ ضرور ایسے الہامات کے معنوں کو سمجھیں، ورنہ نجات نہیں ہو گی! اولیاء اللہ کے الہامات کو کسی نے دوسروں پر حجت قرار نہیں دیا۔ کیونکہ اصل واجب الاطاعت چیز شریعت ہے۔ اس لئے ان کے معنی اگر نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی ہرج نہیں، ممکن ہے حکمت الٰہیہ کسی آئندہ وقت میں اس کے معنی واقعات کی صورت

1۔ نعسًا س کے ساتھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ غالبًا ث کے ساتھ ہے۔

صورت میں ظاہر کر کے مجدّد وقت کی صداقت کو ظاہر کرنا اور اپنی ہستی کو منوانا چاہتی ہو۔ اگرچہ **هو شعنا نعسًا** کے الفاظ میں بظاہر ایک دعا ہے جو عبرانی زبان میں سکھائی گئی۔ تاہم ممکن ہے کسی آئندہ واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ جس کے وقوع میں آنے پر اس کے حقیقی معنی ظاہر ہوں اور مامور من اللہ کی صداقت کا ایک اور نشان قائم ہو جائے۔

چند اور غیر واضح الہامات

ایک اور مثال یہ دی ہے ''مکتوبات احمدیہ جلد ایک صفحہ 68 پر مرزا صاحب ایک الہام لکھتے ہیں کہ پریشن۔ عمر براطوس یا پلاطوس۔ آخری لفظ براطوس ہے یا پلاطوس بباعث سرعت الہام دریافت نہیں ہوا اور نمبر 2 میں عربی لفظ ہے۔ اس جگہ براطوس اور پریشن کے معنی دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے الفاظ ہیں''۔

کس قدر دیانتداری ہے۔ اگر جھوٹا الہام بنانے والے ہوتے تو کوئی ایسے لفظ بناتے جو سمجھ بھی آ سکتے۔ لیکن مرزا صاحب کی صداقت اور دیانت و امانت تو اسی سے ظاہر ہے کہ الہام میں جو الفاظ اخذ کئے جا سکے یا بوجہ سرعت بعض الفاظ اخذ کرنے سے رہ گئے یا ان کا کوئی حصہ ذہن میں باقی رہ گیا، ان کو اسی طرح بیان کر دیا اور معانی کو خدا کے حوالہ کر دیا۔ صرف یہی نہیں اور بھی بعض الہام ہیں جن کو سیّد حبیب نے اس بات کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ ان کے معنی واضح نہیں۔ مثلاً ''خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا''۔ ''بعد 11۔ انشاء اللہ''۔ ''ایک دانہ کس کس نے کھانا''۔ ''لاہور میں ایک بے شرم ہے''۔ وغیرہ۔ ان تمام الہامات کے متعلق یہ کہنا، کہ چونکہ ان کے معنی واضح نہیں، اس لئے یہ الہام نہیں ہو سکتے، اپنی ''علمی فرومائیگی'' کا ثبوت دینا ہے۔ ممکن ہے یہی الفاظ آئندہ چل کر بعض اہم امور پر روشنی ڈالنے کا موجب ہوں یا کوئی مہتم بالشان خبریں ان میں قبل از وقت بتائی گئی ہوں جو اپنے موقعہ پر وقوع میں آ کر ان

الفاظ کی صحت اور معانی کو صاف کر دیں۔لیکن جہاں تک حضرت مرزا صاحب کا سوال ہے، اگر وہ جھوٹے الہام بنانے والے ہوتے تو کوئی ایسے الفاظ پیش کرتے ،جن کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجاتا اور خواہ مخواہ محل اعتراض نہ بنتے۔مگر دنیا اور اس کے ظاہر بین افراد، خواہ لاکھ اعتراض کریں، ایک راستباز انسان کے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ الہام کے الفاظ بیان کرتے ہوئے نہایت احتیاط سے کام لے اور جس قدر الفاظ اس نے الہام سے اخذ کئے ہیں، اسی قدر بیان کر دے۔کسی کی سمجھ میں آئے، یا نہ آئے، اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرے۔کاش! اسی سے حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت کا اندازہ کیا جاتا۔اسی سے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی کہ آپ فی الواقعہ ملہم من اللہ اور مامور الٰہی ہیں کہ کلام الٰہی کو بیان کرنے میں اس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں اور صاف طور پر یہ بتا دیتے ہیں کہ اس کے بعض الفاظ بوجہ سرعت اخذ نہ کئے جا سکے یا فلاں لفظ مشکوک ہے یا فلاں لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آئے۔

قرآن کریم کی وحی اور غیر نبی کا الہام

قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اس موقعہ پر دینا غلط ہے کیونکہ قرآن ایک بنیادی ہدایت ہے۔جس کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ نے ذمّہ لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ **لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ. اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ.** (القیٰمۃ75:16-19) ’’اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا تاکہ اسے جلدی لے لے۔ ہمارے ذمے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہے۔پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تُو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔پھر ہمارے ذمہ اس کا کھول کر بتانا ہے‘‘۔

اس میں صاف طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان ہلا کر وحی کو جلدی اخذ کرنے کی کوشش سے منع کیا ہے۔اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت وغیرہ کا ذمّہ لیا ہے۔

کیونکہ قرآن کی وحی شریعت پر مشتمل ہے جس کی پیروی انسان کے لئے ضروری ہے۔ ایک محدّث اور مجدّد کی وحی بوجہ غیر نبی ہونے کے وہ خصوصیات اپنے اندر نہیں رکھتی کیونکہ وہ قرآن کی پیروی کا نتیجہ اور اس کے مؤیدات میں سے ہے۔ اصل چیز جو پیروی کے قابل ہے وہ قرآن ہے۔ اس لئے اسی کی حفاظت ضروری تھی۔ غیر نبی کی وحی کی حفاظت کی اتنی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمارے دین وایمان کا کوئی جز نہیں۔ وہ صرف اس حقیقت ایمانیہ کو پیدا کرنے کا موجب ہے کہ قرآن کی پیروی سے انسان خدا تک پہنچ کر اس سے ہمکلام ہوسکتا ہے۔ اگر اس ہمکلامی میں کوئی الفاظ ایسے بھی ہوں جو سمجھ میں نہ آسکیں تو یہ ہمکلامی کو غلط ثابت کرنے کا موجب نہیں بلکہ قرآن کی اصفٰی واکمل اور محفوظ وحی کو ممتاز کرنے، تابع ومتبوع کے فرق کو واضح کرنے اور نبی اور غیر نبی کی وحی میں امتیاز قائم کرنے کا موجب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے سیّد حبیب قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیمانہ سے ایک غیر نبی کی وحی کو ناپ کر اس کی ماموریت اور ملہم من اللّٰہیّت کو جھٹلانا چاہتے ہیں جو ان کی ''علمی فرومائیگی'' کی ایک اور دلیل ہے۔

''پیٹ پھٹ گیا'' کا الہام جو واقعات نے سچا کر دیا

لیکن انہی الہامات میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے ظاہر الفاظ اگرچہ کسی امر کی وضاحت نہیں کرتے، اور اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے ان کو بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کے معنی معلوم نہیں یا یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق ہے، لیکن بعد کے واقعات نے ان کو واضح کر دیا اور خود حضرت مسیح موعودؑ نے بعد میں بتا دیا کہ ان کے کیا معنی ہیں اور کس کے متعلق ہیں۔ انہی میں سے ایک الہام ہے ''پیٹ پھٹ گیا''۔ جو البشرٰی جلد دوم ص 119 پر مندرج ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے کہ ''معلوم نہیں یہ کس کے متعلق ہے''۔ سیّد صاحب

نے اس کو بھی انہی الہامات کے سلسلہ میں پیش کیا ہے جن کے معنوں کا واضح نہ ہونا ان کے نزدیک حضرت مرزا صاحب کے ملہم من اللہ نہ ہونے اور الہامات کو اپنے پاس سے اختراع کرنے کی دلیل ہے۔ اس دلیل کی کمزوری تو اوپر واضح کی جا چکی ہے لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ''پیٹ پھٹ گیا'' کا الہام ایسا ہے جس کو بعد کے واقعات نے واضح کر دیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ فی الواقعہ خدا کی طرف سے تھا۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی صفحہ 4 پر حضرت مسیح موعود لکھتے ہیں:

> ''مجھ کو 30 جولائی 1906ء اور بعد اس کے کئی تاریخوں میں وحی الٰہی کے ذریعہ بتلایا گیا کہ ایک شخص اس جماعت میں سے ایک دم میں رخصت ہو جائے گا اور پیٹ پھٹ جائے گا اور شعبان کے مہینہ میں وہ فوت ہو گا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان 1324 ہجری میں میاں صاحب نور مہاجر، جو صاحبزادہ عبداللطیف کی جماعت میں سے تھا، یک دفعہ ایک دم پیٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا''۔

اب فرمایئے۔ یہ کس کا کام ہے کہ ایک واقعہ کی خبر کئی ماہ پہلے سے دے دے جس کے بعد کے واقعات بعینہٖ انہی الفاظ میں سچا ثابت کر دکھائیں۔ اگر یہ الہام خدا کی طرف سے نہیں، اگر حضرت مرزا صاحب کی اپنی اختراع ہے، تو انہیں ایک آنے والے واقعہ کا پہلے سے کیونکر علم ہو گیا۔ ایک منجم ایک رمال بھی اس قدر صفائی کے ساتھ آنے والے واقعات کو بیان نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص یہ ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے پاس نجوم و رمل کے کوئی آلات تھے۔ پھر آپ نے کئی ماہ پہلے ایک آنے والے واقعہ کی کیونکر خبر دے دی؟ ظاہر ہے کہ اس کا مبداء اور مخرج علم الٰہی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اور اس قسم کی بیسیوں خبریں ہیں جو آپ نے الہام الٰہی سے علم پا کر قبل از وقت بتائیں اور بعد میں سچی ثابت ہوئیں۔ جن پر آئندہ اپنے موقعہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اس واقعہ کے متعلق دو اور بھی الہام ہیں۔''موت تیراں ماہ حال کو''۔''ایک دم کے دم میں رخصت ہوا''۔اگرچہ ان الہامات کی تاریخیں مختلف ہیں اور سیّد حبیب نے ان کو علیحدہ علیحدہ نقل کیا ہے۔لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے ان سب کو ایک ہی مذکورہ بالا واقعہ پر منطبق کرنے سے یہ حقیقت اور بھی روشن ہو جاتی ہے کہ فی الواقعہ وہ خدا کی طرف سے آپ پر القاء ہوئے۔کیا سیّد حبیب اس پر غور کر کے بتائیں گے کہ ایک مفتری علی اللہ کو آئندہ کے متعلق ایسی صاف اور بیّن خبریں کیونکر مل سکتی ہیں اور اس کی کتنی مثالیں دنیا میں موجود ہیں؟!

غُثِمَ۔ غُثِمَ ۔غُثِمَ کے معنی

اس کو بھی غیر واضح الہامات میں پیش کیا گیا ہے اور اس کے بعد کے چند الفاظ چھوڑ دیئے گئے ہیں۔اصل الہام البشریٰ جلد 2 صفحہ 50 پر ان الفاظ میں درج ہے:غُثِمَ۔ غُثِمَ ۔ **غُثِمَ لَهٗ دُفِعَ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ دَفْعَةً.**

اس میں صرف غُثِمَ کا لفظ ایسا ہے جو لغت عرب سے ناواقفیّت کے باعث بظاہر غیر واضح معلوم ہوتا ہے اور مخالفین تمسخر واستہزاء سے اسے **غُثُم۔ غُثُم۔ غُثُم** پڑھتے ہیں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بد باطن آریہ الٓمّٓ کو اُلَمُ اُلَمُ پڑھے۔اصل لفظ غُثِمَ ہے جو لغت عرب میں کسی کو اس کا مال یک دفعہ دے دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اور اسی کو الہام کے اگلے الفاظ **دفع الیہ من مالہٖ دفعة** میں واضح کر دیا گیا ہے۔لغت میں بھی لفظ غُثِمَ کے یہی معنی لکھے ہیں۔ملاحظہ ہو''المنجد''۔جس میں لکھا ہے غُثِمَ لہ. **دفع له دفعة واحدة من المال**۔ ایسا ہی الفرائد الدریہ میں، جو انگریزی عربی ڈکشنری ہے، غُثِمَ کے معنی لکھے ہیں۔

(To give at once to any one) کسی کو یک مرتبہ ہی دے دینا۔ مال کے دینے سے یہاں کیا مراد ہے۔اور کس کو دینے کا ذکر ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔لیکن جہاں تک

الفاظ کے معنوں کا تعلق ہے وہ مہمل نہیں بلکہ بامعنی ہیں۔ اور ممکن ہے ان کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ پھر کسی وقت واضح کر دے۔ ان پر تمسخر اڑانا اور مہمل بیان کرنا اپنی ''علمیت'' کا پردہ چاک کرنا ہے۔

رَبُّنَا عَاجٌّ کا مطلب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام رَبُّنَا عَاجٌّ ''براہین احمدیہ'' صفحہ 556 پر درج ہے۔ جس پر عام طور پر بہت تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ اور سیّد حبیب صاحب نے بھی اسے غیر واضح الہامات کی فہرست میں پیش کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عَاجٌ کے معنی ''ہاتھی دانت'' کے ہیں۔ اور اس لئے رَبُّنَا عَاجٌ کے معنی ہوئے ہمارا ربّ ہاتھی دانت ہے۔ گویا مرزائیوں کا خدا ہاتھی دانت کا بنا ہوا ہے۔ لیکن اگر لغت اور محاورہ عرب کو دیکھا جائے تو عَــــاجٌّ (بہ تشدید جیم) کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ ''قاموس'' میں جو لغت عرب کی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے، اس لفظ کے معنی یوں بیان کئے ہیں۔ عـجّ صاع ورفع صوتہ۔ یعنی عجّ کے معنی ہیں چیخا اور اپنی آواز کو بلند کیا۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ یا رسول اللّٰہ ای الحجّ افضل قال العَجُّ والتج ۔ اس کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی (کتاب المناسک فصل ثانی) میں ان الفاظ کے نیچے ہی یہ لکھا ہے ایّ الحج افضل: اے ایّ افعال العجّ افضل العجّ: اے رفع الصوت بالتلبية. یعنی ای الحجّ افضل سے یہ مراد ہے کہ حج کے کون سے افعال بہتر ہیں۔ اور العجّ کے معنی ہیں لبیک کہہ کر آواز بلند کرنا۔ ایسا ہی ''مجمع البحار'' صفحہ 349 پر اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے عــــجّ فھو اعجاج وعاجٌ ھو رفع الصوت بالتلبية. یعنی عجّ جس سے اعجاج اور عاجّ مشتق ہے، اس کے معنی لبیک کہہ کر آواز بلند کرنے کے ہیں۔ تو رَبُّنَا عَاجٌّ کے معنی ہوں گے ''ہمارا

ربّ آواز بلند کرنے والا ہے''۔ اور اس سے پہلے جو الہامی فقرہ ہے۔ اس کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو معنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ اس سے پہلے ہے **ربّ اغفر و ارحم من السمآء**. اے میرے ربّ! مغفرت فرما اور آسمان سے رحم کر۔ اور اس کے بعد فرمایا **رَبَّنَا عَاجٌّ**. جس کے معنی ہوں گے ہمارا رب دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔ یعنی یہ دعا مقبول ہوگئی۔ فرمایئے۔ اس میں کہاں ''ہاتھی دانت'' کا ذکر ہے! اور تمسخر و استہزاء کا کونسا موقعہ ہے؟! افسوس ہے۔ آج ہمارے مخالفین کی علمی حالت یہاں تک گر چکی ہے کہ ایک معمولی لفظ کے لغوی معنوں سے بھی شناسائی نہیں اور اپنے پاس سے ایسی ایسی باتیں گھڑی جاتی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔

مسیح موعودؑ کے الہامات کو قرآن کریم کی وحی سے مثال دینا غلط ہے

ان تمام الہامات کو نقل کرنے کے بعد سیّد صاحب لکھتے ہیں ''کیا ایسے الہامات، جن کے الفاظ مبہم ہوں، اس خداوند کریم کی طرف سے ہو سکتے ہیں جس نے قرآن پاک ایسی کتاب نازل کی۔ محمدؐ جیسا فہیم و کلیم رسول بھیجا اور جو دنیا کو دعوت دیتا ہے کہ عقل سے کام لو۔ فہم سے کام لو، نہیں اور ہرگز نہیں''۔

کیا یہ الفاظ ایک ایسے شخص کے قلم سے نقل سکتے ہیں جس کو علم سے اس قدر حصہ دیا گیا ہو کہ وہ نبی اور غیر نبی کی وحی میں فرق کر سکتا ہو۔ قرآن کریم کی وحی اور اولیاء اللہ کی وحی کے اصولی امتیاز کو جانتا ہو۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو کے فرق کو سمجھ سکتا ہو۔ تشریعی اور غیر تشریعی الہام کا فرق اسے معلوم ہو اور تابع اور متبوع کے الہامات کی غرض و غایت کے فرق کو سمجھتا ہو۔ ان تمام باتوں کو ہم اوپر تفصیل سے واضح کر آئے ہیں۔ افسوس ہے کہ سیّد حبیب کو علمِ دین کے ان مبادیات سے ناواقفیّت رکھنے کے باوجود اعتراضات کی جرأت ہے، جو کسی حق پسند انسان کا کام نہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی نبوّت کا نہیں، اس لئے ان

کی وحی کا وہی درجہ ہے جو غیر نبی اور تابع کو نبی متبوع کے بالمقابل حاصل ہے۔ اس کو قرآن کے معیار سے ناپنا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہمِ رسالت کو پیش کرنا کسی سمجھدار انسان کا کام نہیں۔

واضح الہامات کو کیوں پیش نہیں کیا گیا؟

لیکن کیا سیّد حبیب کا کام صرف یہی تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں سے چند مبہم اور غیر واضح فقرات اور الفاظ کو نقل کر کے قارئین کے دلوں میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ صرف یہی وہ الفاظ ہیں جن کو مرزا صاحب مکالمہ الٰہیہ کے نام سے پیش کرتے تھے؟ کیا ان کا فرض نہ تھا کہ جہاں اتنے غیر واضح اور مبہم الہامات پیش کئے تھے، وہیں ان سینکڑوں اور ہزاروں الہامات میں سے، جو بالکل واضح اور اخبار غیبیہ پر مشتمل ہیں اور جن کی صداقت بعد کے واقعات سے ثابت ہو چکی ہے، چند ایک ہی پیش کر دیتے۔ مثلاً بنگالہ کی دلجوئی۔ ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت۔ روم کی مغلوبیّت اور پھر قریب کی زمین میں غلبہ کی پیشگوئی۔ طاعون اور زلزلوں کی پیشگوئیاں جبکہ ان کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ لیکھ رام کے قتل کی پیشگوئی۔ مقدمہ قتل سے بریّت کی پیشگوئی۔ جنگِ عظیم کی پیشگوئی اور اسی قسم کی سینکڑوں قبل از وقت اطلاعات اور دعاؤں کے جوابات۔ کیا یہ اس قابل نہ تھے کہ سیّد صاحب ایک بااصول محقق کی حیثیت سے ان پر نظر ڈالتے اور انہیں بھی اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتے؟ آخر وہ کون ہستی تھی جس نے قبل از وقت ان سب باتوں کی اطلاع حضرت مرزا صاحب کو دی۔ کیا تقسیمِ بنگال کے بعد کوئی بڑے سے بڑا سیاست دان بھی یہ کہہ سکتا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ بنگالیوں کی دلجوئی کے لئے اس تقسیم کو اُڑا دیا جائے گا؟ جو مشرقی اور مغربی بنگال کے نام سے کی گئی تھی؟ کیا روس کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ میں جاپان کو کوئی شخص ایک ''مشرقی طاقت''

کا نام اس وقت دے سکتا تھا جبکہ ابھی روس اور جاپان کی جنگ بھی نہ چھڑی تھی ۔ اس وقت کس کو علم تھا کہ ’’ کوریا کی نازک حالت ‘‘ سے کیا مراد ہے ۔ لیکن بعد کے پیدا ہونے والے واقعات نے ان دونوں باتوں کو واضح کر کے حضرت مرزا صاحب کا مکلّم من اللہ ہونا اظہر من الشّمس کر دیا ۔ اور روم کی مغلوبیّت اور قریب ہی کی زمین میں دوبارہ غالب آنے کا نظارہ تو ابھی کل کی بات ہے ۔ حضرت مرزا صاحب تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے ۔ کس نے ان کو اپنی زندگی میں اس کی خبر دے دی ؟ کس نے جنگ عظیم کا وہ ہولناک نظارہ آپ کو دکھایا جو شہروں اور دیہات کی تباہی ، مخلوق خدا کی گھبراہٹ اور ایک انقلاب عظیم کے برپا ہونے ، زمین کے زیروزبر ہونے ، خون کی ندیاں چلنے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زار(1) کے ’’ باحال زار ‘‘ ہونے سے تعلق رکھتا ہے؟ کیا یورپ کا کوئی بڑے سے بڑا سیاست دان 1905ء میں جبکہ یہ پیشگوئی کی گئی ، اس ہولناک جنگ کا قیاس بھی کرسکتا تھا ۔ چہ جائیکہ ان تفصیلات پر روشنی ڈال سکتا جو دیگر باتوں کے علاوہ زار روس کی تباہی اور اس کی عظیم الشان سلطنت کے انقلاب سے تعلق رکھتی ہیں ۔ کاش ! کوئی انصاف کی آنکھیں لے کر اس پیشگوئی کو پڑھے اور یورپ کی اس وقت کی سیاسی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر غور کرے ، جب یہ پیشگوئی کی گئی تھی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ایسی قبل از وقت اطلاعات دینا اس شخص کا کام نہیں جو پنجاب کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہے اور یورپ کی سیاسی زندگی سے اسے مس تک نہیں ۔ اس وقت تو یورپ کا کوئی بڑے سے بڑا مدّبر بھی ایسی باتوں کو وہم وقیاس میں نہیں لا سکتا تھا تو مرزا صاحب کو کس طرح قبل از وقت معلوم ہو گئیں ؟ ! کیا یہ خدائے علیم وخبیر کا کام نہیں ؟ آخر اس بات کے اعتراف میں کیا نقصان ہے کہ یہ خبریں خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو دیں کہ وہ دنیا کو قبل از وقت سنا دیں تا کہ وقت آنے پر اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک اور زبردست نشان قائم ہو اور دنیا

---

1 ۔ زار : روس کے حکمران کا لقب ۔

کو معلوم ہو جائے کہ اسلام وہ پاک مذہب ہے کہ اس پر چل کر، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عظیم الشان ہستی ہے، اس کی متابعت کر کے، انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا اور اس سے غیب کی خبریں پاتا ہے۔ موقعہ نہیں کہ باقی پیشگوئیوں کو بھی تفصیل کے ساتھ یہاں دوہرایا جائے۔ آگے چل کر پیشگوئیوں کی بحث میں ان پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔ لیکن ہمیں سیّد حبیب سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا انہوں نے ان تمام واضح پیشگوئیوں اور الہامات کو چھپا کر اور چند مبہم الفاظ کو نقل کر کے اپنی حق ناشناسی کا ثبوت نہیں دیا؟ یہ کس قدر ظلم ہے کہ الہامات کا نام لیتے ہوئے صرف ان چند الفاظ کو پیش کر دیا جائے جن کے متعلق ملہم کو خود اقرار ہے کہ ان کے مطالب واضح نہیں ہوئے۔ لیکن ان سینکڑوں الہامات کا نام تک نہ لیا جائے جو اہم اخبارِ غیبیہ پر مشتمل اور اپنے وقت پر پورے ہو کر اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی شہادت دے چکے ہیں۔ یہ مرزا صاحب کی تکذیب نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے، جن کے افاضہ روحانی کے ثبوت میں مرزا صاحب نے ان الہامات کو پیش کیا ہے۔ یہ اسلام کی تکذیب ہے، جس کے زندہ اور خدا نما مذہب ہونے کے ثبوت میں ان پیشگوئیوں کو شائع کیا ہے۔ کیا کوئی حق پسند ہے کہ ان پر غور کرے؟!

سیّد حبیب کی گیارھویں دلیل

احمدیّت کے ناقابل قبول ہونے کی گیارھویں دلیل سیّد حبیب نے یہ پیش کی ہے کہ ''مرزا صاحب کے ایسے الہامات کی وجہ سے مدعیانِ نبوّت کے لئے ایک میدان وسیع پیدا ہو گیا ہے۔ آئے دن ایک نبی علمِ نبوّت بلند کرے گا اور کہے گا کہ مرزا صاحب کے فلاں الہام کی وضاحت کے لئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے''۔

غیر واضح الہامات اور مدعیان نبوّت کے لئے گنجائش

میں حیران ہوں کہ ان فرضی اور وہمی باتوں کا، جنہیں دلائل کے نام سے پیش کیا جا

رہا ہے، کیا جواب دوں۔ یہ کس نے کہا ہے کہ مرزا صاحب کے الہامات کی وضاحت کسی نبی کے ذریعہ سے ہونی ضروری ہے۔ کیا حضرت مرزا صاحبؑ نے کہیں لکھا ہے کہ میرے جن الہامات کی وضاحت اس لئے نہیں ہوئی، ان کو آئندہ کوئی نبی ہی مبعوث ہو کر واضح کرے گا۔ کوئی دوسرا شخص واضح نہیں کرسکتا۔ اور اگر واضح نہ بھی ہوں تو کیا اندھیر آجائے گا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مجدّد تھے نہ کہ نبی۔ ایک مجدّد کا کام دین پر لوگوں کو قائم کرنا اور مروّجہ غلطیوں کو دور کرنا ہے۔ اپنے الہامات کو منوانا اور ان کی وضاحت اور تبلیغ اس کا کام نہیں۔ اس کے الہامات محض مؤیدات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے تعلق اور ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی الہام ایسا ہے جس کی سمجھ نہیں آئی تو ہم مکلّف نہیں کہ اس کو سمجھنے اور عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ عمل کے لئے فقط قرآن کریم اور سنّت نبویؐ ہے۔ مجدّد اسی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، اپنے الہام کی طرف نہیں بلاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اگر میرا کوئی الہام قرآن کے خلاف ہو تو اُسے ''ردّی چیز اور کھانسی کے مادہ کی طرح پھینک دوں''۔ اس سے مجدّد کے الہام اور قرآن کی وحی کا فرق ظاہر ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ مرزا صاحب کے الہامات قرآن کی طرح واضح نہیں اور اس لئے وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتے۔ اور اس پر ایک اور نتیجہ یہ پیدا کرلے کہ ایسے غیر واضح الہامات سے مدعیانِ نبوّت کے لئے میدان وسیع ہوگیا ہے، وہ سوائے اس کے، کہ اپنی کم علمی اور کوتاہ فہمی کا ثبوت دیتا ہے، اور کیا ہے۔ کیا غیر واضح الہامات فی الواقعہ لوگوں کے لئے دعویٰ نبوّت کی گنجائش پیدا کرتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے پیشتر اُمت محمدؐیہ میں جو مدعیانِ نبوّت پیدا ہوتے رہے، وہ کس کے الہامات کی وضاحت کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ حدیث میں جو ثلاثون کذّبون کلّھم یزعم انّہ نبی اللّٰہ کی پیشگوئی ہے، وہ کن الہامات کی وضاحت کرنے والوں کے متعلق ہے۔ سیّد حبیب صاحب کی دلیل اگر صحیح ہے تو

ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں بھی کوئی ایسے غیر واضح الفاظ ہیں جن کی وجہ سے ان مدعیان نبوّت کے لئے وسیع میدان پیدا ہو گیا، جنہوں نے اپنی بعثت کی غرض ان الفاظ کی تشریح وتوضیح قرار دی۔ لیکن اس صورت میں سیّد صاحب کی دسویں دلیل، کہ الہام الٰہی میں کوئی بات غیر واضح نہ ہونی چاہئیے، خود باطل ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہ تو الہام کے غیر واضح الفاظ کسی مامور من اللہ کے صدق وکذب کا معیار ہیں، اور نہ ایسے الفاظ دوسروں کے لئے دعوئ نبوت کی کوئی گنجائش پیدا کرتے ہیں۔ سیّد حبیب صاحب نے نام کو تو احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کے دلائل لکھے ہیں، لیکن ایسی بودی اور پھس پھسی باتوں کا نام دلائل رکھنا علم وعقل کی توہین کرنا ہے۔ جس شخص کو اتنا معلوم نہیں کہ نبی اور غیر نبی کے الہامات میں اصولاً کیا فرق ہوتا ہے، وحی نبوّت اور وحی ولایت کے کیا امتیازی نشانات ہیں، اور وہ دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دے کر غلط نتائج نکالنا چاہتا ہے، اس کی تحقیق کو تحقیقِ حق کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اور اس کے دلائل کو علم وعقل سے کیا تعلق ہے؟!

سیّد حبیب کی بارھویں دلیل

مسئلہ نبوّت ہی کے ضمن میں آخری مایہ نازل دلیل، جو سیّد صاحب نے پیش کی ہے، اور جو ان کے نزدیک احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کی بارھویں دلیل ہے، یہ ہے کہ

> ''کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب امّتی نبی ہیں۔ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امّتی ہیں، اس پر جو کتاب نازل ہوئی، اس میں متعدد انبیاءؑ کے اسمائے گرامی موجود ہیں۔ لیکن مرزا صاحب پر جو الہام نازل ہوئے، ان میں کسی ایسے امّتی نبی کا نام نہیں آیا جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبعوث ہوا ہو۔ لیکن مرزا صاحب نہایت فصاحت سے حقیقۃ الوحی

> کے صفحہ 391 پر لکھتے ہیں کہ ''تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی''۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ مرزا صاحب واحد امّتی نبی ہیں جو تیرہ سو سال میں مبعوث ہوئے۔ پھر ہر صدی میں محدّث کا آنا کیسا اور مرزا صاحب کا مجدّد الف ثانی ہونا لایعنی۔ یہ دونوں امور تو پیشتر و کے طالب ہیں''۔

الہامات میں امّتی نبیوں کے نام کیوں نہیں؟

کتنی زبردست دلیل ہے۔ افلاطون کی تمام منطق اور ارسطو کا سارا فلسفہ اس پر قربان ہے۔لیکن کم از کم یہ بتا دیا جاتا کہ کون سے قرآن میں کسی امّتی نبی کی صداقت کا یہ نشان بتایا گیا ہے کہ اس کے الہامات میں سابق امّتی نبیوں کے نام ہونے چاہئیں۔قرآن کریم میں سابق انبیاءؑ کے نام تو اس غرض سے لئے گئے ہیں کہ ان پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔اوراس کے علاوہ ان انبیاءؑ کے واقعات زندگی ،ان کی دعوت الی الحق ، دشمنوں کا طوفانِ مخالفت اور ایذاء رسانی اور حق کو مستاصل کرنے کی کوشش اور آخرکار حق کو فتح اور ان انبیاءؑ کا غلبہ بتا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ڈھارس دینا اور مخالفین اسلام کو عبرت دلانا مقصود تھا۔لیکن جس حالت میں ایک امّتی نبی (جو محدّث کا دوسرا نام ہے) نہ تو مؤمن بہ ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہ ہو سکے،اور نہ قرآن میں انبیاء کرامؑ کے تذکروں کے ہوتے ہوئے سابق محدّثین کے واقعات زندگی کو دوہرانے کی ضرورت ہے،تو ان کے نام بھی الہامات میں آنا ضروری نہیں۔

صفحہ 391 ''حقیقۃ الوحی'' اور سابق محدّثین و مجدّدین

رہا حقیقۃ الوحی کا صفحہ 391،اس کی فصاحت کا اعتراف حبیب صاحب کو ہو یا نہ ہو،

کم ازکم اس سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اس سے پیشتر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے یہ بتا چکے ہیں کہ وہاں صرف اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جس میں آنے والے مسیح کو نبی کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں دوسرے محدّثین کو حدیث میں مجملاً کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کہا گیا ہے، وہاں مسیح موعود کو اس کا غلبہ مشابہت ظاہر کرنے کے لئے حرفِ تشبیہ حذف کر کے نبی کہہ دیا گیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے چند بہادر انسانوں کے متعلق کہا جائے کہ وہ شیر کی طرح بہادر ہیں۔ اور ان میں سے ایک کو، جو زیادہ دلیر ہو، کہہ دیا جائے کہ وہ تو شیر ہے۔ ظاہر ہے کہ بہادر وہ بھی ہیں اور یہ بھی۔ لیکن کمی وزیادتی کا فرق ہونے کی وجہ سے مؤخرالذکر کے نام سے حرف تشبیہ حذف کر کے اس کی خصوصیّت کر دی گئی۔ پس ''نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص ہوں'' کے فقرہ میں دیگر محدّثین کے اُمّتی نبی ہونے کا انکار نہیں۔ اُمّتی نبی وہ بھی ہیں اور حضرت مرزا صاحب بھی۔ لیکن مؤخرالذکر کو سب سے زیادہ کثرتِ مکالمہ پانے کی وجہ سے حدیث میں حرف تشبیہ حذف کر کے خصوصیّت سے نبی کہہ دیا گیا۔ اس خصوصیّت کو نہ اصلی اور حقیقی نبوّت قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ دوسرے محدّثین کے اُمّتی نبی ہونے میں یہ رکاوٹ ہے۔ معلوم نہیں سیّد حبیب کو کیوں یہ وہم پیدا ہوا کہ مرزا صاحب نے تیرہ سو سال میں اپنے واحد اُمّتی نبی ہونے کا دعوٰی کیا ہے، کم ازکم سیاق وسباق عبارت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔

یہ فقرہ کہ ''پھر ہر صدی میں محدّث کا آنا کیسا اور مرزا صاحب کا مجدّد الف ثانی ہونا لایعنی''۔ جناب حبیب کے عجائبات علمی کا ایک اور شاندار نمونہ ہے۔ اجی صاحب! ہر صدی میں محدّث کا آنا نہیں بلکہ مجدّد کا آنا کہیے۔ محدّثین تو اس امت میں بے شمار ہوئے۔ مجدّد ہی ہر صدی کے سر پر آتے رہے ہیں اور حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ 391 میں اُن کے آنے کی نفی نہیں کی، صرف ایک خاص رنگ میں اپنی خصوصیت بیان کی ہے۔ تعجب ہے آپ

اتنی موٹی بات کونہیں سمجھ سکتے۔ اور پھر کیا عجیب فقرہ لکھتے ہیں کہ ''مرزا صاحب کا مجدّد الف ثانی ہونا لایعنی''۔ یہ آج معلوم ہوا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی ''مجدّد الف ثانی'' ہونے کا ہے۔ آج تک تو یہی سنتے تھے کہ مجدّد الف ثانی ہونے کا دعوٰی شیخ احمد صاحب سرہندیؒ کو تھا جن کا مزار آج تک سرہند میں اسی نام سے مشہور ہے۔ لیکن حبیب صاحب کا کمال دیکھئے کہ ان سے یہ خطاب چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو بھی ان بزرگوار کا شرف محبت نصیب ہوا ہے جنھوں نے اپنے کمالات شعر میں دکھایا ہے ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا　　الا یا ایہا الساقی اور کاساً وناولہا

سیّد حبیب کی تیرھویں دلیل

اپنے مضمون کی بارھویں قسط میں سیّد صاحب نے احمدّیت کے نا قابل قبول ہونے کی جو تیرھویں دلیل پیش کی ہے، وہ بعینہٖ وہی ہے جس کو دسویں دلیل کے نام سے اس سے قبل پیش کیا جا چکا ہے۔ صرف الفاظ کا فرق ہے۔ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ ذیل میں ہم دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل نقل کئے دیتے ہیں جس سے قارئین کرام پر یہ واضح ہو جائے گا کہ دسویں دلیل کو محض دلائل کا نمبر بڑھانے کے لئے دوبارہ بہ تغیّر الفاظ ''تیرھویں دلیل'' کے نام سے نقل کر دیا گیا ہے جس کا مفصل جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔

دسویں دلیل	تیرھویں دلیل
دسویں دلیل، جو مجھے مرزا صاحب کی تحریک کے قبول کرنے سے مانع ہے، یہ ہے کہ مرزا صاحب پر ایسے الہامات ہوئے جو ان کے فہم	مرزا صاحب کی تحریک کے خلاف میری تیرھویں دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے الہام خود سمجھنے سے قاصر رہے۔ جس کے معنی یہ

میں نہیں آئے۔ حالانکہ میرے علم ویقین کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبرؑ یا نبیؑ ایسا نہیں گذرا جس پر خدا نے اس قدر بے اعتمادی کی ہو کہ اس کو پیام بھیجا ہو اور پھر اس پیام کے معنی نہ سمجھائے ہوں۔ معاذ اللہ اس سے تو خدا پر بخل کا الزام ثابت ہوتا ہے۔ یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے کسی کو منتخب کر لیتا ہے اور پھر اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور یہ بات خدائے علیم وحکیم کی شان کے خلاف ہے۔	ہیں کہ انہیں قدرت کی طرف سے ایسا علم نہیں دیا گیا جو ان کے مقصد بعثت کے لئے کافی ہوتا۔ پس وہ نبی مبعوث نہ تھے ورنہ اللہ تعالیٰ جو الہام نازل فرماتا، اس کا فہم انہیں ضرور عطا کرتا۔

فرمایئے۔ان دونوں دلائل میں کیا فرق ہے۔کیا دونوں میں ایک ہی بات کو مختلف الفاظ میں بیان نہیں کیا گیا؟ دسویں دلیل میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ مرزا صاحب پر ایسے الہامات ہوئے جو خود ان کے فہم میں نہیں آئے۔اور کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو خدا نے اس پیام کے معنی نہ سمجھائے ہوں جو اس کی طرف بھیجا گیا۔اور یہی بات تیرھویں دلیل میں ہے کہ مرزا صاحب اپنے الہام کے معنی خود سمجھنے سے قاصر رہے، اس لئے وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ان دونوں میں مفہوم کا کیا فرق ہے؟ مرزا صاحب اپنے الہام کے معنی سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔ میں حیران ہوا کہ قارئین ''سیاست'' کو سیّد صاحب نے اس قدر کم فہم کیوں سمجھ لیا کہ وہ ان کی مایہ ناز دسویں اور تیرھویں دلیل کا وہ مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتے۔آخر یہ بے اعتمادی ان کے حافظہ پر کیوں ہے کہ جس بات کو دسویں دلیل میں پیش کیا گیا تھا، وہ انہیں بھول گئی ہوگی۔اس لئے اسی کو الفاظ بدل کر تیرہویں دلیل بنا دیا گیا؟ ظاہر ہے کہ سیّد صاحب کے مدِّ نظر محض دلائل کا نمبر بڑھانا تھا جو کسی منصف مزاج محقق کا کام نہیں۔

تفہیم الہامات اور انبیاء کرامؑ

یہ امر، کہ اپنے بعض الہامات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب نبی نہیں ہو سکتے، ایک اور پیش پا افتادہ غلطی ہے۔ اوّل تو، جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں، ان کا کوئی دعوٰی نبی ہونے کا نہیں۔ اور دوسرے جہاں تک الہامات کو سمجھنے کا تعلق ہے، یہ بھی ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ خود انبیاءؑ کو بھی اپنے بعض الہامات کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ اور ہمیشہ ہر مامور من اللہ کو ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں کہ اپنے الہام سے جو استنباط انہوں نے کیا، بعض وقت وہ غلط ثابت ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مفہوم اس سے کچھ اور تھا۔ حضرت نوحؑ کا اپنے اس الہام سے، کہ اپنے اہل کو بھی اپنے ساتھ کشتی پر بٹھالیں، یہ استدلال کرنا کہ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ (میرا بیٹا میرے اہل سے ہے) اور جناب الٰہی کا جواب کہ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ (ھود 46:11) (وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے) اس پر ایک کھلی ہوئی شہادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رؤیا سے، کہ کھجوروں والے مقام کی طرف آپؐ نے ہجرت کی ہے، یمامہ مراد لینا، اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ انبیاء کرامؑ حتّٰی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے رؤیا اور الہامات کے سمجھنے میں، جو شریعت سے تعلق نہیں رکھتے، غلطی لگ جاتی تھی۔ پھر مرزا صاحب تو نبی بھی نہ تھے۔ ان کا درجہ تو امتیّت اور محدّثیّت کا تھا۔ ان کو اگر اپنے کسی الہام کی تفہیم میں غلطی لگ جائے یا اس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں، تو کونسی بڑی بات ہے، جو الہامات آئندہ کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا قبل از وقت سمجھ میں آنا مشکل ہوتا ہے اور جب وہ واقعات کی صورت اختیار کرتے ہیں تو عقل انسانی حیرت اور وجد میں آجاتی ہے کہ ان واقعات کو قبل از وقت بتا دینا، جب کسی کا وہم وگمان بھی اس طرف نہ جا سکتا تھا، کسی انسان کا کام نہ تھا۔

''آہ! نادر شاہ کہاں گیا''

حال ہی میں دیکھ لیجئے۔نادر شاہ غازی والئی افغانستان کی شہادت نے حضرت مرزا صاحب کے الہام ''**آہ! نادر شاہ کہاں گیا**'' کو جس صفائی کے ساتھ پورا کیا ہے، کیا وہ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے تخیلات نہ تھے بلکہ اس خدائے واحد کا کلام تھا جو غیب کا علم رکھنے والا اور دُور کی باتوں کو جانتا ہے۔1905ء میں، جبکہ حضرت مرزا صاحب کو یہ الہام ہوا، کون جانتا تھا کہ افغانستان میں نادر شاہ کی حکومت بھی کسی وقت ہوگی۔کون اس بات کو وہم وخیال میں بھی لاسکتا تھا کہ افغانستان کی زمامِ حکومت ایک خاندان سے نکل کر دوسرے خاندان کے ایک فوجی افسر کے قبضہ میں چلی جائے گی۔اس وقت تو غازی نادر شاہ کا وجود افغانستان میں کوئی اہمیّت بھی نہ رکھتا تھا، چہ جائیکہ ان کے تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونے کا وہم بھی پیدا ہوسکتا۔اوران کی شہادت اتنی اہمیت حاصل کرسکتی ،جیسی کہ اب زبان خلق اس الہام الٰہی کی عملی تفسیر بن کر پکار اٹھی کہ ''آہ! نادر شاہ کہاں گیا''۔لیکن 1905ء تو دور کی بات ہے، آج سے تین چار سال پہلے بھی جب غازی نادر شاہ افغانستان کی طوائف الملوکی پر غالب آ کر تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہو گئے ،کون کہہ سکتا تھا کہ الہام انہیں کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ''زمیندار'' نے اس وقت اسی الہام کے متعلق تعریضًا لکھا کہ نادر شاہ تو کامیاب ہو گئے، مرزا صاحب کا یہ الہام تو پورا نہ ہوا۔خدا کی شان آج وہی ''زمیندار'' انہی غازی نادر شاہ کی شہادت کو''حادثہ فاجعہ'' قرار دے کر اس الہام کی عملی تصدیق کر رہا ہے۔کیا یہ واقعات سیّد حبیب کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں۔کیا اگر آج سے ستائیس سال پیشتر کوئی شخص اس الہام کی تشریح پوچھتا تو اس کا صحیح مفہوم بتایا جاسکتا تھا؟اس وقت کوئی شخص سیّد حبیب کے لباس میں کھڑے ہوکر اگر کہتا کہ چونکہ مرزا صاحب کے اس الہام کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا،اور نہ خود مرزا صاحب نے اس کا کوئی مفہوم بتایا ہے،اس لئے یہ

الہام الٰہی نہیں ہوسکتا، تو کیا یہ صحیح تھا؟ یہی حال ان الہامات کا سمجھ لیجئے جن کا مفہوم اس وقت بھی سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ممکن ہے ان میں آئندہ کے بعض واقعات کی طرف مجمل اشارات ہوں جو اپنے موقعہ پر سمجھ میں آئیں۔

تفہیمِ قرآن اور علماءِ اسلام

اس کو احمدّیت کے نا قابل قبول ہونے کی دلیل اگر بنانا ہے تو سب سے پہلے قرآن کو جواب دیجئے جس کی بعض آیات اس وقت تک آپ کے علماء کے نزدیک نا قابل فہم ہیں اور ان کی حقیقت قیامت سے پہلے نہیں کھل سکتی۔ الٓمّٓ، طٰہٰ، طٰسٓ، طٰسٓمّٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ، الٓمّٓصٓ، الٓمّٓرٰ، الٓرٰ، یٰسٓ، حٰمٓ، صٓ، قٓ وغیرہ حروف، جو اکثر سورتوں کے پہلے آتے ہیں، کیا ان کے متعلق علماء اسلام کا یہ خیال نہیں کہ ان کے معنی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ کیا متشابہ آیات کے متعلق علماء اسلام کا عقیدہ یہ نہیں کہ **مَایَعْلَمُ تأوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہ**. خدا کے سوائے ان کے معنی اور کسی کو معلوم نہیں۔ پھر کیا کبھی سیّد حبیب نے اس بنا پر قرآن کو نا قابل قبول قرار دیا کہ اس میں بعض آیات ایسی پائی جاتی ہیں جن کے مطالب اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتے۔ اگر وہاں اس بات کی ضرورت نہیں تو حضرت مرزا صاحب کے الہامات کی عدم تفہیم کو کیوں نا قابل قبول ہونے کی دلیل گردانا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا مقصدِ بعثت

سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ ''وہ (یعنی مرزا صاحب) الہام کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں قدرت کی طرف سے ایسا علم نہیں دیا گیا جو ان کے مقصدِ بعثت کے لئے کافی ہو''۔

فقرہ اگرچہ مہمل سا ہے لیکن اس سے ان کا مطلب غالباً یہ ہے کہ جب حضرت مسیح موعود کو اپنے الہامات کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آئے تو بَلِّغ مَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ (المائدۃ 67:5) پر وہ کیونکر عامل ہو سکتے تھے۔ اور جب وہ اس چیز کو، جو ان پر نازل ہوئی ہے، دنیا میں پہنچا نہیں سکتے تو ان کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ فی الحقیقت یہ ایک بڑی بھاری غلطی ہے جو انہیں شروع سے لگ رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود اگرچہ مامور من اللہ ہیں، لیکن ان کی بعثت کا مقصد بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ نہیں بلکہ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ فِی الْقُرْاٰنِ ہے۔ آپ قرآن کی تبلیغ کے لئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو منوانے کے لئے مبعوث ہوئے، نہ کہ اپنے الہامات کو دنیا میں پہنچانے کے لئے۔ آپ کے الہامات کوئی شریعت نہیں کہ ان کا دنیا میں پہنچانا ضروری ہو یا دنیا ان کو ماننے کی مکلّف ہو۔ مبشّرات اور پیشگوئیوں کا ماننا ایمانیات کا جزو نہیں اور نہ وہ کوئی قابلِ عمل چیزیں ہیں۔ قابل عمل ایک ہی چیز ہے۔ شریعت محمدؐیہ۔ اسی کی تبلیغ کے لئے گذشتہ تیرہ سو صدیوں میں مجدّد آتے رہے اور اسی کے آگے دنیا کا سر جھکانے کے لئے حضرت مرزا صاحب کو کھڑا کیا گیا۔

اگرچہ موجودہ زمانہ کے فتنہ اور عالمگیر بے دینی اور تثلیث و مادہ پرستی کے زور نے اس کام کی اہمیّت کو اس حد تک بڑھا دیا کہ آپ کا درجہ اپنی شان اور اپنے کام کے لحاظ سے دوسرے اولیاء اور مجدّدین کرام سے بہت بلند ہو گیا۔ اگرچہ کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کی وجہ سے، جو موجودہ زمانہ کی ضروریات میں سے ایک نہایت اہم ضرورت تھی، آپ کا نام مجازاً نبی رکھا گیا، لیکن اپنے منصب کے لحاظ سے آپ انہی اولیاء اللہ، انہی محدّثین کرام اور انہی مجدّدین عظام کے زمرہ میں ہیں جن کے الہامات شریعت کا درجہ نہیں رکھتے کہ دوسرے لوگ ان کے مکلّف ہو سکیں اور اس لئے ان کی تبلیغ دنیا میں ضروری ہو۔ آپ کا مقصدِ بعثت تبلیغ اسلام ہے اور اس کو حضرت مرزا صاحب نے بوجہ احسن پورا کیا ہے۔ جس طرح آپ نے اس مقصد پر عمل پیرا

ہوکر اسلام کا پیغام اکنافِ عالم میں پہنچایا ہے، اس کی نظیر قرون اولیٰ کے سوائے اور کہیں نظر نہیں آتی۔ کاش! بغض وحسد نے مولویوں کی نظروں کو خیرہ نہ کر دیا ہوتا تو آج اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک دنیا حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہوتی اور بہت حد تک یہ کام سرانجام پا چکا ہوتا۔ اب بھی آپ کی چھوٹی سی جماعت جس ہمّت اور تن دہی کے ساتھ اس عظیم الشان کام میں منہمک ہے، وہ آپ کے مقصدِ بعثت کو پورا کرنے کا موجب اور آپ کی مجدّدیت اور مسیحیّت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ کیا سیّد حبیب کی آنکھیں کھلی ہیں کہ اس کو دیکھیں اور اس عظیم الشان کام میں اس جماعت کے ساتھ شامل ہوکر اپنی ہمدردیٔ اسلام کا ثبوت دیں۔

سیّد حبیب کی چودھویں دلیل

اسی ضمن میں ایک اور بات سیّد صاحب فرماتے ہیں ''نیز مرزا صاحب کے الہامات میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان پر بعض اوقات قرآن شریف کی پوری آیات اور حدیث شریف کے پورے پورے فقرے بطور الہام نازل ہوئے''۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود کے چند الہامات نقل کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

> اَنْتَ مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ. اِنَّآ اَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرَ (الکوثر 108:1). وَمَآ اَرْسَلْنَاکَ اِلَّارَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ. (الانبیآء 107:21) دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ (بِاِذْنِہٖ) وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا. (الاحزاب 46:33) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی. اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. (النجم 53:3-4) دَنَا فَتَدَلّٰی. فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. (النجم 53:8-9)

ان الہامات کو نقل کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ ''اگر اس قسم کے الہامات کو صحیح مان لیا جائے تو یہ حسنِ عقیدت کی انتہاء ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ جس کا جی چاہے، وہ قرآن شریف کی چند آیات لے کر اعلان کر دے کہ یہ اس کی شان میں بذریعہ وحی نازل ہوئی

ہیں، لہٰذا وہ پیغمبر ہے۔ تعجب ہے ایک انسان تو اپنے دس نوکروں کو دس اسنادایسی دے سکتا ہے جس میں حسن خدمات کا ذکر ایک دوسرے سے مختلف ہو لیکن، معاذ اللہ، خداوند علیم وحکیم یہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے ایک نئے نبی کو سند دیتے ہوئے نئے الفاظ استعمال کر سکے۔ پس مرزا صاحب کے خلاف میری چودھویں دلیل یہ ہے کہ انہوں نے الہامات کے نام سے قرآن وحدیث کی بعض آیات پر تصرّف کیا جو مجھ عاجز کی رائے میں صریحًا تصرّف بے جا ہے''۔

''قرآن وحدیث کی بعض آیات'' کا جملہ قابل غور ہے۔ ''قرآن کی آیات'' تو سنا کرتے تھے لیکن ''حدیث کی آیات'' بنانا سیّد حبیب ہی کے کمالاتِ علمی کا کرشمہ ہے۔ یہ اس شخص کی انشاء پردازی ہے جو مجدّد وقت کے کلام کو ''مبتذل'' قرار دے کر اپنی فضیلت علمی کا سکّہ بٹھانا چاہتا ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر کر کے اس دلیل کی اہمیّت پر غور کیجئے جو سیّد صاحب نے ''مرزا صاحب کے خلاف میری چودھویں دلیل'' کے نام سے پیش کی ہے۔ انہیں اس بات پر اعتراض ہے کہ مرزا صاحب پر قرآن کی آیتیں یا حدیث کے الفاظ کیوں نازل ہوئے۔ آیا یہ اعتراض محض اس وجہ سے قابل وقعت سمجھا جائے کہ سیّد حبیب کے قلم سے نکلا ہے یا قرآن کی کوئی آیت، کوئی حدیث یا کسی سابق بزرگ کا قول بھی اس کا مؤید ہے؟ ظاہر ہے کہ ان تینوں چیزوں میں سے ایک بھی انہوں نے اپنی تائید میں پیش نہیں کی۔ اور ایک بڑی وجہ، جو قرآن کے دوبارہ نزول کے خلاف پیش کی ہے، یہ ہے کہ ''جس کا جی چاہے وہ قرآن شریف کی چند آیات لے کر اعلان کر دے کہ یہ اس کی شان میں بذریعہ وحی نازل ہوئی ہیں، لہٰذا وہ پیغمبر ہے''۔ غالبًا سیّد صاحب نے خدا کی عدالت کو بھی معاذ اللہ اندھیر نگری سمجھ رکھا ہے کہ حق وباطل میں کوئی امتیاز وہاں روا نہیں رکھا جاتا۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص اُٹھ کر جھوٹ موٹ خدا کی طرف کوئی بات منسوب کر دے کہ اس نے مجھے ایسا کہا ہے، خواہ وہ قرآن کی آیات ہوں یا حدیث کے الفاظ، خدا کا فرمان ہے کہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی شہ

رگ کاٹ دیں گے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ. لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنَ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ. (الحآقة 69:44-46) اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ہم اس سے قبل بعض مفسرین کے حوالوں سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بعثت کے بعد 23 سال تک زندہ رہے، اس لئے کسی مفتری کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ دعویٰ الہام کے بعد اسی قدر مدت تک زندہ اور سلامت رہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب دعویٰ الہام کے بعد ایک لمبی مدت تک، جو 23 سال سے زیادہ ہے، بقید حیات رہے جو ان کی صداقت کا کُھلا ثبوت ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ چونکہ الہام میں مجھے مَآ اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ. (الانبیآء 21:107) اور دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ (بِاِذْنِهٖ) وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا. (الاحزاب 33:46) وغیرہ الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے، اس لئے میں پیغمبر ہوں۔ بلکہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع، آپؐ کے فیض روحانیت سے حصہ لینے والا اور ظلّی اور بروزی طور پر مجازاً ان خطابات کو پانے والا قرار دیا۔ یہ ناجائز نہیں۔ خدا تعالیٰ اولیاء اللہ کے قلوب پر اگر سارا قرآن بھی نازل کرے تو اس سے کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ منصب نبوّت پر فائز ہو جاتے ہیں۔ منصب نبوّت اس پاک اور مقدس وجود پر ختم ہو گیا جس پر قرآن کا اصل نزول ہوا۔ اس کے بعد جتنی بار بھی قرآن نازل ہو، وہ اس کا ظلّی نزول ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلّ ہونے کی وجہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتا ہے۔

معلوم نہیں سیّد حبیب کو اس میں کیوں دقّت پیش آتی ہے۔ آج تک اس امّت میں یہی عقیدہ رہا ہے کہ اولیاء اللہ کے قلوب پر قرآن کا نزول ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکّیہ جلد دوم صفحہ 258 باب 159 در مقام رسالت بشریہ میں لکھتے ہیں: **وکذلک تنزل القران علی قلوب الاولیآء ماانقطع مع کونه محفوظا لهم.** ’’اسی طرح قرآن مجید قلوبِ اولیاء پر نازل ہوتا ہے۔ اور باوجود محفوظ ہونے کے منقطع نہیں ہوا‘‘۔

اب فرمایئے۔اس عقیدہ کو کہاں لے جائیں۔اگر سیّد صاحب انہی دلائل پر احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کی بناء رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ سب سے پہلے حضرت محی الدین ابن عربیؒ پر فتوے لگائیں اور ان بزرگانِ اُمّت کو مفتری علی اللہ قرار دیں، جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی طرح اپنے الہامات میں قرآن کی بعض آیات بھی بیان کیں۔انہی میں سے ایک کوٹھہ والے بزرگ ہیں۔جن کا اسم گرامی حضرت سید امیر ہے۔آپ موضع کوٹھہ تحصیل صوابی ضلع پشاور کے رہنے والے اور مولانا عبداللہ غزنوی کے پیر ہیں۔آپ کے الہامات اور ملفوظات کو آپ کے ایک مرید خاص ''علامہ دہر وفہامہ عصر معتصم باللہ ملا ھقی اللہ اخوندزادہ'' نے اپنی کتاب موسومہ ''نظم الدّرفی سلک السیر میں جمع کیا ہے۔اسی کتاب میں لکھا ہے:

''الہام کردہ شد بآنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ بروز دوشنبہ بست ویکم ماہ رجب ایں آیت ہا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ. وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (الاحزاب1:33) **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَاللّٰهَ كَثِيْرًا.**

(الاحزاب21:33)و(ایضاً ص152)

فرمایئے۔کیا سیّد صاحب اس کو بھی قرآن میں تصرفِ بیجا قرار دینے کے لئے تیار ہیں یا ان کے تمام دلائل صرف حضرت مرزا صاحب کی ہی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔اور جہاں دوسروں کا سوال آجائے، وہاں منہ میں گھنگھنیاں ڈال لینا ان کی اور دوسرے معترضین کی عادت ہے۔کیوں نہیں حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے متعلق اعلان کیا جاتا کہ انہوں نے یہ کہہ کر، کہ ''اولیاء اللہ کے قلوب پر قرآن نازل ہوتا ہے''، خطرناک غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ کیوں کوٹھہ والے بزرگ کے الہامات کو غلط قرار دے کر انہیں مفتری علی اللہ قرار نہیں دیا

جا تا۔ بالخصوص جبکہ انہیں یآاَیُّھَاالنَّبِیُّ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اور لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ...... الخ کے الفاظ میں صریحًا رسول اللہ انہیں کہا گیا اور ان کے اُسوہ حسنہ کی اسی طرح پیروی کی ہدایت کی گئی ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کی پیروی کی ہدایت کی گئی۔ غور طلب امر ہے کہ کیوں حضرت مرزا صاحب ہی کے لئے تمہارے تمام اعتراضات وقف ہیں۔ اور جہاں دوسروں کا نام لیا جائے وہاں تمام ترکش خالی ہو جاتے ہیں۔ کیا اس سے ہمارے معترض کی نیّت اور بغض وتعصب ہویدا نہیں؟

ایک اور عجیب بات، جو سیّد صاحب نے اپنی اس مایہ نازل دلیل کے ضمن میں فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ ''تعجب ہے کہ ایک انسان تو اپنے دس نوکروں کو دس اسناد ایسی دے سکتا ہے جن میں حسن خدمات کا ذکر ایک دوسرے سے مختلف ہو لیکن (معاذ اللہ) خداوند علیم وحکیم یہ نہیں کر سکتا کہ وہ ایک نئے نبی کو سند دیتے ہوئے نئے الفاظ استعمال کر سکے''۔

''نئے نبی'' کے الفاظ تو سیّد صاحب کی اختراع ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کا ایسا دعویٰ نہیں۔ تاہم وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلّ اور بروز بے شک ہیں اور اسی وجہ سے ظلّی طور پر ان خطابات کے مستحق ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں دیئے گئے۔

اِنَّآ اَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرَ. (الکوثر 1:108) وَمَآ اَرْسَلْنَاکَ اِلَّارَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ. (الانبیآء 107:21) دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ(بِاِذْنِہٖ) وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا.
(الاحزاب 46:33) وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی...... الخ (النجم 3:53)

اور دَنَافَتَدَلّٰی...... الخ (النجم 8:53) سب ظلّی خطابات ہیں۔ لیکن اس کو آپ کیا کہیں گے کہ قرآن کریم میں مختلف انبیاءؑ کو جو خطابات یا بقول آپ کے ''اسناد'' دی گئی ہیں، ان میں بھی الفاظ ایک ہی ہیں۔ چنانچہ سورہ الصّٰفّٰت میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل

حضرت موسٰی اور حضرت ہارون اور حضرت الیاس علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے ہر ایک کے ذکر کے بعد فرمایا ہے۔ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ. (الصّٰفّٰت 80:37)۔ فرمایئے۔ اس کو بھی آپ اللہ تعالیٰ کا (معاذ اللہ) نقص قرار دیں گے کہ ''وہ نئے نبی کو سند دیتے ہوئے نئے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا''۔ یا اپنی ''علمی فرومائیگی'' کا یہ نتیجہ سمجھیں گے کہ ایسے بودے اور پھُس پھسے اعتراضات آپ کے قلم سے نکلتے ہیں۔ الہامات کے بعد سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی بعض پیشگوئیوں پر بحث کی ہے۔ چونکہ یہ ایک علیحدہ مستقل مضمون ہے، اس لئے اس کو آئندہ صفحات میں شروع کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

اٹھارواں باب

پیشگوئی اور اُمورِ غیبیہ کی حقیقت

سیّد حبیب صاحب کی پندرھویں دلیل

احمدیّت کے ناقابل ہونے کی پندرھویں دلیل سیّد صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی ''اکثر پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں''۔ اس ضمن میں سب سے پہلے انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے وہ اقوال نقل کئے ہیں، جن میں آپ نے بعض پیشگوئیوں کو اپنے صدق وکذب کا معیار قرار دیا ہے۔ اس کے بعد سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب اس معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ مجھے ادب سے عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ مرزا صاحب اپنے اس معیار پر پورے نہیں اترے۔ مَیں طویل بحث کرنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا صرف چند مثالیں پیش کر کے ثابت کروں گا کہ مرزا صاحب کی اہم اور ایسی پیشگوئیاں، جن کو انہوں نے خاص طور پر اس غرض سے منتخب کیا کہ ان کو مرزا صاحب کے صدق وکذب کا معیار سمجھا جائے، غلط اور بالکل غلط ثابت ہوئیں''۔

وہ کونسی پیشگوئیاں ہیں جو سیّد صاحب کے نزدیک ''غلط اور بالکل غلط ثابت ہوئیں''؟ قبل اس کے کہ ان پر نظر ڈالی جائے، ہم مختصراً پیشگوئی کی غرض وغایت، اس کی ضرورت واہمیت اور اس کے دیگر لوازمات پر اصولی بحث کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ سیّد صاحب کے پیش کردہ اعتراضات کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور یہ پتہ لگ جائے کہ جن وجوہ سے وہ

بعض پیشگوئیوں کو ’’غلط اور بالکل غلط‘‘ قرار دے رہے ہیں، وہ اس معیارِ صداقت کے کہاں تک مطابق ہیں جو قرآن کریم نے پیشگوئیوں کے متعلق قائم کیا ہے۔

پیشگوئی کی غرض

انبیاءؑ و ماموریںؑ کے آنے کی غرض جہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں اور قوانین وشرائع پر لوگوں کو چلائیں اور ان کے سامنے بہترین عملی نمونہ پیش کریں، وہیں ان کی سب سے بڑی غرض یہ بھی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر ایسا کامل ایمان پیدا کریں جو حق الیقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہو۔ اور فی الحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی ایک چیز ہے جو انسان کے اعمال کی درستی کا موجب ہوسکتی ہے۔ جتنا کسی شخص کا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھتا اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اتنی ہی اس کے اعمال میں صلاحیّت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایمان کیونکر پیدا ہو۔ انبیاءؑ اور ماموریںؑ کے پاس اس کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ الہام الٰہی ہے۔ اور وہ دنیا کو اس ذریعہ سے بتاتے ہیں کہ جس خدا کی ہستی معلوم کرنے کے لئے تم اپنے عقلی استدلالات سے محض اس حد تک پہنچتے ہو کہ کوئی خدا یا اس کارخانہ قدرت کا کوئی صانع ہونا چاہیئے اور اس سے آگے تمہاری عقل کو رسائی نہیں کہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ کیا وہ خدا فی الواقعہ ہے بھی یا نہیں۔ وہی خدا ہمارے ساتھ کلام کرتا اور اس ذریعہ سے اپنی ہستی کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو فی الواقعہ اس سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ملنا مشکل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا وہ کلام، جو ان کے ساتھ ہوتا ہے، ان خاص احکام وہدایات کے علاوہ، جو انبیاءؑ کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً ملتی ہیں، بعض دقیق علوم اور آئندہ کی خبروں پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ اور وہ خبریں اس وقت دی جاتی ہیں جب ان کے پورا ہونے کا کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا بلکہ بعض وقت بالکل ان کے الٹ واقعات نظر آتے ہیں۔ اور

دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مدبر یہ وہم بھی نہیں کرسکتا کہ ایسے واقعات، جن کی الہام الٰہی نے خبر دی ہے، کبھی پیش آسکتے ہیں۔ یہی ایک چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ثبوت بن جاتی ہے۔ کیونکہ ایک مامور من اللہ جب ان باتوں سے دنیا کو قبل از وقت اطلاع دے جو دنیا کی نظروں میں انہونی ہیں، جب وہ ایسے واقعات کی خبر قبل از وقت پہنچائے، جن کے پیش آنے کا کوئی امکان نظر نہ آتا ہو، یا پہلے سے ان کا علم کسی ذریعہ سے حاصل نہ ہوسکتا ہو اور اس کا یہ دعوٰی ہو کہ اس خدا نے مجھے یہ باتیں بتائی ہیں، جس کا علم جس طرح ماضی و حال پر حاوی ہے، اسی طرح مستقبل کو بھی وہ دیکھتا ہے، اس کی نظر میں حال و مستقبل یکساں حیثیت رکھتے ہیں اور پھر وہ باتیں بعد میں واقعات کی صورت اختیار کرکے سچی بھی ثابت ہو جائیں، تو اس سے بڑھ کر خدا کی ہستی کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ اور کونسی وہ چیز ہے جو اس سے بڑھ کر ایمان اس پر پیدا کرسکتی ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت اور اس پر ایمان پیدا کرنے ہی کے لئے نہیں بلکہ ایسی پیشگوئیاں خود اس مامور کی بھی صداقت کا نشان بن جاتی ہیں۔ اور اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ فی الواقعہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے۔ اور اس کا دعوٰی ماموریت افتراء علیٰ اللہ نہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایک نبی، ایک مامور من اللہ جب دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو تمام دنیا اس کی دشمن بن جاتی ہے۔ تمام عزیز و اقارب، تمام ہم قوم اور ہموطن، تمام اکابر اور اربابِ اثر و اقتدار اس کے دشمن بن جاتے اور اس کے مٹانے کی زبردست کوشش کرتے ہیں۔ اس بے کسی اور غربت کی حالت میں وہ دنیا کو پکارتا اور اعلان کرتا ہے کہ مجھے ہی اللہ تعالیٰ آخر کار غلبہ و طاقت عطا فرمائے گا اور تم خائب و خاسر اور نامراد ہو کر مرو گے یا میرے زیرنگین ہو کر رہنا پڑے گا۔ آخر کار خدا کے نیک بندے ہی باطل پر غلبہ حاصل کریں گے، انہی کو فتح نصیب ہوگی۔ کبھی خاص خاص دشمنوں کا نام لے کر ان کی تباہی اور موت کی خبریں دی جاتی ہیں۔ کبھی بعض نیک لوگوں کے متعلق بشارتیں نازل ہوتی ہیں۔

کبھی کسی مخالف کے حق کو قبول کرنے کی قبل از وقت خبر دی جاتی ہے۔ ایک مخالف ان باتوں کو سن کر اور دوسری طرف مامور من اللہ کی بے کسی اور غربت کو دیکھ کر ہنس دیتا اور تمسخر و استہزاء کرتا ہے۔ لیکن آخر کار جب اسے غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ جب اس کے شدید ترین مخالف مقابلہ میں آنے کی وجہ سے چن چن کر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ جب مخالفین میں سے کئی لوگوں کے دل مامور اور اس کے ساتھیوں کی نیکیوں اور اعمال حسنہ کو دیکھ کر کھائے جاتے اور اس کے سامنے جھک جاتے ہیں تو انہی تمسخر و استہزاء کرنے والوں کو حق کے اس ظاہری غلبہ کو دیکھ کر سمجھ آجاتی ہے کہ فی الواقعہ خدا تعالیٰ موجود ہے۔ اور یہ تمام باتیں اسی کی طرف سے تھیں۔ ورنہ اس عاجز و بیکس انسان کی کیا طاقت تھی کہ بڑی بڑی جمعیّتوں، بڑے بڑے ساز و سامان اور دولت و طاقت کے بالمقابل غلبہ حاصل کر لے۔ اس کا کیا کام تھا کہ مخالفین کی تباہی و نامرادی کی جو پیشگوئیاں اس نے کی تھیں، ان کو پورا کر دکھاتا، سوائے اس کے نہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس کو کھڑا کیا ہے اور اسی کی نصرت اور تائید اسے حاصل ہے۔

حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کے کئی شاندار نمونے نظر آتے ہیں۔ اس عاجزی و بیکسی کے زمانہ میں، جو مکہ میں تیرہ سال تک آپ نے گذارا، حق کے غالب اور فتح یاب ہونے کی جو پیشگوئیاں آپؐ نے کیں، ان سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ ایک طرف دشمنان اسلام کی ناکامی اور مغلوبیّت کا ذکر ان کھلے کھلے الفاظ میں کیا کہ

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ. فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ. اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ. نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ. (المؤمنون 23:53-56) **حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ.** (المؤمنون 23:77) **تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ......اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ**

مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ. فَاتَّخَذْ تُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ وَکُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَکُوْنَ. اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَاصَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. (المؤمنون23:104-111)اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ. (الکوثر3:108) تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ. (اللّهب 1:111)

اور دوسری طرف حق کے ماننے والوں کی کامیابی اور غلبہ کی پیشگوئیاں بھی صریح الفاظ میں کیں اور فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. (المؤمنون1:23) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّ لَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْ نَنِیْ لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (النور55:24) سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة 53:41) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَ هُمْ وَاِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ. لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ. (حٰمٓ السجدة 41:41-42)عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (الممتحنة 7:60) فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ مُهْطِعِیْنَ. عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ. (المعارج 70:36-37) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْ خُلُوْ نَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا. (النّصر110:1-2)

غرض اس قسم کی بے شمار پیشگوئیاں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں جن میں حق کے غلبہ، مسلمانوں کی فتوحات، قریش کی ناکامی، ان میں سے بعض کی ہلاکت اور اکثروں کے حق کے سامنے سرنگوں ہونے کی پیش از وقت خبریں ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کسی کے زمانہ میں آپؐ کے منہ سے نکلیں۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ یہ باتیں آخرکار پوری ہوکر رہیں گی لیکن آپؐ کی زندگی ہی میں وہ تمام باتیں ایسی صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں کہ جس کی نظیر کسی نبی اور ولی یا مجدّد میں ملنی مشکل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک کُھلا ثبوت ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اسی کی بتائی ہوئی یہ باتیں تھیں اور اسی کی نصرت وتائید نے ان کو سچا ثابت کر دکھایا۔

پیشگوئیوں کی دو قسمیں

نوعیّت کے لحاظ سے پیشگوئیوں کو دو قسم پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ پیشگوئیاں ہیں جو محض اخبار سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی ان میں بعض آئندہ کی واقعات کی خبریں دی جاتی ہیں۔ اور انہیں کسی کے اعمال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور ایک وہ ہیں جن میں کسی ایسی سزا یا وعید کا ذکر ہوتا ہے جو دوسروں کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر وارد ہونے والی ہو۔ محض اخبار سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں خدا تعالیٰ کے علم ازلی کا پتہ دیتی ہیں۔ اور وعید کی پیشگوئیاں قدرت خداوندی کا۔ یعنی اوّل الذکر میں محض علم الٰہی کا اظہار ہوتا ہے اور موخرالذکر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی کا۔ علم الٰہی سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیوں میں صرف آئندہ کے بعض ایسے واقعات کا پتہ دیا جاتا ہے جو دنیا میں ظہور پذیر ہونے والے ہوں۔ اور ضرور ہے کہ وہ ظہور پذیر ہوں، ورنہ علم الٰہی باطل ہو جائے گا۔ مثلاً

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ

شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ (الفتح 27:48)

اس پیشگوئی میں ایک ہونے والے واقعہ کے متعلق علم الٰہی کا اظہار کیا گیا ہے۔ کسی کے اعمال سے اسے تعلق نہیں، اس لئے اس کا ویسے ہی ظہور پذیر ہونا ضروری تھا اور ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ. فِيۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ. فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ (الروم 30:2-4)

یعنی روم قریب کی زمین میں مغلوب ہو گیا اور وہ اپنی مغلوبیّت کے بعد چند سالوں میں پھر غالب ہوگا۔ یہ ایک آئندہ کے واقعہ کی خبر ہے جو من وعن پوری ہوئی۔ ایسا ہی حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں ہے۔ ''ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت''۔ اس میں جنگ روس و جاپان کے ایک وارد ہونے والے نتیجہ کی خبر دی گئی ہے جو سچی ثابت ہوئی۔ پھر ایک اور الہام ہے ''پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا، اب ان کی دلجوئی ہوگی''۔ یہ بھی ایک ایسے واقعہ کی خبر تھی جس کو کسی کے نیک و بد اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اعمال کے نتیجہ کے طور پر وارد ہونے والی نہیں۔ صرف علم الٰہی کا اظہار ہے جو سچا ثابت ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کلکتہ کے بجائے دہلی کو دارالخلافہ بنانے کے ساتھ ہی تقسیم بنگال کے جاری شدہ حکم کو منسوخ کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کر دی گئی۔ ایسے ہی اور بیسیوں الہام ہیں جن کا ذکر موجبِ طوالت ہوگا۔

مشروط پیشگوئیاں

دوسری قسم کی پیشگوئیاں، جو علمِ الٰہی کے اظہار کے علاوہ اس کی قدرت نمائی سے بھی تعلق رکھتی ہیں، وہ ہیں جن میں کسی مخالف حق کی دشمنی وعناد یا بداعمالی پر وارد ہونے والی سزا کو بیان کیا گیا ہو۔ یا ایمان لانے والوں کو خاص وعدے اور بشارات دی گئی ہوں۔ چونکہ ان کا تعلق انسان کے اپنے اعمال سے ہوتا ہے، اس لئے انہی اعمال کے ساتھ وہ مشروط ہوتی ہیں

جن کی بناء پر سزا یا عذاب کا وعید نازل ہوتا یا وعدے اور بشارتیں دی جاتی ہیں۔ اعمال کا بدل جانا اس سزا یا وعید کے ٹل جانے اور وعدوں کے بدل جانے کا موجب ہوتا ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں بطور ایک اصول کے بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الانفال 33:8)

یعنی ''خدا تعالیٰ لوگوں کو عذاب نہیں دیا کرتا بحالیکہ وہ مغفرت مانگتے ہوں''۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی قوم یا جماعت عذاب کا وعید سننے کے بعد مغفرت کی طالب ہو اور ان اعمال سے رجوع کرے جو اس وعید کے نزول کا موجب ہوئے، تو لازمی امر ہے کہ وہ وعید بھی ٹل جائے۔ یہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور رحم و کرم ہے کہ کسی پر عذاب بھیجنے سے پہلے کسی خاص بندہ کے ذریعہ سے خبر دے دیتا ہے۔ اور بعض وقت خود اس شخص کو بھی، جس پر کوئی عذاب آنے والا ہو، رؤیا میں اطلاع دے دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لے۔ یہ ایک قسم کی تنبیہ ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر یہ شرط مخفی ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنی حالت پر بدستور قائم رہا اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی، تو اس پر وہ عذاب آئے گا۔ ورنہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گر کر معافی مانگ لی اور اپنی بدکرداریوں سے، جو اس وعید کا موجب ہوئی تھیں، رجوع کر لیا تو اُسے معاف کر دیا جائے گا اور وہ پیشگوئی ٹل جائے گی۔ اس بارہ میں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے جنہوں نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی کی خبر دی اور اس کو ایسا حتمی سمجھ لیا کہ خود اس جگہ سے چلے گئے جہاں عذاب آنے والا تھا۔ لیکن قوم ڈر گئی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور تضرّع اور زاری شروع کر دی۔ اپنے اعمال کو سنوار لیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ عذاب ٹل گیا۔ چنانچہ قرآن کریم کا کھلا ارشاد ہے:

فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ. (یونس 98:10)

''یعنی پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر نفع دیتا ان کو ان کا ایمان سوائے یونسؑ کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے ذلت کا عذاب، جو دنیوی زندگی میں انہیں ملنے والا تھا، ہٹا لیا اور انہیں ایک مدت تک مہلت دے دی''۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض وقت کسی قوم کے لئے عذاب الٰہی کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے تو بھی اگر وہ رجوع کرلے تو وہ عذاب ٹل جاتا ہے۔ یہی حال ان پیشگوئیوں کا ہوتا ہے جن میں مؤمنوں کو بشارات دی جاتی ہیں۔ تمام وعدے اور بشارات، کامیابی اور غلبہ کی تمام پیشگوئیاں ان اعمال کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں جن کی بناء پر ان کی اطلاع دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو فتوحات اور غلبہ کے جو وعدے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دیئے گئے، وہ اس وقت تک پورے ہوتے رہے جب تک مسلمان اسلام پر پورے طور پر گامزن رہے۔ جب تک وہ اصلی معنوں میں مسلمان تھے دنیا پر غالب اور فتح یاب تھے۔ لیکن جب ان کے اعمال میں فرق آیا تو وہ وعدے بھی بدل گئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جنگ حنین کے موقعہ پر جو تکلیف مسلمانوں کو اٹھانا پڑی، اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (التوبۃ 25:9) یوم حنین کو تمہیں تمہاری کثرت نے عجب میں ڈال دیا۔ جنگ اُحد کے موقعہ پر تیراندازوں کی غلطی نے جو سماں دکھایا، وہ اس پر شاہد ہے کہ کامیابی اور فتوحات کی بشارات بھی اعمال ہی سے وابستہ ہیں۔ اس سے صاف نظر آتا ہے کہ کامیابی اور غلبہ کی بشارات بھی، جو قبل از وقت دی جاتی ہیں، یا ایسے وعدے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص کے ساتھ ہوں، وہ انہی حالات میں پورے ہو سکتے ہیں جن کو پیش نظر

رکھتے ہوئے وہ وعدے دیئے گئے۔ حالات کے بدل جانے پر وہ وعدے اور بشارات بھی بدل جاتی ہیں۔ اس لئے خواہ کوئی پیشگوئی کتنی بھی حتمی واقعہ کی خبر دیتی ہو اور ملہم من اللہ کے نزدیک تقدیرِ مبرم کا رنگ رکھتی ہو، تاہم خدا تعالیٰ کے علم میں وہ مبرم نہیں ہوتی۔ اور جونہی وہ شخص یا وہ جماعت، جس کے متعلق وہ پیشگوئی کی گئی ہے، اپنی بدکرداریوں سے رجوع کر لے، وہ وعید ٹل جاتا اور وہ وعدہ بدل جاتا ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آئندہ کے واقعات کی جو بھی خبریں دی جاتی ہیں، وہ مشروط بشرائط ہوتی ہیں۔ جن سے بعض وقت پیشگوئی کرنے والے کو بھی اطلاع نہیں ہوتی اور وہ ان کو غیر مشروط سمجھ کر مطلق وقوع کی خبر دے دیتا ہے۔ اس حقیقت کو آپ نے اپنے مکتوبات میں بدیں الفاظ واضح کیا ہے:

"اگر پرسند کہ سبب چیست کہ در بعضے از کشوف کونی کہ از اولیاء اللہ صادر می گردد غلط واقعہ می شود و بخلاف آں بظہور می آید مثلاً خبر کردند کہ فلانے بعد از یک ماہ خواہد مرد یا از سفر بوطن مراجعت خواہد نمود اتفاقاً بعد از یک ماہ ازیں دو چیز ہیچ کدام بوقوع نیامد در جواب گوئم کہ حصول آں مکشوف ومخبر عنہ مشروط بہ شرائط بودہ است کہ صاحب کشف بتفصیل آں شرائط اطلاع نیافتہ وحکم کردہ بحصول آں شئی مطلقاً یا آنکہ گوئم حکمے از احکام لوح محفوظ بر عارفے ظاہر شدہ کہ آں حکم فی نفسہ قابل محو و اثبات است واز قبیل قضائے معلق اما آں عارف را از تعلیق وقابلیت محو وے خبر نہ دریں صورت اگر بمقتضائے علم خود حکم کند ناچار احتمال تخلف خواہد داشت"۔ (مکتوبات نمبر 217 دفتر اول)

یعنی اگر پوچھیں کہ بعض کونی کشوف میں، جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں، غلطی واقعہ ہو جاتی ہے اور ان کے برخلاف ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً خبر دی کہ

فلاں آدمی ایک ماہ کے بعد مر جائے گا یا سفر سے واپس وطن میں آئے گا، اتفاقاً ایک ماہ کے بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی وقوع میں نہ آئی تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ چیز، جس کا کشف ہوا ہے اور اس کی خبر دی گئی ہے، اس کا حاصل ہونا شرائط پر مشروط تھا کہ صاحب کشف نے اس وقت ان شرائط سے مفصل طور پر اطلاع نہیں پائی اور مطلق طور پر اس شئے کے **حاصل ہونے کا حکم کیا ہے**۔ یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی حکم عارف پر ظاہر ہوا ہے اور حکم فی نفسہٖ محو د اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق کی قسم سے ہے۔ لیکن اس عارف کو اس کے حکم کے محو د اثبات کی تعلیق اور قابلیت سے کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر اپنے علم کے موافق حکم کرے گا تو اس میں ضرور ہی اختلاف کا احتمال ہو گا۔ (اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی۔ شائع کردہ قومی کتب خانہ کشمیری بازار لاہور دفتر اول ص 164)

اسی مکتوب میں حضرت مجدّد صاحبؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کشف کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''منقول است کہ روزے حضرت جبرئیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پیش حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام آمدہ اخبار کرد در حق شخصے کہ ایں جوان فردا علی الصباح خواہد مرد حضرت پیغمبر را علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بر حال آں جوان رحم آمد پرسیدند کہ از دنیا چہ آرزو داری گفت دو چیز منکوحہ بکر و حلوا، فرمودند تا ہر دو مہیا ساختند آں جوان شب با ہلیہ خود در خلوت خانہ نشستہ بود وطبق حلوا در پیش اتفاقاً سائل محتاج بر در آمدہ اظہار احتیاج نمود ایں جوان طبق حلوا را بر دست برداشتہ بآن فقیر داد

وچوں صباح شد حضرت پیغامبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام انتظار خبر فوت آں جوان بودند چوں دیر شد فرمودند کہ خبر بیارید کہ آں جوان چہ حال دارد خبر آوردند کہ خوش وخورم است متحیر ماندند دریں اثنا حضرت جبرئیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آمدہ گفت تصدق حلوا دفع بلائے آں جوان نمود زیر بستر آں مار کلانے یافتند کہ مردہ ودر درون آں مار آنقدر حلوا کوفتہ اند کہ از بسیاری حلوا جان دادہ است (مکتوبات نمبر 217 دفتر اوّل)

یعنی لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک شخص کے حق میں یہ خبر دی کہ یہ جوان کل صبح ہوتے ہی مر جاوے گا۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جوان کے حال پر رحم آیا۔ اس سے پوچھا کہ تو دنیا سے کیا آرزو رکھتا ہے اس نے عرض کیا کہ دو چیزیں۔ ایک کنواری بیوی دوسرے حلوا۔ حضوؐر نے دونوں چیزیں مہیا کرنے کا حکم فرمایا۔ وہ جوان رات کو اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ حلوے کا طبق ان کے آگے رکھا تھا کہ اس اثناء میں ایک سائل محتاج نے دروازہ پر آ کر اپنی حاجت کو ظاہر کیا۔ اس جوان نے وہ حلوے کا طبق اٹھا کر اس فقیر کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اس جوان کے مرنے کی خبر کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیر ہوگئی تو فرمایا کہ اس جوان کی خبر لاؤ کہ کیا حال ہے۔ خبر لائے کہ خوش وخرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران رہ گئے۔ اس اثناء میں حضرت جبرئیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا

> کہ اس حلوے کے صدقہ نے جوان کی بلا کو دفع کیا۔ جب اس کے بستر ے کو دیکھا تو اس کے نیچے ایک بڑا سانپ مردہ پایا اور اس کے پیٹ میں اس قدر حلوا پڑا ہوا دیکھا کہ حلوے کی زیادتی سے جان دے دی''۔(اردو ترجمہ ایضاً ص364،365)

حضرت مجدّد صاحبؒ کے ان ارشادات سے صاف ثابت ہے کہ وعید کی پیشگوئی ہمیشہ مشروط ہوتی ہے (خواہ شرط ذکر ہو یا نہ ہو) جو توبہ واستغفار اور صدقہ وخیرات سے ٹل بھی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت یونسؑ کی قوم کے متعلق عذاب کی پیشگوئی ٹل گئی یا حضرت مجدّد صاحبؒ کے بیان کردہ واقعہ میں ایک نوجوان کی بلا صدقہ سے دُور ہوگئی۔

پیشگوئیوں میں تقدیرِ معلّق اور تقدیرِ مبرم

اسی ضمن میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض وقت بعض امور کے متعلق ایک ملہم کو اس قدر تحدّی کے ساتھ مطلع کیا جاتا ہے کہ اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تقدیرِ مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ حالانکہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ اس کی طرف رجوع اور تضرّع کرنے والوں سے وہ عذاب کو اٹھا لیتا ہے تو خواہ کتنا بھی تحدّی کے ساتھ کسی شخص یا جماعت پر عذاب نازل ہونے کی خبر ملے، اس میں تضرّع کے ذریعہ سے عذاب کے ٹل جانے کی شرط ضرور مخفی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بتایا ہے۔ ارشاد ہوا

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ. (هود117:11)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الانفال33:8)

پس جب اپنے اعمال کی اصلاح کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ ظلم سے کسی کو ہلاک

نہیں کرتا اور نہ استغفار کے باوجود کسی پر عذاب بھیجتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے متعلق وعید نازل ہو، وہ اگر اپنی اصلاح کر لے یا اپنے ربّ کے آگے گر جائے اور خشیّت وانابت سے کام لے، تو بھی اس پر عذاب نازل ہو جائے۔ ممکن ہے ایک ملہم جس چیز کو تقدیر مبرم سمجھتا ہے، وہ تقدیر معلّق ہو۔ اس صورت میں یہ محض ایک اجتہادی غلطی ہوگی، جس پر آئندہ مفصل بحث ہوگی۔ لیکن اگر اس کو تقدیر مبرم بھی مان لیا جائے تو بھی کوئی ہرج واقعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ تقدیر مبرم بھی دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ ملہم کو وہ مبرم نظر آتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ مبرم نہیں بلکہ معلّق ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مبرم ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی دو قسموں کا ذکر کرتے ہوئے ذیل کے الفاظ اپنے مکتوبات میں لکھے ہیں:

''بداں ارشدک اللہ تعالیٰ سبحانہ کہ قضا بر دو قسم است۔ قضاء معلق و قضاء مبرم۔ در قضاء معلق احتمال تغیر و تبدیل است و در قضاء مبرم تغیر و تبدیل را مجال نیست۔ قال اللہ سبحانہ تعالیٰ مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (قٓ 29:50) ایں در قضاء مبرم است و در قضاء معلق مے فرماید یَمْحُوا اللّٰهُ مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (الرعد 39:13) حضرت قبلہ گاہی ام قدس سرہ میفر مودند کہ حضرت سیّد محی الدین جیلانی قدس سرہ در بعضے از رسائل خود نوشتہ اند کہ در قضاء مبرم ہیچ کس را مجال نیست کہ تبدیل بدہد مگر مرا کہ اگر خواہم آنجا ہم تصرف کنم در ایں سخن تعجب بسیار میکردند و استبعاد فرمودند و ایں نقل مدتہا در خزینہ ذہن ایں فقیر بود تا آنکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ بایں دولت عظمے مشرف ساخت روزے در صدد دفع بلیہ بودم کہ بہ بعضے از دستان نامزد شدہ بود و دراں وقت التجا و تضرع و نیاز و خشوع تمام داشتم ظاہر شد

کہ درلوح محفوظ قضاء ایں امر معلق با مرے نیست ومشروط بشرطے نہ یک گونہ یاس ونا امیدی دست دادوسخن حضرت سیّد محی الدین قدس سرہ بیاد آمد مرۃً ثانیۃً باز ملتجی ومتضرع گشت وراہ عجز ونیاز پیش گرفتہ متوجہ شد، بمحض فضل وکرم ظاہر ساختند کہ قضاء معلّق بردو گونہ است قضائے است کہ تعلیق او رادرلوح محفوظ ظاہر ساختہ اندو ملائکہ را براں اطلاع دادہ وقضائیکہ تعلیق اونزد خدا است جلشانہ وبس درلوح محفوظ صورت قضاء مبرم دارد ایں قسم اخیر از قضائے معلق نیز احتمال تبدیل دارد در رنگ اول ازاں جا معلوم شد کہ سخن سید مصروف بایں قسم اخیر است کہ صورت قضائے مبرم دارد نہ بقضاء کہ بحقیقت مبرم است کہ تصرّف وتبدیل دراں محال است عقلاً وشرعاً کمالایخفی والحق کہ کم کسے را برحقیقت آں قضاء اطلاع است فکیف کہ دراں جا تصرف نماید وبلیہ کہ متوجہ آں دوست شدہ بود دراں قسم اخیر یافت ومعلوم شد کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ رفع آں بلیہ فرمود والحمدللہ سبحانہ علیٰ ذالک (مکتوب نمبر 217 دفتر اول)

''یعنی اے میرے سعادت مند بھائی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قضاء دو قسم پر ہے (1) قضائے معلق (2) قضائے مبرم۔ قضائے معلّق میں تغیر وتبدّل کا احتمال ہے اور مبرم میں تغیر وتبدیل کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ** (قٓ 29:50) میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ قضائے مبرم کے بارہ میں ہے۔ اور قضائے معلّق کے بارہ میں فرماتا ہے **یَمْحُوا اللّٰہُ مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ** (الرعد 39:13) جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیل کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرّف کروں۔ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرّف فرمایا۔ ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقدّر ہو چکی تھی۔ اس وقت بڑی التجاء اور عاجزی اور نیاز وخشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضاء کسی امر سے معلّق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے بڑی یاس وناامیدی حاصل ہوئی۔ اور حضرت سیّد محی الدین قدس سرہ کی بات یاد آئی۔ دوبارہ پھر ملتجی اور متضرّع ہوا اور بڑی عجز ونیاز سے متوجہ ہوا۔ تب محض فضل وکرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے۔ اور دوسری وہ قضاء ہے جس کا معلّق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت سیّد قدس سرہ کی بات بھی اس اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اس قضاء پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف اور تبدیل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔ اور حق یہ

ہے کہ جب کسی کو اس قضاء کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرّف کیسے کر سکے۔ اور اس آفت و مصیبت کو، جو اس دوست پر پڑی تھی، قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دور فرما دیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانہ عَلٰی ذَالِکَ (ترجمہ مکتوبات ص365۔366)

بے محل نہ ہوگا اگر اس جگہ اسی قسم کا ایک اور واقعہ، جو حضرت مسیح موعودؑ سے تعلق رکھتا ہے، اور اس میں بھی تقدیرِ مبرم کے ٹل جانے کا ذکر ہے، نقل کیا جائے جو اخبار بدر میں بدیں الفاظ مذکور ہے۔

''ہمارے مکرم نواب محمد علی خاں کا چھوٹا لڑکا عبدالرحیم سخت بیمار ہو گیا چودہ روز ایک ہی تپ لازم حال اور اس پر حواس میں فتور اور سخت بیہوشی رہی۔ آخر نوبت احتراق تک پہنچ گئی میرے مخدوم مکرم مولوی نورالدین صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالرحیم کے علاج میں غیر متراقب توجہ انہیں پیدا ہوئی اور ان کے علم نے اپنی پوری اور وسیع طاقت سے کام لیا مگر ضعف اور عجز کا اعتراف کر کے بجز سپر انداز ہونے کے کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کو ہر روز دعا کے لئے توجہ دلائی جاتی تھی اور وہ کرتے تھے۔ 25 اکتوبر کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بڑی بے تابی سے عرض کی گئی کہ عبدالرحیم کی زندگی کے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ حضرت رؤف الرحیم تہجد میں اس کے لئے دعا کر رہے تھے کہ اتنے میں خدا کی وحی سے آپ پر کھلا کہ ''تقدیر مبرم ہے اور ہلاکت مقدر''۔ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالمواجہ مجھے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ کی یہ قہری وحی نازل ہوئی تو مجھ پر حد سے زیادہ حزن طاری ہوا۔

اس وقت بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا کہ یا الٰہی! اگر یہ دعا کا موقعہ نہیں تو میں شفاعت کرتا ہوں۔ اس کا موقعہ تو ہے اس پر معاً وحی **یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ** (النور24:41) **مَنۡ ذَالَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ** (البقرۃ2:255) ہوئی اس جلالی وحی سے میرا بدن کانپ گیا اور مجھ پر سخت خوف اور ہیبت وارد ہوئی کہ یونہی میں نے بلا اذن شفاعت کی۔ ایک دو منٹ کے بعد پھر وحی ہوئی **اِنَّکَ اَنۡتَ الۡمَجَازُ**. اس کے بعد حالاً بعد حالٍ عبدالرحیم کی صحت ترقی کرنے لگی۔ اور اب ہر ایک جو دیکھتا اور پہچانتا تھا اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے شکر سے بھر جاتا اور اعتراف کرتا ہے کہ لاریب مردہ زندہ ہوا ہے۔ (البدر جلد 2 نمبر 41، 42 ص 321)

حضرت مجدّد صاحبؒ اور حضرت مسیح موعودؑ ہر دو کے بیانات سے صاف ثابت ہے کہ بعض اوقات دعا اور شفاعت سے تقدیر مبرم بھی ٹل جاتی ہے۔ اسی کی تصدیق بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکثروا الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم (کنز العمال جلد نمبر 1 صفحہ 167) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعائیں زیادہ کیا کرو۔ کیونکہ دعا قضائے مبرم کو ردّ کرتی ہے۔

ایک اور حدیث ہے **روی ان النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال انّ الصدقۃ لتدفع البلاء المبرم النازل من السمآء** (روض الریاحین بر حاشیہ قصص الانبیاءؑ صفحہ 264) یعنی روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بلائے مبرم کو دفع کرتا ہے جو آسمان سے نازل ہونے والی ہو۔

ایسا ہی ترمذی کی دو احادیث ہیں: 1۔**عن سلمان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایردالقضاء الاالدعا ولا یزید فی العمر الا البر** (ترمذی جلد 2 صفحہ 26) یعنی سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے، اور عمر کو کوئی چیز نہیں بڑھاتی سوائے نیکی کے۔

2۔ **عن انس ابن مالکٍ قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان الصدقة لتطفی غضب الربّ وتدفع میتة السوء** (ترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی فضل الصدقۃ۔ مطبوعہ مجتبائی جلد 1 صفحہ 84)

ان تمام احادیث اور حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ صدقہ، دعاء تضرّع، انابت اور خشیۃ اللہ قضائے مبرم کو ٹال دینے والی چیزیں ہیں۔ اسی کا ذکر ''روح البیان'' جلد 1 صفحہ 257 مطبوعہ مصر میں بھی ہے۔ جو اس بات پر ایک زبردست شہادت ہے کہ اگر کسی ملہم مجدّد اور مامور من اللہ پر کوئی ایسی بات ظاہر کی جائے جس میں قضائے مبرم کا رنگ پایا جاتا ہو اور وہ اس بات کا اعلان کرے کہ یہ امر ضرور واقعہ ہوگا کیونکہ قضائے مبرم ہے، تو بھی اس کے اندر یہ شرط مخفی ہوتی ہے کہ صدقہ اور دعا وغیرہ سے اگر کام لیا جائے تو وہ ٹل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر یونہی ناحق عذاب نازل نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص، جس کے متعلق وعید کی پیشگوئی ہے، خدا تعالیٰ سے ڈر کر اپنی بدکرداریوں سے رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس وعید کو ٹال دے گا، خواہ وہ قضائے مبرم ہی کا رنگ کیوں نہ رکھتا ہو۔

پیشگوئیوں میں ابہام

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ پیشگوئیوں میں علی العموم اس قسم کی صراحت نہیں ہوتی جیسی کہ واقعات میں آجانے یا پوری ہونے کے بعد نظر آتی ہے۔ چونکہ وہ

خبریں زمانہ آئندہ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے، گو اس کی اجمالی صورت ذہن میں آجائے، لیکن صحیح کیفیّت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ پوری ہو جائے۔ مخالفین کی ناکامی اور حق کے غلبہ کی جو صورت واقعہ میں آجانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوئی، اس کی پوری کیفیت ان آیات سے سمجھ آنا مشکل تھی جو اس بارہ میں قبل از وقت نازل ہوئیں۔ یہ یقین بیشک انہیں تھا کہ حق غالب ہوگا لیکن کس طرح ہوگا؟ مخالفین کیونکر ناکام اور خائب و خاسر ہوں گے؟ کس طرح مسلمانوں پر چڑھائیاں کی جائیں گی اور کن کن سامانوں سے انہیں نیست و نابود کرنے کی کوشش کی ہوں گی، ابوجہل کس طرح قتل ہوگا؟ ابولہب کی ہلاکت کس طرح عمل میں آئے گی؟ بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں اور مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کی ہزیمت، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور کفّار کی مغلوبیت، یہ تمام باتیں اس وقت سمجھ آنی مشکل تھیں، جب مسلمانوں کی انتہائی بے کسی کے زمانہ میں مجملاً ان کی خبر دی گئی۔

ایسا ہی پیشگوئیوں میں بعض دفعہ ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن کے ظاہر معنی کچھ اور ہوتے ہیں لیکن مراد اُن سے کچھ اور ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر مجاز اور استعارہ پیشگوئیوں میں بکثرت ہوتا ہے جس کی وجہ سے علی العموم ظاہر الفاظ کے خلاف ان کی تعبیر کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواج مطہراتؓ نے یہ سوال کیا کہ آپؐ کے بعد سب سے پہلے کونسی بیوی آپؐ سے ملے گی۔ آپؐ نے فرمایا **اسرع کنّ لحوقا بی اطولکنّ یدًا**. سب سے جلدی وہ بیوی مجھ سے لاحق ہوگی جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے۔ اس ارشاد کو سن کر ازواج مطہراتؓ نے اسی وقت اپنے ہاتھ ناپنا شروع کئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں کیا۔ حالانکہ آپؐ کے بعد سب سے پہلے جو بیوی فوت ہوئیں، اُن کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ سخی تھیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے یہ معنی کئے گئے کہ **اطولکنّ یدًا** سے سب سے زیادہ سخی ہونا مراد

ہے۔ ایسا ہی دجال کی پیشگوئی اس کی سب سے بڑی اور نمایاں مثال ہے کہ پیشگوئیوں میں استعارہ اور مجاز بکثرت ہوتا ہے اور وہ بالعموم تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ دجال کا ایک شخص ہونا، اس کا دائیں آنکھ سے کانا ہونا، اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوا ہونا، اس کے ساتھ دوزخ اور بہشت کا موجود ہونا، اس کے گدھے کا ستّر ہاتھ لمبا ہونا، اس کا دریا سے خشک پا گذر جانا اور سورج کو پیچھے چھوڑ جانا، اس کے کانوں کی مَیل سے بہت لوگوں کی خوراک بننا وغیرہ وغیرہ، اس بات کے کافی اور روشن ثبوت ہیں کہ پیشگوئیاں اکثر اوقات استعارہ اور مجاز سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور انہیں ظاہر الفاظ پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

پیشگوئیوں کی تفہیم میں غلطی

اسی ابہام یا مجاز اور استعارہ کی وجہ سے پیشگوئیوں کی قبل از وقت تفہیم میں بعض دفعہ خود ملہم سے بھی غلطی واقعہ ہو جاتی ہے یا اس کا صحیح مفہوم بعض دفعہ قبل از وقت واضح نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اطولکنّ یدًا والی پیشگوئی سے، جو اوپر بیان کی جا چکی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اصل مفہوم اس وقت واضح نہ تھا جب ازواج مطہراتؓ نے آپؐ کے سامنے اپنے ہاتھ ناپے اور آپؐ نے منع نہ کیا۔ ایسا ہی آپؐ نے رؤیا میں اپنے آپ کو کھجوروں والے مقام کی طرف ہجرت کرتے دیکھا تو اس سے آپؐ کے ذہن مبارک نے یمامہ مراد لیا۔ حالانکہ اس سے مدینہ مراد تھا جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا۔ اسی حدیث کو ایک دفعہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ''اشاعۃ السنۃ'' میں نقل کر کے حضرت مسیح موعودؑ کی حمایت ان الفاظ میں کی تھی:

> ''جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں) معنی سمجھنے میں سید الملہمین و خاتم المرسلین کو شکّ واشتباہ واقع ہوا۔ اور الہام دوم

> کے معنی سمجھنے میں، تو آپؑ کا خیال واقعہ کے بھی مخالف نکلا، تو پھر مؤلف ''براہین احمدیہ'' کا (جو نبی نہیں ہے۔ صرف نبی آخرالزمان کے خادموں اور امتیوں سے ہے) ایک لفظ الہامی غیر زبان کے سمجھنے میں غلطی کرنا (جس سے نہ کوئی گمراہی مخلوق متصور ہے، نہ اس سے الہام یا ملہم کی کسی خبر کی نسبت غلط گوئی ثابت ہوتی ہے) کونسا محلِ تعجب وانکار ہے''۔
>
> (اشاعت السنۃ نمبر 1 جلد 7 صفحہ 291)

یہ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک شدید مخالف کا بیان ہے۔ اور اس نے اعتراف کیا ہے کہ ایسے الہام کی تفہیم میں، جو ''متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں''، خود سیّد الملہمین کو بھی اشتباہ واقعہ ہوا، تا بہ دیگراں چہ رسد۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے نہایت صفائی کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب سے بھی اگر کسی الہام کا صحیح مطلب سمجھنے میں غلطی واقعہ ہوئی تو کوئی محل تعجب نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ایسے الہامات میں، جو شرعی احکام پر مشتمل نہیں، اس قسم کا ابہام اکثر ہوتا ہے جس سے قبل از وقوع ان کی پوری یا صحیح کیفیّت سمجھنی مشکل ہوتی ہے، بلکہ بعض اوقات ان کا مطلب سمجھنے میں غلطی لگ جاتی ہے، لیکن اس سے وہ پیشگوئی غلط ثابت نہیں ہو جاتی، نہ معاذ اللہ اس کا شیطانی یا افتراء علیٰ اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مامور من اللہ کی اجتہادی غلطی اس علم کو غلط ثابت نہیں کر سکتی جو خدا کی طرف سے اسے حاصل ہوا۔ انسان کی نظر پیشگوئی کے الفاظ کی تعبیر پر ہونی چاہئے، نہ کہ مامور من اللہ کے اجتہاد پر۔ اگر وہ کسی پیشگوئی کو اپنے صدق و کذب کا معیار بھی قرار دے تو بھی اس سے مراد پیشگوئی کی اصل تعبیر اور اس کی صورت واقعہ ہی ہو گی، نہ کہ اس کا اپنا اجتہاد۔ اس کے اپنے اجتہاد کو صدق و کذب کا معیار قرار دینا ایک بہت بڑی غلطی اور کوتاہ نظری ہے۔ صدق و کذب اس صورت واقعہ سے ظاہر ہو گا جو پیشگوئی کی حقیقت کو منکشف کرنے والی ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اگر کھجوروں والے مقام سے یمامہ مراد لے لیا تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپؐ کی رؤیا غلط ثابت ہوئی۔ کیونکہ رؤیا میں آپؐ کو کھجوروں والا مقام دکھایا گیا۔ اور کھجوریں یمامہ میں اگر تھیں تو یثرب میں بھی تھیں، جہاں آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ ایسا ہی اطولکنّ یدًا میں ہاتھوں کی طوالت سے اگر آپؐ نے ظاہری طوالت سمجھی تو کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ آپؐ کی پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ کیونکہ معنوی طوالت بھی اطولکنّ یدًا میں شامل ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر حضرت نوحؑ نے اگر اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ سے، کہ میں تیرے اہل کو بچاؤں گا، جسمانی رشتہ دار اور اہل مراد لئے تو الفاظ کے ظاہری معنوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے ایسا خیال کیا۔ اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے خدا کی طرف ایسا وعدہ منسوب کرنے میں معاذ اللہ افتراء علی اللہ سے کام لیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اہل سے متّبعین مراد تھے۔ خواہ وہ جسمانی رشتہ رکھتے ہوں یا روحانی۔ غرض پیشگوئی اور مامور من اللہ کا اجتہاد دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان دونوں پر علیحدہ علیحدہ ان کی حیثیّت کے مطابق غور کرنا چاہیئے۔ ضروری نہیں کہ ایک پیشگوئی اسی طرح پوری ہو یا ایک الہام کے معنی لازماً وہی ہوں جو ملہم کے اجتہاد اور خیال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ پیشگوئیوں میں استعارہ اور مجاز کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ وہ رؤیا ہی کی ایک قسم ہے جو بالعموم تعبیر طلب ہوتی ہے۔ ظاہر الفاظ میں اگر پوری ہو جائے یا پیشگوئی کرنے والے کا اجتہاد صحیح ثابت ہو، تو یہ تو بہت ہی عمدہ بات ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو اس سے وہ جھوٹا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی تعبیر کوئی اور کرنی پڑے گی۔ اس قسم کی بیسیوں مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جن میں سے ایک سب سے بڑی اور نمایاں مثال، جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، دجّال کی پیشگوئی ہے۔ اس پیشگوئی میں جس قدر باتیں مذکور ہیں، آج ان سب کی جو تعبیر ہمارے سامنے ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اس صفائی کے ساتھ سمجھ آنی مشکل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے

ابن صیاد کو دجال قرار دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ جس پر آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ وہی دجال معہود ہے تو تم اسے قتل نہیں کر سکتے اور اگر یہ وہ نہیں تو اس کو قتل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ دجال کی وہ حقیقت اس وقت منکشف نہ ہوئی تھی جو آج واقعات نے ظاہر کی۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابن صیاد کے دجال ہونے کا شبہ تھا۔ لیکن اس سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپؐ کی پیشگوئی غلط ہوگئی۔ پیشگوئی صحیح تھی اور وہ آج کے زمانہ کے لئے مقدّر تھی۔ جیسا کہ ''زمیندار'' مورخہ 22 نومبر 1933ء میں درج اس شعر سے ظاہر ہے ؎

فرنگی لشکرِ دجّال ہیں یا جوج ہیں روسی الٰہی ہستیٔ مسلم کا اب تو ہی نگہبان ہے

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض پیشگوئیوں اور امورِ غیبیہ کے صحیح ثابت نہ ہونے کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں مفصل روشنی ڈالی ہے۔ اس میں صاحبِ الہام کی اجتہادی غلطی کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''در بعضے اوقات خطائے کہ در بعضے علوم الہامی واقعہ میشود سبب آنست کہ بعضے از مقدمات مسلم کہ نزد صاحب الہام ثابت است و در نفس امر کاذب باعلوم الہامی خلط میشود بہ حیثیت کہ صاحب الہام نے تواند تمیز نمود بلکہ مجموع علوم را الہامی انگارد پس ناچار در مجموع خطا واقعہ میشود بسبب خطاء بعضے اجزائے آں وایضاً گاہ است کہ در کشوف واقعات امور غیبی را مے بیند وخیال مے کند کہ محمول بر ظاہر است ومقصود بر صورت باندازہ آں خیال حکم مے کند وخطا واقعہ مے شود نمیداند کہ آں امور مصروف از ظاہر است ومحمول بر تاویل وتعبیر'' (مکتوب نمبر 217 دفتر اول)

یعنی بعض اوقات بعض علوم الہامی میں بھی جو خطا ہو جاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ بعض مسلّم مقدمات، جو صاحبِ الہام کے نزدیک ثابت اور حقیقت میں کاذب ہیں، علوم الہامی کے ساتھ اس طرح مل جاتے ہیں کہ صاحب الہام تمیز نہیں کر سکتا بلکہ تمام علوم کو الہامی خیال کرتا ہے۔ پس ان علوم کے بعض اجزاء میں خطا ہونے کے باعث مجموع علوم میں خطاء واقعہ ہو جاتی ہے۔ اور نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کشوف میں غیب کے واقعات کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہیں، تو اس خیال کے موافق حکم کرتا ہے اور خطا واقعہ ہو جاتی ہے اور نہیں جانتا کہ وہ امور ظاہر کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں''۔ (ترجمہ مکتوبات ربانی ص366، 367)

حضرت مجدّد صاحبؒ کے اس ارشاد سے صاف ثابت ہے کہ پیشگوئی میں اجتہادی غلطی کا واقعہ ہو جانا ایک معمولی بات ہے۔ خواہ وہ اجتہادی غلطی علوم الہامی میں بعض غلط باتوں کے مل جانے سے واقعہ ہو یا کشوف والہامات کو ظاہر پر محمول کرنے یا ان کے معنی غلط سمجھنے سے۔ بہر حال غلطی کا واقعہ ہو جانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں، نہ اس سے پیشگوئی کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ پیشگوئی کرنے والے کے تقرب الی اللہ یا مامور من اللّٰہیت میں کوئی نقص واقعہ ہوتا ہے اور نہ ہی اجتہادی غلطی قابل سرزنش ہے۔

تمام پیشگوئیوں کا مامور کی زندگی میں پورا ہونا ضروری نہیں

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی مامور من اللہ کی (خواہ وہ نبی ہو یا مجدّد) زندگی میں ہی اس کی تمام پیشگوئیاں پوری ہو جائیں بلکہ یہ سلسلہ اس

کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور کئی پیشگوئیاں بڑے دُور کے زمانوں میں جا کر پوری ہوتی ہیں۔قرآن کریم نے اس کو متعدد جگہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُ ھُمۡ اَوۡنَتَوَ فَّیَنَّکَ فَاِلَیۡنَا مَرۡجِعُھُمۡ ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَایَفۡعَلُوۡنَ. (یونس 46:10)

''اور خواہ ہم تجھے بعض وہ باتیں دکھا دیں جن کا ان (مخالفین) سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دے دیں ہماری طرف ہی اُنہوں نے لوٹ کر آنا ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں''۔

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُھُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ. (المؤمن 77:40)

''صبر کر۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس خواہ وہ باتیں تجھے دکھا دیں جن کا ہم انہیں وعدہ دیتے ہیں یا تجھے وفات دیں انہوں نے ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے''۔

ان دونوں آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر بتا دیا گیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آپؐ کی زندگی ہی میں وہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو جائیں اور وہ سزائیں وارد ہو جائیں جن کے ہم وعدے دیتے ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ بعض باتیں آپؐ کی زندگی ہی میں پوری ہوں اور بعض کے پورے ہونے سے پہلے آپؐ وفات پا جائیں۔اس کی کئی ایک مثالیں آپؐ کی زندگی میں ملتی ہیں کہ بعض پیشگوئیاں آپؐ کی زندگی ہی میں پوری ہوگئیں اور بعض آپؐ کے وصال کے بعد پوری ہوئیں اور بعض مختلف زمانوں میں پوری ہوتی رہیں اور آج تک پوری ہو رہی ہیں۔زندگی میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں کے یہاں بیان کرنے کی ضرورت

نہیں۔ وہ جو آپؐ کے بعد پوری ہوئیں، ان میں سے چند ایک کا ذکر سن لیجئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو سراقہ بن مالک بن جشم، جو ایک قوی ہیکل انسان تھا، آپؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے تعاقب میں آیا۔ لیکن تین بار وار خالی جانے اور گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جانے کی وجہ سے اسے یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہوں گے، اس لئے اس نے معافی طلب کی جو آپؐ نے لکھ کر دے دی اور فرمایا۔ اے سراقہ! میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔ سراقہ کے ہاتھوں پر لمبے لمبے بال تھے۔ اس نے ہاتھ آگے کر کے کہا یا رسول اللہ! ان ہاتھوں میں؟ آپؐ نے تین مرتبہ یہی کہا کہ ہاں انہی ہاتھوں میں مَیں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔ یہ آپؐ کی انتہائی بے کسی کا وقت تھا۔ مکّہ سے بے سروسامانی کی حالت میں چُھپ کر نکلے ہیں اور مدینہ کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں یہ الفاظ آپؐ کے منہ سے نکلتے ہیں۔ جس کے بعد وہ زمانہ بھی آتا ہے جب آپؐ کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرماتا ہے اور آپؐ تمام عرب کے شہنشاہ بن جاتے ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں نہیں دیکھے جاتے۔ یہاں تک کہ آپؐ وصال کر جاتے ہیں اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی یونہی گزر جاتا ہے۔ آخرکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایران کا ملک فتح ہوتا ہے اور مالِ غنیمت میں کسریٰ کے کنگن بھی آتے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سراقہ کے ہاتھوں میں پہناتے ہیں۔ اب کیا کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی؟ یقیناً ہوئی۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ آپؐ کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی اور نہ ایسا ہونا ضروری تھا۔

ایسا ہی جنگ احزاب کے وقت خندق کھودتے ہوئے ایک پتھر پر ضرب لگانے سے جب چنگاری پیدا ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں اور قیصر کے محل دکھائے

گئے ۔ دوسری مرتبہ ضرب لگانے پر چنگاری پیدا ہوئی تو فرمایا مجھے مدائین (ایران) کی کنجیاں دی گئیں اور کسرٰی کے محل دکھائے گئے ۔ تیسری مرتبہ پھر چنگاری نکلنے پر فرمایا مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور صنعا کے محل دکھائے گئے اور فرمایا مجھے جبرئیل نے ابھی اطلاع دی ہے کہ میری امّت ان سب پر غالب آئے گی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، لیکن آپؐ کی زندگی میں نہیں آپؐ کے بعد ۔ اور کچھ سالوں کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ سب باتیں حقیقت الحال بن گئیں ۔ ایسا ہی آپ کا ایک رؤیا ہے ۔ جس کا ذکر صحیح بخاری میں ان الفاظ میں آیا ہے ۔

قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم بین انا نائم فاتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سوارٰن من ذهب فکبرا علی فاوحی الیّی ان انفخهما فنفختهما فذهبا فاولتهما الکذّابین الذّین انا بینهما صاحب صنعاء و صاحب الیمامه

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حالتِ خواب میں زمین کے خزانے میرے سامنے لائے گئے اور دوسونے کے کنگن میرے ہاتھوں میں ڈالے گئے جو مجھے بہت برے معلوم ہوئے ۔ پھر میری طرف وحی کی گئی کہ دونوں کو پھونک ماروں ۔ چنانچہ میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں گم ہو گئے ۔ پس میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ اس سے وہ دونوں کذاب مراد ہیں جو صنعاء اور یمامہ کے رہنے والے ہیں ۔ یعنی اسود عنسی اور مسیلمہ ۔

اس حدیث میں دونوں کنگنوں پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بحالت خواب پھونک مارنے کا ذکر کیا ہے ۔ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کذّاب آپؐ ہی کے ذریعہ سے نابود ہوں گے ۔ لیکن اسود عنسی تو عین آپؐ کی وفات کے وقت ہلاک ہوا اور مسیلمہ آپؐ کے بعد بھی زندہ رہا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ۔ اس پر صاحب

''فتح الباری'' لکھتے ہیں **واما مسیلمة فکان القائم علیه حتّٰی قتله ابوبکر الصدیق، فقام مقام النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلم فی ذالک** یعنی مسیلمہ آپؐ کی وفات کے بعد بھی کھڑا رہا، حتّٰی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ پس وہ اس بات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں۔

ایک اور پیشگوئی سن لیجئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ** (التوبة 33:9) یعنی خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کرے۔

اس پیشگوئی کے متعلق تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں پوری ہو گی۔ چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسیح موعود نے دلائل وبراہین کا وہ زبردست ذخیرہ ہمارے لئے فراہم کیا ہے، اور وہ پاکیزہ اصول ہمیں بتائے ہیں جنہوں نے تمام مذاہب کے دانت کھٹّے کر دیئے اور اسلام کو معقول ترین فطری مذہب ثابت کر دکھایا۔

ایسا ہی دجال اور یاجوج ماجوج کی پیشگوئی کا کسی دوسری جگہ مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری نہیں ہوئی اور اس کے پورا ہونے میں تیرہ سو سال کا طویل زمانہ صرف ہوا۔ چنانچہ اب نہ صرف جماعت احمدیہ ہی فرنگی اقوام کو اس پیشگوئی کا مصداق سمجھتی ہے بلکہ تمام دوسرے مسلمان، حتّٰی کہ ''زمیندار'' جیسے شدید مخالف کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ جیسا کہ مدیر زمیندار کے اس شعر سے ظاہر ہے جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اور بھی سینکڑوں پیشگوئیاں ہیں جن کا ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے اور وہ ہمارے زمانہ میں آ کر پوری ہوئیں۔ اور خدا جانے آئندہ زمانوں میں کتنی اور پیشگوئیاں پوری ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور ہستی باری تعالیٰ کا ایک زندہ ثبوت بہم پہنچاتی رہیں گی۔ ان کُھلے حقائق کے ہوتے ہوئے کسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہنا کہ چونکہ وہ پیشگوئی کرنے

والے کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی اس لئے غلط ہے، اپنی کوتاہ نظری اور کم علمی کا ثبوت دینا ہے۔ ایک مامور من اللہ کو جن آئندہ کے واقعات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے یا جو وعدے اور وعید موافقین ومخالفین کے متعلق کئے جاتے ہیں، وہ اس کی زندگی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوتے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس کے تمام مخالفین اس کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جائیں، خواہ کتنا ہی شدید مخالف ہو اور اس کے متعلق ہلاکت کی پیشگوئیاں بھی ہوں، لیکن مباہلہ کے سوائے نری پیشگوئی یا بددعا یا ہلاکت کی خبر ضروری نہیں کہ مامور من اللہ کی زندگی میں ہی پوری ہو جائے بلکہ بعض مخالفین کی ہلاکت اس کے بعد بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذّاب کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

دعا یا بددعا کی قبولیّت ضروری نہیں

جہاں تک دعا یا بددعا کا تعلق ہے، یہ خیال کرنا کہ اس کی قبولیّت لازمی ہے، ایک اور شدید غلطی کا ارتکاب کرنا ہے۔ کوئی نبی یا مجدّد، خواہ کتنا ہی عظیم الشان مرتبہ رکھتا ہو، جناب الٰہی میں اس کی حیثیّت ایک سائل سے بڑھ کر نہیں۔ اس کے سوال کو پورا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور اس بات کی کئی ایک نظائر موجود ہیں کہ مخالفین کے خلاف بددعائیں بعض وقت قبولیت کے درجہ تک نہیں پہنچتیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک حدیث اس طرح مروی ہے۔

عن سالم عن ابیہ انّہ سمع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اذا رفع رأسہ من الرکوع من رکعۃ الاٰخرۃ من الفجر یقول اللّٰھم العن فلانًا وفلانًا وفلانًا بعد ما یقول سمع اللّٰہ لمن حمدہ ربّنا ولک الحمد فانزل اللّٰہ تعالیٰ لیس لک من الامر شئی الٰی

قوله فانّهم ظالمون. (بخاری صفحہ 582)

یعنی سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ نماز فجر کی دوسری رکعت میں جب رکوع سے سر اٹھاتو **سمع اللّٰہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد** کہنے کے بعد فرماتے ۔ اے اللہ! فلاں پرلعنت کر، فلاں پر لعنت کر اور فلاں پرلعنت کر۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی **لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡیَتُوۡبَ عَلَیۡھِمۡ اَوۡیُعَذِّبَھُمۡ فَاِنَّھُمۡ ظٰلِمُوۡنَ.** (آل عمرٰن 128:3) ’’یعنی تجھے کوئی واسطہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے یا ان پر رجوع برحمت کرے۔ اگرچہ وہ ظالم ہیں‘‘۔

کس قدر صاف اور صریح لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غناء کا اظہار کیا ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کو پسند نہیں کیا۔ پھر کسی اور کی کیا مجال ہے کہ کسی مخالف کے متعلق اس کی بددعا کو جناب الٰہی میں قبولیت کے درجہ تک پہنچی ہوئی قرار دے دیا جائے اور مخالف کی زندگی میں اس کی موت کو اس کے کذب کا ثبوت ٹھہرایا جائے۔ پیشگوئی اور دعا میں نمایاں فرق ہے۔ جب پیشگوئی بھی، جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، اعمال کے بدلنے سے بدل جاتی ہے اور مامور من اللہ کی زندگی میں اس کا پورا ہونا ضروری نہیں، تو دعا یا بددعا تو بندہ کا ایک سوال ہوتا ہے۔ اس کا پورا کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ پر حاکم نہیں کہ اپنی ہر بات اس سے منوا سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جن باتوں کو چاہتا ہے قبول کرتا ہے اور جن کو چاہتا ہے ردّ کر دیتا ہے۔

ہاں! اس میں شک نہیں کہ نبیوںؑ اور ماموروں کی زیادہ قبول ہوتی اور جناب الٰہی میں سنی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نصرت ہوتی ہے جو انہیں کامیابی پر کامیابی عطا کرتی ہے۔ اور اگرچہ وہ مخالفین کی زندگی میں فوت ہو جائیں لیکن ان کا کام جاری رہتا ہے۔ ان کا نام نہیں مٹتا۔ بڑی بڑی مخالفتوں کے باوجود ان کا کام اور ان کی جماعت ترقی

کرتی چلی جاتی ہے۔ اور ان کے مخالفین تمام زور اور طاقتیں صرف کرنے کے باوجود خائب و خاسر اور ناکام رہ جاتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد کوئی انہیں جانتا بھی نہیں جیسا کہ مسیلمہ کذّاب کی ہلاکت کے بعد اس کا تمام سلسلہ مٹ گیا اور سوائے ''کذّاب'' مشہور ہونے کے، اس کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہا۔ یہی ایک صادق اور کاذب میں مابہ الامتیاز ہے جس کی بعض کھلی مثالیں آج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔

کیا انذاری پیشگوئیاں موجب مسرّت ہیں؟

بعض ظاہر بین لوگ انذاری پیشگوئیاں سن کر یا ان کے پورا ہونے کے اعلان دیکھ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ پیشگوئی کرنے والے کو لوگوں کی موت یا عذاب آنے سے خاص خوشی حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ نہ کسی کو موت یا کوئی اور عذاب دینا ان کے اختیار کی بات ہوتی ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی خبر مل جائے تو اُس کے سنا دینے میں کوئی ہرج بھی نہیں، بلکہ فائدہ ہی ہے کہ ممکن ہے وہ شخص، جس کے متعلق وہ خبر ہے، ڈر کر اپنی بداعمالیوں سے باز آجائے یا توبہ واستغفار کرے تا کہ اس کی بلاء ٹل جائے۔ ایسی پیشگوئیاں محض مخالفین ہی کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ بعض وقت اپنے دوستوں، عزیزوں یا بعض ایسے لوگوں کے متعلق بھی جو عملاً برے نہیں، آنے والے خطرناک واقعات کی خبریں مل جاتی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشگوئی کی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیشگوئی کی۔ کیا وہ ان کی دشمنی کی وجہ سے تھی؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت سے خوشی حاصل ہوتی تھی؟!

ایسا ہی حضرت مسیح موعود کا الہام ہے ''شَاتَانِ تُذْبَحَانِ'' جو آپ کے دو مخلص مریدین۔ صاحبزادہ عبداللطیف وعبدالرحمٰن شہید۔ کے متعلق ہے۔ جنہیں کابل میں سنگسار کیا

گیا۔کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کو اس پیشگوئی کی اشاعت سے کوئی خاص خوشی حاصل ہوئی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کے متعلق بعض آنے والے مصائب کی جو پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں، وہ آپؐ کے لئے خوشی کا موجب تھیں۔خدا تعالیٰ نے اگر ایسے بعض امور کی خبر آپؐ کو قبل از وقت دے دی، اگر حضرت مسیح موعودؑ کو زلازل، طاعون اور جنگوں وغیرہ کی اطلاعات قبل از وقوع اللہ تعالیٰ نے پہنچائیں اور آپ نے ان کا اعلان کیا، تو اس سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ انہیں ایسی ہلاکت اور تباہی کی پیشگوئیوں کی اشاعت سے کوئی خاص خوشی ہوتی تھی۔آپ نے خود ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ

> ''ہم بانکسار تمام اپنے موافقین ومخالفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی پیشگوئی کو اپنی نسبت ناگوار طبع (جیسے خبر موت، فوت یا کسی اور مصیبت کی نسبت) پاویں تو اس بندہ ناچیز کو معذور تصور فرمادیں ...... ان صاحبوں کی خدمت میں صدق سے ہم گذارش کرتے ہیں کہ ہمیں فی الحقیقت کسی کی بدخواہی دل میں نہیں بلکہ ہمارا خداوند کریم خوب جانتا ہے کہ ہم سب کی بھلائی چاہتے ہیں اور بدی کی جگہ نیکی کرنے کو مستعد ہیں اور بنی نوع کی ہمدردی سے ہمارا سینہ معمور ہے اور سب کے لئے ہم راحت وعافیّت کے خواستگار ہیں، لیکن جو بات کسی موافق یا مخالف کی نسبت یا خود ہماری نسبت کچھ رنج دہ ہو، تو ہم اس میں بکلّی مجبور ومعذور ہیں ...... اور عالم الغیب کو گواہ رکھ کر کہتے ہیں۔ ہمارا سینہ سراسر نیک نیّتی سے بھرا ہوا ہے اور ہمیں کسی فرد بشر سے عداوت نہیں۔اور گو کوئی بدظنی کی راہ سے کیسی ہی بدگوئی وبدزبانی کی مشق کر رہا ہے اور ناخدا ترسی سے

ہمیں آزار دے رہا ہے، ہم پھر بھی اس کے حق میں دعا ہی کرتے ہیں کہ
اے خدا۔ اے قادر وتوانا! اس کو سمجھ بخش۔ اور اس کو اس کے ناپاک
خیال اور ناگفتنی باتوں میں معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ابھی
اس کا مادہ ہی ایسا ہے اور ہنوز اس کی سمجھ اور فکر اس قدر ہے کہ جو حقائق
عالیہ تک نہیں پہنچ سکی ۔

زاہد بظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست   درحق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

اور باوجود اس رحمت عام کے، جو فطرتی طور پر خدائے بزرگ و برتر نے
ہمارے وجود میں رکھی ہے، اگر کسی کی نسبت کوئی بات ناملائم یا کوئی
پیشگوئی وحشت ناک بذریعہ الہام ہم پر ظاہر ہو تو وہ عالمِ مجبوری ہے۔
جس کو ہم غم سے بھری ہوئی طبیعت کے ساتھ اپنے رسالہ میں درج کریں
گے''۔(اشتہار 20 فروری 1886ء مندرجہ تبلیغ رسالت ص 56، 57، 58)

حضرت مسیح موعودؑ کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ انذاری پیشگوئیوں یا قہری
نشانات کی اشاعت ماموریا ملہم کے لئے کسی خاص خوشی کا موجب نہیں ہوتیں بلکہ رنج اور
تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ اس قسم کی بعض باتیں، جو موافقین یا مخالفین کی قضا وقدر سے
تعلق رکھتی ہیں، ان پر غیب سے ظاہر کی جاتی ہیں، اس لئے وہ معذور ہوتے ہیں۔ اس سے یہ
نتیجہ نکالنا، کہ انہیں لوگوں کے ڈرانے اور انہیں عذاب وغیرہ کی خبریں سنانے سے خاص خوشی
حاصل ہوتی ہے، ایک احمقانہ خیال ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر احمقانہ خیال یہ ہے کہ اگر کسی
ایسی پیشگوئی کے پورا ہونے پر یہ اعلان کیا جائے کہ خدا کے مامور نے اس کی قبل از وقت
اطلاع دے رکھی تھی تو یہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ ''جماعت احمدیہ'' کو لوگوں کی ہلاکت اور
تباہی سے خاص خوشی لاحق ہوتی ہے۔

حال ہی میں غازی نادر شاہ کی شہادت پر جب حضرت مسیح موعود کے الہام ”آہ! نادر شاہ کہاں گیا“ کو پیش کیا گیا اور یہ اعلان کیا گیا کہ یہ الہام 1905ء میں آپ کو ہوا تھا جب غازی نادر شاہ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، نہ ان کی کوئی حیثیت تھی، اس لئے کسی کے وہم میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ وہ کسی وقت سلطنت کابل کے اعلیٰ ترین مناصب پر ترقی کرتے کرتے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوں گے اور پھر انہیں کسی ظالم کے ہاتھوں جام شہادت پلایا جائے گا، جس پر خلق خدا پکار اٹھے گی کہ ”آہ! نادر شاہ کہاں گیا“، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں چونکہ یہ سب کچھ تھا، اس لئے اس نے پہلے سے اس کی خبر دے دی، جو مجدّد وقت کی صداقت کا ایک کھلا ثبوت ہے تو ”سیاست“ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ احمدی جماعت پلیگ کے چوہے ہیں، ان سے بچنا چاہئے کیونکہ ان کو لوگوں کی موت اور تباہی و ہلاکت سے خاص خوشی حاصل ہے۔ کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ کیا جب امام حسینؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی اور وہ شہید ہو گئے تو مسلمانوں کو کوئی خوشی ہوئی تھی یا نہیں، بلکہ خود تمہیں بھی اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے خوشی ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر خوشی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ امام حسینؓ کی شہادت پر تم خوش ہو اور اگر خوشی نہیں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی تمہارے دل میں کوئی عزت و وقعت نہیں۔ یہی سوال حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصائب کی پیشگوئیوں کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی پیشگوئیوں کے متعلق خوشی اور رنج دونوں قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ مرنے والے کے متعلق رنج بھی ہوتا ہے اور پیشگوئی کے پورا ہونے پر خوشی بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کی معرفت جو خبر سالہا سال قبل دے رکھی تھی، اس کا پورا ہونا ایک تو اس مامور کی صداقت کو ثابت کرتا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ پر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مرنے والے کے متعلق ہمارے دل میں رنج اور افسوس نہیں۔ اگر وہ پیشگوئی پوری نہ بھی ہوتی اور خدا تعالیٰ اسے ٹال

دیتا، تو اس سے مامور کی صداقت پر کوئی حرف نہ آسکتا تھا۔ کیونکہ، جب کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں، انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جایا کرتی ہیں، لیکن جب وہ پوری ہوگئی اور مامور من اللہ کی ایک سالہا سال پہلے کی کہی ہوئی بات واقعات کی صورت اختیار کر کے ہمارے سامنے آئی، تو جہاں مرنے والے کے متعلق رنج اور افسوس ہوتا ہے، وہاں تازگیٔ ایمان ہونے کی وجہ سے مسرت کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسے موقعہ پر دنیا کو بتانا، کہ یہ شخص با خدا انسان ہے جس نے بالکل ناموافق حالات میں ایسی بات کہی اور وہ آج پوری ہورہی ہے۔ انہی دونوں قسم کے جذبات کا اظہار خود حضرت مرزا صاحب نے لیکھ رام کے قتل پر کیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ لیکھ رام کے معاملہ میں اس بات سے تو خوش ہوں کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پوری ہوئی مگر دوسرے پہلو سے میں غمگین ہوں کہ وہ عین جوانی کی حالت میں مرا۔ اگر وہ میری طرف رجوع کرتا تو میں اس کے لئے دعا کرتا یا یہ بلا ٹل جاتی۔ اس کے لئے ضروری نہ تھا کہ اس بلاء کے ردّ کرانے کے لئے مسلمان ہو جاتا، صرف اس قدر ضروری تھا کہ گالیوں اور گندہ زبانی سے اپنا منہ روک لیتا''۔ (حقیقۃ الوحی ص285)

بعینہ یہی ہمارا حال غازی نادر شاہ کے متعلق ہے۔ جہاں تک انسانی ہمدردی کا تعلق ہے، ہمیں رنج اور افسوس ہے کہ ایسا بیدار مغز بادشاہ، جو نہ صرف سرزمینِ افغانستان بلکہ مسلمانانِ عالم کے لئے مایہ صد ناز و افتخار تھا، اس بے دردی کے ساتھ مارا گیا اور اس آوازہ خلق میں ہم بھی اسی رنج و افسوس کے ساتھ حصہ دار ہیں کہ'' آہ! نادر شاہ کہاں گیا''۔ چنانچہ باوجود اس اعلان کے، جو پیشگوئی کے پورا ہونے کے متعلق کیا گیا، ایک تعزیتی تار بھی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے ان کے فرزند محمد ظاہر شاہ موجودہ والیٔ افغانستان کو بھیجا گیا کہ ''ممبرانِ انجمن

کو آپ کے والد محترم کی وفات کی خبر سن کر بہت صدمہ ہوا۔ ہم خلوص دل سے آپ کی درازیٔ عمر اور خوشحالی کی دعا کرتے ہیں۔ محمد علی صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور‘‘۔

یہ تو انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔ اور ہمارے نزدیک وہ انسان، جو اس تقاضائے انسانیّت سے خالی ہے، انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا تقاضا بھی ہے۔ اور وہ اس بات کا اعتراف ہے کہ مجدّد وقت کی زبان پر جو یہ فقرہ آج سے اٹھائیس سال پہلے جاری ہوا کہ ’’آہ! نادر شاہ کہاں گیا‘‘، یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ ورنہ وہ کونسی عالم الغیب ہستی تھی جس نے اس کلمہ کو اس وقت اس کی زبان پر جاری کیا، جب دنیا کو اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اٹھائیس سال بعد کے واقعات اسی کلمہ کو دنیا کی زبان پر جاری کر دیں گے۔ یہاں تک کہ خود ’’سیاست‘‘ کے صفحات بھی نادرشاہ کے متعلق اس ’’آہ‘‘ سے خالی نہ ہوں گے، جس کا اظہار الہام الٰہی میں کیا گیا ہے۔ اگر حق شناسی کا مادہ ہوتا تو ایسے صاف اور کھلے نشان کو دیکھ کر مرزا صاحب کی صداقت کا اعتراف کیا جاتا۔ لیکن افسوس! کہ یہ نعمت آج ہمارے مخالفین سے بالکل چھن چکی ہے۔

یہ کہنا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہونے کی وجہ سے کسی کے لئے بددعا نہ کرتے تھے، صریحاً غلط ہے بئر معونہ پر ستّر قاریوں کے بیدردی سے قتل کئے جانے پر آپؐ ایک ماہ تک نماز کے اندر قاتلین کے لئے بددعا کرتے رہے۔ قریش پر قحط کا عذاب نازل کرنے کے لئے آپؐ نے دعا فرمائی اور یہ الفاظ آپؐ کی زبان پر جاری ہوئے۔ **اللّٰھم اجعل علیھم سنین کسنی یوسف** اے اللہ! یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی قحط سالی کی طرح ان ظالم قریش پر بھی قحط ڈال دے۔ پھر جنگوں کے موقعہ پر اسلام کی کامیابی کے لئے جو دعائیں آپؐ کرتے تھے، وہ کفار کے حق میں دعا تھی یا بددعا؟! کیا اس وقت آپؐ رحمت نہ تھے؟ یقیناً رحمت تھے اور یہ اس رحمت ہی کا تقاضا تھا کہ شریروں، مفسدوں اور ظالموں کے وجود کو مٹانے کے

لئے آپ کو دعائیں کرنی پڑیں پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت نوحؑ کی یہ التجا کہ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح26:71) کفار کے لئے دعا تھی یا بددعا؟ کیا طوفان نوح، حضرت نوحؑ کی صداقت کا نشان نہ تھا؟ پھر کیا حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کے لئے رحمت سمجھنا چاہئے یا زحمت؟! افسوس ہے کہ حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے ان کُھلے حقائق سے بھی آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں اور ایسے کمزور اور بودے دلائل سے کام لیا جاتا ہے جن کی کوئی اصلیّت نہیں۔ اوّل تو اس موقعہ پر دعا اور بددعا کا سوال ہی غلط ہے۔ انذاری پیشگوئیاں ضرور کسی بددعا ہی کا نتیجہ نہیں ہوتیں، بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے، خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور اولیاء کو ان قہری نشانات کی اطلاع خود بخود پہلے سے دے دیتا ہے تاکہ دنیا اپنی بدکرداریوں کے ان آنے والے نتائج سے ڈر کر اپنے اعمال کو درست کر لے۔ لیکن چونکہ عام طور پر لوگ خائف ہونے کے بجائے اور زیادہ شرارتوں میں بڑھ جاتے ہیں، اس لئے خدا تعالیٰ کا قہری ہاتھ ان انذاری پیش گوئیوں کو پورا کر کے دوسروں کی عبرت کا موجب ہوتا ہے۔ اور یہی باتیں مامور من اللہ کی صداقت اور خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کے نشانات بن جاتی ہیں۔ اس قسم کے تباہی خیز واقعات اور قہری نشانات صرف حضرت مرزا صاحب ہی کی آمد پر ظاہر نہیں ہوئے، تمام انبیاء علیہم السلام کی آمد پر بھی ہمیشہ ایسے نشانات ظاہر ہوتے رہے ہیں جن کے تذکرہ سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ نوحؑ کا طوفان، قوم عاد کی ہلاکت، قوم ثمود کا زلزلہ میں پکڑے جانا، لوطؑ کی بستی پر تباہی خیز بارش، قوم شعیبؑ کا زلزلہ سے ہلاک کیا جانا، فرعون کی تباہی، بنی اسرائیل میں طاعون کا پھیلنا وغیرہ واقعات کن باتوں کا نتیجہ تھے؟ کیا وہ انبیاءؑ کی تکذیب اور حق کی مخالفت اور دشمنی وعناد کے نتائج نہ تھے؟ کیا ان قہری نشانات کا تذکرہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ مخلوقِ خدا کی ہلاکت اور تباہی میں ہمیں خوشی لاحق ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو قرآن کریم کو کیا کہا جائے گا جس نے بار بار ان نشانات کا تذکرہ کیا ہے۔ کہیں فرمایا

اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ. (الاعراف 64:7) ہم نے غرق کردیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ اندھی قوم تھی کہیں ارشاد فرمایا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ. (الاعراف 72:7) فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ. (الاعراف 78:7) وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ. (الاعراف 84:7)

ہم نے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دیں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ مؤمن نہیں تھے۔ پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے ہو کر رہ گئے۔ پس ہم نے برسایا ان پر مینہہ پس دیکھ کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

غرض بارہا مجرموں اور انبیاءؑ کے مخالفوں کی ہلاکت وتباہی کا ذکر نہایت عبرت انگیز الفاظ میں کیا ہے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی مخلوق کی تباہی اور اس کے ذکر سے خوشی ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو بہتر ہے کہ ہمیں بھی اسی سنّت اللہ کا حامی اور متّبع قرار دے لیں۔

تعجب ہے کہ قرآن کریم تو فرماتا ہے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (بنی اسرآءیل 15:17) یعنی ہم ہرگز کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ اپنے رسول کو (جس میں نبی، مجدّد اور مصلح سب شامل ہیں) بھیج نہ لیں۔ لیکن آج ''سیاست'' کے لائق مدیر کے نزدیک یہ وہ طلسم ہوشربا ہے جس میں کسی جن یا دیو کی آمد سے پہلے آندھی، بارش، زلزلہ وغیرہ کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ (سیاست 2 دسمبر 1933ء)

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. جن لوگوں کی نظروں میں قرآن کی یہ عزت ہو، جو انبیاء کرامؑ اور دیگر مامورینؒ کی آمد اور ان کے نشانات کو جنّوں اور دیووں کے جھوٹے اور لچر افسانوں سے تشبیہ دیں، ان سے حق شناسی کی امید کیا ہوسکتی ہے؟! کاش! کوئی حق شناس آنکھ

ہوتی تو دیکھتی کہ ’’طاعون کے چوہے‘‘ یہ لوگ ہیں جو انبیاءؑ کے قصص کو داستان امیر حمزہ اور طلسمِ ہوشربا سے تشبیہ دیتے اور مامورین الٰہی پر زبانِ طعن دراز کر کے طاعون اور زلازل وغیرہ کو عملاً دعوت دے رہے ہیں یا وہ لوگ جو ان کی سچے دل سے عزت کرتے اور مامور من اللہ کی آواز پر لبیک کہہ کر دنیا میں نیکی اور راستبازی پھیلانے میں کوشاں ہیں؟

غرض جہاں تک قہری نشانات کا تعلق ہے، ان کی قبل از وقت خبر دینا یا بعد از وقوع ان کو بطورِ نشان پیش کرنا، ایک ایسی بات ہے جو قابل اعتراض نہیں ہوسکتی۔ نہ لوگوں کی تباہی میں مامورین الٰہی کو کوئی خاص خوشی ہوتی ہے، بلکہ ان کا دل رنج وافسوس سے بھر جاتا ہے کہ کیوں لوگ خدا کے حکموں سے انکار کر کے ایسے قہری نشانات کو دعوت دیتے ہیں۔ قبل از وقت ان کی اطلاع دیئے جانے میں بھی یہی راز پنہاں ہے کہ دنیا ڈر کر توبہ اور خشیّت الٰہی کی طرف رجوع کرے۔ اور جب وہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں تو ان کا ذکر بھی اسی غرض سے کیا جاتا ہے کہ دوسرے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور بدکرداریوں اور حق کی مخالفت سے باز آجائیں۔

انیسواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں

1۔ مصلحِ موعودؑ کی پیشگوئی

ان چند تمہیدی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کی ان پیشگوئیوں پر غور کیجئے جنہیں سیّد حبیب نے ''غلط اور بالکل غلط'' قرار دیا ہے۔ سب سے پہلے جس پیشگوئی کا انہوں نے ذکر کیا ہے، وہ ایک عظیم المرتبت فرزند کی پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کو جماعت احمدیہ کی اصطلاح میں ''مصلحِ موعود'' کا نام دیا جاتا ہے۔

سیّد حبیب صاحب کا اعتراض

سیّد صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی جن وجوہ کی بناء پر ''غلط اور بالکل غلط'' ثابت ہوئی، وہ خود انہیں کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:

''20 فروری 1876ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار دیا کہ اس غرض سے انہیں ایک نشانی ملی ہے اور انہیں خداوند قدوس نے بشارت دی ہے کہ ان کے ہاں ایک فرزند ارجمند پیدا ہوگا جو وجیہہ اور پاک اور ذکی ہوگا۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے، وہ رجس سے پاک ہے، وہ نور اللہ ہے، مبارک ہے، وہ آسمان سے آتا ہے، اُس کے ساتھ فضل ہے، وہ صاحبِ شکوہ وعظمت ودولت ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر تعریفیں درج ہیں کہ میں ان کے تکرار سے قاصر

ہوں۔ اس اشتہار کے شائع ہونے پر بعض مخالفین نے لکھا کہ مرزا صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہو چکا ہے اور اشتہار اب دیا گیا ہے۔ اس اعتراف کے جواب میں مرزا صاحب نے 22 مارچ 1886ء کو ایک اور اشتہار دیا جس میں اعلان کیا کہ ہمارے (مرزا صاحب کے) ہاں دو لڑکے بیس اور بائیس سال کی عمر کے ہیں اور کوئی لڑکا موجود نہیں۔ لیکن لڑکا ضرور پیدا ہوگا۔ اشتہار بہت طویل ہے لیکن ملخص اس کا یہی ہے۔ اس پر بھی لوگوں نے اعتراض کئے تو مرزا صاحب نے 18 اپریل 1886ء کو ایک اور اشتہار دیا جس میں پھر اپنے دعوے کی تجدید کی۔ ان اشتہارات میں مرزا صاحب نے یہ لکھ دیا تھا کہ لڑکا نو سال کے اندر ہوگا۔ آخری اشتہار میں یہ بھی لکھا کہ حمل تو ہو گیا ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ لڑکا جو آنے والا ہے وہ یہی ہوگا یا کسی بعد کو پیدا ہوگا۔ اگر مرزا صاحب اسی پر اکتفاء کرتے تو اس پیشگوئی کے پورا نہ ہونے کے متعلق ہمارے احمدی دوست جو توجیہات پیش کرتے ہیں، ان میں ضرور وزن ہوتا۔ مگر افسوس کہ مرزا صاحب نے اس پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ جب آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اگست 1887ء کو اعلان کر دیا کہ وہ لڑکا پیدا ہو چکا۔ چنانچہ اس اشتہار کے الفاظ یہ ہیں:

''اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا، جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار 18 اپریل 1886ء میں پیشگوئی کی تھی اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں، جو اس کے قریب ہے، ضرور

پیدا ہو جائے گا۔ آج 16 ذیقعدہ 1304ھ مطابق 7 اگست 1887ء میں بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ دو بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہو گیا۔ **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ**

مگر افسوس ہے کہ خداوندِ قدیر کی قدرت غالب آئی اور وہ لڑکا 4 نومبر 1886ء کو سولہ ماہ کی عمر کے بعد فوت ہو گیا۔ اس پر جب ایک شور پیدا ہوا تو مرزا صاحب نے اشتہار دے کر توجیہات پیش کیں، مگر وہ معتقدین کے لئے مفید ہوں تو ہوں، آپ کے محولا بالا اشتہار کے بعد میرے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اس لئے کہ آپ نے خود اشتہار دے کر تسلیم کیا تھا کہ یہی لڑکا وہ تھا جس کی خدا تعالیٰ نے انہیں بشارت دی تھی‘‘۔

سیّد حبیب صاحب کی تاریخی غلطیاں

حبیب صاحب کے اس بیان میں سب سے پہلے ان تاریخی غلطیوں کی اصلاح ضروری ہے جو نقل در نقل کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی ہیں۔ پہلے تو 20 فروری 1886ء کے اشتہار کی تاریخ 20 فروری 1876ء لکھی ہے، یعنی پورے دس سال پہلے کی تاریخ دے دی ہے۔ پھر 8 اپریل 1886ء کے اشتہار کی تاریخ دو جگہ 18 اپریل 1886ء لکھی ہے، لیکن ان سب سے بڑھ کر فاحش غلطی، جس کو حبیب صاحب کا کرشمہ قدرت کہنا چاہئے، یہ ہے کہ جس مولود مسعود کی تاریخِ ولادت حضرت مسیح موعودؑ نے 7 اگست 1887ء بنائی، اس کی وفات کی تاریخ حبیب صاحب نے نومبر 1886ء لکھی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک پیدا ہونے سے دس ماہ پہلے فوت ہو گیا، یا یوں کہئے کہ فوت پہلے ہوا۔ اور پیدا بعد میں ہوا، معلوم نہیں یہ کرشمۂ قدرت حبیب صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ یا کاتب صاحب کا سہو اخبار اور کتاب ہر دو میں ایسی عجیب

وغریب قلمکاری کا موجب ہوا ہے۔ بہرحال یہ ان کے کمالاتِ حبیبیہ میں سے ایک ہے، جن کے نمونے جا بجا ان کی کتاب میں ملتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے 'مولود مسعود' کی تاریخ پیدائش 7 اگست 1887ء اور تاریخ وفات 4 نومبر 1888ء بتائی ہے (ملاحظہ ہو اشتہار نمبر 47 مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل ص 121)

بشیرِ اوّل کی پیدائش کو مصلح موعود کی پیشگوئی پر چسپاں نہیں کیا گیا

اب اصل اعتراض کو لیجیے۔ حبیب صاحب کا خیال ہے کہ 7 اگست 1887ء کے اشتہار میں حضرت مسیح موعودؑ نے جس ''مولود مسعود'' کو وہ لڑکا قرار دیا ہے جس کے متعلق اشتہار 8 اپریل 1886ء میں پیشگوئی کی گئی تھی، وہ وہی ہے، جس کا ذکر اشتہار 20 فروری 1886ء میں کیا گیا ہے اور جس کا نام بشیر اور عنموائیل وغیرہ رکھا گیا ہے، اور چونکہ وہ لڑکا صرف سولہ ماہ کی عمر پا کر فوت ہو گیا، اس لئے پیشگوئی غلط ہو گئی۔ حالانکہ یہ تمام استدلال شروع سے آخر تک غلط ہے۔ 20 فروری 1886ء کو جس عظیم المرتبت فرزند کی پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ نے فرمائی، اس کے متعلق آپ نے کبھی نہیں لکھا کہ وہ پیدا ہو چکا، نہ 7 اگست 1887ء کے اشتہار میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ بلکہ وہاں 8 اپریل 1886ء کے اشتہار کا حوالہ دیا گیا ہے جہاں صاف طور پر لکھا ہے:

> ''آج 8 اپریل 1886ء میں اللہ جلّشانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدّت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ **لیکن ظاہر نہیں کیا گیا کہ جواب پیدا ہو گا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے اندر پیدا ہو گا**''۔

جلی الفاظ قابل غور ہیں۔ اس عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے مصلح موعود کی پیشگوئی سے الگ ایک اور لڑکے کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ اور اسی کے متعلق 7 اگست 1887ء کو لکھا کہ

''اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار 8 اپریل 1886ء میں پیشگوئی کی تھی اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں، جو اس کے قریب ہے، ضرور پیدا ہو جائے گا، آج 16 ذیقعدہ 1304ھ مطابق 7 اگست 1887ء میں 12 بجے رات کے بعد ڈیڑھ دو بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہو گیا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ**''

پس اس لڑکے کا فوت ہو جانا مصلح موعود کی پیشگوئی پر اثر انداز نہیں۔ کیونکہ آپ نے کبھی اسے اس پیشگوئی مندرجہ اشتہار 20 فروری 1886ء کا مصداق قرار نہیں دیا، بلکہ ایک دوسری پیشگوئی کا مصداق ٹھہرایا جو محض اس کی پیدائش سے تعلق رکھتی تھی اور پیدائش ہی کے ساتھ پوری ہو گئی۔ اسی حقیقت کا اظہار آپ نے اشتہار یکم دسمبر 1888ء میں بعنوان ''حقانی تقریر بر واقعہ وفاتِ بشیر'' کیا ہے۔ جس کو حبیب صاحب نے اس وجہ سے نقل نہیں کیا کہ اس کی توجیہات ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ شاید اس لئے کہ وہ اصل حقیقت کو زیادہ صفائی سے مبرہن کرنے کی موجب ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس میں صفائی کے ساتھ لکھا ہے:

''جس قدر اس عاجز کی طرف سے اشتہار چھپے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص ایک ایسا حرف بھی پیش نہیں کر سکتا، جس میں یہ دعوٰی کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا جو فوت ہو گیا ہے بلکہ 8 اپریل 1886ء کا اشتہار اور نیز 7 اگست 1887ء کا اشتہار، کہ جو 8 اپریل 1886ء کی بنا پر اور اس کے حوالہ سے بروز تولد بشیر شائع کیا گیا تھا،

صاف بتلا رہا ہے کہ ہنوز الہامی طور پر یہ تصفیہ نہیں ہوا کہ آیا یہ لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا کوئی اور ہے''۔

ہاں 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں مصلح موعود کی پیشگوئی کے علاوہ ایک اور بھی پیشگوئی تھی جس کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''الہام نے پیش از وقوع دولڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا اور بیان کیا کہ بعض لڑکے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے۔ دیکھو اشتہار 20 فروری 1886ء، اشتہار 10 جولائی 1888ء مطابق پہلی پیشگوئی کے ایک لڑکا پیدا ہوگیا اور فوت بھی ہوگیا اور دوسرا لڑکا، جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا، جس کا دوسرا نام محمود (1) ہے۔ اور اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر 1888ء ہے پیدا نہیں ہوا، مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا''۔ پھر لکھا ہے:

''20 فروری 1886ء کے اشتہار کی یہ عبارت، کہ ایک خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے، یہ مہمان کا لفظ درحقیقت اسی لڑکے کا نام رکھا

1۔ میاں محمود احمد مصلح موعود نہیں ہوسکتے۔ بعض لوگ غلطی سے ان الفاظ کا مصداق میاں محمود احمد صاحب موجودہ خلیفہ قادیان کو سمجھتے اور انہیں مصلح موعود قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ نہ ان کا ایسا دعویٰ ہے اور نہ حضرت مسیح موعود نے اس پیشگوئی کا مصداق انہیں قرار دیا ہے، بلکہ اشتہار 20 فروری 1886ء میں مصلح موعود کے جو نشانات لکھے ہیں، ان میں ایک بڑا نشان یہ بھی ہے کہ وہ ''تین کو چار کرنے والا ہوگا''۔ اور ظاہر ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کسی رنگ میں بھی تین کو چار کرنے والے نہیں۔ اس کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے ضمیمہ انجام آتھم میں، جو میاں محمود احمد کی پیدائش کے نو سال بعد شائع ہوا، بدیں الفاظ کیا ہے: ''پھر ایک اور الہام ہے جو 20 فروری 1886ء میں شائع ہوا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کرے گا۔ اس وقت ان

گیا تھا۔ اور یہ اس کی کم عمری اور جلد فوت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
کیونکہ مہمان وہی ہوتا ہے جو چند روز رہ کر چلا جاوے اور دیکھتے دیکھتے
رخصت ہو جاوے۔ اور جو قائم مقام ہو اور دوسروں کو رخصت کرے،
اس کا نام مہمان نہیں ہوسکتا۔ اور اشتہار مذکور کی یہ عبارت کہ وہ رجس
سے (یعنی گناہ سے) بکلّی پاک ہے، یہ بھی اس کی صغرسنی کی وفات پر
دلالت کرتی ہے۔ اور یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ جس پیشگوئی کا ذکر ہوا
ہے، وہ مصلح موعود کے حق میں ہے۔ کیونکہ بذریعہ الہام کُھل گیا ہے کہ یہ
سب عبارتیں پسرِ متوفی کے حقّ میں ہیں''۔

پس حبیب صاحب کا یہ فرمانا، کہ جس عظیم المرتبت فرزند کی پیشگوئی آپ نے اشتہار 20 فروری 1886ء میں کی تھی، وہ غلط ثابت ہوئی، اُن کی اپنی غلط فہمی اور غلط استدلال کا نتیجہ

تین لڑکوں کا، جو اَب موجود ہیں، نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور اس الہام کے معنی یہ تھے کہ تین لڑکے ہوں گے اور پھر ایک اور ہوگا جو تین کو چار کردے گا۔ تو ایک بڑا حصّہ اس کا پورا ہوگیا۔ یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں۔ صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہوگا''۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ میاں محمود احمد صاحب مصلح موعود والی پیشگوئی کے مصداق کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے تفاول کے طور پر ان کا نام بشیر اور محمود بھی رکھا، لیکن اس کا اعلان کرتے ہوئے یہ بھی صاف طور پر لکھا ہے کہ ''ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے''۔

یہ انکشاف بعد میں آپ پر ہوگیا، جب ضمیمہ انجام آتھم کی مندرجہ بالا عبارت میں ''تین کو چار کرنے والا کا الہام پیش کرکے آپ نے بتادیا کہ موجودہ تین لڑکوں میں سے کوئی بھی مصلح موعود والی پیشگوئی کا مصداق نہیں''۔

ہے۔ بشیر اوّل کی پیدائش اور وفات دونوں موقعوں پر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی ولادت کو مصلح موعود کی پیشگوئی کے علاوہ ایک دوسری پیشگوئی کا مصداق قرار دیا اور مصلح موعود کی پیشگوئی کا اس کے ساتھ تعلق نہیں بتایا۔

مصلح موعود کی پیشگوئی کیا ہوئی؟

کہا جائے گا کہ اگرچہ حبیب صاحب کا استدلال غلط ہے، تاہم مصلح موعود والی پیشگوئی کب اور کہاں پوری ہوئی؟ اس بارہ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہی خیال تھا کہ آپ کی اسی نسل میں اس پیشگوئی کا مصداق پیدا ہوگا اور آپ نے صاحبزادہ مبارک احمد کو، جو فی الواقعہ تین کو چار کرنے والا تھا، اس کا مصداق بھی قرار دیا۔ لیکن وہ فوت ہوگیا اور اس کے بعد آپ کو یہ بھی الہام ہوا **نّانبشّرک بغلام حلیم ینزل بمنزلۃ المبارک** (اشتہار تبصرہ مورخہ 5 نومبر 1907ء) لیکن ایسا کوئی لڑکا آپ کے ہاں پیدا نہیں ہوا مگر اس کو پیشگوئی کے غلط ہونے پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی تشریح ایک اور الہام سے ہوتی ہے جو حقیقۃ الوحی میں بدیں الفاظ نقل کیا گیا ہے **انا نبشرک بغلام نافلۃ لک.** اس کا ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے کہ ''ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا''۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ الہام بھی آپ نے نقل کئے ہیں **تری نسلًا بعیدًا. انا نبشّرک بغلام مظھر الحقّ والعلٰی کانّ اللّٰہ نزل من السمآء.** ''اور تو ایک دور کی نسل دیکھ لے گا۔ ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہو گا۔ گویا آسمان سے خدا اترے گا''۔ آخری الہام مصلح موعود ہی کے متعلق ہے اور اشتہار 20 فروری 1886ء میں درج ہے۔ ان سب الہامات کو اگر یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصلح موعود کی آمد حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی نسل سے نہیں بلکہ دُور کی نسل سے

تعلق رکھتی ہے۔ بیٹے اور پوتے کے الفاظ نہایت وسیع معنی رکھتے ہیں اور آپ کی اولاد نسلاً بعد نسل بھی آپ کے بیٹوں اور پوتوں ہی میں شامل ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

بنونا بنوا بناء ناوبناتنا بنوهنّ ابناء الرجال الاباعد

یعنی ہمارے بیٹوں کی بیٹی ہماری ہی بیٹی ہے۔ البتہ ہماری بیٹوں کی بیٹی دوسرے مردوں کی بیٹی ہیں۔ ایسا ہی قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت یوسفؑ کا باپ فرمایا ہے۔ کَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ (یوسف 6:12) اس لئے یہ بعید از قیاس نہیں کہ مصلح موعود کی پیشگوئی حضرت مسیحؑ کی اولاد میں دُور کی نسل میں جا کر پوری ہو۔ خود حبیب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی نسلیں بعد پیدا ہونے کے باوجود، اس مقدس نانا جان کے دوہتے نہیں کہلاتے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا اجتہاد اور اس میں غلطی کا اعتراف

رہا آپ کا یہ اجتہاد۔ وہ بہرحال اجتہاد ہے، الہام نہیں۔ اور ہم بتا آئے ہیں کہ اجتہادی غلطی ملہم سے بھی اپنے الہام اور پیشگوئیوں کے سمجھنے میں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آپ نے خود اس کا اعتراف بدیں الفاظ کیا ہے:

''ہاں! ہم نے اپنے اجتہاد سے ظنّی طور پر یہ خیال ضرور کیا تھا کہ شاید لڑکا مبارک موعود ہو۔ لیکن اگر اس نادان معترض کے اعتراض کی بنیاد صرف ہمارا ہی خیال ہے، جو الہام کے سرچشمہ سے نہیں بلکہ صرف ہمارے ہی غور و فکر کا نتیجہ ہے، تو سخت جائے افسوس ہے کیونکہ وہ اس خیال کی شامت سے اسلام کی اونچی چوٹی سے ایسا نیچے کو گرے گا کہ صرف کفر وارتداد تک نہیں پہنچے گا بلکہ نیچے کو لڑھکتا لڑھکتا دہریت کے نہایت عمیق گڑھے میں اپنے بدبخت وجود کو ڈال دے گا۔ وجہ یہ کہ اجتہادی

غلطیاں، کیا پیشگوئیوں کے سمجھنے اور ان کا مصداق ٹھہرانے میں اور کیا دوسری تدبیروں اور کاموں میں، ہر ایک نبیؑ اور رسولؑ سے ہوئی تھیں‘‘۔
(تریاق القلوب ص72)

پس حبیب صاحب کا یہ بیان غلط ہے کہ مصلح موعود کی پیشگوئی صحیح نہیں نکلی یا حضرت مسیح موعود کی اجتہادی تعیّن غلط ہونے کی وجہ سے غلط ثابت ہوئی۔ اجتہادی غلطی جب انبیاءؑ سے بھی ہو جاتی ہے، جیسا کہ ہم اس مضمون کی تمہید میں ثابت کر آئے ہیں، جب حضرت مسیح موعود کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ مصلح موعود کی اجتہادی تعیّن میں ان سے غلطی ہوئی اور آپ نے الہاماً کوئی تعیّن نہیں فرمائی۔ جب **تری نسلاً بعیدًا** کا الہام بھی آپ کے متعلق موجود ہے۔ اور **انانبشرک بغلام نافلة لک** کا الہام بھی ہے۔ جس میں بیٹے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ کسی پوتے کا ذکر ہے، جو ہوسکتا ہے کہ کسی دُور کی نسل میں پیدا ہو کر **مظهر الحق و العلٰی کانّ اللّٰه نزل من السمآء** کا مصداق ہو۔ تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی پیشگوئی غلط نکلی۔ اجتہاد کے غلط ہونے سے پیشگوئی غلط نہیں ہو جاتی۔ پیشگوئی صحیح ہے اور انشاء اللہ پوری ہو کر رہے گی۔ کیا حبیب صاحب کو پتہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی پیشگوئیاں تھیں جو آپؐ کی زندگی میں پوری نہیں ہوئیں بلکہ آپ کے بعد مختلف زمانوں میں پوری ہوئیں اور آج تک پوری ہو رہی ہیں۔ کیا اگر آج سے تیرہ سو سال پیشتر کوئی شخص اٹھتا اور حبیب صاحب کی طرح یہ کہتا کہ دجال کی جو پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، وہ ’’غلط اور بالکل غلط‘‘ ثابت ہوئی، کیونکہ آپ کو ابن صیاد کے دجال ہونے پر شبہ ہوا تھا اور وہ دجال ثابت نہ ہوا۔ **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (التوبۃ 33:9) پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپؐ کا وصال ہو گیا اور اظہار دین نہیں ہوا، تو اس کا یہ اعتراض صحیح ہوگا؟ جو جواب آپ ایسے معترض کو دے سکتے ہیں، وہی اس پیشگوئی کے متعلق اپنے اعتراض کا جواب سمجھ لیں۔ اور غور کر لیں کہ آپ کا قدم کن لوگوں کے قدم پر ہے۔

مصلح موعود کی پیشگوئی صداقتِ رسول ؐ کا نشان ہے

حضرت مسیح موعودؑ نے مصلح موعود کی پیشگوئی اپنی کسی بڑائی کے لئے نہیں فرمائی بلکہ صاف لکھا ہے کہ:

''اس جگہ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہئے کہ یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلّشانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف رحیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے ...... اے لوگو! میں کیا چیز ہوں اور کیا حقیقت ۔ جو کوئی مجھ پر حملہ کرتا ہے، وہ درحقیقت میرے پاک متبوع پر، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، حملہ کرنا چاہتا ہے ۔ مگر اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ آفتاب پر خاک نہیں ڈال سکتا بلکہ وہی خاک اس کے سر پر، اس کی آنکھوں پر، اس کے منہ پر گر کر اس کو ذلیل اور رسوا کرے گی ۔ اور ہمارے نبی کریم ؐ کی شان وشوکت، اس کی عداوت اور اس کے بخل سے کم نہیں ہوگی بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ ظاہر کرے گا ۔ کیا تم فجر کے قریب آفتاب کو نکلنے سے روک سکتے ہو ۔ ایسے ہی تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب صداقت کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ خدا تعالیٰ تمہارے کینوں اور بخلوں کو دور کرے''

(اشتہار 22 مارچ 1886ء مندرجہ تبلیغ رسالت ص 75)

کیا جناب سیّد حبیب ان الفاظ کو دل کی آنکھوں سے مطالعہ کریں گے اور اس بات پر غور کریں گے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اس پیش گوئی کو آپ کی کسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے غلط قرار دے کر وہ آنحضرت ؐ کے آفتاب صداقت کو تو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کر رہے ۔ جن کے لئے ''اسے ایک عظیم الشان نشان آسمانی'' قرار دیا گیا ہے؟

2۔عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی

پیشگوئی کیوں اور کس طرح ہوئی ؟

دوسری پیشگوئی، جس کے غلط ثابت ہونے کا ذکر سیّد حبیب نے اپنے مضمون کی تیرھویں قسط میں کیا ہے،عبداللہ آتھم کے متعلق ہے۔اس پیشگوئی کے متعلق یہ بتا دینا ضروری ہے کہ 11 اپریل 1893ء کو جنڈیالہ ضلع امرتسر کے عیسائی مشنریوں نے ڈاکٹر مارٹن کلارک پادری امرتسر کی معرفت وہاں کے مسلمانوں کو پبلک مناظرہ کا چیلنج دیا۔جس پر انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ سے امداد کی درخواست کی۔حضرت ممدوح نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے خط وکتابت کر کے اور وفد بھیج کر تحریری مناظرہ کا انعقاد طے کر لیا، جو آپ اور ڈپٹی عبداللہ آتھم کے مابین 22 مئی 1893ء سے شروع ہو کر 5 جون 1893ء کو ختم ہوا۔دورانِ مباحثہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے الوہیّت وابنیّت مسیح کے ابطال اور اسلام کی حقانیت کے ثبوت میں بہت سے زبردست دلائل پیش کئے۔دورانِ مباحثہ ہی میں آپ نے یہ لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی ہے کہ ’’ہر ایک مقابلہ میں، جو روحانی برکات اور سماوی تائیدات میں کیا جائے، تیرے ساتھ ہوں اور تجھ کو غلبہ ہوگا‘‘۔اس بناء پر آپ نے فیصلہ کا یہ سیدھا اور آسان رستہ بتایا کہ ’’میں زندہ اور کامل خدا سے کسی نشان کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ حضرت مسیحؑ سے دعا کریں‘‘۔اس پر عیسائیوں نے دوسرے دن ایک اندھا، ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ ان کو آپ اچھا کر کے دکھائیں۔حضرت مسیح موعودؑ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس قسم کے اقتداری نشانات دکھانے کا ہمارا دعوٰی نہیں۔یہ تو مسیحیت کا نشان خصوصی ہے اور حضرت مسیحؑ نے فرمایا ہے کہ

> ’’وے جو ایمان لائیں گے، ان کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو

اٹھا لیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پائیں گے، انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے‘‘

اس لئے آپ خود ہی ان بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں چنگا کر دکھائیں تو ہم مان لیں گے کہ آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں۔ اسلام کا یہ نشان نہیں۔ اسلام کا طریق یہ ہے کہ کسی امر کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اللہ تعالیٰ اسے منظور کر کے پیشتر سے کسی نشان کی اطلاع دے دے۔ اس کا جواب عیسائیوں نے کیا دینا تھا؟ انہوں نے شرمندہ ہو کر اپنے پیش کردہ بیماروں کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آخری پرچہ میں یہ بیان لکھوایا۔

’’آج رات جو مجھ پر کھلا، وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے بہت تضرّع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی 15 ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو سخت ذلّت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے، اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اُس وقت، جب پیشین گوئی ظہور میں آوے گی، بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بہرے سننے لگیں گے‘‘۔

اب میں ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھہرے گی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کے بارے میں، جن کو ''اندرونہ بائیبل'' میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں، محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں ہو جائے گی'' (5 جون 1893ء) اس پیشگوئی میں تین باتیں قابل غور ہیں:

1۔ دونوں فریقوں میں سے جو فریق جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے، وہ 15 ماہ کے اندر ھاویہ میں گرایا جائے گا۔

2۔ ''بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے''۔ یعنی اگر حق کی طرف رجوع کرے تو ھاویہ میں گرایا جانا ملتوی ہو جائے گا''۔

3۔ یہ پیشگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں، جنہیں ڈپٹی عبداللہ آتھم نے اپنی کتاب ''اندرونہ بائیبل'' میں (معاذ اللہ) دجال قرار دیا ہے، صداقت کا نشان ٹھہرے گی۔

ان تین باتوں میں سے ہمارے مخالفین کے تمام اعتراضات کا دارومدار صرف پہلی شق پر ہے۔ آخری دونوں شقیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔

سیّد حبیب کا اعتراض

یہی طریق سیّد حبیب نے بھی اختیار کیا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ آتھم کے ھاویہ میں گرائے جانے کی معیاد تاریخ پیشگوئی سے پندرہ ماہ تک تھی۔ یعنی 5 ستمبر 1894ء تک ''لیکن ڈپٹی عبداللہ آتھم بجائے 5 ستمبر 1894ء کے 27 جولائی 1896ء کو فوت ہوئے''۔ حبیب صاحب فرماتے ہیں کہ:

''اس پر اعتراض ہوئے تو مرزا صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا گو آتھم پندرہ ماہ میں نہیں مرا لیکن مرا تو سہی، اس میں کیا ہرج ہے۔ میعاد کو

مت دیکھو کہ مرتو گیا۔ چنانچہ آپ کے اصلی الفاظ، جو کتاب ''سراج منیر'' کے صفحہ 62 پر ہیں، وہ قابل دید ہیں۔فرماتے ہیں:

''اگرکسی کی نسبت یہ پیشگوئی ہو کہ وہ پندرہ مہینے تک مجذوم ہو جائے گا اور اس کے ناک اورتمام اجزا گر جائیں گے،تو کیا وہ مجاز ہوگا کہ یہ کہے کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی،نفس واقعہ پرنظر چاہئے''۔

حضرت مسیح موعودؑ کی اس عبارت کونقل کرنے کے بعدحبیب صاحب لکھتے ہیں کہ:

''عقیدت مند دماغ جو چاہیں عذر قبول کریں اورمریدوں کے دل جہاں چاہیں سرتسلیم خم کر دیں،لیکن انصاف یہ ہے کہ آتھم بے چارہ دوامی زندگی لے کرنہیں آیا تھا،مرنا تو اسے تھا ہی،مرزاصاحب کی پیشگوئی تب پوری سمجھی جاتی کہ وہ مرزاصاحب کی بتائی ہوئی میعادکے اندرفوت ہوتا۔یوں فوت تو مرزاصاحب بھی ہوئے۔لہٰذا آتھم کے بعد از میعاد مرنے کواپنی پیشگوئی کی صداقت کی دلیل ٹھہرانا،حسن عقیدت کا حد سے متجاوز امتحان لینے کی کوشش کرنا ہے۔اور راقم الحروف بلاخوف لومۃ لائم اعلان کرنے پر تیار ہے کہ اس عاجز کی رائے میں مرزاصاحب کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی''۔

سیّد صاحب کی حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں سے ناواقفیّت

اس میں شک نہیں کہ آتھم کے میعاد کے بعد فوت ہونے پر اگرحضرت مسیح موعودؑ نے محض اتنا ہی کہا ہوتا جتنا حبیب صاحب نے نقل یا ان کی طرف منسوب کیا ہے،تو حبیب صاحب کا اعتراض فی الواقعہ صحیح تھا۔لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی جوعبارت نقل کی ہے،اوّل تو وہ ''سراج منیر'' میں نہیں بلکہ ''حقیقت الوحی'' میں ہے اور وہ بھی

حاشیہ پر۔ اصل متن کی عبارت کو، جس میں آتھم کے میعاد کے بعد فوت ہونے کے مفصل وجوہ لکھے ہیں، انہوں نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اور ہاتھ کیونکر لگاتے۔ ''حقیقۃ الوحی'' یا ''سراج منیر'' کو تو انہوں نے دیکھا تک نہیں۔ جو کچھ دوسرے معترضین نے اپنی کتابوں میں لکھ رکھا ہے، اسی پر مکھی پر مکھی مار رہے ہیں۔ اگر ان معترضین نے ''حقیقۃ الوحی'' کی عبارت کو ''سراجِ منیر'' کی عبارت قرار دے دیا، تو وہی سیّد حبیب صاحب نے نقل کر دیا ہے۔ اس کو جانے ان کی بلا، کہ ''حقیقۃ الوحی'' کی عبارت کونسی ہے اور ''سراج منیر'' کی کونسی۔ اور اصل کتاب میں کیا اتنا ہی لکھا ہے، جس قدر نقل کیا گیا ہے یا کچھ اور بھی درج ہے۔

آتھم کے بعد میعادِ فوت ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا بیان

حبیب صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کے بعد میعاد فوت ہونے پر نہایت تفصیل کے ساتھ مختلف کتابوں میں نہایت معقول وجوہ لکھے ہیں۔ ''حقیقۃ الوحی'' میں بھی نہایت معقولیت کے ساتھ اس پر تبصرہ فرمایا ہے۔ اور اسی صفحہ پر، جس کے حاشیہ کی دو سطریں انہوں نے نقل کی ہیں، ہم اُن کے افادہ کے لئے ان وجوہ کو ''حقیقۃ الوحی'' ہی سے نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''عبداللہ آتھم کی نسبت اور نیز احمد بیگ اور اس کے داماد کی نسبت صدہا مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ دونوں پیشگوئیاں شرطی تھیں۔ عبداللہ آتھم کی نسبت پیشگوئی کے یہ لفظ تھے کہ وہ پندرہ مہینے میں ہلاک ہوگا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ لفظ نہیں تھے کہ بشرطیکہ ظاہری طور پر مسلمان بھی ہو جائے۔ رجوع ایک ایسا لفظ ہے جو دل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ سو اس نے اسی مجلس میں، جس میں ساٹھ یا ستر یا کچھ کم وبیش آدمی موجود

تھے، پیشگوئی سننے کے بعد آثار رجوع ظاہر کئے۔ یعنی جب میں نے پیشگوئی سنا کر اس کو یہ کہا کہ تم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب میں دجال کہا ہے، اس کی سزا میں یہ پیشگوئی ہے کہ پندرہ مہینے کے اندر تمہاری زندگی کا خاتمہ ہوگا، تب اس کا رنگ زرد ہوگیا اور اس نے اپنی زبان باہر نکالی اور دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے۔ اور بلند آواز سے کہا کہ میں نے ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دجال نہیں رکھا۔ اس مجلس میں مسلمانوں میں سے ایک رئیس امرتسر کے بھی موجود تھے، جن کا نام شاید یوسف شاہ تھا اور بہت سے عیسائی اور مسلمان تھے۔ بالخصوص عیسائیوں میں سے ڈاکٹر مارٹن کلارک بھی تھا، جس نے بعد میں میرے پر خون کا مقدمہ دائر کیا تھا۔ ان سب کو حلف کے ساتھ پوچھنا چاہئے کہ کیا یہ امر وقوع میں آیا تھا یا نہیں۔ اور اگر درحقیقت یہ الفاظ عبداللہ آتھم کے منہ سے نکلے تھے تو اب سوچنا چاہئے کہ کیا یہ شوخی اور شرارت کے الفاظ تھے یا عجز و نیاز اور رجوع کے الفاظ تھے۔ میں نے تو اس قسم کے عجز و نیاز کے الفاظ اپنی تمام عمر کسی عیسائی کے منہ سے نہیں سنے۔ بلکہ اکثر ان کی کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے بھری ہوئی دیکھی ہیں۔ پھر جبکہ ایک مخالف شخص نے عین مباحثہ کے وقت میں اس قدر تذلّل اور انکسار کے ساتھ دجال کہنے سے انکار کیا اور بعد میں وہ پندرہ مہینہ تک خاموش رہا بلکہ روتا رہا، تو پھر کیا وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس بات کا حق نہ رکھتا تھا کہ خدا تعالیٰ شرط کے موافق اس کو فائدہ پہنچاتا۔ پھر بہت مدت تک بھی اس کی زندگی نہیں ہوئی۔ بلکہ چند ماہ کے بعد فوت ہو

گیا۔اس نے بعد اس کے کوئی شوخی نہیں دکھائی۔اور جو کچھ اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، وہ عیسائیوں کا اپنا کرتب ہے۔غرض نفس پیشگوئی تو اس کی موت تھی۔اس کے موافق وہ میری زندگی میں ہی مر گیا۔خدا نے میری عمر بڑھا دی اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔اب اس بات پر زور دینا، کہ وہ میعاد کے اندر نہیں مرا، کس قدر ظلم اور تعصّب ہے۔اے نادان! کیا یونسؑ کے قصّہ سے بھی بے خبر ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔یونسؑ کی پیشگوئی میں کوئی شرط بھی نہیں تھی، تب بھی توبہ واستغفار سے اس کی قوم بچ گئی۔حالانکہ اس کی قوم کی نسبت خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ تھا کہ وہ ضرور چالیس دن کے اندر ہلاک ہو جائیں گے۔مگر وہ اس پیشگوئی کے مطابق چالیس دن کے اندر ہلاک ہوگئی؟ اگر چاہو تو ''درّ منثور'' میں ان کا قصّہ دیکھ لو، یونہ نبی کی کتاب بھی ملاحظہ کرو۔حد سے زیادہ کیوں شرارت دکھلاتے ہو۔کیا ایک دن مرنا نہیں۔شوخی اور بد دیانتی ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی''۔(حقیقۃ الوحی ص185، 186، 187)

اس عبارت میں پیشگوئی کی آخری دوشقوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، بعد کے حالات سے ذیل کے نتائج اخذ کئے گئے ہیں:

1۔عبداللہ آتھم کی پیشگوئی شرطی تھی۔اور اس کے یہ لفظ تھے کہ پندرہ ماہ میں ہلاک ہوگا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔

2۔''حق کی طرف رجوع'' سے مسلمان ہو جانا مراد نہ تھا بلکہ دلی رجوع مراد تھا۔جس کا منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے اور دجال کہنے سے پرہیز کرنا تھا۔

3۔عبداللہ آتھم نے اسی مجلس میں، جس میں یہ پیشگوئی سنائی گئی، ساٹھ ستّر آدمیوں کے سامنے کانوں پر ہاتھ رکھے اور زبان باہر نکالی اور بلند آواز سے کہا کہ میں نے ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال نہیں کہا جو اس کا رجوع اور عجز و نیاز تھا۔

4۔ پیشگوئی کے بعد 15 ماہ تک وہ خاموش رہا بلکہ روتا رہا۔ جو اُس کے رجوع کی ایک اور زبردست دلیل ہے۔

5۔ان حالات میں اس کا حق تھا کہ رجوع الی الحق کی مندرجہ بالا شرط سے فائدہ اُٹھاتا، جو اسے پہنچ گیا۔

6۔ پیشگوئی میں حضرت مسیح موعودؑ اور عبداللہ آتھم دونوں میں سے جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرجانے کا ذکر ہے۔سو اگرچہ وہ میعاد کے اندر نہیں مرا مگر نفسِ پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی مر گیا اور حضرت مسیح موعود کی عمر بڑھا دی گئی‘‘۔

آتھم کا خوف اور انابت

اَب سیّد حبیب ہی انصاف فرمائیں کہ یہ وجوہ ان کے نزدیک معقول ہیں یا نہیں۔ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ وعید کی پیشگوئیوں میں اگرچہ شرط کا کوئی ذکر بھی نہ ہو، تاہم وہ مشروط ہوتیں اور تضرّع وانابت سے ٹل جاتی ہیں۔لیکن آتھم کے معاملہ میں تو یہ شرط بھی موجود ہے کہ اگر اس نے رجوع الی الحق نہ کیا تو پندرہ ماہ کے اندر ھاویہ میں گرایا جائے گا۔

پس ایسی حالت میں کہ یہ کھلی شرط پیشگوئی میں موجود ہے کہ ’’بشرطیکہ حق کی طرف

رجوع نہ کرے‘‘ اور آتھم نے اس پیشگوئی کو سنتے ہی بر سر مجلس بلند آواز سے یہ کہا کہ میں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال نہیں کہا اور اس کے بعد بھی پندرہ ماہ کی مدت تک نہ صرف بالکل خاموش رہا بلکہ اس پر خوف اور حزن طاری رہا، یہاں تک کہ راتوں کو اور دن کے وقت چلّا اُٹھتا کہ وہ دیکھو زہریلا سانپ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، وہ سوار تلواریں لے کر مجھے مارنے کو آرہے ہیں، وہ مجھ پر بندوق چلائی گئی، حالانکہ نہ کہیں کوئی سانپ تھا، نہ کوئی سوار مارنے کو آتے تھے بلکہ وہ خوف، جو اس کی طبیعت پر غالب تھا، وہی اس کو مختلف شکلیں بن کر دکھائی دیتا تھا۔ اسی خوف کی وجہ سے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے کی طرف بھاگتا پھرتا رہا۔ اور عیسائیوں کو اس کی کوٹھی پر خاص طور پر پہرہ لگوانا پڑا، جس کا اعتراف مخالف وموافق ہر ایک کو ہے۔ تو یہ کہنا، کہ وہ پیشگوئی کی میعاد کے اندر کیوں نہ مرا، کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے قبل ثابت کر آئے ہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں توبہ واستغفار یا رجوع الی الحق سے ٹل جاتی ہیں۔ یونسؑ نبی کی قوم سے اس وجہ سے عذاب ٹل گیا کہ اُنہوں نے توبہ اور تضرّع کا پہلو اختیار کرلیا۔ یہاں تک کہ چالیس دن کی میعاد، جو حضرت یونسؑ نے عذاب الٰہی کے آنے کی مقرر کی تھی، گذر گئی اور حضرت یونسؑ کو شرمندگی سے وہ زمین چھوڑنی پڑی۔ یہی حال یہاں بھی ہے۔ آتھم نے جب پیشگوئی کے ساتھ ہی رجوع الی الحق اختیار کیا اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہنے سے کانوں پر ہاتھ رکھے اور ڈرتا اور روتا رہا تو اللہ تعالیٰ ظالم نہ تھا کہ اس خوف وحزن کی حالت میں بھی، جبکہ وہ بدزبانی سے باز آ گیا، اُسے پکڑتا۔

آتھم میعاد کے اندر ھاویہ میں گرایا گیا

لیکن پیشگوئی تو اس حالت میں بھی پوری ہوگئی۔ کیونکہ اس میں عمداً جھوٹ بولنے اور سچے خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کو خدا بنانے والے فریق کے ھاویہ میں گرائے جانے کا

ذکر ہے۔ موت کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ اور ھاویہ میں تو وہ اسی دن گر گیا جب وہ لرزہ براندام ہوکر شہر بہ شہر بھاگتا پھرا اور سانپوں اور بندوقوں اور حملہ آور سواروں کی شکلیں دیکھ دیکھ روتا اور چلاتا رہا۔ کیا یہ ھاویہ کا نمونہ نہیں؟ اگر ایسے شدید خوف وحزن کے باوجود بھی اس کا ھاویہ میں گرایا جانا ثابت نہیں تو بتایا جائے کہ ھاویہ کس چیز کا نام ہے؟! ہاں! اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ھاویہ سے مراد موت لی ہے۔ اور یقیناً 15 ماہ ہی کے اندر موت اس پر وارد ہوتی۔ اگر وہ اپنی زبان کو بند کر کے غضبِ الٰہی کی آگ کو کسی قدر کم نہ کر دیتا اور پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق سے فائدہ نہ اُٹھاتا۔

آتھم کو چیلنج اور اس کا سکوت

لیکن پندرہ ماہ کے گذر کے بعد جب عیسائیوں اور اُن کے بھائی مسلمانوں نے شور مچانا شروع کیا کہ ایک آسمان سر پر اُٹھایا کہ مرزا جھوٹا ہوگیا تو حضرت مسیح موعودؑ نے پے در پے سات اشتہارات شائع کئے جن میں آتھم کو چیلنج کیا گیا کہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے ایک بھرے جلسہ میں مؤکد بعذاب حلف اُٹھائے کہ اس نے ان پندرہ ماہ میں حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ چنانچہ آپ آتھم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ مجلس عام میں قسم غلیظ مؤکد بہ عذاب موت کھاویں تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے اور دنیا تاریکی میں نہ رہے، اور اگر آپ چاہیں گے تو میں بھی ایک برس یا دو برس یا تین برس کے لئے قسم کھالوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سچا ہرگز برباد نہیں ہوسکتا، بلکہ وہی ہلاک ہوگا جس کو جھوٹ نے پہلے سے ہلاک کر دیا ہے۔ اگر صدقِ الہام اور صدقِ اسلام پر مجھے قسم دی جائے تو میں آپ سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ لیکن آپ کے قسم کھانے کے وقت

تین ہزار کے بدرے پہلے پیش کئے جائیں گے۔ یا تحریر باضابطہ لے کر پہلے
ہی دے دیئے جائیں گے۔ اگر میں روپیہ دینے میں ذرا بھی توقف کروں
تو اسی مجلس میں جھوٹا ٹھہر جاؤں گا۔ مگر وہ روپیہ ایک سال تک آپ کے
ضامنوں کے پاس رہے گا۔ پھر اگر آپ زندہ رہے تو آپ کی ملک ہو
جائے گا۔ اور اگر اس کے سوا میرے لئے میرے کاذب نکلنے کی حالت میں
سزائے موت بھی تجویز ہو تو بخدا اس کے بھگتنے کے لئے تیار ہوں''۔

اس زبردست چیلنج کا کیا جواب آتھم کی طرف سے ملا؟ کیا وہ حضرت مسیح موعودؑ کے مطالبہ کے مطابق مؤکد بعذاب قسم کھانے پر تیار ہوا؟ کیا اس نے کوئی جواب اس چیلنج کا دیا؟ ہر گز نہیں۔

عقائد مسیحیّت سے آتھم کا رجوع

بلکہ 21 دسمبر 1894ء کے ''نور افشاں'' میں یہ اعلان کیا کہ ''میں عام عیسائیوں کے عقیدہ ابنیّت والوہیّت کے ساتھ متفق نہیں۔ اور نہ میں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ (حضرت مرزا صاحب) کے ساتھ کچھ بیہودگی کی''۔

فرمایئے۔ اس سے بڑھ کر رجوع الی الحق اور کیا ہوسکتا ہے۔ عقیدہ ابنیّت والوہیّت ہی پر تو پندرہ دن تک حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ وہ بحث کرتا رہا۔ جب وہ اس سے متفق نہ رہا اور نہ حسب مطالبہ اپنے رجوع کے خلاف قسم اُٹھانے پر تیار ہوا تو رجوع الی الحق کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟!

مسلمان مولویوں کو حضرت مسیح موعودؑ کا چیلنج

اس بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے ان مسلمان مولویوں کو بھی مخاطب کیا جو عیسائیوں کی حمایت پر صداقتِ اسلام کے نشان کو جھٹلانے کے درپے تھے۔ اور اُنہیں

بڑے زور سے للکارا کہ:

''اگر کوئی مولویوں میں سے کہے کہ (رجوع الی الحق) ثابت نہیں تو اگر وہ اس بات میں سچا اور حلال زادہ ہے تو عبداللہ آتھم کو اس حلف پر آمادہ کرے جو ہم لکھ چکے ہیں۔ اگر عبداللہ آتھم قسم کھالے تو ہم بلا توقف ہزار روپے بلکہ اب تو دو ہزار روپے باضابطہ تحریر لے کر دے دیں گے۔ پھر وہ اگر ایک سال تک فوت نہ ہوا تو مولوی لوگ ہمارا جو نام رکھیں، سب سچ ہوگا۔ ورنہ اس تصفیہ سے پہلے جو شخص اس فتح نمایاں کو قبول نہیں کرتا، خواہ وہ امرت سر کا ہے، یا غزنوی یا لدھیانوی یا دہلوی یا بٹالوی، وہ سراسر ظلم کرتا ہے۔ اور خبردار رہے کہ خدا تعالیٰ کی ظالموں اور کاذبوں پر لعنت ہے''۔(انوارالاسلام ص24)

لیکن کسی مولوی سے یہ نہ ہو سکا کہ عبداللہ آتھم کو ایسی حلف پر آمادہ کرتا۔اس لئے جہاں تک اصل پیشگوئی کا تعلق ہے وہ تو اس سے سچی ثابت ہوگئی کہ

1۔آتھم اس کو سنتے ہی ایسے خوف وحزن میں پڑا جو ھاویہ سے کمتر نہ تھا۔

2۔اس نے رجوع الی الحق کیا اور اس طرح موت کی میعاد ٹل گئی۔

آخری اعلان اور آتھم کی موت

لیکن اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑھ کر نشان دکھانا منظور تھا۔آتھم کو جب سات دفعہ بار بار قسمیں دی گئیں اور اس نے ساتوں مرتبہ قسم کھانے سے گریز کیا اور عیسائی اور اُن کے بھائی مسلمان ان کھلی تحریروں اور مطالبۂ قسم کے باوجود شور ہی مچاتے چلے گئے تو حضرت مسیح موعودؑ

نے یہ اعلان کر دیا کہ:

''آتھم صاحب اگر قسم نہیں کھائیں گے، تو اس انکار سے، جو اِن کا اصل مدعا ہے، یعنی باقی ماندہ عمر سے ایک کافی حصہ پانا ان کو ہرگز حاصل نہیں ہوگا بلکہ انکار کے بعد، جو ان کی بے باکی کی علامت ہے، جلدی اس جہان سے اُٹھائے جائیں گے''۔

یہ اعلان 30 ستمبر 1895ء کو آپ نے کیا۔ جس کے بعد سات مہینے نہیں گذرے تھے کہ 27 جولائی 1896ء کو آتھم صاحب پکڑے گئے اور اس بڑے ھاویہ میں گرائے گئے جس کو موت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

پیشگوئی کا ایک اور پہلو

اس پیشگوئی کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جو ''فریق'' کے لفظ سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی پیشگوئی کے یہ الفاظ کہ ''جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے''، بتاتے ہیں کہ آتھم کے ساتھ وہ دوسرے عیسائی بھی پیشگوئی کی زد میں آتے تھے جو اس کی پشت پناہ تھے، اس کو خود عیسائیوں نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ آتھم کی موت کے بعد ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے کپتان ڈگلس مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں بیان کیا کہ ''فریق کے لفظ میں ہم اپنے آپ کو داخل سمجھتے ہیں''۔ اسی کو کپتان ڈگلس نے اپنے فیصلہ میں تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ: ''لفظ ضعیف آدمی کو خدا بنانا، صاف طور سے فریق کا تعلق عیسائی گروہ سے ظاہر کرتے ہیں، جس فریق سے ڈاکٹر کلارک بھی ہے''۔

عیسائی ''فریق'' کا حشر

اب اس ''فریق'' کا حشر سن لیجئے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر یوحنا، جو اس بحث کا بانی

مبانی تھا اور خاص جنڈیالہ ہی میں جہاں سے بحث کی ابتدا ہوئی تھی ، رہتا تھا ، میعاد مقررہ کے اندر مر گیا۔ ڈاکٹر یوحنا عیسائیوں میں ایک اعلیٰ کارکن سمجھا جاتا تھا۔ اور مباحثہ کے دوران میں اسے مباحثہ کی طبع کا اہتمام سپرد کیا گیا تھا۔ پھر پادری رائٹ فوت ہوا۔ جو آنریری طور پر مشن کا کام کرتا تھا۔ یہ شخص اپنی حیثیّت اور منصب کے لحاظ سے اس ''فریق'' کا سرگروہ تھا۔ اور عین جوانی میں ناگہانی موت کا شکار ہوا۔ اس کی موت سے ڈاکٹر کلارک اور تمام دوسرے عیسائیوں کو سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے ماتمی لباس پہن لیا۔ اس کی موت پر اظہار افسوس کے لئے امرت سر کے گرجا میں جو جلسہ منعقد ہوا ، اس میں پادری عماد الدین نے یہ الفاظ کہے کہ '' آج رات خدا کے غضب کی لاٹھی ہم پر چلی اور اس کی خفیہ تلوار نے بے خبری میں ہم کو قتل کیا''۔

امرتسر کی عیسائی سوسائٹی نے اس موت کو ''خدا کی قہری تجلّی کا ایک نشان'' اور ''خدا تعالیٰ کے غضب کا ایک ظہور'' قرار دیا۔ جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ عیسائی فریق اس پیشگوئی کی زد سے نہ بچ سکا اور غضب الٰہی نے اسے میعاد پیشگوئی کے اندر ھاویہ میں گرا کر اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ عمدًا جھوٹ کو اختیار کر رہا اور کہ حضرت مسیح موعودؑ اسلام کو خدا کا سچا مذہب قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔

پیشگوئی ہر پہلو سے سچّی ثابت ہوئی

غرض پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق آتھم کا اسے سنتے ہی خوف وحزن کے ھاویہ میں گرنا ، اس کا ابنیّت والوہیّت مسیحؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے سے رجوع ، پندرہ ماہ تک اس کی خاموشی اور میعاد گذرنے کے بعد بار بار قسم کے لئے بلائے جانے کے باوجود انکار اور گریز اور بہ موجب آیہ کریمہ **اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ** (الدّخان 15:44) اس قلیل مہلت کے بعد اس کا دوبارہ پکڑے جانا اور حضرت مسیح موعودؑ کی

زندگی میں موت کے ھاویہ میں گرنا، پھر عیسائی ''فریق'' پر ''خدا کے غضب کی لاٹھی چلنا'' اور ''اس کی خفیہ تلوار'' کا اسے قتل کرنا، یہ وہ امور ہیں جو اس پیشگوئی کی صداقت پر روز روشن کی طرح شاہد عادل ہیں اور بآ بانگ دہل ثابت کر رہے ہیں کہ اسلام، جس کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ پیشگوئی کی گئی تھی، سچا مذہب ہے اور مسیحی فریق عمدًا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔

پیشگوئی کی غرض اسلام کی صداقت ثابت کرنا تھا

لیکن آہ! افسوس کہ اس زمانہ کے مولویوں نے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنے کی بجائے عیسائیت کی حمایت کی اور اس پیشگوئی کو جھٹلا کر اسلام کو ذلیل اور رسوا کیا۔ اتنا نہ سوچا کہ پیشگوئی تو اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے کی گئی ہے، نہ کہ مرزا صاحب کے مخصوص دعاوی کی جانچ کے لئے۔ چنانچہ یہ بات اس وقت مسیحی اخبار ''نورافشاں'' نے بھی لکھی اور مسلمانوں پر حجت ملزمہ قائم کی۔ اس نے لکھا کہ:

> ''مرزا صاحب نے مسیحیوں کے ساتھ مباحثہ اپنے ملہم اور مثیلِ مسیح ہونے کے بارہ میں نہیں کیا بلکہ محمدیت کو مذہب حق اور قرآن کو کلام اللہ ثابت کرنے اور مسیحیوں کو رد کرنے کے لئے کیا تھا اور وہ پیشگوئی اختتام مباحثہ پر انہوں نے محمدیّت ہی کے مذہب بحق اور منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں کی تھی''۔ (اخبار ''نورافشاں'' لدھیانہ 21 ستمبر 1894ء جلد 22 نمبر 38، ص2 کالم نمبر2)

پیشگوئی کو جھٹلانا صداقت اسلام کو جھٹلانا ہے

پیشن گوئی کی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے جھوٹا قرار دینا یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام

معاذ اللہ جھوٹا مذہب ہے۔ اسی امر کی طرف حضرت مرزا صاحب نے بار بار متوجہ کیا اور یہ لکھا ہے:

''بعض نام کے مسلمان، جن کو نیم عیسائی کہنا چاہیئے، اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ عبداللہ آتھم پندرہ ماہ تک نہیں مرسکا اور مارے خوشی کے صبر نہ کرسکے۔ آخر اشتہار نکالے اور اپنی عادت کے موافق بہت کچھ ان میں گند بکا۔ اور اس ذاتی بخل کی وجہ سے، جو میرے ساتھ تھا، اسلام پر بھی حملہ کیا۔ کیونکہ میرے مباحثات اسلام کی تائید میں تھے نہ میرے مسیح موعود ہونے کی بحث میں۔ غایت درجہ مَیں ان کے خیال میں کافر تھا۔ یا شیطان تھا، یا دجال تھا، لیکن بحث تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کریم کی فضیلت کے بارہ میں تھی۔ اور صادق کاذب کی یہ تشریح لکھی گئی ہے کہ جو شخص سچے دل سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے انکاری ہے، وہ کاذب ہے۔ اسی فیصلہ کے لئے الہام پیش کیا گیا تھا۔ لیکن ہمیں آہ کھینچ کر کہنا پڑا کہ مخالف مولویوں نے مجھے دروغ گو ثابت کرنے کے لئے اللہ اور رسولؐ کی عزت کا ذرا خیال نہ کیا۔ اور میرا مغلوب ہونا اس بحث میں تسلیم کرلیا۔ اور اس صریح نتیجہ سے کچھ بھی نہ ڈرے جو مغلوب ہونے کی حالت میں فریق مخالف کے ہاتھ میں آتا ہے اور میاں ثناء اللہ وسعد اللہ وعبدالحق وغیرہ نے عیسائیوں کا غالب ہونا مان لیا۔ تو پھر کیوں یہ لوگ اپنے اشتہاروں میں عیسائیوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی تکذیب کے لئے یہ حجت قرار دی جبکہ بحث اسلام اور عیسائیت کے صدق وکذب کی تھی، نہ میرے کسی خاص عقیدہ کی۔ تو نعوذ باللہ اگر میں مغلوب ہوں تو پھر دشمن

کے لئے حق پیدا ہو گیا کہ اپنی عیسائیت کے صدق کا دعویٰ کرے۔ امور بحث پر نظر چاہیئے، نہ مباحثہ پر۔ مثلاً اگر ہماری طرف سے ایک بھنگی یا چمار، جو دین سے بالکل الگ ہے، اسلامی حمایت میں عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کرے تو پھر بھی یہ ممکن نہ ہو گا کہ عیسائی فتح یاب ہوں اور خدائے تعالیٰ اس کا بھنگی یا چمار ہونا نہیں دیکھے گا بلکہ اپنے دین کی عزت محفوظ رکھ لے گا اور کبھی اسلام کو سبکی نہیں دکھلائے گا''۔

''تمہیں معلوم ہوگا کہ بعض کافر اور بت پرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر کے دوسرے کافروں کے ساتھ لڑتے تھے اور چونکہ اس حالت میں مؤید اسلام تھے تو دشمنوں پر فتح پاتے تھے۔ سو فرض کرو کہ میں تمہاری نظر میں سب کافروں سے بدتر ہوں اور دوسرے کافر تو خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (النسآء 4:122) کے جہنم میں سزا پائیں گے اور میری سزا تمہاری نظر میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ تم نے میرا نام نہ صرف کافر بلکہ اکفر رکھا۔ مگر تاہم سوچنے کا مقام تھا کہ امور بحث میں ان باتوں کا کچھ بھی دخل نہ تھا جن وجہ سے مجھ کو آپ لوگ کافر اکفر اور دجال کہتے ہیں۔ بلکہ زیر بحث وہی باتیں تھیں جن کے لئے ہر ایک مسلمان کو غیرت کرنی چاہیئے''۔

لیکن اسلام کے لئے نہ اس وقت مولویوں نے غیرت دکھائی اور نہ آج انہیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سیّد حبیب نے بھی انہی بے غیرت مولویوں کے ہم نوا ہو کر یہ شرمناک جھوٹ بولا کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ بالفاظ دیگر عیسائیت کو فتح نصیب ہوئی اور اسلام کو شکست۔ پھر حیرت ہے کہ تم مسلمان کیوں ہو، کیوں عیسائی نہیں ہو جاتے۔ جب اسلام اور عیسائیت کے اس کھلے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کی اتنی بھی مدد نہ کر سکا

کہ ایک معمولی سی پیشگوئی کو پورا کر دیتا۔ خواہ وہ (معاذ اللہ) کافر ہی کے منہ سے نکلی ہو، تو کس منہ سے اسلام کو سچا مذہب تم کہہ سکتے اور اس پر فخر کا اظہار کر سکتے ہو۔ خوب غور کر کے دیکھ لیجئے یہ خیال اسلام کے لئے کس قدر نقصان رساں اور شیطانی خیال ہے۔ اور کیا اس خیال کو رکھتے ہوئے آپ اسلام کو سچا مذہب قرار دے سکتے ہیں؟!

آلِ محمدؐ کی فتح کی پیشگوئی

تمہارے اسی شیطانی خیال کا ذکر امام جعفر صادقؒ نے بدیں الفاظ کیا ہے کہ:

وعن جعفر الباقر علیہ السلام قال ینادی منادی من السمَآء ان الحقّ فی ال محمّد وینا دی من الارض لان الحقّ فی اٰل عیسٰی اوقالا العباس تشک فیہ وانما الا سفل کلمۃ الشیطان والصوت الاعلٰی کلمۃ اللّٰہ العلیا۔رواہ نعیم. (اقتربت الساعۃ ص104)

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے (نعیم بن حماد نے) روایت کی ہے کہ آسمان سے ایک پکارنے والے کی آواز آئے گی کہ حق آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اور زمین سے آواز کرنے والا کہے گا کہ حق آل عیسٰی میں رہا۔ اور یاد رہے کہ وہ جو زمین کی طرف سے آواز آئی ہے، وہ شیطانی کلمہ ہے اور جو اوپر کی طرف سے آواز آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو ہمیشہ بلند ہے۔

پس سیّد حبیب دیکھ لیں کہ اس پیشگوئی کو غلط قرار دے کر اور یہ کہہ کر کہ حق آل عیسٰی میں رہا، انہوں نے شیطانی کلمہ منہ سے نہیں نکالا؟ اور اس خدائی آواز کی تردید نہیں کی جو پیشگوئی کے پورا ہو جانے کی وجہ سے **ان الحق فی آل محمد** کی شہادت دے رہی ہے؟

اپنے آپ کو آتھم کے مقام پر کھڑا کر کے قسم کھاؤ

آخر میں ہم انہیں ایک اور امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کے مرنے کے بعد آپ کی طرح انکار کرنے والے عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھا تھا کہ:

> ''اگر اب تک کسی عیسائی کو آتھم کے اس افتراء پر (کہ اُس پر چار حملے ہوئے تھے) شک ہو تو آسمانی شہادت سے رفع شک کرالیوے۔ آتھم تو پیشگوئی کے مطابق فوت ہو گیا۔ اب وہ اپنے تئیں اس کا قائمقام ٹھہرا کر آتھم کے مقدمہ میں قسم کھالیوے اس مضمون سے، کہ آتھم پیشگوئی کی عظمت سے نہیں ڈرا بلکہ اُس پر یہ چار حملے ہوئے تھے۔ اگر یہ قسم کھانے والا بھی ایک سال تک بچ گیا تو دیکھو میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے شائع کر دوں گا کہ میری پیشگوئی غلط نکلی۔ اس قسم کے ساتھ کوئی شرط نہ ہوگی۔ یہ نہایت صاف فیصلہ ہو جائے گا اور جو شخص خدا کے نزدیک باطل پر ہے، اس کا بطلان کھل جائے گا''۔ (انجام آتھم ص15)

ہم بھی سیّد صاحب سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر باوجود ان تصریحات کے، جو اوپر بیان کی جا چکی ہیں، انہیں اب تک پیشگوئی کے سچا نہ ہونے پر اصرار ہو تو وہ آسمانی شہادت سے رفع شک کرالیں اور اپنے آپ کو آتھم کا قائمقام قرار دے کر قسم کھالیں کہ ان کے نزدیک یہ پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور آتھم پیشگوئی کی عظمت سے نہیں ڈرا۔ پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کیا دکھاتا ہے اور ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ کیا وہ اس کی جرأت کریں گے؟!

3۔مولوی ثناء اللہ کے متعلق پیشگوئیاں اور دُعائے مباہلہ

تیسری پیشگوئی سیّد صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق بیان کی ہے۔ حالانکہ مولوی ثناء اللہ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی پیشگوئی نہ تھی بلکہ ایک دعائے مباہلہ تھی جس کو مولوی ثناء اللہ صاحب نے خود پسند نہیں کیا اور مقابلہ میں نہیں آئے۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

مولوی ثناء اللہ کا ایک بیان

جس امر کا ذکر سب سے پہلے جو سیّد صاحب نے کیا ہے، وہ مولوی ثناء اللہ کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے ایک دفعہ عقیدت کے ساتھ اور دوسری مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت پر قادیان جانے کا ذکر کیا ہے۔ مولوی ثناء اللہ کا یہ بیان سیّد صاحب نے خود انہیں کے الفاظ میں ان کی کتاب ''تاریخ مرزا'' سے نقل کیا ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''جب میری عمر کوئی 17، 18 سال کی تھی، میں بشوق زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔ ان دنوں مرزا صاحب ایک معمولی حیثیت میں تھے۔ مگر باوجود شوق اور محبت کے، میں نے جو وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جو ان کی نسبت خیالات تھے، وہ پہلی ملاقات میں مبدّل ہوگئے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ آئے۔ آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں، یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ کیا کام کرتے ہو۔ میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ اتنا جانتا تھا کہ آتے ہی السلام علیکم کہنا سنّت ہے۔ فوراً میرے دل

میں وسوسہ آیا کہ اُنہوں نے مسنون طریق کی پروانہیں کی۔ کیا وجہ ہے مگر
چونکہ حسن ظن غالب تھا، اس لئے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا‘‘۔

بیان کی صحت میں اشکال

مگراس کی شہادت کیا ہے کہ مولوی صاحب کا یہ بیان صحیح ہے؟ کیا اس لئے اس کو سچا تسلیم کرلیا جائے کہ مولوی ثناء اللہ کے قلم سے نکلا ہے۔ ان کا تو مذہب یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے بھی جھوٹ بول لینا جائز ہے۔ اس سے بڑھ کر نیک مقصد ان کے نزدیک اور کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق ایسے بہتان تراشے جائیں۔ ورنہ ہزاروں اور بھی انسان حضرت مرزا صاحب سے ملاقی ہوئے۔ شوق ومحبت کے ساتھ پا پیادہ بھی وہاں گئے اور مخالفت کے جذبات لے کر بھی۔ کسی ایک بھی مخالف یا موافق کی شہادت ایسی نہیں جس سے مولوی ثناء اللہ کے بیان کی تائید ہو سکے۔ بلکہ اس کے خلاف ہر امر میں مسنون طریق کی پیروی کی شہادت ملتی ہے۔ یہاں تک کہ جب آپ کو الہام بھی ہوتا ہے کہ ’’عید تو آج ہے چاہے کرو یا نہ کرو‘‘ تو اس الہام کی خاطر بھی آپ مسنون طریق کو نہیں چھوڑتے اور رؤیت کے بغیر روزہ کھولنے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ بھی بعض وقت ہوتا ہے کہ ایک شخص السلام علیکم کہتا ہے اور دوسرا اپنے کسی خیال میں محو ہونے کے سبب سے اسے سنتا تک نہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو چاہیئے تھا کہ اسی وقت سب سے پہلے یہی سوال حضرت مرزا صاحب سے کرتے اور انہیں ٹوکتے کہ آپ نے السلام علیکم کیوں نہیں کی۔ آخر یہ بھی تو سنّت ہے کہ دوسرے کو اس کی غلطی پر آگاہ کیا جائے اور حدیث کے یہ الفاظ ہیں **الساکت عن الحق شیطان اخرس**. حق سے خاموشی اختیار کرنے والا لنگڑا شیطان ہے۔ پس فرمایئے کہ ان کے اس خلاف سنّت طریق کو کیا کہا جائے۔ حضرت مرزا صاحب کے متعلق تو ان کی روایت محدّثین کے اصول پر

پوری نہیں اُترتی۔ کیونکہ ان کے نزدیک جس راوی کا ادنیٰ بھی جھوٹ ثابت ہو جائے، اس کی روایت اصول حدیث میں کالعدم سمجھنی چاہئیے۔ اور یہاں تو خود مولوی ثناء اللہ صاحب کا مذہب ہے کہ جھوٹ بول لینا جائز ہے۔ پس حضرت مرزا صاحب کے السلام علیکم نہ کہنے کے متعلق ان کی روایت نمت ربود ہو گئی لیکن خود ان کا بدظنی کرنا اور حق سے خاموشی اختیار کرنا، انہی کے منقولہ بالا بیان سے ثابت ہے۔

متضاد باتیں

اور اس سے بڑھ کر جو تضاد ان کے بیان میں پایا جاتا ہے، وہ خود اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ ''مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جو ان کے متعلق خیالات تھے، وہ پہلی ملاقات میں مبدّل ہو گئے''۔ اور پھر دو تین سطریں آگے چل کر لکھتے ہیں ''میرے دل میں وسوسہ آیا کہ انہوں نے مسنون طریق کی پرواہ نہیں کی کیا وجہ ہے۔ مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا اس لئے وسوسہ دب کر رہ گیا''۔

دونوں باتوں میں سے ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر خیالات بدل گئے تو وسوسہ کس طرح دب گیا۔ اور اگر حسن ظن غالب ہونے کی وجہ سے وسوسہ دب کر رہ گیا تو خیالات کا اس وقت تبدیل ہو جانا غلط ہے۔ غرض یہ روایت کسی پہلو سے بھی اصولِ صحت کے مطابق نہیں۔ جھوٹ کے جواز کے متعلق مولوی ثناء اللہ کا عقیدہ، حضرت مرزا صاحب سے ان کی مخالفت، اس روایت میں ان کا منفرد ہونا، پابندی شریعت اور مسنون طریق پر عمل کے متعلق حضرت مرزا صاحب کا طریق عمل، جو ہزارہا انسانوں کی شہادتوں سے ثابت ہے، خود مولوی ثناء اللہ کا اسی روایت میں غیر مسنون طرز عمل اور سکوت عن الحق، بلکہ بدظنی کا احتمال اور پھر ایک ہی روایت میں متضاد بیانات، اس روایت کے خلاف ایسی واضح اور کھلی شہادتیں ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے ایک منٹ کے لئے بھی اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

مولوی ثناء اللہ کے متعلق تین نشان

اس کے بعد سیّد صاحب نے ''اعجاز احمدی'' کی وہ عبارات نقل کی ہیں جن میں حضرت مسیح موعودؑ نے مولوی ثناء اللہ کو قادیان پہنچ کر پیشگوئیوں کو جھوٹا ثابت کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور ہر ایک پیشگوئی کے لئے ایک ایک سو روپیہ انعام اور آمد و رفت کا خرچ اور کرایہ دینے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور پھر یہ لکھا ہے کہ:

> ''واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے (1) وہ قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیشگوئیوں کی اپنی قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی۔ (2) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔ (3) اور سب سے پہلے اس اُردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی''۔ (اعجاز احمدی ص37)

نشان اوّل کے متعلق مولوی ثناء اللہ کا ناواجب طریق عمل

مولوی ثناء اللہ کا دعوٰی ہے کہ اس چیلنج پر وہ قادیان گئے اور پیشگوئیوں کی پڑتال کرنی چاہی لیکن انہیں موقعہ نہیں دیا گیا۔ چنانچہ اس بارہ میں انہوں نے وہ خط و کتابت بھی نقل کی ہے جو قادیان پہنچ کر حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ انہوں نے کی۔ لیکن اس خط و کتابت کو بغور مطالعہ کرنے سے یہ امر روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ ''اعجاز احمدی'' میں جو دعوت حضرت مسیح موعودؑ نے انہیں دی، اسے صحیح طریق پر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اور حسن نیّت سے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا تھا کہ ''وہ قادیان

میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے‘‘۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ مولوی ثناء اللہ قادیان جانے کے باوجود حضرت مسیح موعود کے پاس نہیں گئے بلکہ آریہ مندر میں جا کر ٹھہرے۔ سچ ہے کُلُّ شَیْءٍ یرجع الی اصلہ. ان کی جگہ آریہ مندر ہی میں تھی۔ کسی مسلمان کے ہاں قیام کرنے یا خود حضرت مسیح موعود کے پاس جانے کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ جہاں سے آمد ورفت کا خرچ اور کرایہ علیحدہ ملنے کا وعدہ تھا۔

دوسری بات جو ملحوظ رکھنے کے قابل ہے، یہ کہ ایسے امر کے لئے قادیان جانے سے پہلے چاہئیے تھا کہ وہ خط وکتابت کے ذریعہ تاریخ وغیرہ مقرر کرتے۔ لیکن ایسا کرنے کے بجائے وہ 10 جنوری 1903ء کو بغیر کسی سابقہ اطلاع کے قادیان پہنچ جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں خوب معلوم تھا کہ حضرت مسیح موعود کو 15 جنوری 1903ء کو ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے جہلم کی عدالت میں حاضر ہونا ہے اور اس کے علاوہ آپ ان ایام میں کتاب ’’مواہب الرحمٰن‘‘ کی تصنیف میں مصروف تھے۔ جس کا اعلان قادیان کے اخبارات میں وہ پڑھ چکے تھے۔

قادیان کے آریہ مندر میں قیام اور حضرت مسیح موعودؑ کو ایک خط

اس شمولیت اور کم فرصتی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وہ بغیر اطلاع قادیان جا پہنچے اور آریہ مندر میں قیام کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو ایک خط لکھا۔ جس میں ’’اعجاز احمدی‘‘ کی دعوت کا حوالہ دیتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی کہ:

> **’’مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں‘‘۔**

اس عبارت میں جلی الفاظ قابل غور ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ''اعجاز احمدی'' میں جو دعوت دی ہے، اس میں قطعاً یہ وعدہ نہیں کہ مولوی ثناء اللہ کو مجمع عام میں پیشگوئیوں پر اظہارِ خیالات کا موقعہ دیا جائے گا۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ مجلس مناظرہ منعقد کی جاتی جس میں ایک طرف مولوی ثناء اللہ اپنے خیالات کا اظہار مجمع عام میں کرتے اور دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ اس کا جواب دیتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہرگز ایسا منشاء نہ تھا۔ نہ آپ نے کوئی ایسا وعدہ کیا۔ لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب جھوٹ موٹ ایسا وعدہ آپ کی طرف منسوب کر کے ایک ایسی بات کی خواہش کرتے ہیں جو انہیں خوب معلوم تھا کہ پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے قبل حضرت مسیح موعودؑ ''انجام آتھم'' میں مباحثات کو ترک کرنے کا اعلان کر چکے تھے۔ جو حسب ذیل ہے:

> ''امروز ہر چہ بر ما از تبلیغ فرض بود ادا کردیم۔ ونفس خود را از گناہ ترک واجب محفوظ داشتیم و وقت آمد کہ ما ازیں مباحثات رو گردانیم مگر آنچہ شبہ سائلان رد کند وقصد کردیم کہ بعد ازیں توضیحات علماء را مخاطب نہ کنیم اگرچہ دشنام دہند چنانچہ پیش ازیں ہمیں عادات نمودہ اند''۔ (انجام آتھم)

یعنی آج جو کچھ تبلیغ سے ہم پر فرض تھا، وہ ہم نے ادا کر دیا اور اپنے آپ کو ترک واجب کے گناہ سے محفوظ کر لیا اور وقت آ گیا ہے کہ ہم ان مباحثات سے کنارہ کشی کریں۔ سوائے اس کے کہ سائلوں کے شبہات کو رد کیا جائے۔ اور ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان توضیحات کے بعد علماء کو مخاطب نہ کریں گے۔ اگرچہ وہ گالیاں دیں۔ جیسا کہ قبل ازیں یہی عادت انہوں نے دکھائی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

اس کُھلے اعلان کے ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ سے مباحثہ اور مجمع عام میں مجادلہ

کی خواہش کرنا ایک فضول امر تھا۔''اعجاز احمدی'' میں جو دعوت آپ نے دی تھی، اس میں کہیں مباحثہ کا ذکر نہیں بلکہ منہاجِ نبوّت کے مطابق پیشگوئیوں کی پڑتال کی دعوت دی ہے۔ یہی جواب آپ نے مولوی ثناء اللہ کے اُس خط کا دیا جو آریہ مندر سے آیا تھا۔ اور باوجود اس کم فرصتی کے، جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، چار دن تک تین گھنٹہ روزانہ شبہات کے ازالہ کے لئے دینے کا وعدہ کیا، بشرطیکہ مولوی ثناء اللہ زبانی تقریر کے بجائے، جو ہمیشہ گالیوں اور تمسخر واستہزاء پر ہوتی ہے، ایک کاغذ پر دو تین سطریں کسی پیشگوئی پر اعتراض لکھ کر دے دیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کا مکتوب حسب ذیل ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

از طرف عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ وایّدہ بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ آپ کا رقعہ پہنچا۔ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک وشبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا اُن کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں، رفع کراویں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی۔ اگرچہ کئی سال ہوگئے کہ اپنی کتاب ''انجام آتھم'' میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دُور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ تو کر دیا کہ میں طالبِ حق ہوں مگر مجھے تأمل ہے کہ اس دعویٰ پر قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ اُن

لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق، جو مباحثات سے بہت دُور ہے، وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اوّل یہ اقرار کر دیں کہ آپ منہاج نبوّت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہی اعتراض کریں گے جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰؑ پر یا حضرت موسیٰؑ پر یا حضرت یونسؑ پر عائد نہ ہوتا ہو۔ اور حدیث اور قرآن کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری یہ شرط ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہیں ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصّل جواب سنا دیا جاوے گا۔ اعتراض کے لئے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری یہ شرط ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض آپ کریں گے۔ کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آ گئے اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی گفتگو شروع کر دیں۔ بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا جیسے صُمٌّ بُکْمٌ اس لئے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے۔ اوّل صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹہ تک میں اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جاوے گا کہ اگر ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سنا ویں۔ ہم خود پڑھ لیں گے۔ مگر چاہیئے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کوئی ہرج نہیں ہے۔

کیونکہ آپ تو شُبہات دُور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دُور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں بآواز بلند لوگوں کو سناؤں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا جواب یہ ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جاوے تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری 1903ء تک مَیں اس جگہ ہوں۔ بعد میں 15 جنوری کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا۔ اگرچہ کم فرصتی ہے مگر چودہ جنوری 1903ء تک 3 گھنٹہ تک آپ کے لئے خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا، ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے۔ خود خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔

سوچ لو۔ دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ بذریعہ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو، ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شُبہ پیش کرتے جاویں گے اور میں وہ وسوسہ دُور کرتا جاؤں گا۔ ایسے صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسے دُور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا۔ اس کو اپنے وساوس دُور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے، اُن کی تو نیّتیں ہی اور ہوتی ہیں۔ بالآخر اس غرض کے لئے کہ اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں، تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں اوّل چونکہ میں رسالہ ''انجام آتھم'' میں خدا تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے

کوئی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اس عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقع دیا جائے گا کہ آپ اوّل ایک اعتراض، جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو، ایک سطر یا دو سطر حد تین سطر لکھ کر پیش کریں۔ جس کا مطلب یہ ہو، کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور منہاج نبوت کی رُو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں۔ **اور میں مجمع عام میں** اس کا جواب دُوں گا۔ جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن دوسری پیشگوئی اسی طرح لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی بات زبانی نہیں سنوں گا۔ اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں۔ اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ وفساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا، اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ آمین۔ سو میں اب دیکھوں گا کہ آپ سنّت نبویؐ کے مطابق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور چاہئیے کہ اوّل آپ مطابق اس عہد مؤکد بہ قسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر لکھ کر بھیج دیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا اور آپ کو بلایا جائے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دُور کر دیئے جائیں گے۔ (مرزا غلام احمد بقلم خود)

اس مکتوب میں حضرت مسیح موعودؑ نے ازالہ شبہات کا جو طریق پیش کیا ہے، اس کے مفید اور کارآمد ہونے سے کون عقل مند انکار کرسکتا ہے۔ مولوی ثناءاللہ کو زبانی تقریر کی اجازت دینا ایک تو اس عہد کے منافی تھا، جو بحث نہ کرنے کے متعلق آپ نے کر رکھا تھا اور دوسرے مولوی ثناءاللہ کی تمسخر واستہزاء کی عادت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔

مولوی ثناءاللہ کا جواب الجواب

لیکن مولوی ثناءاللہ کو یہ کس طرح گوارا ہوسکتا تھا کہ وہ زبانی پھبتیوں سے اپنا رنگ جمانے کی کوشش نہ کریں۔ اسی لئے اس مکتوب کے جواب میں حضرت مسیح موعود پر دعوت دے کر پچھتانے اور **العادة طبيعة الثّانية** کی تحریضات کرتے ہوئے دو تین سطروں ہی میں اعتراض لکھنے کا وعدہ کرنے کے باوجود زبانی تقریر کی بھی پھر خواہش کی، خواہ پانچ دس منٹ ہی ہو۔ چنانچہ ان کے یہ لفظ ہیں:

> ''میں آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں کہ مَیں دو تین سطریں ہی لکھوں گا اور آپ بلا شک تین گھنٹہ تک تقریر کریں۔ مگر اتنی اصلاح ہوگی کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہوکر سناؤں گا اور ہر ایک گھنٹہ کے بعد پانچ منٹ، نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کردوں گا۔ اور چونکہ آپ مجمع عام پسند نہیں کرتے، اس لئے فریقین کے آدمی محدود ہوں گے جو پچیس پچیس سے زائد نہ ہوں گے''۔

مولانا سیّد محمد احسن صاحب کا جواب

اسی بات کو حضرت مسیح موعودؑ روکنا چاہتے تھے کہ اس میں اوباشانہ تکلم اور تمسخرانہ گفتگو

کا موقعہ ملتا ہے اور مولوی ثناء اللہ کسی طرح اس سے باز نہیں رہ سکتے۔ اس کے علاوہ یہ آپ کے اس عہد کے بھی خلاف تھا جو مباحثات نہ کرنے کے متعلق آپ نے کر رکھا تھا۔ اس لئے آپ کے حکم سے مولانا سیّد محمد احسن صاحب مرحوم نے حسب ذیل جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کو لکھا:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا. مولوی ثناء اللہ صاحب آپ کا رقعہ حضرت اقدس امام الزمان مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا۔ چونکہ مضامین اس کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے جو طلب حق سے بعد المشرقین کی دُوری اس سے صاف ظاہر ہوتی تھی، لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے۔ اور حضرت ''انجام آتھم'' میں نیز اپنے خط مرقومہ جواب رقعہ سامی میں قسم کھا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے مخالفین سے کوئی تقریر نہ کریں گے۔ خلاف معاہدہ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کرسکتا ہے۔ طلب حق کے لئے جو طریق حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے، کیا وہ کافی نہیں؟ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے، وہ ہرگز منظور نہیں۔ اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ جلسہ محدود ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں۔ تاکہ حق و باطل سب پر واضح ہو جائے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ 11 جنوری 1903ء۔

گواہ شد۔ محمد سرور ابو سعید عفی عنہ۔ (خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزمان)

مولوی ثناء اللہ کا گریز اور نشانِ اوّل کی صداقت

لیکن مولوی ثناء اللہ کو تو مباحثہ و مجادلہ منظور تھا۔ تمسخر و استہزاء کر کے مجلس پر ناواجب

رنگ جمانا اور اثر ڈالنا چاہتے تھے۔ جب اس خواہش کے پورا ہونے سے مایوس ہو گئے تو آریہ مندر سے بستر بوریہ باندھا اور واپس چلتے بنے۔ اگر تحقیق حق کی خواہش انہیں ہوتی تو اوّل تو حضرت مسیح موعود کی دعوت کے مطابق انہیں خود ان کے پاس جانا چاہئیے تھا۔ آریہ مندر میں جا کر اُترنا ان کی بے غیرتی کی دلیل ہے۔ لیکن جب وہ ان نشانات کو جھٹلانے کے لئے آئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ پیش کرتے ہیں، تو اُنہیں انہی لوگوں کے پاس ٹھہرنا چاہئیے تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں رات دن منہمک ہیں۔ پھر اگر وہاں ٹھہرے ہی تھے اور فی الواقعہ انہیں تحقیق حق منظور تھی تو زبانی تقریر پر اصرار کرنے کے بجائے، دوسرے طریق سے، جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا، پیشگوئیوں کی پڑتال کر لیتے۔ زبانی تقریر پر زور دینا اور اس کے نامنظور ہونے پر واپس چلے جانا، بتاتا ہے کہ انہیں تحقیقِ حق منظور نہ تھی بلکہ صرف تمسخر و استہزاء سے رنگ جمانا منظور تھا۔

اس لئے جن تین نشانوں کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے ''اعجاز احمدی'' میں کیا تھا، ان میں سے پہلا نشان تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ قادیان جانے کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ کے پاس نہ گئے اور پیشگوئیوں کی پڑتال نہ کی۔ اور سچی پیشگوئیوں کی اپنی قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ثابت ہوئی۔

ثناء اللہ کے متعلق دوسرا نشان

دوسرا نشان حضرت مسیح موعودؑ نے یہ لکھا تھا کہ ''اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب، صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے''۔

کیا مولوی ثناء اللہ صاحب اس چیلنج پر مستعد ہوئے؟ باوجود اس کے کہ انہوں نے خود ہی یہ درخواست کی تھی کہ وہ اس طور کے فیصلہ کے لئے بہ دل خواہشمند ہیں کہ فریقین

(حضرت مرزا صاحب اور مولوی ثناء اللہ) یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔ جس کو منظور کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے کم از کم پچاس معزز مولویوں کی تصدیقی شہادت سے چیلنج بصورت اشتہار دینے کے لئے لکھا۔ اور ساتھ ہی پیشگوئی بھی کر دی کہ اگر وہ اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب، صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔ لیکن اس چیلنج پر مستعد ہونا تو ایک طرف، بالکل خاموشی ہی انہوں نے اختیار کر لی۔ اس سے پیشتر بھی حضرت مسیح موعود نے ''انجام آتھم'' میں صفحہ 64 و 70 پر بہت سے مولویوں اور سجادہ نشینوں کو مباہلہ کی دعوت دیتے ہوئے مولوی ثناء اللہ کا نام ان میں لکھا تھا لیکن اس وقت بھی مولوی صاحب نے مباہلہ پر آمادگی ظاہر نہ کی۔

اخبار ''الحکم'' کا چیلنج اور مولوی ثناء اللہ کی مباہلہ پر آمادگی

آخر کار فروری 1907ء میں حضرت مرزا صاحب نے ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس کے شائع ہونے پر اخبار ''الحکم'' قادیان نے 17 مارچ 1907ء کے پرچہ میں یہ الفاظ لکھے:

> ''اس رسالہ کی ایک جلد مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بھی بھیجی گئی ہے۔ قادیان کے آریوں نے حضرت مرزا صاحب کے جو نشان دیکھ کر تکذیب کی اور کر رہے ہیں، اس رسالہ میں اُن سے مباہلہ کر دیا ہے...... اور ثناء اللہ نے بھی کوئی نشان صداقت بطور غارق عادت نہیں دیکھا ہے، تو وہ بھی قسم کھا کر پرکھ لے تا کہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کس کی حمایت کرتا ہے اور کس کی قسم کو سچا کرتا ہے''۔

اس کا جواب مولوی ثناء اللہ نے کیا دیا؟ وہ ان کے ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے:

> ''ہم تمہارے کرشن کی کذب بیانی پر قسم کھانے کو تیار ہیں۔ آؤ جس جگہ

چاہو ہم سے قسم دلوالو۔مگر پہلے یہ شائع کرادو کہ اس قسم کا نتیجہ کیا ہوگا ؟ ہم حلفیہ کہہ دیں گے کہ مرزا غلام احمد کو ہم خدا کی طرف سے مامور نہیں جانتے بلکہ اعلیٰ درجہ کا جھوٹا، مکّار، فریبی ہے۔ اور اس کی کوئی پیشگوئی خدائی الہام سے نہیں ہے۔ مرزائیو! سچے ہوتو آؤ۔ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے، جہاں تم پہلے ایک زمانہ میں صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کر کے آسمانی ذلّت اُٹھا چکے ہو۔ امرتسر میں نہیں تو بٹالہ میں آؤ۔ سب کے سامنے کارروائی ہوگی مگر اس کے نتیجہ کی تفصیل اور تشریح کرشن جی سے پہلے کرادو۔ اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ ''انجام آتھم'' میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو، سب امّت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا ہے''۔ (اہلحدیث 29 مارچ 1907ء ص9، 10)

اس عبارت میں مولوی ثناء اللہ نے صاف طور پر جماعت احمدیہ اور ان کے مقدس امام کو مباہلہ کے لئے للکارا ہے۔ صاف لکھا ہے:

1۔''اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے، جہاں تم پہلے ایک زمانہ میں صوفی عبدالحق سے **مباہلہ کر کے** آسمانی ذلّت اُٹھا چکے ہو''۔

2۔''انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ ''انجام آتھم'' میں **مباہلہ کے لئے دعوت** دی ہوئی ہے''۔

دعوت مباہلہ کی منظوری اور مولوی ثناء اللہ کا فرار

کون عقل مند ہے جو مولوی ثناء اللہ کی اس للکار کو مباہلہ کے لئے مستعدی پر محمول نہ

کرے۔لیکن اس کے جواب میں جب اخبار ''بدر'' مورخہ 4اپریل 1907ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے حکم سے اس چیلنج کی منظوری کا اعلان ہوا،تو اس کو دیکھتے ہی آپ پر رعشہ طاری ہو گیا اورمنقولہ بالافقرات میں ''مباہلہ''، ''مباہلہ'' پکارنے کے باوجود چیخ وپکار شروع کر دی کہ میں نے تو مباہلہ کا چیلنج ہی نہیں دیا۔صرف قسم کھانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ چنانچہ ایڈیٹر صاحب ''بدر'' کے مضمون اور مولوی صاحب کے جواب کے ضروری اقتباسات ذیل میں ہدیہ قارئین کرام ہیں۔ایڈیٹر صاحب ''بدر'' نے حضرت مسیح موعود کے حکم سے چیلنج مباہلہ کی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اس مضمون کے جواب میں مَیں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بے شک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو **لعنة اللّٰه علی الکاذبین** اور اس کے علاوہ ان کو اختیار ہے کہ اپنے جھوٹے ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے جو عذاب اپنے لئے چاہیں،خدا سے مانگیں ......حضرت اقدس نے پھر بھی اس پر رحم کر کے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب ''حقیقۃ الوحی'' چھپ کر شائع ہو جائے ......اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم یہ ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کر لیا ہے۔اور ہم اوّل قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات،جو اس کتاب میں ہم نے درج کئے ہیں،وہ خدا کی طرف سے ہیں۔اور اگر یہ ہمارا افتراء ہے تو **لعنة اللّٰه عَلی الکاذبین**. ایسا ہی مولوی ثناءاللہ بھی اس اشتہار اور کتاب کے

پڑھنے کے بعد بذریعہ ایک چھپے ہوئے اشتہار کے قسم کے ساتھ لکھ دیں کہ میں نے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک بغور پڑھ لیا ہے۔ اس میں جو الہامات ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں اور مرزا غلام احمد کا اپنا افتراء ہے۔ اور اگر میں ایسا کہنے میں جھوٹا ہوں تو **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین** اور اس کے ساتھ اپنے واسطے جو عذاب وہ خدا سے مانگنا چاہیں، مانگ لیں۔ ان اشتہارات کے شائع ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ کر دے گا۔ اور صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا دے گا۔ ہاں اتنی بات ہم اس پر اور بڑھا دیتے ہیں کہ ہم خدا سے دعا کریں گے کہ یہ عذاب، جو جھوٹے پر پڑے، وہ اس طرز کا ہو کہ اس میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو ...... فی الواقعہ یہ ایک قسم کی شوخی اور گستاخی ہے کہ ہم قرآن کریم کی آیت مباہلہ کے مقابل تشریحات کے طالب ہوں۔ البتہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اگر مولوی ثناء اللہ نے کوئی حیلہ جوئی کر کے اس مباہلہ کو اپنے سر سے نہ ٹال لیا تو پھر اللہ تعالیٰ بالضرور مولوی مذکور کے متعلق کوئی ایسا ہی نشان ظاہر کرے گا جو صدق و کذب میں پوری تمیز کر دے گا۔

اُمید ہے کہ اب مولوی ثناء اللہ کو اس **خود تجویز کردہ مباہلہ** سے گریز کی راہیں تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو گی ......لیکن اگر آپ اس بات پر ہی راضی ہیں کہ بالمقابل کھڑے ہو کر **زبانی مباہلہ** ہو تو پھر آپ قادیان آ سکتے ہیں اور اپنے ہمراہ دس تک آدمی لا سکتے ہیں اور ہم آپ کا زادِ راہ آپ کے یہاں آنے اور مباہلہ کرنے کے بعد پچاس روپے تک دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ امر ہر حالت میں ضروری ہو گا کہ مباہلہ ہونے سے پہلے

فریقین میں شرائط تحریر ہو جائیں گی اور الفاظ مباہلہ تحریر ہو کر اس تحریر پر فریقین اور ان کے ساتھ گواہوں کے دستخط ہو جائیں گے''۔

اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے 19 اپریل 1907ء کے ''اہلحدیث'' میں، جو 12 اپریل 1907ء کے پرچہ کے ساتھ ہی شائع ہو گیا تھا، ان الفاظ میں راہِ گریز اختیار کی۔

''میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں''۔ ''دروغ گوئی سے کام نہ لیجئے۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے، مباہلہ نہیں کہا۔ نہ میں نے آپ کو دعوت دی ہے بلکہ آپ کی دعوت کو منظور کیا ہے، نہ میں نے **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین** کہنا لکھا تھا۔ قسم اور ہے۔ مباہلہ اور ہے''۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ:

''یہ نہیں کہ میں آپ سے مباہلہ کرنے سے ڈرتا ہوں۔ معاذ اللہ۔ جب میں آپ کو محض خدا کے واسطے ایک مفسد اور دجال جانتا ہوں، نہ اب بلکہ سالہا سال سے، تو میں آپ کے مباہلہ سے کیونکر ڈر سکتا ہوں''۔

کیا یہ کسی ہوش مند انسان کا کلام ہے۔ اوّل تو خود مباہلہ کے لئے للکارا۔ جب اسے منظور کیا گیا تو لرزہ براندام ہو کر مباہلہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگے۔ اور پھر ساتھ ہی اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ مباہلہ سے میں ڈرتا نہیں۔ اگر ڈرتے نہیں تو اس سے انکار کیوں کرتے ہیں اس کے نام سے کانپنے کیوں لگتے ہیں۔ **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین** سے خوف کیوں کھاتے ہیں؟!

تین مرتبہ مباہلہ سے فرار

یہ تیسری مرتبہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ نے گریز کیا۔ پہلے 1897ء میں ''انجام آتھم'' میں ان کو دعوت مباہلہ دی گئی تو مقابلہ میں نہیں آئے۔ دوسری مرتبہ ان کی اپنی درخواست کے جواب میں ''اعجاز احمدی'' میں مباہلہ کو منظور کیا گیا تو بھاگ گئے۔ تیسری مرتبہ پھر ان کے چیلنج مباہلہ پر منظوری کا اعلان کیا گیا تو منقولہ بالا الفاظ میں عذر اور حیلہ تراشی شروع کر دی۔ جس شخص کی حالت یہاں تک پہنچی ہوئی ہو، جس کا ایمان اس درجہ کمزور ہو کہ ایک طرف مباہلہ کی ہمت نہیں کہ خدائی گرفت کا ڈر لگا ہوا ہے، اور دوسری طرف لوگوں کا بھی خوف ہے کہ کیا کہیں گے، مباہلہ سے بھاگ گیا۔ اس سے تقوٰی اور انصاف پسندی کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟! لیکن سیّد حبیب کو کیا کہا جائے کہ انہوں نے بھی مولوی ثناء اللہ کی تحریر سے صرف اتنا ہی واقعہ پیش کیا جس سے تصویر کا ایک ہی رخ نظر آئے اور ان تمام واقعات کو، جو چیلنج مباہلہ اور اس کے جواب سے تعلق رکھتے ہیں، نظر انداز کر کے اعلان کر دیا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی غلط ہوگئی۔ حالانکہ جس بات سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے مندرجہ بالا واقعات کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

حضرت مسیح موعود کی دعاء مباہلہ

لیکن ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے اُنہوں نے اپنے تمام استدلال کی بنیاد حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار 15 اپریل 1907ء پر رکھی ہے جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ ''آخری فیصلہ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ حالانکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ 12 اپریل 1907ء کو جب مولوی ثناء اللہ کا منقولہ بالا جواب شائع ہوا تو حضرت مسیح موعودؑ نے ''حقیقت الوحی'' وغیرہ بھیجنا موقوف کر دیا اور خود اپنی طرف سے دعاء مباہلہ شائع کر دی۔ اور مولوی ثناء اللہ کو بالمقابل دعا کے لئے بلایا۔ چنانچہ وہ اشتہار حسب ذیل ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب ۔ السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

’’مدت سے آپ کے پرچہ ’’اہلحدیث‘‘ میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود کذّاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذّاب اور دجال ہے۔ اور اس شخص کا دعوٰی مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دُکھ اٹھایا۔ اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے اُن گالیوں اور تہمتوں اور اُن الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مفتری ہوں، جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذّاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرّف ہوں اور مسیح موعود ہوں، تو مَیں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ سنّت اللہ کے موافق مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے

ہاتھوں سے ہے، جیسے طاعون و ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں، تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے، جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے، اگر یہ دعوٰی مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذّاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے، تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین! مگر اے میرے کامل وصادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں، جو مجھ پر لگاتا ہے، حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے، بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے، جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں، جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔ اور اُنہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَاتَقْفُ مَالَیْسَ

لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ (بنی اسرائیل36:17) پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دُور دُور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذّاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا، مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا، اے میرے بھیجنے والے! اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدّس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذّاب ہے، اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے۔ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں، جو موت کے برابر ہو، مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک! تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین۔ **ربّنا افتح بیننا وبین قومنابالحقّ وانت خیر الفاتحین.** آمین۔ بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایدہ مرقومہ یکم مارچ۔ ربیع الاوّل 1325ھ۔ 15 اپریل 1907ء‘‘۔

اس اشتہار میں حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی طرف سے دعا کرنے کے علاوہ آخر میں مولوی ثناء اللہ کو اختیار دے دیا ہے کہ ’’وہ جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں‘‘۔ یعنی اگر بالمقابل

دعا کرنا چاہیں تو کر دیں۔ اگر نہ کرنا چاہیں تو بھی لکھ دیں۔ دونوں صورتوں میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی جس قسم کا فیصلہ وہ چاہیں، خدا کر دے گا۔

مولوی ثناء اللہ کا جواب کہ مجھے یہ منظور نہیں

مولوی ثناء اللہ نے اس کا کیا جواب دیا؟ کس قسم کے فیصلہ کی خواہش کی، کاش! حبیب صاحب نے اس کو بھی نقل کیا ہوتا تو بات زیادہ صفائی کے ساتھ کھل جاتی۔ مولوی ثناء اللہ کے الفاظ، جو 26 اپریل 1907ء کے ''اہلحدیث'' میں شائع ہوئے، حسب ذیل ہیں:

1۔ یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے۔

2۔ آپ اس دعویٰ میں (کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی) قرآن شریف کے صریح خلاف کہہ رہے ہیں۔ قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے۔ سنو! **مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا** (مریم 75:19) اور **اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا** (ال عمرٰن 178:3) اور **وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ**۔ (البقرۃ 15:2) وغیرہ آیات تمہاری اس دلیل کی تکذیب کرتی ہیں۔

3۔ اور سنو **بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** (الانبیآء 44:21) جن کے صاف یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تا کہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کر لیں۔ پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتاتے ہو کہ ایسے لوگوں کو بہت عمر نہیں ملتی۔ (اہلحدیث 26 اپریل 1907ء)

مولوی ثناء اللہ کے منظور کردہ طریق فیصلہ کا نتیجہ

اس جواب کو پڑھ کر کون دانا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی دعا کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جب فیصلہ کا دارومدار مولوی ثناء اللہ کی مرضی پر چھوڑا تو یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ضرور آپ کی دعا ہی کے مطابق فیصلہ ہوتا۔ ہاں! بالمقابل مولوی صاحب بھی دعا کرتے۔ اور اسی طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے تو ایسا مطالبہ جائز تھا۔ لیکن جب انہوں نے اس کو منظور ہی نہیں کیا۔ بلکہ یہ لکھا کہ کوئی ''دانا'' اسے منظور نہیں کرسکتا تو اب آپ کے وصال کے بعد آپ کی اسی تحریر کو منظور کر کے مولوی صاحب اور ان کے ہم خیال ''داناؤں'' میں کیسے شمار ہو سکتے ہیں؟ جب حضرت مسیح موعود کا یہ لکھنا کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی، مولوی صاحب کے نزدیک ''قرآن شریف کے صریح خلاف'' تھا۔ اور بقول ان کے قرآنی ''آیات اس دلیل کی تکذیب کرتی ہیں''۔ تو انہی آیات کی رُو سے، جو مولوی صاحب نے پیش کیں، خدا کے نزدیک ''بدکار'' کون ٹھہرا۔ کیا وہ، جسے مہلت ملی اور وہ زندہ رہایا جو پہلے فوت ہوگیا؟

جب حسبِ آیات قرآنی خدا تعالیٰ جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کر لیں تو مولوی ثناء اللہ اور سیّد حبیب خود ہی سوچ لیں کہ جس لمبی عمر پر اوّل الذکر کو فخر ہے، اس کو پا کر جھوٹا، دغا باز، مفسد اور نافرمان کون ٹھہرتا ہے؟!

یہ نہایت صاف اور موٹی باتیں ہیں جن کو کوئی شخص، جسے تحقیق حق منظور ہو تو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اور ایک غیر طرف دار مؤرخ، جو ان واقعات کے تمام پہلوؤں کو تاریخ کے صفحات میں قلمبند کرنا چاہے، اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے

جناب الٰہی سے جس قسم کے فیصلہ کی خواہش کی، یا کم از کم جو فیصلہ ان کے نزدیک قابل قبول اور لائق منظوری تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہو گیا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی وفات اور مولوی صاحب کی زندگی نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ مولوی صاحب **مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا** (مریم75:19) اور **طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** (الانبیآء44:21) کے مصداق ہیں اور خدا کا مسیح سچا اور راستباز مامور تھا۔

اجیب دعوۃ الدّاع کا الہام

اس صاف اور کُھلے فیصلہ کو مخدوش کرنے کے لئے اور بھی بعض باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک سیّد حبیب نے یہ پیش کی ہے کہ:

> ’’اس اشتہار (15اپریل 1907ء) کی اشاعت کے بعد 25اپریل 1907ء کے اخبار ’’بدر‘‘ قادیان میں مرزا صاحب کی روزانہ ڈائری یوں چھپی۔ ’’ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس کی طرف تھی......اور رات کو الہام ہوا کہ **اجیب دعوۃ الداع** صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہی ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں‘‘۔ (اخبار بدر قادیان 25اپریل 1907ء ص7 کالم2)

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ چونکہ دعا قبول ہو چکی ہے، اس لئے مرزا صاحب دعا ہی کے مطابق پہلے فوت ہوئے۔ حالانکہ اول تو **اجیب دعوۃ الداع** کا الہام 14اپریل 1907ء کا ہے اور اشتہار 15اپریل 1907ء کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 14اپریل 1907ء سے پہلے جو کچھ ثناء اللہ کے متعلق لکھا گیا، اس کے متعلق یہ الہام ہوا ہے۔ لیکن اگر 15اپریل

کے ’’آخری فیصلہ‘‘ کے متعلق بھی اسے مانا جائے، تو وہ ثناء اللہ کی متقابلہ دعا کے ساتھ مشروط ہوگا۔ یعنی الہام کا مطلب یہ ہے کہ اگر ثناء اللہ بھی بالمقابل دعا کرے تو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود اور مولوی ثناءاللہ ہر دو کی دعاؤں کو قبول کرے گا۔ اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کر دے گا۔ لیکن جس حالت میں مولوی ثناءاللہ نے بالمقابل دعا ہی نہیں کی بلکہ فیصلہ کا ایک اور طریق تجویز کیا تو اجیب دعوة الداع کا الہام کس طرح پورا ہوسکتا تھا؟ فیصلہ اسی طریق سے ہونا چاہئیے تھا جس کو مولوی ثناءاللہ نے منظور کیا۔ اور ویسے ہی ہوا۔

جھوٹے کا سچّے کی زندگی میں مرنا مباہلہ سے مشروط ہے

دوسری بات یہ پیش کی جاتی ہے کہ جس حالت میں حضرت مسیح موعودؑ نے اشتہار 15اپریل 1907ء میں یہ لکھا کہ ’’اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مفتری ہوں، جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی (ثناء اللہ کی) زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی عمر نہیں ہوتی‘‘۔

تو یہ کہنا کیونکر جائز ہے۔ کہ آپ کا ثناء اللہ کی زندگی میں مرجانا آپ کو (معاذ اللہ) کذّاب اور مفتری ثابت نہیں کرتا، اس کا جواب حضرت مسیح موعود نے خود اپنی ایک تقریر مندرجہ اخبار الحکم 10 اکتوبر 1907ء میں یہ دیا ہے کہ ’’ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں‘‘۔

کس قدر صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ یہ کوئی بطور اصول کے نہیں کہ مفسد اور کذّاب صادق کی زندگی میں مرجاتا ہے بلکہ اس میں مباہلہ کی شرط ہے۔ جب تک مباہلہ نہ ہو، یہ اصول نہیں بن سکتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اشتہار ’’آخری فیصلہ‘‘ کی دعا مباہلہ کی غرض سے تھی جو اسی صورت میں منظور ہوسکتی تھی۔ کہ مولوی ثناء اللہ بھی بالمقابل مباہلہ کرتا۔ لیکن اس نے

ایسا نہیں کیا اور فیصلہ کی ایک دوسری راہ تجویز کی اس لئے مباہلہ منعقد نہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسی دوسری راہ سے اُسے پکڑا۔

دوسرے نشان کی صداقت

غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے حضرت مسیح موعود کا دوسرا نشان کہ ''اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے''۔ بالکل صحیح اور سچا ثابت ہوا۔ چار مرتبہ حضرت مسیح موعود نے مولوی ثناء اللہ سے مباہلہ کرنا چاہا اور چاروں مرتبہ اس نے آمادگی دکھانے کے باوجود راہ گریز اختیار کی۔ نہ وہ اس چیلنج پر مستعد ہوئے اور نہ پہلے مرے۔ ہاں! ایک اور فیصلہ کی راہ، جو انہوں نے خود تجویز کی، اس کے مطابق لمبی عمر پا کر اپنے کاذب اور حضرت مسیح موعود کے صادق ہونے پر مہر لگا دی۔ اس کھلے خدائی فیصلہ کو دیکھ کر بھی انکار کرتے چلے جانا، پرلے درجے کے ہٹ دھرموں اور ''مفسدوں'' ہی کا کام ہے، کسی انصاف پسند خدا پرست کا کام نہیں۔

تیسرا نشان اور اُس کی سچائی

رہا تیسرا نشان جو ''اعجاز احمدی'' میں حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ ''سب سے پہلے اس اُردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر اُن کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی''۔ اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب خود ہی بتا دیں کہ کب اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں اُردو مضمون اور عربی قصیدہ لکھ کر آپ کے اس نشان کو جھٹلایا۔ کیا ان کی خاموشی اس شکست کا ثبوت نہیں جو خدا کے مامور کے مقابلہ میں انہیں نصیب ہوئی؟

پس کون حق پسند انسان کہہ سکتا ہے کہ جن تین نشانوں کا حضرت مسیح موعود نے ''اعجاز

احمدی'' میں ذکر کیا ہے، وہ غلط ثابت ہوئے۔ کون سمجھ دار انسان ہوگا جو مذکورہ بالا واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ مولوی ثناء اللہ کو حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں کوئی کامیابی نصیب ہوئی؟ بھلا وہ شخص کہ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مرزا صاحب اگر دن کو دن کہیں تو میں اسے رات کہوں گا، اس قابل ہے کہ اسے حق پرستوں کی جماعت میں شمار کیا جائے۔ حبیب صاحب جتنا مرضی ہے انہیں آسمان پر چڑھائیں لیکن خدا کی عدالت سے جو فیصلہ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اور ان کا نام ''جھوٹے، دغاباز، مفسد اور نافرمان لوگوں'' کی فہرست میں لکھا جا چکا ہے۔ کیا کوئی ہے جو اس کو مٹا کر اِن کا راستباز ہونا ثابت کرے؟

نشاں کو دیکھ کر انکار کب تک پیش جائے گا ارے اِک اور جھوٹوں پر قیامت آنے والی ہے
یہ کیا عادت ہے، کیوں سچی گواہی کو چھپاتا ہے تری اک روز اے گستاخ، شامت آنے والی ہے
ترے مکروں سے اے جاہل میرا نقصاں نہیں ہرگز کہ عزت مجھ کو، اور تجھ پر ملامت آنے والی ہے
بہت بڑھ بڑھ کے باتیں کی ہیں تو نے اور چھپایا حق مگر یہ یاد رکھ، اک دن ندامت آنے والی ہے
خدا رسوا کرے گا تم کو، مَیں اعزاز پاؤں گا سنو اے منکرو! اب یہ کرامت آنے والی ہے
خدا ظاہر کرے گا اِک نشاں پُر رعب و پر ہیبت دلوں میں اُس نشاں سے استقامت آنے والی ہے
خدا کے پاک بندے دوسروں پر ہوتے ہیں غالب
میری خاطر خدا سے یہ علامت آنے والی ہے

4۔ مرزا سلطان احمد کے متعلق پیشگوئی

اپنے مضمون کی سولھویں قسط میں حبیب صاحب نے ایک اور پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔ جو اُنہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''مرزا صاحب نے دعویٰ کیا تھا کہ مرزا سلطان احمد صاحب 21 اگست

1894ء تک ضرور فوت ہو جائیں گے اور یہ تاریخ ہرگز نہیں ٹل سکتی۔
ملاحظہ ہو ''شہادت القرآن'' صفحہ 80۔ مرزا صاحب نے اس پیشگوئی کو
بہت ہی اہم اور عظیم الشان قرار دیا ہے۔ لیکن جن صاحب کے متعلق یہ
پیشگوئی تھی وہ تاریخ مقررہ سے 29 سال بعد تک تو میرے علم کے مطابق
زندہ تھے۔ اُن کی تاریخِ وفات مجھے محفوظ نہیں لیکن اس کی ضرورت بھی
نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تائب ہو کر مرے اور مرزائی ہو چکے تھے۔ لیکن
ایک نہایت ہی عزیز اور شریف سیّد دوست نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ
مرزائی نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ ایک اور پیشگوئی ہے جو غلط ثابت
ہوئی''۔ (اس پر حاشیہ میں فٹ نوٹ لکھا ہے۔) ''جناب (مرزا سلطان
احمد) اب بھی زندہ ہیں اور مجھے اُن کے ایک اور ہمنام کی وجہ سے مغالطہ
تھا جس کا مجھے افسوس ہے''۔

یہ کون مرزا سلطان احمد ہیں جن کے متعلق پیشگوئی کا سیّد صاحب نے ذکر کیا ہے؟ اور کب ایسی پیشگوئی کی گئی؟ ''شہادت القرآن'' ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ 80 پر ہرگز ہرگز کوئی ایسی پیشگوئی نہیں، نہ ہی کسی اور جگہ کسی مرزا سلطان احمد کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ 21 اگست 1894ء تک فوت ہو جائے گا۔ سیّد صاحب کے پاس اگر اس کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کریں۔

مرزا سلطان احمد سے اگر سیّد صاحب کی مراد حضرت مسیح موعودؑ کا فرزندِ اکبر ہو تو اُن کی معلومات کی ہمیں داد دینی چاہیئے کہ اُن کے فوت ہو جانے کے بعد اُن کی زندگی کا اعلان کر رہے ہیں اور اپنے پاس سے ہی ایک پیشگوئی اُن کے متعلق بنا کر اُن کے مقدس والد کو جھٹلانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اپنے آخری ایّام زندگی میں وہ میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھ پر اُن کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو کر فوت ہوئے۔ لیکن سیّد صاحب ہیں کہ لوگوں کی سنی سنائی

غلط باتوں پر یقین کر کے بلا تأمل انہیں شائع کر دیتے ہیں۔ جہاں معلومات کا یہ حال ہو وہاں تحقیق حق کی کیا امید؟

ممکن ہے، مرزا سلطان احمد سے ان کی مراد محمدی بیگم کے خاوند مرزا سلطان محمد سے ہو جو ابھی تک زندہ ہیں۔ اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ 21 اگست 1894ء تک فوت ہو جائے گا۔ اگر کہیں لکھا ہو تو سیّد صاحب اس کا حوالہ دیں۔ کم از کم ''شہادت القرآن'' صفحہ 80 پر کوئی ایسا ذکر نہیں چونکہ اس مبحث پر سیّد صاحب نے الگ مبسوط بحث کی ہے، اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے جو کچھ ان کے متعلق لکھا اور جس طرح وہ پورا ہوا، اس پر ہم بھی اسی بحث میں مفصل روشنی ڈالیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التوفیق۔

5۔ ڈاکٹر عبدالحکیم کے متعلق پیشگوئی

پانچویں پیشگوئی، جس پر سیّد حبیب نے اعتراض کیا ہے، ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی کے متعلق ہے۔ جو ''چشمۂ معرفت'' صفحہ 321 میں بدیں الفاظ مذکور ہے کہ:

> ''اُس نے (یعنی عبدالحکیم نے) یہ پیشگوئی کی کہ مَیں (یعنی حضرت مرزا صاحب) 4 اگست 1908ء تک اُس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر خدا نے اُس کی پیشگوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اُس کو ہلاک کرے گا اور مَیں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا''۔

حبیب صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس مقابلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کی بتائی ہوئی مدت کے اندر اندر ہی (26 مئی 1908ء) کو فوت ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب میرے علم کے مطابق 1919ء تک زندہ و سلامت رہے''۔

یہ اعتراض بہت حد تک غلط فہمی اور ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کے اصل الفاظ کو نہ دیکھنے کا نتیجہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہی لکھا ہے کہ اس نے 4 اگست 1908ء تک آپ کے فوت ہو جانے کی پیشگوئی کی ہے۔ لیکن عبدالحکیم کی پیشگوئی کے اصل الفاظ کو اگر دیکھا جائے تو اس میں ''تک'' کا لفظ نہیں بلکہ صاف لکھا ہے کہ:

''مرزا 21 ساون 1965 سمت (یعنی 4 اگست 1908ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا''۔ (پیسہ اخبار 15 مئی 1908ء)

''تک'' اور ''کو'' کا فرق مفہوم میں جو اختلاف پیدا کرتا ہے، وہ صاف ظاہر ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم نے اگر یہ کہا ہوتا کہ 4 اگست 1908ء تک حضرت مرزا صاحب فوت ہو جائیں گے تو البتہ ایک بات تھی۔ اُس نے تو بجائے اس کے، 4 اگست یا 21 ساون کو تاریخ فوتید گی قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ 4 اگست کو نہیں بلکہ 26 مئی 1908ء کو فوت ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی وفات کے بعد ''پیسہ اخبار'' نے لکھا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کے الہام میں اگر ''21 ساون کو'' کے بجائے ''21 ساون تک'' ہوتا تو خوب ہوتا۔ اسی بات کا ذکر مولوی ثناء اللہ نے بھی اپنے اخبار ''اہلحدیث'' میں کیا ہے اور ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے اصل الفاظ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ:

''ہم خدا لگتی کہنے سے رُک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہ(1) کی پیشگوئی کر کے مرزا صاحب کی موت کی تاریخ مقرر نہ

1۔ یہ ڈاکٹر عبدالحکیم کی ایک اور پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ اُس نے پہلے 12 جولائی 1906ء کو، جب حضرت مرزا صاحب اپنی وفات کے قریب ہونے کا اعلان اور الوصیت شائع کر چکے تھے، تین سال کے اندر آپ کے فوت ہو جانے کی پیشگوئی کی تھی۔ لیکن کچھ مدت بعد، اس خیال سے کہ مبادا تین سال کی مدت گزر جائے اور

کر دیتے، جیسا کہ اُنہوں نے کیا ہے۔ چنانچہ 15 مئی کے ''اہلحدیث'' میں اُن کے الہامات درج ہیں کہ 21 ساون یعنی 4 اگست کو مرزا مرے گا تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو ایڈیٹر پیسہ اخبار نے 27 کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر کیا ہے کہ ''21 ساون کو'' کی بجائے ''21 ساون تک'' ہوتا۔ تو خوب ہوتا۔ غرض سابقہ پیشگوئی سہ سالہ اور چودہ ماہ کو اسی اجمال پر چھوڑے رہتے۔ اور ان کے بعد میعاد کے اندر تاریخ کا تقرر نہ کر دیتے''۔ (اہلحدیث 12 جون 1908ء ص 7)

گویا ''پیسہ اخبار'' اور ''اہلحدیث'' یا مولوی محبوب عالم اور مولوی ثناء اللہ ہر دو نے بالاتفاق ڈاکٹر عبدالحکیم کی اس پیشگوئی کو ''غلط اور بالکل غلط'' ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن سیّد حبیب ہیں کہ اس کُھلی شہادت کے خلاف اسی پیشگوئی کو بڑے طمطراق سے صحیح قرار دے رہے ہیں۔ گویا دن دھاڑے لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر فی الواقع سیّد صاحب کو عبدالحکیم کی پیشگوئی کی صداقت کا ایسا ہی یقین ہے، اور وہ اسے منجانب اللہ سمجھتے ہیں تو ان کے دوسرے دعاوی کو بھی منجانب اللہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کیونکہ

مرزا صاحب فوت نہ ہوں، اس کو منسوخ قرار دے دیا (الذکر الحکیم نمبر 6 صفحہ 65 لغایت 68)۔ پھر یکم جولائی 1907ء کو ایک اور پیشگوئی کی کہ ''مرزا آج سے چودہ ماہ بعد بسزائے موت ھاویہ میں گرایا جائے گا''۔

اس کے بالمقابل حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ مَیں تیری عمر بڑھا دوں گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات اسی چودہ ماہ کے اندر مقدر تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کاذب کے کذب کو ظاہر کرنے کے لئے عمر بڑھانے کی بشارت دی، مگر ڈاکٹر عبدالحکیم اس پر بھی قائم نہ رہا۔ اور 15 مئی 1908ء کے پیسہ اخبار میں 21 ساون 1965 سمت یا 4 اگست 1908ء کو حضرت مسیح موعود کی تاریخ فوتیدگی قرار دے دیا۔ ان حالات میں عمر بڑھائے جانے کا الہام پورا ہونا ضروری نہ رہا۔ اور کاذب کے کذب کو ثابت کرنے کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے 4 اگست نہیں بلکہ 26 مئی 1908ء کو وفات دے دی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کا دعوٰی نرا ملہم ہونے کا نہ تھا، بلکہ وہ بھی اپنے آپ کو مسیحؑ، محمدؐ، ابراہیمؑ، موسٰیؑ، عیسٰیؑ وغیرہ قرار دیتا تھا۔ اور اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. (یٰسٓ 3:36) اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (الفاطر 24:35) کے الفاظ اپنے الہامات میں پائے جانے کا مدعی تھا۔ تعجب ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے ایسے الہامات اور دعاوی کو جھٹلانے کے بعد سیّد صاحب نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کو کس طرح سچا مان لیا اور اسے سچا مان کر اس کے دوسرے الہامات اور دعاوی کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں۔ پھر ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اگر ایسا ہی خدا رسیّدہ اور صادق انسان تھا تو یہ کیا بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف چند تحریرات لکھنے کے علاوہ کوئی کام اُس نے کر کے نہ دکھایا۔ اس کا نام تو اس کے جیتے جی مِٹ چکا تھا، مرنے کے بعد تو اب اُسے کوئی جانتا بھی نہیں اور بالمقابل حضرت مرزا صاحب کے مشن کو اللہ تعالٰی نے جو ترقی عطا فرمائی، اسلام کی حمایت میں جو عظیم الشان کام آپ نے کیا، اس کا اعتراف سیّد حبیب کو بھی ہے۔ ان کے پیچھے ایک جماعت ہے، جو دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کی عظمت اور سربلندی کا کام دن بدن بڑھ رہا ہے۔ لیکن آپ کے مخالف، جو آپ کی وفات اور اپنی چندروزہ زندگی کو اپنے صدق اور حضرت مسیح موعودؑ کے کذب کی دلیل قرار دیتے ہیں، کس حال میں ہیں؟ کیا مولوی ثناء اللہ نے اسلام کو دنیا میں پہنچانے اور کامیاب بنانے کے متعلق کسی تحریک کی بنیاد رکھی؟ کیا عبدالحکیم نے اسلام کی کوئی خدمت کی جو اس کے نام کو زندہ رکھ سکتی؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ جب یہ حالت ہے تو کون عقل مند کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب مر گئے اور ثناء اللہ اور عبدالحکیم زندہ ہیں۔ وہ تو زندگی کے باوجود مردہ ہیں اور مرزا صاحب فوت ہو جانے کے باوجود زندہ ہیں، **ونعم ماقیل** ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کاش! سیّد صاحب ان ظاہر اور کھلے واقعات کو دل کی آنکھوں سے دیکھیں اور غور

کریں کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ مرزا صاحب (معاذ اللہ) کاذب ہونے اور آپ کے مزعومہ صادقین کی زندگی میں مرجانے کے باوجود زندہ ہیں۔ کیونکہ اُن کا کام اور اُن کا مشن زندہ ہے اور دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ اور آپ کے مزعومہ صادقین کی زندگیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی ڈاکٹر عبدالحکیم کے متعلق یہ پیشگوئی نہیں فرمائی کہ وہ آپ کی زندگی میں مرجائے گا۔ بلکہ یہی لکھا ہے کہ ''وہ خود عذاب میں مبتلاء کیا جائے گا اور خدا اُس کو ہلاک کرے گا اور میں اُس کے شر سے محفوظ رہوں گا''۔

یہ کوئی الہام نہیں، تاہم حضرت مسیح موعودؑ کے بعد عبدالحکیم ایک مدت تک خطرناک بیماریوں میں مبتلا رہا۔ اور باوجود ان دعاوی کے، جو وہ حضرت مسیح موعود کے بالمقابل رکھتا تھا، ناکام اور خائب وخاسر ہو کر مرا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس شر سے، جو چودہ ماہ کی میعادی پیشگوئی سے اُس نے اُٹھایا تھا، آپ کو محفوظ رکھا۔ آپ کا الہام تھا کہ ''خدا کے مقبولوں کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں، ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا''۔

آج ہم ان الفاظ کی صداقت کو حرف بحرف اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور حالات وواقعات نے ثابت کر دیا کہ خدا کے مقبولوں کے نمونے اور علامتیں حضرت مرزا صاحب ہی میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہی سلامتی کے شہزادے ہیں جن پر کوئی غالب نہ آسکا۔

6۔ قادیان کے طاعون سے محفوظ رہنے کی پیشگوئی

اس پیشگوئی کے ثبوت میں سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعود کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ''تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک طاعون دنیا میں رہے، گو ستّر برس تک رہے، قادیان کو اس خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے''۔ (دافع البلاء ص 10)۔ اس پر وہ لکھتے ہیں کہ ''مرزا

صاحب کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ وہ نبی اللہ تھے، اور چونکہ وہ قادیان میں مبعوث ہوئے تھے، لہٰذا مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا۔ لیکن ع

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

مرزا صاحب کی زندگی میں طاعون قادیان میں پھیلا اور مرزا صاحب کے متعدد مرید اس کی نذر ہوئے۔ مریدوں کے متعلق تو مرزا صاحب کے حامی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا ایمان مضبوط نہ تھا یا وہ دل میں مُرتد ہو چکے تھے، لہٰذا عذاب الٰہی میں مبتلاء ہوئے، لیکن نبی اللہ کی تخت گاہ میں طاعون کا نبی موصوف کی پیشگوئی کے خلاف پھیل جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اور یہی حقیقت جناب مرزا صاحب کی پیشگوئی کی تغلیط کے لئے کفایت کرتی ہے۔ مزید بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی''۔

حضرت مرزا صاحب کی جو عبارت سیّد صاحب نے نقل کی ہے، اس میں تو کہیں نہیں لکھا ہے کہ قادیان میں طاعون نہیں آئے گی یا قادیان طاعون سے بالکل محفوظ رہے گا، بلکہ لفظ یہ ہیں کہ ''قادیان کو اس **خوفناک تباہی** سے محفوظ رکھے گا''۔ ''خوفناک تباہی'' کے الفاظ قابل غور ہیں۔ کیا ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعون قادیان میں آئے گی ہی نہیں؟

ہاں! اس میں شک نہیں، قادیان کے متعلق حضرت مسیح موعود کا ایک الہام ہے۔ **انہٗ اٰوی القریۃ** جس کی تشریح حضرت مسیح موعود نے اسی دافع البلا صفحہ 5 پر بدیں الفاظ کی ہے:

''اٰویٰ عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں تباہی اور انتشار سے بچانا اور اپنی پناہ میں لے لینا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طاعون کی قسموں میں وہ طاعون سخت بربادی بخش ہے، جس کا نام **طاعون جارف** ہے۔ یعنی جھاڑو دینے والی جس سے لوگ جابجا بھاگتے ہیں اور کُتّوں کی

> طرح مرتے ہیں۔ یہ حالت انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے۔ پس اس کلام الٰہی میں یہ وعدہ ہے کہ یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہ ہوگی۔ اس کی تشریح یہ دوسرا الہام کرتا ہے۔**لولا الا کرام لھلک المقام** یعنی اگر مجھے اس سلسلہ کی عزت ملحوظ نہ ہوتی تو قادیان کو بھی ہلاک کر دیتا۔ اس الہام سے دو باتیں نکلتی ہیں۔ اوّل کہ کچھ ہرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں کوئی واردات شاذ ونادر طور پر ہو جاوے جو بربادی بخش نہ ہو اور موجب فرار وانتشار نہ ہو''۔

پھر صفحہ 17 پر لکھا ہے:

> ''جس حالت میں میری دعا قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَیں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا، خصوصاً ایسی تباہی سے کہ **لوگ کُتّوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں، یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آوے**''۔

کیا ''طاعون جارف یعنی جھاڑو دینے والی'' کبھی قادیان میں آئی؟ کیا وہاں لوگ طاعون کی وجہ سے کُتّوں کی طرح مرے؟ اور بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آئی؟ تعجب اور حیرت کا مقام ہے، کہ جس چیز کا حضرت مسیح موعود نے کبھی دعویٰ ہی نہیں کیا، اس کا الزام آپ پر دیا جاتا ہے۔ اور جس بات کا دعویٰ آپ کرتے ہیں، اُس کا نام تک نہیں لیا جاتا۔

اگر غور کرنے والا دماغ اور حق پسند دل ملا ہوتا، تو یہی ایک بات حضرت مرزا صاحب کی صداقت اور ماموریت کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھی، ایسی حالت میں کہ شہروں کے شہر طاعون کی وجہ سے تباہ اور ویران ہوتے چلے گئے۔ کئی دیہات کا نام ونشان تک اسی وجہ

سے مٹ گیا کہ وہاں کے رہنے والے علی العموم طاعون کی نذر ہو گئے۔ اور باقی بچے کھُچے بھاگ گئے۔ کُتّوں کی طرح لوگوں پر موتیں آئیں، اور تباہی وہلاکت کے وہ عبرت انگیز نظارے دنیا نے دیکھے جو شاید مامورین کے زمانہ کے سوائے کسی دوسرے موقعہ پر نظر نہیں آتے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ قادیان ''طاعون جارف یعنی جھاڑ و دینے والی'' طاعون سے محفوظ رہے گا اور لوگ یہاں کُتوں کی طرح نہیں مریں گے اور نہ کوئی انتشار پیدا ہوگا، سوائے اس شخص کے جو مامور الٰہی ہو اور اسے خدا سے اطلاع دی گئی ہو، اور کسی کا کام نہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے بار بار مولوی ثناء اللہ، مولوی نذیر حسین، منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ، حاجی شمس الدین، عبدالجبار اور عبدالحق غزنویان اور محمد حسین وغیرھم کو چیلنج دیئے کہ اگر وہ اس پیشگوئی کو جھوٹا سمجھتے ہیں، اور ان کا اپنا کوئی تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو وہ اُٹھیں اور اپنے اپنے شہروں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے کر اس کا اعلان کریں۔ آپ نے اس بارہ میں مباہلہ کی بھی دعوت دی۔ ہندوؤں اور عیسائیوں تک کو چیلنج دیئے کہ اگر تمہارے اندر کوئی صداقت ہے تو آؤ اور اپنے اپنے شہروں کی حفاظت کا اعلان کرو، لیکن کسی کو بھی اس کی جرأت نہ ہوئی۔ تاہم خدا کا پہلوان اس میدانِ مقابلہ میں ڈٹا ہوا کھڑا رہا اور اپنے گھر اور خود اپنی ذات کے متعلق بھی پیشگوئی کر دی کہ اللہ تعالیٰ طاعون سے محفوظ رکھے گا۔ گھر کے متعلق جو الہام ہے، اس میں تو پھر بھی ایک استثناء ہے۔ یعنی فرمایا ہے **انّی احافظ کلّ من فی الدار الاالّـذین علو واستکبارا** . یعنی جو لوگ علو واستکبار سے کام لیں، ان کے سوائے اس گھر کی چار دیواری کے اندر جو بھی ہو، وہ محفوظ رہے گا۔ لیکن اپنی ذات کے متعلق تو کوئی استثناء ہے ہی نہیں۔ صاف الفاظ ہیں **واحـافـظـک خاصة سلام قولًا منّ ربّ رحیم**. یعنی میں تیری خصوصیّت کے ساتھ حفاظت کروں گا۔ خدائے رحیم کی طرف سے تجھ پر سلامتی ہے۔

کیا یہ کسی مفتری علی اللہ کا کام ہے کہ ایسے وقت میں، کہ ملک میں چاروں طرف

آگ لگی ہوئی ہے، طاعون اپنے تباہی خیز اثرات کے ساتھ ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں پھیلتی چلی جارہی ہے، خود قادیان کے اردگرد کے مقامات بھی اس کے بربادی خیز نتائج سے محفوظ نہیں۔ اور کوئی شخص حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا گاؤں یا شہر، اس کا گھر یا اس کی جان طاعون سے محفوظ رہے گی، یہاں تک کہ حکومت بھی اپنے تمام ساز وسامان کے باوجود اس کے علاج اور روک تھام سے عاجز آ گئی، ایک شخص کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے کہ:

1۔ میرا گاؤں طاعون جارف یعنی جھاڑو دینے والی طاعون سے محفوظ رہے گا۔

2۔ میرے گھر کی چاردیواری میں طاعون داخل نہ ہوگی۔

3۔ میری ذات کو خدا تعالیٰ طاعون سے خصوصیت سے بچائے گا۔ اور یہ سب باتیں میرے مامور من اللہ ہونے کے نشانات ہوں گے۔

دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ تینوں باتیں روز روشن کی طرح سچی ثابت ہوئیں۔

1۔ قادیان میں شاذ و نادر طاعونی اموات کے سوائے کوئی ایسے واقعات نہیں ہوئے، جن کو ''طاعونِ جارف'' قرار دیا جاسکے۔

2۔ حضرت مرزا صاحب کے مکان کی چار دیواری میں، جہاں آپ کے بعض مریدین کے بھی گھر تھے، طاعون کی شکل بھی کسی نے نہیں دیکھی۔ یہاں تک کہ کوئی طاعون زدہ چوہا بھی نہیں نکلا۔

3۔ آپ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے طاعون سے خاص طور پر بچایا اور آپ کی حفاظت فرمائی۔

کیا اس کی کوئی نظیر دنیا میں نظر آتی ہے؟ کیا سیّد حبیب، مولوی ثناء اللہ اور ان کے تمام اعوان و انصار باہم مل کر اور غور و فکر کر کے اس خدائی نشان کو غلط ثابت کر سکتے ہیں؟ غلط

بیانی سے قادیان کے بالکل محفوظ رہنے کی پیشگوئی حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کر کے دنیا کو دھوکا تو دیا جا سکتا ہے، لیکن پیشگوئی کے الفاظ اور واقعات وحقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی حق پسند یہ نہیں کہہ سکتا کہ قادیان کے بکلّی محفوظ رہنے کی پیشگوئی تھی اور نہ وہ مذکورہ بالا تینوں نشانات کو کسی طرح پر جھٹلا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ جن لوگوں کو واقعات وحقائق سے نہیں بلکہ بغض وتعصب سے کام ہے، جن کو صرف خدا کے مامور کی باتوں کی تکذیب کرنا مطلوب ہے، وہ حقیقت کو چھوڑ کر کہاں سے کہاں چلے جاتے ہیں۔ کیا سیّد حبیب بتا سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے کن مریدوں کے طاعون سے فوت ہونے پر آپ نے یا کسی احمدی نے یہ کہا کہ ''ان کا ایمان مضبوط نہ تھا اور دل میں مرتد ہو چکے تھے''۔ اگر وہ اس کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں تو کریں، ورنہ **لعنت اللّٰہ علی الکاذبین** کا وعید ان کے گلے کا ہار ہو کر رہے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا تعلق باللّٰہ اور آپ کی پیشگوئیوں کی صداقت

ان چھ پیشگوئیوں کا ذکر کرنے کے بعد، جن پر اُوپر بحث کی جا چکی ہے، سیّد حبیب رقم طراز ہیں ''مرزا صاحب نے مختلف آدمیوں کے انتقال کے متعلق جو پیشگوئیاں کیں، چونکہ وہ سب غلط ثابت ہوئیں، لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہیں اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نہیں ہوا۔ اگر وہ ایسی پیشگوئیاں الہام کی بنا پر کرتے یا وہ مستجاب الدعوات ہوتے تو ان کی پیشگوئیاں پوری ہوتیں۔ اس لئے کہ اللّٰہ تعالیٰ ان کی دعا کو سن کر ان پر افراد متعلقہ کی میعاد حیات کا راز ظاہر کر دیتا''۔ (تحریک قادیان صفحہ 133)

جن پیشگوئیوں کا سیّد صاحب نے ذکر کیا ہے، اُن پر ہم اُوپر مفصل روشنی ڈال چکے ہیں اور یہ ثابت کر آئے ہیں کہ وہ سب کی سب اپنی شرائط اور مفہوم کے مطابق حرف بحرف سچّی ثابت ہوئیں۔ دو ایک اور پیش گوئیاں ہیں جو حضرت مرزا صاحب کی وفات اور محمدی بیگم

صاحبہ کے نکاح سے تعلق رکھتی ہیں۔ان پر آگے چل کر مفصل بحث انشاء اللہ کی جائے گی۔لیکن یہاں ہمیں سیّد صاحب سے صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا وہ عظیم الشان نشانات، جو خدا کے مامور نے دکھائے، وہ صرف ان چند پیشگوئیوں تک محدود ہیں،جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے؟ اگر ایسا ہی ہوتا تب بھی اس کی صداقت پر کوئی حرف نہ آسکتا تھا۔لیکن جس حالت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اور بھی بیسیوں نشانات اور پیشگوئیاں ہیں جو بالکل صحیح اور سچی ثابت ہوئیں اور کوئی تشابہ یا ابہام ان میں واقعہ نہیں ہوا تو ہمیں حیرانی ہوتی ہے،کہ ان کا ذکر کئے اور سب کو غلط ٹھہرائے بغیر سیّد صاحب نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ ''مرزا صاحب نے مختلف آدمیوں کے انتقال کے متعلق جو پیشگوئیاں کیں، چونکہ وہ سب کی سب غلط ثابت ہوئیں، لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نہیں ہوا''۔

ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا لیکھ رام کی ہولناک ہلاکت کی جو پیشگوئی حضرت مرزا صاحب نے کی تھی، وہ غلط ثابت ہوئی؟ کیا امریکہ کے مدعی نبوّت ڈوئی کی ہلاکت کی جو خبر دی تھی، وہ غلط نکلی؟ کیا مولوی غلام دستگیر قصوری، مولوی محمد حسین، سہج رام امرتسری، مولوی اسمٰعیل علی گڈھی،فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم،فضل داد خان نمبردار چنگا ضلع راولپنڈی، سعد اللہ لدھیانوی،عبدالقادر ساکن طالب پور پنڈوری ضلع گورداسپور، حافظ محمد دین ساکن موضع لشکر تحصیل لاہور، بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ پنشنر لاہور،سوم راج قادیان، اچھر چند بھگت رام قادیان،مولوی عبدالمجید دہلی،محمد جان المعروف مولوی محمد ابوالحسن ساکن پنج گرائیں ضلع سیالکوٹ، آتمارام کی اولاد، چراغ دین جموں، پنڈت دیانند،مولوی رسل بابا امرتسری،محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ،نور احمد موضع بھری چٹھہ تحصیل حافظ آباد،مولوی زین العابدین لاہوری، حافظ سلطان سیالکوٹی، مرزا سردار بیگ سیالکوٹی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی شاہ دین لدھیانوی، مولوی عبدالعزیز، مولوی محمد، مولوی عبداللہ لدھیانوی، عبدالرحمٰن محی الدین

لکھو کے والے تمام ایسے لوگ نہیں، جو حضرت مرزا صاحب کے مباہلہ یا مقابلہ میں آ کر ہلاک ہو گئے؟ کیا یہ اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا۔ اور یہ تمام لوگ اس تعلق سے عاری تھے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ان کی دن رات کی تضرع اور زاری کسی کام نہ آئی۔ اور ایک مفتری علی اللہ کے بالمقابل وہ خائب و خاسر اور نامراد ہو کر مرے؟ کیا وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو، اگر وہ فی الواقع خدا سے تعلق نہیں رکھتے، تو اُن تمام لوگوں کے بالمقابل زندگی عطا کی، اور کوئی عذاب وارد نہ کیا، باوجود یہ کہ آپ نے یہ دعائیں بھی کیں۔

گر تو دیداستی کہ ہستم بدگہر | گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر(1)
شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را | پارہ پارہ کُن منِ بدکار را(2)
ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برار | بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار(3)
دشمنم باش و تبہ کن کارِ من | آتش افشاں بر در و دیوارِ من!(4)

آخر خدا کی عدالت میں کیا اندھیر پڑ گیا، کہ اپنے صادق اور راستباز بندوں کو نعوذ باللہ ایک کاذب کے مقابلہ میں خائب و خاسر اور ہلاک کرتا چلا گیا، اور مُوخرالذکر کو وہ کامیابی اور نصرت عطا کی جو صادقوں کے سوائے اور کسی کو نہیں ملا کرتی؟ کیا یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت اور آپ کے راستباز ہونے کا ایک کھلا ثبوت نہیں؟ پھر تعجب ہے سیّد حبیب نے ان پیشگوئیوں اور نشانات کا کیوں ذکر نہیں کیا؟ کیوں لیکھرام کا نام تک نہیں لیا؟ کیوں سعد اللہ لدھیانوی

1۔ اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو نے دیکھ لیا ہے کہ میں بدذات ہوں۔
2۔ تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال۔ اور میرے ان دشمنوں کے گروہ کو خوش کر دے۔
3۔ ان کے دِلوں پر اپنی رحمت کا بادل برسا اور اپنے فضل سے ان کی ہر مراد پوری کر۔
4۔ میرے در و دیوار پر آگ برسا۔ میرا دشمن ہو جا اور میرا کاروبار تباہ کر دے۔

کے ابتر مرنے کی پیشگوئی کی طرف اشارہ نہیں کیا؟ کیوں ڈوئی کے ساتھ مقابلہ اور ڈوئی کی ہلاکت پر روشنی نہیں ڈالی؟ کیوں چراغ دین جمونی، الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہوری کی ان بد دعاؤں کا ذکر تک نہیں کیا، جو اُنہوں نے حضرت مرزا صاحب کے صادق ہونے کی صورت میں انہوں نے اپنی ہلاکت کے لئے کیں اور خود ہی اُن کے شکار ہو کر اُن کے صدق پر مُہر لگا گئے۔ اسی طرح کی بیسیوں مثالیں ہیں، جن میں سے چند ایک کا اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور صرف تباہی و ہلاکت کی ہی پیشگوئیاں نہیں، کئی ایک بشارات اور خوشخبریاں بھی ہیں جو آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کا کُھلا ثبوت ہیں۔ کئی بیمار اور لا علاج بیمار آپ کی دعاؤں سے اچھے ہوئے، جس کی خبر آپ نے پیش از وقت دے دی تھی۔ اپنی کامیابی اور اسلام کی فتوحات، مغرب میں اسلام کی اشاعت، قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی خبریں قبل از وقت دے رکھی تھیں، جو اپنے اپنے وقت پر پوری ہو کر اس ماموِر الٰہی کی صداقت کو اظہر من الشّمس کرنے کا موجب ہوئیں۔ کاش! سیّد حبیب کی نظر مخالفین کی کتابوں پر ہی نہ ہوتی، اور آپ کی اصل کتابوں کو اُٹھا کر دیکھتے تو حق وصداقت کے سینکڑوں نشان انہیں نظر آ جاتے۔

7۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی وفات کے متعلق پیشگوئی

اپنے مضمون کی قسط ہفت دہم میں سیّد صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس (پیشگوئیوں کے) معاملہ میں مرزا صاحب اس قدر معذور ثابت ہوئے کہ وہ خود اپنی موت کے مقام کے متعلق سچّی پیشگوئی نہ کر سکے۔ میں اس بات کو طول دینا نہیں چاہتا، ورنہ میں مرزا صاحب کی تحریروں سے ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ ابھی عودِ شباب کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے، کہ پیکرِ اجل نے انہیں آلیا اور وہ اس دار فانی سے انتقال فرمانے پر مجبور ہو گئے''۔

اپنی موت کے متعلق سچی پیشگوئی نہ کر سکنے سے معلوم نہیں سیّد صاحب کا کیا مطلب

ہے؟ پے در پے ایسے الہامات موجود ہیں جن میں حضرت مرزا صاحب کو اپنی موت کی خبر قبل از وقت دی گئی تھی۔ 1906ء میں آپ نے اسی بنا پر ''الوصیّت'' لکھی۔ جس میں اپنی موت کے قریب ہونے کی خبر دی۔ اس کی اطلاع ذیل کے الہامات میں آپ کو دی جا چکی تھی۔ (1) بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ (2) اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔ (3) **قرب اجلک المقدّر.** (4) **جآء وقتک ونبقی لک الاٰیات باھرات.** (5) **قرب وقتک ونبقی لک الاٰیات بیّنات.**

یہ تو اخیر 1905ء کے الہامات ہیں، جن کے بعد آپ نے ''الوصیت'' لکھی۔ لیکن الوصیت کے شائع ہونے پر چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے تین سال اور پھر چودہ ماہ کی پیشگوئی کر کے حق و باطل کو ملتبس کرنا چاہا، اس لئے آپ کی عمر کسی قدر بڑھا دی گئی۔ آخر کار آخری ایام زندگی میں ذیل کے الہامات پے در پے آپ کو ہوئے جن میں کھلے طور پر آپ کی وفات کی خبر دی گئی۔ 26 اپریل 1908ء۔ وقت 4 بجے صبح۔ مباش ایمن از بازیٔ روزگار (البشریٰ جلد 2 صفحہ 141)

9 مئی 1908ء۔ **الرحیل ثم الرحیل. الموت قریب. ان اللّٰہ یحمل کل حمل.**

ترجمہ: کوچ پھر کوچ۔ موت قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام بوجھ اُٹھائے گا۔ (ایضاً)

15 مئی 1908ء۔ ڈرومت مؤمنو (ایضاً)

17 مئی 1908ء۔ مکن تکیہ بر عمر ناپائدار (ایضاً)

انہی ایّام کا ایک الہام ہے 27 کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق)

ان پے در پے الہامات کے بعد 26 مئی 1908ء کو آپ واصل بحق ہو گئے اور 27 کو

بموجب الہام آپ کو قادیان میں دفن کیا گیا۔ حیرانی ہے کہ ان کھلی پیشگوئیوں کے ہوتے ہوئے سیّد حبیب نے یہ کیسے لکھ دیا کہ حضرت مرزا صاحب اپنی موت کے متعلق سچی پیشگوئی نہ کر سکے۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ الہامات میں مقام وفات کا ذکر نہیں، لیکن اس کا پتہ دیئے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وفات کے متعلق بھی کوئی الہام نہ ہوتا، تو کیا ہرج واقعہ ہو جاتا؟ کیا مامورین یا خدا سے الہام پانے والوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انہیں اپنی وفات اور مقام وفات سے اللہ تعالیٰ اطلاع دے دے؟ کس نبی یا مجدّد کا کوئی ایسا الہام سیّد صاحب پیش کر سکتے ہیں؟ اور کس نے اس کو ضروری قرار دیا ہے؟ کیا وہ اس پر وضاحت سے روشنی ڈالیں گے؟

رہا عودِ شباب کی امیدیں لگانے کا طعنہ، کاش! حضرت مرزا صاحب کی ایک ہی تحریر ایسی نقل کر دی جاتی جس میں اُنہوں نے اپنے عود شباب کی امید ظاہر کی ہو۔ ہاں آپ کا ایک الہام بیشک ہے جو 22 مئی 1906 کو ہوا اور اس کے یہ لفظ ہیں۔ **تردّ علیک انوار الشباب سیأتی علیک زمن الشباب**۔ اس کی تشریح خود حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ فرمائی ہے، وہ بھی سن لیجئے:

> ''ان الہامات کا باعث یہ ہے کہ عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہو گئی ہے۔ بجز دو وقت ظہر وعصر کے، نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتا اور اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دوران سر شروع ہو جاتا ہے۔ اور دل ڈوبنے لگتا ہے، جسم بالکل بیکار ہو رہا ہے، اور جسمانی قوٰی ایسے مضمحل ہو گئے ہیں کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القوٰی ہوں اور آخری وقت ہے۔ ایسا ہی میری بیوی دائم المریض ہے۔ امراض رحم وجگر دامنگیر ہیں۔ پس میں نے دعا کی تھی کہ خدا تعالیٰ وہ مجھے پہلی قوت جوانی کے عالم کی عطا کرے تا کہ مَیں کچھ خدمت دین کر سکوں اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے بھی دُعا کی تھی۔ اس

دعا پر یہ الہام ہوئے جو اُوپر ذکر کئے گئے ۔خدا تعالیٰ ان کے بہتر معنی جانتا ہے ۔**صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں صحت عطا فرمائیں گے اور مجھے وہ قوتیں عطا کریں گے جن سے میں خدمت دین کرسکوں۔** **واللّٰہ اعلم بالصواب** ۔اور اس میں یہ بھی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بیوی کو بھی صحت اور تندرستی عطا فرمائے گا‘‘ ۔(بدر جلد 2 نمبر 21 ص 2)

جلی الفاظ قابل غور ہیں ۔کہاں اُن میں عود شباب کی امیدیں لگائی گئی ہیں ۔ہاں ! خدمت دین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحت عطا کئے جانے کا ذکر ضرور ہے ۔اور اس کے ساتھ ہی **واللّٰہ اعلم بالصّواب** کہہ کر بتا دیا کہ کوئی خاص امیدیں آپ لگائے ہوئے نہیں بیٹھے ۔اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر معلوم ہے کہ **تردعلیک انوار الشباب** سے کیا مراد ہے ۔لیکن اگر واقعات کو دیکھا جائے تو اس الہام کے بعد دو سال کی زندگی جو آپ کو میسر آئی ، اس میں آپ نے ایام جوانی کے انوار سے حصہ پا کر ’’براہین احمدیہ حصہ پنجم‘‘ اور ’’چشمۂ معرفت‘‘ جیسی نور ومعرفت سے بھری ہوئی کتابیں لکھیں ۔اور اس طرح یہ الہام عملاً پورا ہوگیا ۔رہا آپ کا یہ الہام کہ ’’ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں‘‘ ۔اس کا یہ مطلب لینا کہ آپ نے مکّہ یا مدینہ کو اپنا مقام وفات قرار دیا ہے ، آپ کے اپنے بیان کے صریحاً خلاف ہے ۔اس الہام کے ساتھ ہی دو اور بھی الہام ہیں ۔**کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ** (المجادلۃ 58:21) اور **سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ** (یٰسٓ 36:58) ان تینوں کا مطلب آپ نے یہ بیان کیا ہے :

’’یعنی خائب وخاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے ۔اور یہ کلمہ کہ ، ہم مکّہ میں مریں گے یا مدینہ میں ، اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکّی فتح نصیب ہوگی ۔جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا ، اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے ۔دوسرے یہ معنی

ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی۔ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہوجائیں گے۔ فقرہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ مکہ کی طرف اشارہ ہے اور فقرہ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ مدینہ کی طرف‘‘۔

فرمایئے کہاں اس میں حضرت مرزا صاحب نے مکّہ یا مدینہ کو مقام وفات قرار دیا ہے، کہ سیّد صاحب کو قاضی محمد سلیمان کی یہ پیشگوئی نقل کرنے کی ضرورت پیش آئی، کہ مرزا صاحب کو مکہ اور مدینہ کی زیارت ہرگز نصیب نہ ہوگی، خواہ مخواہ اپنی طرف سے فرضی پیشگوئیاں بنا کر حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کرنا اور پھر اُن کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہاں کی صداقت شعاری ہے۔ قاضی محمد سلیمان یا عبدالحکیم یا ثناء اللہ یا خود سیّد حبیب ہمیں کوئی یہ بتا دے کہ مکّہ اور مدینہ کی زیارت افضل ہے یا رسولِ مکی و مدنی کی عزت وعظمت کو دنیا میں بلند کرنا، اور اُس کے نام اور اُس کے پاک دین کو دنیا میں پھیلانا؟ اور ان دونوں میں سے کونسی چیز حضرت مرزا صاحب کو میّسر آئی ہے اور کونسی ہمارے مخالفین کو؟ محض مکّہ و مدینہ کی زیارت سے اگر نجات مل سکتی ہے، اور خدا کے نزدیک اگر نرا اُن مقدس مقامات کی زیارت کر لینا یا وہاں دفن ہونا، بلندیٔ مراتب کا موجب ہوسکتا ہے تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی کے متعلق کیا کہو گے جو خاک مکّہ و مدینہ ہی کے ساکنین میں سے تھے اور وہیں دفن بھی ہوئے؟ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از رُوم زخاکِ مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست (1)

8۔ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی اپنی عمر کے متعلق

حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کا ذکر کرتے ہوئے، جس میں آپ کی عمر اسّی سال یا پانچ چھ سال کم یا پانچ چھ سال زیادہ ہونے کی پیشگوئی کی گئی تھی، سیّد حبیب لکھتے ہیں ’’مرزا صاحب

1۔ حسنؒ بصرہ سے تھے۔ بلالؓ حبش سے تعلق رکھتے تھے۔ صہیبؓ روم سے تھے جبکہ ابوجہل مکّہ سے تھا۔ یہ عجیب بات ہے۔

65 سال کی عمر میں فوت ہوئے لہٰذا یہ سب الہام غلط ہوئے‘‘۔

یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ 65 سال کی عمر میں آپ فوت ہوئے؟ اس کے ثبوت میں سیّد صاحب نے ’’تریاق القلوب‘‘ صفحہ 68 کی یہ عبارت نقل کی ہے ’’جب میری عمر 40 سال تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر کے چالیس سال پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا۔ تب خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھ پر ظاہر کیا کہ تو اس صدی کا مجدّد ہے‘‘۔ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں ’’اس کے معنی یہ ہیں کہ 1301ھ میں مرزا صاحب کی عمر چالیس سال تھی۔ اگر کم ہو تو ہو، زیادہ نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ مرزا صاحب کے الفاظ کہ ’’میری عمر چالیس برس تک پہنچی‘‘ کے یہی معنی ہوسکتے ہیں اور آپ فوت ہوئے 1326ھ میں۔ لہٰذا آپ کی عمر 66,65 برس سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوسکتی‘‘۔

حبیب صاحب کا یہ استدلال ’’صدی کا سر آ پہنچا‘‘ کے مبہم الفاظ کی بنا پر ہے۔ حالانکہ ’’صدی کا سر‘‘ صدی کے شروع ہی کو نہیں کہا جاتا، بلکہ صدی کا آخری حصہ بھی صدی کا سر کہلاتا ہے۔ اس لئے ’’صدی کا سر‘‘ سے 1301ھ مراد نہیں بلکہ ’’براہین احمدیہ‘‘ سے پہلے کا زمانہ ہے۔ جو 1297ھ میں تصنیف ہوئی۔ چنانچہ منقولہ بالا عبارت کے بعد ہی حضرت مسیح موعودؑ نے اس بات کو خود واضح کیا ہے اور لکھا ہے کہ ’’پھر اسی زمانہ میں میرا نام عیسیٰ بھی رکھا، چنانچہ ’’براہین احمدیہ‘‘ کے صفحہ 241 میں میرے مسیح ہونے کی طرف اشارہ ہے‘‘۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ’’صدی کا سر‘‘ یا الہام وکلام سے مشرف کئے جانے کا زمانہ ’’براہین احمدیہ‘‘ کی تصنیف سے پہلے کا زمانہ ہے۔ لیکن اس سے بھی واضح تر الفاظ آپ نے حقیقۃ الوحی میں لکھے ہیں جہاں الہام وکلام سے مشرف کئے جانے کی تاریخ بھی بتا دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''دانیال نبی کی کتاب میں جو ظہور مسیح موعود کے لئے بارہ سو نوے برس لکھے ہیں، اس کتاب ''براہین احمدیہ'' میں، جس میں میری طرف سے مامور اور من جانب اللہ ہونے کا اعلان ہے، صرف سات برس اس تاریخ سے زیادہ ہیں جن کی نسبت میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ مکالماتِ الٰہیہ کا سلسلہ ان سات برس سے پہلے کا ہے۔ یعنی بارہ سو نوے کا''۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ 199)

اس میں حضرت مسیح موعودؑ نے الہام وکلام سے مشرف کئے جانے کی تاریخ خود مقرر فرما دی ہے جو 1290ھ ہے۔ اس وقت کی عمر ''تریاق القلوب'' کے منقولہ بالا حوالہ کے مطابق جب چالیس سال تھی۔ تو 1326ھ میں وفات کے وقت آپ کی عمر 76 سال ہوئی، جو پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔ تعجب ہے سیّد حبیب نے چند مبہم الفاظ پر اپنے تمام استدلال کی بنیاد رکھ کر پیشگوئی کو غلط قرار دے دیا۔ آپ نے الہام وکلام سے مشرف کئے جانے کی تاریخ 1290ھ قرار دی ہے۔ اور سیّد حبیب 1301ھ بتاتے ہیں جس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں، بلکہ ایک مبہم استدلال ہے جو محض پیشگوئی کو غلط ٹھہرانے کے لئے کیا گیا ہے۔

عمر کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعض اور بھی بیانات ہیں۔ جن کے رو سے اور تو اور خود مولوی ثناء اللہ نے بھی ''اہلحدیث'' 24 شعبان 1335ھ میں تسلیم کیا ہے کہ آپ کی عمر 76 سال ہی بنتی ہے۔

رسالہ ''اعجاز احمدی'' صفحہ 3 پر حضرت مسیح موعودؑ لکھتے ہیں ''آتھم کی عمر میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب 64 سال کے''۔ آتھم کس سال فوت ہوا؟ حضرت مسیح موعود کا بیان ہے کہ ''مسٹر عبداللہ آتھم صاحب 27 جولائی 1896ء کو بمقام فیروز پور فوت ہو گئے ہیں''۔

گویا1896ء میں حضرت مسیح موعود کی عمر64 سال تھی۔1896ء سے لے کر1908ء یعنی آپ کی تاریخ وفات تک 12 سال۔64+12=76 سال۔

ایک اور پہلو سے بھی دیکھ لیجئے۔حضرت مسیح موعود کے فرزند اکبر مرزا سلطان احمد مرحوم کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت 1836ء میں ہوئی۔1836ء سے 1908ء تک 72 سال عمر بنتی ہے۔لیکن اس کو قمری حساب میں تبدیل کیا جائے تو74،75 سال بن جاتی ہے۔غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے،حضرت مسیح موعود کا یہ الہام نہایت صفائی سے سچا ثابت ہوا کہ ''تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا پانچ کم یا پانچ زیادہ''۔تعجب ہے کہ سیّد حبیب نے ان صاف اور صریح بیانات اور مستند حوالجات کو نظر انداز کر کے چند مبہم الفاظ کی بنا پر ایسا غلط استدلال کیا جو اُن کی تنگ نظری اور کوتاہ فہمی کا کھُلا ثبوت ہے۔

9۔محمدی بیگم سے نکاح کی پیشگوئی

آخری پیشگوئی،جس کے غلط ہونے پر سیّد حبیب صاحب نے بہت زیادہ زور دیا ہے،اور کم وبیش 16 صفحے اس پر سیاہ کئے ہیں،محمدی بیگم کے نکاح سے تعلق رکھتی ہے۔یعنی حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار مرزا احمد بیگ کی دختر محمدی بیگم کے متعلق یہ پیشگوئی کی کہ''وہ میرے نکاح میں آئے گی اور اگر اس کے والد نے اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تو وہ تین سال کے اندر فوت ہو جائے گا اور جس کے ساتھ نکاح ہوگا وہ بھی اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا اور محمدی بیگم بیوہ ہو کر پھر میرے نکاح میں آئے گی''۔حبیب صاحب کا اعتراض ہے کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔یہ اعتراض علی العموم تمام مخالفین کی طرف سے ہوتا ہے اور تمسخر واستہزا اور طعن وتشنیع کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا جاتا۔لیکن معترضین کی نظر ہمیشہ پیشگوئی کے ایک ہی پہلو پر پڑتی ہے اور دوسرے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر کے وہ اعتراض کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔

پیشگوئی کی بناء

اس بارہ میں سب سے پہلے جو بات دیکھنے کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی کی غرض اور بناء کیا تھی؟ کیا محمدی بیگم کے ساتھ، جیسا کہ مخالفین کا عام خیال ہے، حضرت مرزا صاحب کو نعوذ باللہ عشق تھا، اور محض نفسانی اغراض کی خاطر وہ اسے اپنے نکاح میں لانا چاہتے تھے؟ یا اس کی کوئی اور وجہ تھی؟ اس بارہ میں حضرت مرزا صاحب کے ان بیانات کو دیکھ کر فیصلہ ہوسکتا ہے، جن میں آپ نے اس پیشگوئی کی اصل بناء اور غرض بتائی ہے۔ اپنے ایک خط میں، جو مولوی محمد حسین بٹالوی کے نام آپ نے لکھا، اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس **پیشگوئی** کی یہ بنیاد نہیں تھی کہ خواہ مخواہ مرزا احمد بیگ کی بیٹی کی درخواست کی گئی تھی، بلکہ یہ بنیاد تھی کہ یہ فریق مخالف، جن میں سے مرزا احمد بیگ بھی ایک تھا، اس عاجز کے قریبی رشتہ دار مگر دین کے سخت مخالف تھے۔ اور ایک اُن میں سے عداوت میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانیہ گالیاں دیتا تھا اور اپنا مذہب دھریہ رکھتا تھا۔ اور نشان کے طلب کے لئے ایک اشتہار بھی جاری کر چکا تھا۔ اور یہ سب مجھ کو مکار خیال کرتے تھے اور نشان مانگتے تھے اور صوم وصلوٰۃ اور عقائد اسلام پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان پر اپنی حُجت پوری کرے۔ سو اُس نے نشان دکھلانے میں وہ پہلو اختیار کیا جس کا ان تمام بے دین قرابتیوں پر اثر پڑتا تھا۔ خدا ترس آدمی سمجھ سکتا ہے کہ موت اور حیات انسان کے اختیار میں نہیں۔ اور ایسی پیشگوئی، جس میں ایک شخص کی موت کو اس کی بیٹی کے نکاح کے ساتھ، جو غیر سے

ہو، وابستہ کر دیا گیا اور موت کی حد مقرر کر دی گئی، انسان کا کام نہیں۔‘‘

حضرت مسیح موعودؑ کے رشتہ داروں کا کفر وعصیان

اپنے رشتہ داروں کی دھریت، دین کے ساتھ تمسخر واستہزا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے اور نشان طلب کرنے کا ذکر آپ نے ’’آئینہ کمالات اسلام‘‘ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں لکھا ہے:

’’فاتفق ذات لیلۃ انّی کنت جالسًا فی بیتی اذجاء نی رجل باکیاً فضزعت من بکائہٖ فقلت اجاءک نعی موت قال بل اعظم منہ انی کنت جالسًا عند ھٰؤ لآء الذین ارتدوا عن دین اللّٰہِ فسبّ احد ھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبًّاشدیدًا غلیظًا ماسمعت قبلہ من فم کافرو رأیتھم انّھم یجعلون القران تحت اقدامھم ویتکلّمون بکلمات یرتعداللسان من نقلھاویقولون ان الوجود الباری لیس بشئی وما من الٰہ فی العالم ان ھوالاکذب المفترین (آئینہ کمالات اسلام ص568)

یعنی ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اُس کے رونے سے ڈر گیا اور اُس سے کہا کیا تو کوئی موت کی خبر لایا ہے۔ اس نے کہا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، اور بتایا کہ میں ان لوگوں (یعنی حضرت مرزا صاحب کے رشتہ داروں) کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو دین اللہ سے مرتد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سخت غلیظ گالی دی جو میں نے اس

سے پیشتر کسی کافر کے مونہہ سے بھی نہیں سنی۔اور میں نے انہیں دیکھا کہ قرآن کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھتے ہیں اور ایسے کلمات منہ سے نکالتے ہیں کہ زبان انہیں نقل کرنے سے قاصر ہے۔اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کوئی نہیں اور نہ دنیا میں کوئی معبود ہے۔ یہ صرف مفتریوں نے جھوٹی باتیں بنا رکھی ہیں۔

نشان کا مطالبہ اور حضرت مسیح موعودؑ کی التجاء جناب الٰہی میں

اس کے بعد ان کے اسی کفر وعصیان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

’’فکتبوا کتابًا کان فیه سبّ رسُول اللّٰه صلعم وسبّ کلام اللّٰه تعالٰی وانکاروجود الباری عزّاسمه ومع ذالک طلبوا فیه آیات صدقی منّی و ایات وجود اللّٰه تعالٰی وارسلوا کتابهم فی الاٰفاق والا قطارواعانوا بهاکفرة الهند وعتوا عتوًا کبیرًا ماسمع مثله فی الفراعنة الا وّلین فلما بلغنی کتابهم الّذی کان قد صنفه کبیر هم فی الخبث والعمرورأیت فیه سبّ رسول اللّٰه صلعم سبًا ینشق منه قلب المومنین وتقطع اکبادالمسلمین ورایت فیه کلمات الارازل والسفهآء وتوهین الشریعة الغراء وهجو کلام اللّٰه الکریم فغضبت اسفاونظرت فاذا الکلمات کلمات تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهَا......فغلقت الابواب ودعوت ربّ الوهاب وطرحت بین یدیه وخررت امامه ساجدًا وقرمت الٰی نصرتهٖ متضرعًاوفعلت مافعلت بلسانی وجنانی وعینائی ومالایعلمها

الاربّ العالمین وقلت یارب انصرعبدک واخذل اعداء ک استجبنی یارب استجبنی الام یستھزاء بک وبرسولک وحنام یکذبون کتابک ویسبّون نبیّک برحمتک استغیث یاحیّ یا قیّوم یامعین‘‘۔

ترجمہ: انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور کلام اللہ کو اس میں گالیاں دی گئیں، اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس کتاب میں مجھ سے میری سچائی اور ہستی باری تعالیٰ کا نشان طلب کیا اور اپنی اس کتاب کو انہوں نے دنیا جہان میں ارسال کیا اور اس کے ذریعہ سے ہندوستان کے کافروں کو امداد پہنچائی۔ اور بہت بڑی سرکشی اختیار کی۔ جس کی مثال پہلے فرعون کے زمانہ میں بھی نہیں سنی گئی۔ جب ان کا یہ اشتہار مجھے پہنچا، جس کو اس شخص نے لکھا تھا جو اُن میں عمر اور خباثت کے لحاظ سے بڑا تھا اور اس میں مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایسی گالیاں دیکھیں جن سے مؤمنوں کے دل پھٹ جائیں اور مسلمانوں کے کلیجے چیرے جائیں اور اس میں نہایت غیر شریفانہ اور رذیل اور احمقانہ باتیں اور شریعت غرا کی توہین اور کلام اللہ کی ہجو نظر آئی تو نہایت افسوس اور غضب کے ساتھ میں بھر گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں ایسے کلمات ہیں جن سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں ...... پس میں نے دروازوں کو بند کرلیا اور رب وہاب کو پکارا اور اپنے آپ کو اُس کے آگے ڈال دیا اور سربسجود ہوکر اس سے التجا کی اور نہایت تضرّع کے

ساتھ اس کی مدد طلب کی۔ اور وہ سب کچھ کیا جو میں اپنی زبان اور جوارح اور آنکھوں کے ساتھ کر سکتا تھا اور اس کو سوائے رب العالمین کے اور کوئی نہیں جانتا اور میں نے پکارا اے ربّ! اپنے بندے کی نصرت فرما اور اپنے اعداء کو ذلیل ورسوا کر۔ قبول کر اے میرے رب! میری دعا کو قبول کر، قوم تیرے اور تیرے رسولؐ کے ساتھ تمسخر واستہزا کر رہی ہے اور تیری کتاب کی تکذیب میں مصروف ہے اور وہ تیرے نبیؐ کو گالیاں دیتے ہیں۔ تیری رحمت سے میں فریاد کرتا ہوں۔ اے حیّ وقیوم اور اے مددگار''۔

دُعا کا جواب اور عذاب کی پیشگوئی

اس تضرّع اور الحاح کا کیا اثر ہوا، اور جناب باری سے حضرت مرزا صاحب کو کیا جواب ملا، اس کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فرحم ربّی علٰی تضرعاتی وقال انّی رأیت عصیانهم وطغیانهم فسوف اضربهم بانواع الاٰفات ابید هم من تحت السمٰوٰت وستنظر ما افعل بهم وکنّا علٰی کلّ شئی قادرین انّی اجعل نسآء هم ارامل وابنآء هم یتامٰی وبیوتهم خربة لیذوقوا طعم ماقالوا وماکسبوا ولٰکن لااهلکهم دفعة واحدة بل قلیلًا قلیلًا لعلّهم یرجعون ویکونون من التوّابین انّ لعنتی نازلة علیهم وعلٰی جدران بیوتهم وعلٰی صغیرهم وکبیرهم ونسآء هم ورجالهم ونزیلهم الّذی دخل ابوابهم وکلّهم کانوا ملعونین الاالّذین اٰمنوا

وعملوا الصالحات وقطعوا تعلقهم منهم وبعدوا من مجالسهم فاولٰئک من المرجومین.

”هٰذہ خلاصة ماالهمنی ربّی فبلغت رسٰلٰت ربّی فماخافوا وماصدقوا بل زادوا طغیانًا وکفرًا وظلوا یستهزؤن کاعداء الدین فخاطبنی ربّی وقال اناسنریهم اٰیات مبکیة وننزل علیهم همومًا عجیبة وامراضًا غریبة ونجعل لهم معیشة ضنکًا ونصب علیهم مصائب فلایکون لهم احدًا من النّاصرین“.

ترجمہ: پس رحم کیا میرے رب نے میری تضرعات پر۔ اور فرمایا کہ میں نے اُن کا عصیان اور سرکشی دیکھی ہے۔ جلدی ہی میں ایسی آفات کا عذاب اُن پر وارد کروں گا جو آسمانوں کے نیچے سے انہیں پہنچیں گی۔ اور تو دیکھے گا کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو رانڈ اور اُن کے بیٹوں کو یتیم بنا دوں گا اور ان کے گھروں کو ویران کر دوں گا۔ تا کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اور جو کچھ کمایا ہے، اس کا مزہ چکھیں۔ لیکن میں انہیں یک مرتبہ ہلاک نہیں کروں گا بلکہ تھوڑے تھوڑے کر کے ماروں گا تا کہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ بیشک میری لعنت نازل ہونے والی ہے اُن پر اور ان کے گھروں کی دیواروں پر اور اُن کے چھوٹوں پر اور اُن کے بڑوں پر اور اُن کی عورتوں پر اور اُن کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں داخل ہوں۔ اور وہ سب کے سب ملعون ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اور ان سے تعلقات منقطع کر لیں اور

ان کی مجالس سے دور ہو جائیں، اِن ہی لوگوں پر رحم کیا جائے گا۔

یہ اس کا خلاصہ ہے جو میرے ربّ نے مجھے الہام کیا۔ پس میں نے انہیں اپنے ربّ کا پیغام پہنچا دیا۔ پس وہ نہ ڈرے اور نہ اس کی تصدیق کی بلکہ سرکشی اور کفر میں بڑھ گئے اور اعداء دین کی طرح استہزاء کرنے لگ گئے۔ پس میرے ربّ نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا کہ ہم انہیں رلانے والے نشان دکھائیں گے اور ان پر عجیب ہموم وغموم نازل ہوں گے اور عجیب قسم کی بیماریاں آئیں گی۔ اور ہم ان کی روزی تنگ کر دیں گے اور ان پر مصائب ڈالیں گے۔ پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

عذابِ الٰہی کا ورود اور رشتہ داروں کی سخت دلی

یہ ارشاد الٰہی کس صورت میں ہوا اور اس کا اثر آپ کے رشتہ داروں پر کیا ہوا، وہ بھی تین چار سطروں میں سن لیجئے کہ ان سب باتوں کا زیر بحث پیشگوئی سے نہایت گہرا تعلق ہے۔فرماتے ہیں:

فکذٰلک فعل اللّٰہ تعالٰی بھم وانقض ظھورھم باثقال الھجوم والدیون والحاجات وانزل علیھم من انواع البلایا والاٰفات وفتح علیھم ابواب الموت والوفات لعلّھم یرجعون اویکونون من المتنبھین ولکن قست قلوبھم فمافھموا وما تنبھوا وما کانوا من الخائفین۔

ترجمہ: پس اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا اور بڑے سخت ہموم ان پر ڈالے اور قرضوں اور حاجات میں انہیں مبتلا کیا اور ان پر طرح

طرح کی بلائیں اور آفتیں نازل کیں اور ان پر موت ووفات کے دروازے کھول دیئے تا کہ وہ رجوع کریں اور متنبہ ہو جائیں، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔ پس انہوں نے نہ سمجھا اور نہ متنبہ ہوئے اور کچھ خوف نہ کیا۔

محمدی بیگم سے نکاح کی درخواست اور احمد بیگ کے متعلق پیشگوئی

جب حالات یہاں تک پہنچ گئے۔ اور آپ کے رشتہ دار کفر وعصیان پر جمے رہے اور شدید ترین آفات میں مبتلا ہو کر بھی ان کے دل نرم نہ ہوئے اور دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ سے بڑے زور سے یہ مطالبہ کیا کہ وجود باری تعالیٰ اور اپنے مکلّم من اللہ ہونے کا نشان دکھائیں تو ان کو ایک دوسری راہ سے اللہ تعالیٰ نے پکڑا۔ اور حضرت مسیح موعود نے ایک نشان کی پیشگوئی کی، جس کا ذکر مندرجہ بالا الفاظ کے بعد آپ نے کیا ہے، لیکن ہم بخوف طوالت عربی عبارات کی بجائے صرف ان کا ترجمہ ذیل میں دیتے ہیں۔

''اور جب نشان کے ظاہر ہونے کا وقت قریب آیا تو ان ایّام میں ایسا اتفاق ہوا کہ میرے عزیزوں میں سے ایک شخص، جس کا نام احمد بیگ تھا، اس نے ارادہ کیا کہ اپنی بہن کی زمین کا مالک بن جائے جس کا خاوند سالہا سال سے مفقود الخبر تھا اور وہ میرے چچا کا بیٹا تھا اور زمین اس کی ملکیت تھی۔ پس احمد بیگ نے چاہا کہ زمین کو اپنی بہن سے لے لے۔ اس بہن نے بھی یہ ارادہ کرلیا کہ وہ زمین اپنے بھائی کو ہبہ کر کے اس پر احسان رکھے۔ اور اس کے برابر کے اور وارث بھی تھے۔ میرے چچیرے بھائی بھی اس پر راضی ہو گئے۔ کیونکہ ان کی بہن اس کے قبضہ میں تھی۔ لیکن میرا حق ان سب پر غالب تھا۔ اور وہ زمین کو میری رضامندی کے بغیر ہبہ نہ کر سکتے تھے، اس لئے احمد بیگ کی بیوی میرے پاس آئی اور منت سماجت کی کہ میں اپنے حق کو

چھوڑ دوں اور کوئی جھگڑا نہ کروں ۔ میں اس پر رحم کرنے والا ہی تھا اور ان کی تألیفِ قلوب کے لئے زمین انہیں دینے پر رضا مند ہو گیا کہ شاید توبہ کریں اور ہدایت پائیں، مگر پھر میں اس خیال سے ڈر گیا کہ مبادا جلدی کرنے میں نقص پیدا ہو۔ اور مفقود الخبر کے مال کے متعلق ایسا کرنے میں انجام کار سے مجھے خوف دامنگیر ہوا، اس لئے میں نے خدائے علیم وحکیم سے استفتاء ضروری سمجھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار کرنے لگا، تا کہ ایک غائب آدمی کے حق کا غاصب نہ ٹھہروں اور ان لوگوں میں سے نہ سمجھا جاؤں جو اپنے شرکاء کے حق کو ظلم سے چھینتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔

اسی سبب سے اس ہبہ سے میں متأمل رہا۔ اور اس معاملہ کو التواء میں ڈال دیا اور حکم الٰہی کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اسی امر میں اللہ تعالیٰ نے اس حد سے گزری ہوئی قوم کے لئے ابتلاء کا سامان پیدا کیا ہے۔ جن پر اباحت، دہریت اور سرکشی غالب ہے اور وہ کفار سے جا ملے ہیں۔ بلکہ کفر میں ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اور ناراستوں میں سے ہیں۔ پس میں نے احمد بیگ کی بیوی سے کہا کہ میں اس معاملہ کو خدا کے حکم کے بغیر فیصل نہیں کر سکتا۔ تو اپنے گھر واپس جا اور جو کچھ میں نے تجھ سے کہا ہے انہیں سنا دے اور مَیں انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مخلصانہ سلوک کروں گا۔

وہ گئی اور پھر اس کا خاوند میرے پاس آیا اور نہایت اضطرار اور عاجزی سے الحاح کی اور مجھ پر دوڑے ڈالنے لگا اور اس کے ساتھ ہی رو پڑا۔ اس کا دَم پھولا ہوا تھا جس سے مجھے خیال ہوا کہ مبادا ہلاک نہ ہو جائے۔ جب میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو مجھے بھی اس پر اور اس کے رونے پر رحم آیا اور میں نے اس کی مدد کا ارادہ کیا اور غمخوار لوگوں کی طرح اس کو تسلّی دی۔ اور میں نے کہا کہ بخدا میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے اور مجھے دنیا کے مال سے کوئی محبت نہیں بلکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو انجام کار کو یاد رکھتے ہیں۔ میں چارپایوں کی طرح

نعماء دنیوی کا دلدادہ نہیں ہوں۔ اور تیرے ساتھ رحم اور حسن سلوک کا معاملہ کروں گا۔ اور تیری حاجت براری سے دریغ نہ کروں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے میرا یہ معاہدہ ہے کہ کسی شبہ کے معاملہ میں جسارت نہ کروں گا۔ اور میں مشتبہ بات کے موقع پر اپنا قدم خود بخود نہیں اٹھاتا، جب تک کہ حکم الٰہی نہ ہو۔ اب بھی میں ایسا ہی کروں گا اور اللہ سے بھلائی کی ہی امید رکھتا ہوں اور تو ناامید نہ ہو۔ اور تقوٰی سے قریب یہی امر ہے کہ ایسے شخص کے مال میں، جو مفقود الخبر ہو اور اس کی زندگی اور موت کا کچھ پتہ نہ ہو، یہ جائز نہیں کہ مُردوں کی طرح اس کے مال کے تصفیہ میں جلدی کی جائے۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ اس وقت تک قیل وقال نہ کی جائے، جب تک کہ حکم الٰہی نہ ہو اور یقینی خبر نہ مل جائے۔ اس نے کہا کہ آپ وعدہ خلافی نہ کیجئے گا۔ جس کے جواب میں مَیں نے کہا کہ میرا وعدہ حکم الٰہی کے ساتھ مشروط ہے۔

پس وہ اس غم کے ساتھ واپس چلا گیا۔ اور مَیں خلوت میں جا بیٹھا، تا کہ حضور الٰہی میں عرض کروں کہ اس معاملہ کو مجھ پر کھولا جائے ...... پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے الہام کیا گیا اور ایک ایسی خبر دی گئی کہ جس کی طرف میرا خیال بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ اور جس کے قریب بھی مَیں نہیں پھٹکا تھا خدا تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ مَیں اس کی بڑی لڑکی کا رشتہ اپنی ذات کے لئے طلب کروں۔ پہلے تیرا خسر بن جائے اور پھر تجھ سے کچھ لے سکتا ہے۔ اور فرمایا کہ اس کو کہہ دے کہ اگر تو اپنی بڑی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دے تو میں تجھ کو، جو زمین تو مانگتا ہے، وہ بھی اور اس کے ساتھ اور بھی دوں گا۔ اور اور بھی احسانات کروں گا۔ یہ تیرا میرا معاہدہ ہے۔ اگر تو اس کو قبول کر لے تو میں بھی اسے قبول کر لوں گا، اور اگر قبول نہ کرے تو پھر تجھے معلوم رہے کہ مجھے اللہ نے خبر دی ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرے گا تو اس میں نہ لڑکی کے لئے برکت ہوگی، نہ تیرے لئے۔ اور اگر تو نہیں مانے گا تو تیرے پر مصائب آئیں گے جن کے بعد تیری موت ہے اور نکاح کے بعد تو تین سال تک مر جائے گا۔ بلکہ تیری موت قریب ہے اور

وہ تجھ پر غفلت کی حالت میں آجائے گی اور اسی طرح وہ شخص، جس سے اس کا نکاح ہوگا، اڑھائی سال کے عرصہ میں فوت ہو جائے گا۔ پس اب تجھے اختیار ہے جو چاہے کر، اور میں تجھے نصیحت کرنے والا ہوں۔ اس بات کو سن کر اس نے تیوڑی چڑہائی اور انکار کر کے چلا گیا''۔

کیا یہ پیشگوئی نفسانی جذبات کا نتیجہ تھی؟

یہ وہ پیشگوئی ہے جس پر اس قدر شور وغوغا مچایا جا رہا ہے۔ اور طرح طرح کے استہزائیہ کلمات اور طعن وتشنیع سے کام لیا جاتا ہے اور اس کو حضرت میرزا صاحب کی داستانِ عشق خیال کر کے محمدی بیگم سے نکاح کو اس پیشگوئی کی اصل غرض قرار دیا جاتا ہے۔ ان تمام حالات کو، جو اوپر درج کئے گئے ہیں، پھر ایک نظر دیکھئے۔ اور غور کیجئے کہ کیا محمدی بیگم سے نکاح اس پیشگوئی کی اصل غرض ہے؟ کیا اس کی بنا کوئی جذبۂ عشق ہے جو حضرت میرزا صاحب کے دل میں موجزن تھا؟ یُوں تو مسلمانوں نے عشق ومحبت کے نفسانی جذبات سے خدا کے پاک نبیوںؑ کو بھی خالی نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ داوٗد علیہ السلام پر ایک عورت کو...... دیکھنے اور اس پر عاشق ہو کر اس کے خاوند کو مروانے اور پھر اسے حرم میں داخل کرنے کا الزام لگایا۔ یوسف زلیخا کے قصے تصنیف کر کے یوسفؑ جیسے پاکباز نبی کو خواہشات نفسانی سے ملوث قرار دیا بلکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت زینبؓ کے عشق کا الزام دیا، تو حضرت میرزا صاحب پر تو جتنا الزام لگائیں، کم ہے۔ لیکن خدا کے لئے دل کو تعصب سے خالی کر کے ان تمام حالات وواقعات کا مطالعہ کیجئے جو ہم نے اوپر درج کئے ہیں۔ اور پھر بتایئے کہ کیا اس پیشگوئی کی بناء رشتہ داروں کا کفر وعصیان تھا یا حضرت میرزا صاحب کی نفسانی خواہشات۔

پیشگوئی کی غرض رشتہ داروں کی اصلاح تھی

کیا اس کی غرض ان رشتہ داروں کی اصلاح اور ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان پیدا کرنا تھا یا اصل غرض محمدی بیگم کو نکاح میں لانا تھا؟ محمدی بیگم سے نکاح اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ تھا، جس کے ساتھ بعض اور باتیں بھی شامل تھیں۔ یعنی احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت۔ اور اس لحاظ سے یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی جس کا مقصد رشتہ داروں میں رجوع الی اللہ اور خشیت وانابت پیدا کرنا تھا۔ اور اس مضمون کی تمہید میں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ انذاری پیشگوئیاں ہمیشہ مشروط ہوتی ہیں اور رجوع الی اللہ سے ٹل جایا کرتی ہیں۔ پس اگر پیشگوئی کا اصل مقصد یعنی رشتہ داروں میں رجوع الی اللہ بغیر نکاح کے پیدا ہو جائے۔ اگر نکاح تک نوبت پہنچنے سے پہلے ہی ان کا کفر وعصیان دور ہو جائے تو نکاح کا ہونا یا محمدی بیگم کا آپ کی زوجیت میں آنا کوئی لابدی امر نہیں۔ اب آیئے ان واقعات کو دیکھیں جو اس پیشگوئی کے بعد پیدا ہوئے۔ اور قبل اس کے کہ نکاح تک نوبت پہنچے، پیشگوئی کی اصل غرض کو پورا کرنے اور ان لوگوں کی اصلاح کا موجب ہوئے۔

احمد بیگ کی موت اور رشتہ داروں کا رجوع

پیشگوئی سننے کے بعد احمد بیگ اور تمام دوسرے رشتہ دار ناراض ہو گئے۔ اور حضرت میرزا صاحب کی طرف سے ہر طرح کی تسلّی دلائے جانے اور تبشیر وانذار کے باوجو، جس کو سیّد حبیب نے ''تحریص وتخویف'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، وہ کسی طرح اس رشتہ پر راضی نہ ہوئے۔ اور اپنی بے باکی اور شرارت میں یہاں تک بڑھے کہ حضرت میرزا صاحب کے خط کو 10 مئی 1888ء کے اخبار ''نور افشان'' میں چھپوا کر عیسائیوں کو پھبتیاں اڑانے کا موقعہ دیا۔ لیکن دوسری طرف پورے پانچ سال گزر گئے اور وعید کے ڈر سے کوئی شخص محمدی بیگم کے ساتھ رشتہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آخر کار 7 اپریل 1892ء کو پٹی میں مرزا سلطان محمد کے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا۔ اس نکاح کو ابھی پورے تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ احمد بیگ عذاب الٰہی

میں پکڑا گیا۔ اور پہلے اسے اپنے بیٹے اور دو ہمشیروں کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا اور اس کے بعد خود ایک نہایت خطرناک بیماری نے اسے آدبایا۔ جس نے اس کے حواس کو مختل کر دیا۔ اس ہولناک دُکھ اور عذابِ الٰہی نے اسے جانبر نہ ہونے دیا۔ اور 31 دسمبر 1892ء کو وہ چل بسا۔ اور اس طرح پیشگوئی کے ایک حصہ کو اللہ تعالیٰ نے تین چار ماہ کے اندر اندر پورا کر دکھایا۔ جس کا اعتراف اور تو اور مولوی محمد حسین بٹالوی جیسے شدید دشمن کو بھی طوعاً وکرہاً کرنا پڑا۔ اور اس نے اپنے رسالہ ''اشاعت السنہ'' میں لکھا کہ اگر چہ یہ پیشگوئی تو پوری ہوگئی مگر یہ الہام سے نہیں، بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی۔ رمل اور نجوم کا افتراء تو مولوی صاحب کے بغض وتعصب کا نتیجہ ہے، لیکن کم از کم پیشگوئی کے پورا ہونے کا انہیں بھی اعتراف ہے۔

سیّد حبیب کا لایعنی اعتراض

لیکن سیّد صاحب فرماتے ہیں ''میرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ محمدی بیگم کا والد فلاں میعاد کے اندر فوت ہوگا اور **ایسا ہوا** لیکن یہ ایک اتفاقی امر ہے جس کی وقعت کسی صاحبِ دانش وبینش کی نظروں میں ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتی''۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**۔ اگر کوئی پیشگوئی پوری ہو جائے تو وہ اتفاقی امر ہو گیا۔ اور اگر پوری نہ ہو تو وہ میرزا صاحب کے حق پر نہ ہونے کی دلیل ہے۔ یہ منطق جناب حبیب کے علم وعقل کو اپیل کرے تو کرے، کسی صاحب دانش وبینش کی نظروں میں اس کی وقعت ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتی۔

مرزا سلطان محمد کی خشیّت وتضرّع

بہر حال احمد بیگ جب معیاد پیشگوئی کے اندر فوت ہو گیا۔ اور ایسا سخت دُکھ اور عذاب اسے پہنچا تو اس کو دیکھ کر باقی تمام رشتہ دار ڈر گئے۔ اور ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے اور مرزا سلطان محمد نے خدا تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار اور الحاح

وزاری کرنی شروع کردی۔اور یہ ایک قدرتی بات تھی۔ جب پیشگوئی دو شخصوں کے متعلق تھی، جن میں سے ایک میعاد کے اندر یوم نکاح سے چند ماہ بعد فوت ہوگیا،تو ضروری تھا کہ دوسرے کو بھی اپنی جان کے لالے پڑ جاتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسی خوف وخشیّت کی وجہ سے اس کے بزرگوں نے بقول حضرت مسیح موعود دو خط لاہور سے آپ کے نام لکھے، جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور کے لکھے ہوئے تھے۔جن میں انہوں نے اپنے توبہ واستغفار کا حال لکھا تھا۔

پیشگوئی کا مقصد پورا ہوگیا

پس جہاں تک اصل مقصد کا تعلق تھا، جو اس پیشگوئی کا اصل موجب تھا، وہ تو اس پہلے ہی نشان سے پورا ہوگیا۔اور وہ تمام دہریت اور کفروعصیان، جو اس سے پہلے زوروں پر تھا، احمد بیگ کے عذاب اور اس کی موت کو دیکھ کر یک قلم دُور ہوگیا۔ یہاں تک کہ انہی سرکش لوگوں نے اب حضرت میرزا صاحب کی خدمت میں تضرّع اور عاجزی کے خط لکھنے شروع کر دیئے اور ان سے دعا کی استدعا کی۔ یہی اس پیشگوئی کی اصل غرض تھی۔ جب غرض پوری ہو گئی تو پیشگوئی کے باقی اجزاء کا پورا ہونا ضروری نہ رہا۔ بالخصوص جبکہ وعید کی پیشگوئیوں کے لئے یہ قانون الٰہی ہے کہ جس کے متعلق وعید نازل ہوا ہو، اس کے رجوع الی اللہ اور تضرّع سے وہ ٹل جاتا ہے۔جیسا کہ اس سے پیشتر اصولی بحث میں اس امر کو قرآن کریم اور دیگر حوالجات سے ثابت کیا جا چکا ہے۔مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو تفسیر ''روح المعانی'' جلد 2 صفحہ 55 طبع مصر کے یہ الفاظ پڑھ لیجئے۔ ''**ان اللّٰہ عزّوجلّ یجوز ان یخلف الوعید** '' یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے کہ وہ وعید میں تخلّف کرے،اگرچہ وعدہ میں تخلف ممتنع ہے۔ ایسا ہی جلد 4 صفحہ 190 پر عربی عبارت میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وعدہ ہمیشہ مطلق ہوتا ہے۔اور وعید خواہ وہ غیر مشروط ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی اس میں کوئی نہ کوئی شرط حذف کردی

جاتی ہے تا کہ خوف زیادہ ہو جائے۔ پھر بیضاوی میں ہے ان **وعید الفساق مشروط بعدم العفو** (دیکھو تفسیر سورہ آل عمران زیر آیت **اِنَّ اللّٰهَ لَايُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** (آل عمرٰن 9:3) یعنی فاسقون کے متعلق جو وعید نازل ہوتا ہے، وہ اس شرط سے مشروط ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو عذاب آئے گا۔ غرض وعید کی پیشگوئیوں کے متعلق یہ ایک مسلم بات ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا اور پیشگوئیوں کو ٹال دیتا ہے۔ جیسا کہ یونسؑ نبی کی قوم کو چالیس دن میں عذاب آنے کی خبر دے کر ان کے رجوع اور خشیّت و انابت کی وجہ سے اسے ٹال دیا۔

سلطان محمد کے متعلق وعید ٹل گیا

بعینہٖ یہی کیفیت احمد بیگ کی موت نے حضرت میرزا صاحب کے رشتہ داروں اور سلطان محمد کے لواحقین میں پیدا کر دی۔ جس سے ایک تو پیشگوئی کی اصل غرض پوری ہوگئی کہ جو کفر وعصیان ان میں پیدا ہو چکا تھا وہ دور ہو گیا۔ اور ایمان کی روشنی ان کے دلوں میں پیدا ہو گئی اور دوسری طرف رجوع کی شرط، جو ہر ایسی پیشگوئی میں مضمر ہوتی ہے، وہ پوری ہوگئی۔ جس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ سلطان محمد کی موت کی پیشگوئی ٹل جائے، اور وہ عذاب الٰہی سے بچ جائے۔ اور جب اس کی موت واقع نہ ہوئی اور پیشگوئی کی اصل غرض بھی پوری ہوگئی تو محمدی بیگم کا بیوہ ہو کر زوجیت میں آنا بھی ضروری نہ رہا۔ اسی حقیقت کا اظہار حضرت میرزا صاحب نے اپنے اشتہار مورخہ 4 ستمبر 1894ء میں کیا ہے اور میرزا سلطان محمد کے بزرگوں کے توبہ و استغفار کے خطوط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''ان کے توبہ و استغفار کا حال دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ تاریخِ وفات سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ایسی تاریخیں، جو تخویف اور انذار کے نشانوں میں سے ہوتی ہیں، ہمیشہ بطور تقدیر معلق کے ہوتی ہیں ...... احمد

بیگ کی وفات کے بعد ان کے دلوں پر سخت رعب طاری ہوا اور انہوں نے ربانی پیشگوئی کے خوف وغم کو کسی قدر اپنے دلوں پر غالب کرلیا۔ اور اگرچہ سخت دل بہت تھے، لیکن احمد بیگ کے مرنے نے ان کی کمر توڑ دی۔ اور اس وجہ سے ان کی طرف سے عذر اور پشیمانی کے خط بھی پہنچے۔ اور جبکہ وہ اپنے دلوں میں بہت ڈرے اور سخت ہراساں ہوئے، پس ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی سنّتِ قدیم کے موافق تاریخ عذاب کو کسی اور موقعہ پر ڈال دے۔ یعنی ان دنوں پر، جبکہ وہ لوگ اپنی حالت بیبا کی اور تکبر اور غفلت کی طرف کامل طور سے رجوع کر لیں۔ کیونکہ عذاب کی میعاد ایک تقدیر معلق ہوتی ہے جو خوف اور رجوع سے دوسرے وقت پر جا پڑتی ہے۔ جیسا کہ تمام قرآن اس پر شاہد ہے''۔ پھر لکھا ہے:

''اور اس پیشگوئی کے متعلق جو دقیقہ معرفت ہے، وہ یہ ہے کہ یہ پیشگوئی اسی قوم کے ڈرانے کے لئے ہے جن کی طبیعتوں میں الحاد اور ارتداد غلبہ کر گیا تھا۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے پہلے کلمات میں ہی فرمایا کہ یہ لوگ میری آیتوں کی تکذیب کرتے اور میرے نشانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ پس جبکہ یہ پیشگوئی انذار اور تخویف پر مشتمل تھی اور موت کے وعدے محض عذاب کے طور پر تھے، اس لئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ عذاب اور تاخیر عذاب میں اپنی سنت اور عادت کا اس جگہ بھی پابند ہو جس کا ذکر قرآن کریم میں بتصریح موجود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مہیمن اور امام کتاب میں یہ دائمی قاعدہ باندھ دیا ہے کہ فاسقوں اور کافروں کی رجوع اور توبہ سے میعاد عذاب میں تاخیر واقع ہو جاتی ہے۔

اور پھر جب وہ فسق اور کفر اور سرکشی اور شوخی اور تکبر کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اپنے ہاتھ سے اسباب ہلاکت پیدا کر لیتے ہیں، وہ لازوال وعدہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے''۔

مرزا سلطان محمد اور دیگر رشتہ داروں کی عقیدت

پس اب سوال یہ ہے کہ کیا سلطان محمد وغیرھم نے توبہ واستغفار کے بعد پھر کبھی ''فسق اور کفر اور سرکشی اور شوخی اور تکبر'' کی طرف رجوع کیا؟ واقعات شاہد ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات اور اس کے بعد بھی ایک طویل مدت تک بالکل خاموشی اور سکوت کا عالم ان پر طاری رہا۔ یہاں تک کہ بار بار کے اعتراضات کے جواب میں عام اشتہار شائع کئے گئے۔ کتابوں میں اعلان کئے گئے کہ سلطان محمد صاحب پیشگوئی سے ڈر گئے، اور انہوں نے رجوع کرلیا ہے۔ ان کے دل میں خوف اور خشیت الٰہی پیدا ہوگئی جس نے پیشگوئی کو ٹال دیا، تو بھی انہوں نے ان اعلانات کی کوئی تردید نہ کی۔ بلکہ 1913ء میں ایک احمدی کے استفسار پر ذیل کا خط اس نے لکھا:

> السلام علیکم۔ نوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ یادآوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب میرزا جی صاحب مرحوم کو نیک، بزرگ، اسلام کا خدمت گزار۔ شریف النفس، خدایاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کرسکا۔
>
> نیازمند سلطان محمد

السلام علیکم ۔ نوازش نامہ آپکا پہونچا ۔ یاد دہانی کا مشکور ہوں
میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو ۔ نیک ۔ بزرگ
اسلام کا خدمتگذار ۔ شریف النفس ۔ خدا یاد ۔
پہلے بھی اور اب بھی خیال کرتا ہوں ۔ مجھے آپکے
مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے ۔ بلکہ افسوس
کرتا ہوں ۔ کہ چند ایک امورات کی وجہ سے میں انکی زندگی
میں انکا شرف حاصل نہ کر سکا ۔
نیازمند سلطان محمد

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود کے بعض نہایت قریبی رشتہ دار بھی آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہو گئے ۔ اس خاندان کا سردار میرزا محمود بیگ نہایت اخلاص سے شامل جماعت ہوا ۔ احمد بیگ کی دوسری لڑکی ، جو میرزا احسن بیگ کے نکاح میں ہے، احمدی ہو گئی ۔ خود مرزا احسن بیگ ، جو احمد بیگ کی بیوی کی بہن کے لڑکے ہیں ، جماعت احمدیہ میں داخل ہیں ۔ دوسری دو لڑکیاں بھی عقیدت سے خالی نہیں رہیں ۔ احمد بیگ کی بیوی ، لڑکا اور پوتا بھی مخالف نہیں ۔ خود سلطان محمد اور محمدی بیگم کا ایک لڑکا احمدی ہو چکا ہے ۔ میرزا امام الدین کی لڑکی ، جو خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی زوجیت میں ہے ، بیعت میں داخل ہے ۔ یہی لوگ اس رشتہ کے مانع تھے ۔ جب ان سب کے اندر نورِ ایمان پیدا ہو گیا اور کفر و عصیان کی حالت نہ رہی ، جب سلطان محمد شوخی و شرارت کی بجائے احمد بیگ کی موت سے لرز گیا اور حضرت میرزا صاحب کو نیک ، بزرگ ، اسلام کا خدمت گزار ، شریف النفس اور خدا یاد سمجھنے لگ گیا تو ایسی حالت میں عذابِ الٰہی اس پر کس طرح وارد ہو سکتا ، اور کیونکر وہ پیشگوئی

کے مطابق عذاب کی موت کا شکار ہوسکتا تھا؟ اور جب وہی پکڑا نہ گیا تو محمدی بیگم کا بیوہ ہو کر حضرت مسیح موعود کی طرف لوٹائے جانا اور آپ کی زوجیت میں آنا خود بخود منسوخ ہو گیا۔

یردھاالیک کے معنی اور محمدی بیگم کی عقیدت

اس میں شک نہیں کہ حضرت میرزا صاحب کا خیال یہی تھا کہ سلطان محمد وغیرھم پھر کسی وقت شوخی وشرارت سے کام لیں گے، اور اس وقت اس پیشگوئی کا پورا ہونا اور محمدی بیگم کا بیوہ ہوکر آپ کی طرف لوٹائے جانا یقینی امر ہے۔ جیسا کہ الہام الٰہی کے الفاظ **یردّھا الیک**. لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس 64:10) اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ. (ھود 107:11) سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ نے اسے تقدیر مبرم بھی قرار دیا اور بہت سے تحدّی آمیز الفاظ لکھے۔ لیکن یہ سب کچھ آپ کا اپنا اجتہاد ہے۔ الہام میں **یردّھاالیک** کے جو الفاظ آئے ہیں، ان کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا دل تیری طرف پھیر دے گا۔ یعنی اس کے دل میں تیری عقیدت اور توقیر پیدا کر دے گا۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو ٹل نہیں سکتیں اور خدا جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسے پورا کر کے رہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ اس رؤیا سے ظاہر ہے جو محمدی بیگم نے اپنے ایک رشتہ دار مرزا احمد بیگ صاحب احمدی کے سامنے بیان کیا۔ اور بتایا کہ جنگ عظیم کے دنوں میں ''جس وقت فرانس سے ان کو (مرزا سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی تو میں سخت پریشان ہوئی۔ اور میرا دل گھبرا گیا۔ اس تشویش میں مجھے رات کے وقت مرزا صاحب رؤیا میں نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک دودھ کا پیالہ ہے اور وہ مجھ سے کہتے ہیں لے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے فکر نہ کر اس سے مجھے ان کی خیریت کے متعلق اطمینان ہو گیا'' (الفضل 9-13 جون 1921ء) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدی بیگم صاحبہ کو بھی حضرت میرزا صاحب کے ساتھ عقیدت ہے اور یہی **یردھا الیک** کی بہترین تفسیر ہے۔ (اشاعتِ اول: صفحہ 105 تا 112، 169 تا 200 حمایت اسلام پریس لاہور میں چھپا۔)

تقدیرِ مبرم یا تقدیرِ معلّق رجوع سے مشروط تھی

ورنہ ایسی حالت میں، کہ سلطان محمد نے توبہ واستغفار کے بعد دوبارہ سرکشی اور کفر کی طرف عود نہیں کیا، کس طرح اس پر ہلاکت آسکتی تھی۔ ایسی حالت میں، کہ بقول حضرت مرزا صاحب ''تخویف اور انذار کی پیشگوئیاں جس قدر ہوتی ہیں، جن کے ذریعہ سے ایک بیباک قوم کو سزا دینا منظور ہوتا ہے۔ ان کی تاریخیں اور میعادیں تقدیرِ مبرم کی طرح نہیں ہوتیں بلکہ تقدیرِ معلّق کی طرح ہوتی ہیں''۔ محمدی بیگم کا حضرت مرزا صاحب کی زوجیت میں آنا، جو اس کے خاوند کی سرکشی و ہلاکت سے مشروط تھا، تقدیرِ مبرم کس طرح ہوسکتا تھا۔ اور اس کا ہر حالت میں بیوہ ہوکر لوٹایا جانا کیونکر صحیح ہوسکتا تھا۔ تقدیرِ معلق اور تقدیرِ مبرم پر ہم اس سے قبل مفصل بحث کر چکے ہیں اور بتا آئے ہیں کہ بعض وقت ایک بات ملہم کو الہام کے ظاہری الفاظ سے یا لوحِ محفوظ پر مبرم نظر آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مبرم نہیں ہوتی۔ اور حدیثوں سے تو (جو نقل کی جاچکی ہیں) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خشیّت وانابت اور صدقہ و دعا سے تقدیرِ مبرم بھی ٹل جاتی ہے۔ پھر حضرت مرزا صاحب نے اگر اپنے اجتہاد سے محمدی بیگم کا آپ کی زوجیت میں آنا تقدیرِ مبرم قرار دیا، جو اس کے خاوند کی ہلاکت سے مشروط تھی، اور وہ اس کی خشیّت وانابت سے ٹل گئی، تو اس میں کونسی مستبعد بات ہے اور حضرت مرزا صاحب پر کیا الزام ہے۔

آسمان پر نکاح کے معنی

اس کی تردید دو باتوں سے کی جاتی ہے۔ ایک یہ کہ الہام میں یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ آسمان پر نکاح ہو چکا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیح موعود نے لکھا تھا کہ ''خدا سب روکیں درمیان سے اُٹھا دے گا۔ خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں''۔ اوّل الذکر کا جواب تو خود حضرت مسیح موعودؑ نے ''حقیقۃ الوحی'' میں بدیں الفاظ دیا ہے کہ:

’’یہ امر، کہ الہام میں یہ بھی تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے، یہ درست ہے۔مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا، خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی ۔اور وہ یہ کہ **ایتھا المرأۃ توبی توبی فان البلاء علٰی عقبک** ۔پس جب ان لوگوں نے شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہوگیا یا تأخیر میں پڑ گیا۔کیا آپ کو خبر نہیں کہ **یَمۡحُوا اللّٰہُ مَایَشَآءُ وَیُثۡبِتُ** (الرّعد39:13) نکاح آسمان پر پڑھا گیا یا عرش پر مگر آخر وہ سب کارروائی شرطی تھی ۔شیطانی وساوس سے الگ ہو کر سوچنا چاہئے ۔کیا یونس علیہ السلام کی پیشگوئی نکاح پڑھنے سے کچھ کم تھی جس میں بتلایا گیا تھا کہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ چالیس دن تک اس قوم پر عذاب نازل ہوگا ،مگر عذاب نازل نہ ہوا، حالانکہ اس میں کسی شرط کی تصریح نہ تھی ۔پس وہ خدا جس نے اپنا ایسا ناطق فیصلہ منسوخ کر دیا، کیا اس پر مشکل تھا کہ اس نکاح کو بھی منسوخ یا کسی اور وقت پر ڈال دے۔‘‘

(حقیقۃ الوحی صفحہ 133)

فسخ یا تاخیر پر سیّد حبیب کا اعتراض

سیّد حبیب نے ’’فسخ ہو گیا یا تأخیر میں پڑ گیا‘‘ پر پھبتی اڑائی ہے۔اور لکھا ہے کہ ’’اس الہام کے الفاظ عجیب ہیں۔نکاح فسخ ہو گیا یا ملتوی ہو گیا ایک ایسا فقرہ ہے جس کی داد دینا آسان نہیں۔تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ اطلاع مرتے دم تک نہ دی کہ اب یہ خاتون تمہارے قبضہ میں نہیں آسکتی۔ رہا یہ مسئلہ کہ محمدی بیگم سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ توبہ کرے، ایک جدّت ہے جس کا اس تحریر سے پہلے کہیں پتہ نہیں چلتا‘‘۔

اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ حبیب صاحب کی واقفیت معترضین کے دیئے ہوئے اقتباسات اور دم بریدہ فقرات تک محدود ہے۔ اور سلسلہ احمدیہ یا حضرت مرزا صاحب کی کتابوں اور لٹریچر سے انہیں کوئی واقفیت نہیں۔ ورنہ یہ لفظ ان کے قلم سے نہ نکلتے کہ **توبی توبی** کا الہام ''ایک جدّت ہے جس کا اس تحریر سے پہلے کہیں پتہ نہیں چلتا''۔ حبیب صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ **توبی توبی** کا الہام اشتہار 15 جولائی 1888ء (ضمیمہ اشتہار دہم جولائی 1888ء) میں موجود ہے۔ جہاں یہ الفاظ لکھے ہیں:

''قہری نشانوں میں سے کسی قدر اشتہار 20 فروری 1886ء میں بھی درج ہے۔ اور جنوری 1886ء میں بمقام ہوشیار پور ایک اور الہام عربی میں مرزا احمد بیگ کی نسبت ہوا تھا جس کو ایک مجمع میں، جس میں بابو الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ و مولوی برھان الدین صاحب جہلمی بھی موجود تھے، سنایا گیا۔ جس کی عبارت یہ ہے: **رأیت ھٰذہ المرأۃ واثر البکاء علٰی وجھھا فقلت ایّتھا المرأۃ توبی توبی فان البلاء علٰی عقبک والمصیبۃ نازلۃ علیک یموت ویبقی منہ کلاب متعدّدۃ** (ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ 120)

رہا فسخ اور تأ خیر کا معاملہ، حبیب صاحب کے لئے اس کی ''داد دینا'' کیسے آسان ہوسکتا ہے۔ جبکہ پیشگوئیوں کی حقیقت کا ہی انہیں علم نہیں۔ جس شخص کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پیشگوئیوں کے معاملہ میں نبیوںؑ پر بھی قبل از وقوع حقیقت حال پورے طور پر منکشف نہیں ہوتی تو حضرت مرزا صاحب، جو نبی بھی نہیں، حتمی طور پر فسخ یا تأ خیر میں سے ایک بات پر حصر کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ ان محتاط الفاظ کی داد کیونکر دے سکتا ہے۔ پیشگوئی کا فسخ ہونا مرزا سلطان محمد کے رجوع اور خشیّت کے قائم رہنے کے ساتھ مشروط تھا۔ اور یہ بھی امکان تھا کہ وہ کسی وقت اس حالت کو چھوڑ کر پھر سرکشی اختیار

کر لے۔ تو ایسی صورت میں وہ پھر پکڑا جائے اور یرڈھا الیک کا الہام اپنے ظاہری معنوں میں پورا ہو جائے۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے احتیاط کے طور پر دونوں باتیں لکھ دیں۔ لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس کے سرکشی اختیار کرنے کی وجہ سے نکاح کا معاملہ منسوخ ہو گیا۔

تعبیر الرّؤیا میں نکاح کے معنی

اس کے علاوہ آسمان پر نکاح پڑھے جانے کی ایک اور بھی مثال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا نکاح مریم بنتِ عمران اور آسیہ امرأة فرعون کے ساتھ آسمان پر پڑھا گیا (ترجمان القرآن جلد 10 ص 234۔ نواب صدیق حسن خاں) کیا ہمارے مخالف ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت مریمؑ اور آسیہ اس وقت موجود تھیں اور آسمان پر نکاح پڑھے جانے سے ظاہری نکاح مراد تھا؟ اگر پیشگوئیوں اور علم تعبیر الرؤیا سے تھوڑا سا بھی مس ہو تو ایسی باتوں کے معنی کرنے کچھ مشکل نہیں۔ کتب تعبیر الرؤیا میں ہے **ومن رٰی انہ نکح من نسآء الجنّة فانه ینال من امور الدین علٰی قدر جمالها** یعنی جو شخص دیکھے کہ اس نے جنت کی عورتوں سے نکاح کیا ہے، وہ امور دین کی خوبیوں کو پائے گا۔ جنت کی عورت سے نکاح ہونا اور آسمان پر نکاح پڑھا جانا ایک ہی بات ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے دینی علوم کی خوبیوں کو جس طرح پایا ہے، اس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ پھر یہ بھی کتب تعبیر الرؤیا میں لکھا ہے۔ **النّکاح هو فی المنام یدّل علٰی المنصب الجلیل** ۔ خواب میں نکاح کرنا منصبِ جلیل پر دلالت کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ نکاح کی پیشگوئی کے بعد آپ کو مسیحیت و مہدویّت کے منصبِ جلیل پر فائز کیا گیا۔ ایسا ہی لکھا ہے **ومن نکح عدوهٗ فانه یقهرهٗ.** جو اپنے دشمن سے نکاح کرے، وہ ان پر غالب ہو گا۔ اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کے معاملہ میں ہوا، کہ جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے۔

تمام روکوں کا دُور کیا جانا

رہا تمام روکوں کا دور کیا جانا۔ اوّل تو یہ کوئی الہام نہیں بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا خیال ہے۔ اور دوسرے یہ بھی اسی رجوع اور توبہ نہ کرنے کی شرط سے مشروط ہے۔ روک اسی وقت دور کی جاسکتی تھی کہ پیشگوئی کی اصل غرض (یعنی رشتہ داروں کی اصلاح) پوری نہ ہوتی اور سلطان محمد توبہ نہ کرتا۔ لیکن جس حالت میں اس نے توبہ کر لی اور باقی تمام رشتہ دار بھی خدا کی طرف جھک گئے، تو روکوں کا دور کیا جانا ضروری نہ رہا اور نہ نکاح کا ہونا لازمی امر ٹھہرا۔

پیشگوئی کی صداقت ہر پہلو سے ثابت ہے

پس جہاں تک اصل پیشگوئی کا تعلق ہے، اس کی غرض محض اسی قدر تھی کہ آپ کے رشتہ داروں کے دلوں سے کفر وعصیان کو دور کر کے خوف وخشیت الٰہی پیدا کی جائے۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے آپ کو یہ حکم ہوا کہ احمد بیگ سے اس کی دختر کلاں کا رشتہ طلب کریں۔ اور رشتہ نہ دینے اور کسی دوسرے سے نکاح کر دینے کی صورت میں یومِ نکاح سے تین سال کے اندر اس کی اور اڑھائی سال کے اندر اس کے داماد کی ہلاکت کی پیشگوئی کریں۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ پیشگوئی کے مطابق احمد بیگ یوم نکاح کے تھوڑی دیر بعد نہایت دردناک عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اور ایک بیٹے اور دو ہمشیروں کے مرنے کا عذاب بھی اس نے دیکھا۔ اس سے پیشگوئی کی غرض پوری ہوگئی۔ اور رشتہ داروں نے اس نشان آسمانی کو دیکھ کر فوراً یہ مان لیا کہ خدا بھی کوئی ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب فی الواقعہ خدا رسیّدہ اور نیک اور بزرگ انسان ہیں، جن کو خدا نے یہ خبر پیشتر سے دے دی جو من وعن پوری ہوئی۔ جب احمد بیگ کا داماد توبہ واستغفار کر کے دعا کا خواہاں ہوا تو سنّت اللہ کے مطابق پیشگوئی کا باقی حصہ منسوخ ہوگیا۔ اور اس لحاظ سے پیشگوئی کی صداقت اظہر من الشّمس ہوگئی۔

محمدی بیگم کے رشتہ کے لئے اس کے لواحقین کو خطوط

یہ مضمون مکمل نہیں ہوتا، جب تک حبیب صاحب کے ان دو تین اعتراضات پر غور نہ کیا جائے، جو ان خطوط اور تبشیر وانذار کے پیغامات سے تعلق رکھتے ہیں، جو آپ نے محمدی بیگم کے رشتہ کی درخواست کے سلسلہ میں اس کے لواحقین کو بھیجے۔ اور ان میں رشتہ دے دینے کی صورت میں الٰہی افضال اور دنیوی فوائد، اور نہ دینے کی صورت میں دکھ اور تکلیف اور عذاب الٰہی کی پیشگوئیاں کیں۔ حبیب صاحب معترض ہیں کہ:

> ''خاص طور پر قابل لحاظ یہ حقیقت ہے کہ خود مرزا صاحب کو ان الہامات کے مؤثر ہونے پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے کہ اگر وہ ان الہامات پر اعتماد کلّی رکھتے تو ان کی اشاعت پر قناعت کرتے اور حصول مقصد کے لئے دوسرے ذرائع استعمال میں نہ لاتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور غیر الہامی تحریص وتخویف کے آلات کو بھی خوب استعمال کیا''۔

میں حیران ہوں کہ ایک مسلمان کے منہ سے یہ اعتراض نکلتا ہے جس کے سامنے ''غیر الہامی تحریص وتخویف کے آلات'' کو استعمال کرنے کی بیسیوں مثالیں ہیں۔ حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قدر فتوحات کے وعدے تھے۔ یہاں تک صریح لفظوں میں وعدہ دیا گیا سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر 45:54) لشکر جمع ہوں گے لیکن پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایسا ہی اور بھی کئی جگہوں میں مختلف الفاظ اور مختلف پیرایوں میں مسلمانوں کی کامیابی اور غلبہ کے وعدے اور کفار کی ہزیمت اور ناکامی کی پیشگوئیاں کی گئیں، لیکن باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کا مقابلہ جس جانفشانی کے ساتھ کیا، جس طرح فوجیں لے کر ان کے مقابلے کے لئے باہر نکلے اور کئی عزیز

اور بیش قیمت جانیں ایسے مقابلوں اور جنگوں کے اندر کام آئیں، کیا وہ اس لئے تھا کہ آپؐ کونعوذ باللہ ان الہامات کے مؤخر ہونے پر اعتماد نہ تھا؟ خود آپؐ کو اپنی جان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صریح وعدہ مل چکا تھا کہ **وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** (المائدۃ67:5) اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے ہاتھ سے بچائے گا۔کیا باوجود اس کے آپؐ نے حفاظت جان کی کوئی کوشش نہیں کی؟ اور جنگ کے اندر زرہ پہن کر اور دیگر سامان حرب سے مسلح ہو کر نہ جاتے تھے۔

جنگِ احد میں جب کفار کے تیروں کی بوچھاڑ سے آپؐ کو بچانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے گرد گھیرا ڈال لیا تو کیوں آپؐ نے یہ کہہ کر انہیں ہٹا نہ دیا کہ میری حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے اور وہ خود مجھے ان تیروں سے بچائے گا؟ کیا آپؐ کو نعوذ باللہ اس الہام کے مؤثر ہونے پر اعتماد نہ تھا؟ اور ایسے الہامات پر آپؐ اعتماد کلی نہ رکھتے تھے؟ جنگ بدر کے موقعہ پر آپؐ سربسجود ہو کر جناب الٰہی میں گڑگڑا رہے تھے۔**اللّٰھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدًا**۔اے اللہ! اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو تباہ کر دیا تو پھر سطح ارض پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ کیوں آپؐ نے کہا۔جبکہ آپؐ کو فتح کے وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکے ہوئے تھے؟ کیا آپ کو ان الہامی وعدوں پر اعتماد کلّی نہ تھا؟ تھا۔اور یقیناً تھا۔لیکن جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے بھی انسانی کوششوں کے ساتھ مشروط ہیں اور بعض اور بھی شرائط مخفی طور پر ان کے اندر ہوتی ہیں۔اس لئے جہاں ان وعدوں کے ہوتے ہوئے آپ نے ’’غیر الہامی‘‘ ساز وسامان سے کام لیا اور آلاتِ جنگ سے مسلح ہو کر دشمن کے مقابلہ میں صف آراء ہوئے، وہیں جناب الٰہی سے ان وعدوں کو پورا کرنے کے لئے دعائیں بھی کیں۔اور اگر اسے سیّد صاحب کے الفاظ میں ’’تحریص وتخویف‘‘ کا نام دیا جاسکتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو بھی یہ تحریص دلائی کہ مسلمانوں کو اگر بچائے گا تو اس کی عبادت ہوگی۔اور اس کے ساتھ ہی اس تخویف سے بھی

کام لیا کہ اگر ان کو نہ بچایا گیا تو اس کی عبادت کرنے والا سطح ارض پر کوئی نہ ہوگا۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ ہے، لیکن سیّد حبیب جیسے انسان اگر ان کی جگہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جواب دیتے **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ** (المائدۃ 24:5) تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔اور جانتے ہو ایسا کہنے والوں کا حشر کیا ہوا۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا کھلا وعدہ تھا کہ ارض مقدس ان کے لئے لکھ دی گئی ہے۔جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا **يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ** (المائدۃ 21:5) اے قوم! ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے (پھر بھی ان کے انکار اور بیٹھ رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ''**قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ.** ''(المائدۃ 26:5) چالیس سال کے لئے وہ ان پر حرام ہوگئی۔ چالیس سال تک زمین میں بھٹکتے پھرے۔ پس فاسقون کی قوم پر کوئی افسوس نہیں۔

دیکھا آپ نے؟ الہام کی اشاعت پر قناعت کر کے بیٹھنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وعدے بھی ٹل جاتے ہیں۔ پھر اور دیکھئے۔قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صریح وعدہ ہے **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (الحجر 9:15) ''ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' کیا اس وعدے کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے کوئی سازوسامان نہ کیا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم کو لکھوانا اور اس کی آیات اور سورتوں کی ترتیب قائم کرنا، اس کے حفظ کرنے کی یہ ''غیر الہامی تحریص'' دلانا کہ **من حفظ القرآن فقد ادرجت النبوة فی جنبیه** ۔جس شخص نے قرآن حفظ کیا، نبوّت اس کے دونوں پہلوؤں میں داخل ہوگئی۔ پھر حضرت عمرؓ کا اس کو جمع کرانا اور حضرت عثمانؓ کا مستند

نسخے تیار کرانا، یہ سب کچھ اس لئے تھا؟ کہ انہیں الہام الٰہی کے مؤثر ہونے پر اعتماد نہ تھا؟ اور دیکھ لیجئے۔ جنگ احزاب کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر وکسرٰی کے محلّات اوران کے خزانوں کی چابیاں ملنے کی بشارات دی تھیں۔ کیا صحابہ کرامؓ انہی پر قناعت کر کے بیٹھ گئے کہ خود بخود اللہ تعالیٰ گھر بیٹھے خزانوں کی کنجیاں بھجوا دے گا اور قیصر وکسرٰی خود اپنے محلات کی چابیاں لے کر آئیں گے؟ نہیں۔ بلکہ وہ اٹھے اور شمشیر وعلم ہاتھ میں لے کر اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ رات دن سفر کی صعوبتیں اٹھا کر بھوک اور پیاس کی تکلیفیں سہہ کر، اپنے خون راہ خدا میں بہا کر اور اپنی جانیں اس کے رستہ میں قربان کر کے انہوں نے ان خزانوں کی چابیاں حاصل کیں اوران کے محلات پر متصرف ہوئے۔

یہ الگ بحث ہے کہ ان کی ان پیش قدمیوں اور معرکہ آرائیوں کے اسباب کیا تھے۔ اور کیا وہ جارحانہ تھیں یا مدافعانہ تھیں۔ لیکن جہاں تک فتوحات کا سوال ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدوں کے معنی کے باوجود انہوں نے ان فتوحات کو جن جانفشانیوں اور سخت کوشیوں اور جدوجہد سے حاصل کیا، وہ اس بات کا ایک بدیہی ثبوت ہیں کہ پیشگوئیوں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر قناعت کر کے بیٹھ جانا اور خود ان کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرنا صحیح نہیں۔ انسان کے لئے صحیح رستہ یہی ہے کہ وہ خدا کے وعدوں پر اعتماد رکھتے ہوئے محنت وجدوجہد سے کام لے اوران کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کا ہر انسان بلکہ ہر ذی روح کے لئے یہ وعدہ قرآن کریم میں موجود ہے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود 6:11) ''زمین اور آسمان میں کوئی جاندار نہیں جس کو رزق دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں''، پھر کیا یہ جائز ہے کہ انسان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے کہ جب خدا نے رزق دینے کا ذمہ لیا تو مجھے کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

کیا جائز ہو گا کہ سیّد حبیب کی کسبِ معاش کے لئے رات دن کی کوششوں کو یہ کہہ کر

ٹھکرا دیا جائے کہ انہیں قرآن کریم کے اس صریح وعدہ کے مؤثر ہونے پر اعتماد نہیں، اور وہ ایسے الہامات پر اعتماد کلّی نہیں رکھتے؟ حیرانی ہے کہ یہ کس قسم کی باتیں ہیں جو ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ کی مخالفت میں اسلام کی ان موٹی موٹی باتوں کو بھی یہ لوگ کیوں بھول جاتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحبؑ نے جو خطوط محترمہ محمدی بیگم کے لواحقین کو حصولِ رشتہ کے لئے لکھے، وہ ان کا فرض تھا۔ کوئی شخص دنیا میں محض الہام سنا کر رشتہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بالخصوص ایسا رشتہ، جس میں بعض لوگوں کی ہدایت یا ہلاکت کا سامان ہو، وہاں محض الہامات کی اشاعت پر قناعت کر کے بیٹھ جانا کسی طرح جائز نہیں۔ مامور من اللہ کا کام تو لوگوں کو نیکی کی طرف لانا اور ان انعامات کا وارث بنانا ہے جن کا وعدہ جناب الٰہی سے کیا گیا ہو۔ چونکہ آپ کے رشتہ داروں کی فلاح و بہبودی اسی سے وابستہ تھی کہ وہ محمدی بیگم صاحبہ کا رشتہ آپ سے کر دیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لئے ایک نشان تھا، اس لئے ضروری تھا کہ آپ ان میں سے ایک ایک کو اس رشتہ کے لئے لکھتے اور انہیں ان انعامات اور برکات کے حاصل کرنے کی تحریص دلاتے جو اس رشتہ سے وابستہ تھیں۔ تا کہ وہ ہلاکت سے بچ جائیں اور فلاح و ہدایت حاصل کریں۔ اس کو ناجائز یا الہامات پر عدم اعتماد کا نتیجہ قرار دینا اپنی ناسمجھی اور سنّت اللہ اور سنّتِ انبیاءؑ سے لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔

رشتہ حاصل کرنے کے لئے تحریص و تخویف

یہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کا جرم قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے حصولِ رشتہ کی کوشش میں محمدی بیگم صاحبہ کے لواحقین کو رشتہ ہونے کی صورت میں انعام و اکرام اور برکات کی تحریص دلائی، اور نہ ہونے کی صورت میں عذاب و ہلاکت کا خوف دلایا۔ لیکن یہ کونسی بُری اور ناجائز

بات ہے۔کیا خدا تعالیٰ نے بار بار قرآن کریم میں ایمان لانے اور عملِ صالح کرنے والوں کو جنّات اور حوروں اور دیگر انعام واکرام کی حرص نہیں دلائی ؟ اور بدعملوں کو دوزخ کے عذاب اور طرح طرح کی عقوبتوں سے نہیں ڈرایا گیا؟ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا جائے کہ فلاں خاندان کی فلاح اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ تیرے ساتھ کر دیں، ورنہ اس خاندان پر غذاب نازل ہوگا اور ان دونوں میں سے جو بھی رستہ وہ اختیار کریں، وہ ہستی باری تعالیٰ اور اس شخص کی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص اس خاندان کے لوگوں کو ہر پہلو سے اس حکم الٰہی کی تعمیل کے فوائد وانعامات اور عدم تعمیل کے بدنتائج سے آگاہ کرے۔تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائیں۔اور ایسے رستہ سے ہستی باری تعالیٰ کا نشان انہیں مل جائے جو تباہی وہلاکت کی طرف لے جانے والا نہ ہو۔ یہ تحریص وتخویف بیشک ہے لیکن کس کی خاطر؟ کیا ملہم کی ذات کی خاطر طمع ولالچ دلایا جاتا یا عذاب سے ڈرایا جاتا ہے؟ نہیں بلکہ انہی لوگوں کا فائدہ اس میں مضمر ہے جن کے لئے وہ پیشگوئی کی گئی تھی۔وہ ہستی باری تعالیٰ کا نشان طلب کرتے ہیں۔

پس انہیں یہ نشان دیا گیا کہ اگر تم محمدی بیگم کا رشتہ دے دو تو تُم دکھوں اور تکالیف اور تنگیٔ رزق اور آفات ارضی وسماوی سے، جن میں تم گرفتار ہو، مخلصی پا کر کشادگی اور فلاح وبہبود حاصل کرلو گے۔ جو اس بات کا ایک ثبوت ہوگا کہ مرزا صاحب فی الواقعہ ملہم من اللہ ہیں۔اور فی الواقعہ اللہ تعالیٰ موجود ہے جس نے اس رشتہ کے ساتھ ہی ارضی وسماوی برکات کے دروازے کھول دیئے اور اسی نشان کا ایک اور پہلو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر رشتہ نہ کریں اور دوسرے شخص سے نکاح کر دیں تو بھی ہلاکت اور مصائب انہیں بتا دیں گی کہ فی الحقیقت خدا ہے جس نے مامور من اللہ کی بات کو پورا کر دیا اور دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرتے ہی مصائب کے دروازے کھل گئے۔اور موت اور ہلاکت نے آگھیرا۔اس لئے مامور من اللہ کا

فرض تھا کہ نشان کے ان دونوں پہلوؤں کو کھول کر بیان کر دیتا اور انہیں بار بار رشتہ کی ترغیب دلا کر افضال واکرام کی طرف بلاتا اور دکھوں اور مصائب سے انہیں ڈراتا۔ اس کو ''تحریص وتخویف کے غیر الہامی آلات'' قرار دینا سیّد حبیب کے ان علمی و عقلی کمالات میں سے ہے ''جن کی داد دینا آسان نہیں''۔

سیّد حبیب کی سولھویں دلیل

اسی سلسلہ میں احمدیّت کے نا قابلِ قبول ہونے کی سولھویں دلیل، جو سیّد حبیب نے پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ:

''مرزا صاحب کے بعض افعال واقوال پیغمبر تو کجا، عام انسان کے شایان شان بھی نہ تھے۔ اس کی مثالیں گنوانا ہوں تو عرض کرنا پڑے گا کہ:

1۔ آپ نے محمدی بیگم کے حصول میں ناکام ہونے پر اپنی پہلی بیگم سے، جو بے گناہ تھیں، قطع تعلق کر لیا۔

2۔ بیٹوں کو بلا وجہ عاق کر دیا۔

3۔ محمدی بیگم کے والد اور محمدی بیگم کی پھوپھی میں نفاق ڈالنے کی سعی کی۔

4۔ اپنی بے گناہ و بے بس بہو کو طلاق دلوانے کی کوشش کی۔

5۔ آپ نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے جو نہایت ہی ثقیل و نامناسب تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا اقارب مخالفِ دین سے قطع تعلق

پہلی چار باتوں کا جواب دینے سے پہلے، ہم پھر ان واقعات کو یاد دلانا چاہتے ہیں

جو اپنے رشتہ داروں کے کفر وعصیان کے متعلق حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھے ہیں۔ انہی رشتہ داروں کے ساتھ، آپ کی پہلی بیوی، آپ کے دو بیٹے، آپ کی بہو اور بعض دیگر اقارب شامل ہو کر محمدی بیگم کا رشتہ دوسری جگہ کرانا اور اس طرح آپ کی پیشگوئی کو جھٹلانا چاہتے تھے، تاکہ دین کی صداقت کا یہ نشان پورا نہ ہو اور کفر وعصیان کو اور راہ مل جائے۔ ایسے حالات میں آپ نے ایک اشتہار دیا جس کا عنوان ہے ''اشتہار نصرتِ دین وقطعِ تعلق از اقارب مخالفِ دین''۔ اس اشتہار میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میرا بیٹا سلطان احمد نام جو نائب تحصیلدار لاہور میں ہے اور اس کی تائی صاحبہ جنہوں نے اس کو بیٹا بنایا ہوا ہے، وہی اس مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں اور یہ سارا کام اپنے ہاتھ میں لے کر اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی کا نکاح کسی سے کیا جائے۔ اگر یہ اوروں کی طرف سے مخالفانہ کارروائی ہوتی تو ہمیں درمیان میں دخل دینے کی کیا ضرورت اور کیا غرض تھی۔ امرِ ربّی تھا اور وہی اس کو اپنے فضل وکرم سے ظہور میں لاتا، مگر اس کام کے مدار المہام وہ ہو گئے جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی۔ اور ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں، ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی حق نہیں رہے گا۔ مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا اور بکلّی مجھ سے بیزاری ظاہر کی۔ اگر ان کی طرف سے ایک تیز تلوار کا بھی مجھے زخم پہنچتا تو بخدا مَیں اس پر صبر کرتا، لیکن انہوں نے دینی مخالفت کر کے اور دینی مقابلہ سے آزار دے کر مجھے بہت ستایا اور اس حد تک میرے دل کو توڑ دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور عمداً چاہا

کہ مَیں سخت ذلیل کیا جاؤں۔

سلطان احمد ان دو بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا۔ اول یہ کہ **اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت کرنی چاہی۔ اور یہ چاہا کہ دین اسلام پر تمام مخالفوں کا حملہ ہو۔ اور یہ اپنی طرف سے اس نے ایک بنیاد رکھی ہے اس امید پر کہ یہ جھوٹے ہو جائیں گے اور دین کی ہتک ہوگی۔** اور مخالفوں کی فتح۔ اس نے اپنی طرف سے مخالفانہ تلوار چلانے میں کچھ فرق نہیں کیا...... سلطان احمد نے مجھے، جو مَیں اس کا باپ ہوں، سخت ناچیز قرار دیا اور میری مخالفت پر کمر باندھی اور قولی اور فعلی طور پر اس مخالفت کو کمال تک پہنچایا۔ اور میرے دینی مخالفوں کو مدد دی اور اس کی ہتک بدل وجان منظور رکھی۔ چونکہ اس نے دونوں طور کے گناہوں کو اپنے اندر جمع کیا، اپنے خدا کا تعلق بھی توڑ دیا اور اپنے باپ کا بھی۔ اور ایسا ہی اس کی دونوں والدہ نے کیا۔ سو جبکہ انہوں نے کوئی تعلق مجھ سے باقی نہ رکھا، اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اب ان کا کسی قسم کا تعلق مجھ سے باقی رہے۔ اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو۔

لہٰذا میں آج کی تاریخ، کہ دوسری مئی 1891ء ہے، عوام اور خواص پر بذریعہ اشتہارِ ہٰذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے اور وہ تجویز، جو اس لڑکی کے ناطہ اور نکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ لوگ کر رہے ہیں، اس کو موقوف نہ کر دیا، اور جس شخص کو انہوں نے نکاح کے لئے تجویز کیا ہے، اس کو ردّ نہ کیا بلکہ اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا، تو اسی نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوگا اور اسی روز

سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے۔ اور اگر اس کا بھائی فضلِ
احمد، جس کے گھر میں مرزا احمد بیگ والدلڑکی کی بھانجی ہے، اپنی اس بیوی
کو اسی دن، جو اس کو نکاح کی خبر ہو، طلاق نہ دیوے تو پھر وہ بھی عاق اور
محروم الارث ہوگا اور آئندہ ان سب کا کوئی حق میرے پر نہیں رہے گا۔
اور اس نکاح کے بعد تمام تعلقات خویشی و قرابت و ہمدردی دور ہو جائے
گی اور کسی نیکی، بدی، رنج، راحت، شادی اور ماتم میں ان سے شراکت
نہیں رہے گی۔ کیونکہ انہوں نے آپ تعلق توڑ دیئے اور توڑنے پر راضی
ہو گئے۔ سو اب ان سے کچھ تعلق رکھنا قطعًا حرام اور ایمانی غیوری کے
برخلاف اور ایک دیوثی کا کام ہے۔ مؤمن دیوث نہیں ہوتا۔

چوں نہ بود خویش را دیانت و تقویٰ قطعِ رحم بہ از مؤدت قربیٰ

کوئی منصف مزاج اس اشتہار کو غور سے پڑھے اور انصاف کے ساتھ بتائے کہ کیا جو وجوہ اپنے بیٹوں کو عاق کرنے اور بیوی کو طلاق دینے کے بیان کئے گئے ہیں، وہ حضرت مرزا صاحب کی خدا پرستی اور دینداری پر دال ہیں یا سیّد حبیب کے خیال کے مطابق ''عام انسان کی شان کے شایان بھی نہ تھے''۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ حبیب صاحب جیسے عام دنیا دار انسان اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ ان کی اولاد کو دین کے ساتھ مس ہے یا نہیں، بلکہ دیندار اولاد کو عام طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور بے دینی کو علی العموم پسند کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک خدا پرست انسان کبھی یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس کی اولاد بے دینی کے اس انتہائی کناروں تک پہنچ جائے کہ خود دین پر عمل پیرا ہونا تو ایک طرف، مخالفِ اسلام رشتہ داروں کے ساتھ مل کر دین کی اہانت اور باپ کی مخالفت پر کھڑا ہو جائے۔

چھوڑ دیجئے اس بات کو کہ محمدی بیگم سے نکاح ایک الٰہی شان تھا۔ جس کو انہوں نے

جھٹلانے اور دین پر حملہ کرنے کی بنیاد رکھی ۔ اگر یہ نشان نہ بھی ہوتا اور ویسے ہی نکاح ثانی کا ارادہ ہوتا، تب بھی کیا یہ اولاد کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کی مخالفت کرے؟ قرآن کریم کا ارشاد تو یہ ہے کہ شرک کے سوائے اور کسی بات میں والدین کی نافرمانی نہ کی جائے ۔ یہاں تک فرمایا کہ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَاتَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا.(بنی اسرآءیل 23:17) انہیں اُف بھی نہ کہو اور نہ جھڑکو اور نہایت نرمی سے انہیں بات کہو۔ لیکن جہاں یہ حالت ہو کہ باپ نکاح ثانی کا ارادہ کرتا ہے جو شریعت میں کسی طرح ناجائز نہیں، تو بیٹا اور بیوی اور بہو اور دیگر اقارب اس میں روک بن کر اس رشتہ کو دوسری جگہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں، جس کا نتیجہ نہ صرف باپ کی ذلّت ہے بلکہ اس لحاظ سے، کہ اس نکاح کو دین کی صداقت اور ہستیٔ باری تعالیٰ کا ایک نشان قرار دیا گیا ہے، دوسری جگہ رشتہ ہونے میں دین کی بھی اہانت اور نشان طلب کرنے والوں کی دہریت کو تقویت حاصل ہوتی ہے ۔ یہ کون سے قرآن پر عمل ہو رہا تھا کہ اس کو برداشت کیا جاتا۔ ایک معمولی دنیادار انسان بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کے عزیز ترین رشتہ دار اس کے نکاح کے معاملہ میں مخل ہو کر ذلیل کرنے کی کوشش کریں ۔ چہ جائیکہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق جوڑ کر، جو دین کے سخت مخالف اور خدا اور رسولؐ کو گالیاں دیتے ہیں، صداقت اسلام کے ایک نشان کو مٹانا چاہیں ۔

ہم کہتے ہیں اگر بالفرض حضرت مرزا صاحب کو یہ نشان خدا کی طرف سے بھی نہ ملا ہوتا، تب بھی ایک خدا پرست اور دیندار آدمی کا یہ فرض ہے کہ ایسی بات کو، جسے خدا کی ہستی کا نشان ٹھہرایا گیا ہے، عملاً سچّا ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ تا کہ ان لوگوں کو، جن کے لئے وہ نشان ہے، دین کی تکذیب کا ایک اور بہانہ نہ مل جائے۔ لیکن افسوس! کہ اس زمانہ کے مولوی اور مسلمان اخبار نویس انہی نشانات کی بڑے زور سے تکذیب کے درپے ہیں، جنہیں اسلام کی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا گیا۔ اور ان کی غیرت وحمیّت اس بات کی متقاضی ہے کہ اولاد،

خواہ باپ کی کتنی بھی مخالفت کر کے اسے ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کرے، دین کے مخالفوں کو مدد پہنچائے اور صداقتِ اسلام کے نشانات کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے میں ساعی ہو، ان سے تعلقات قائم رکھے جائیں۔ اگر یہی انسانیت کا معیار ہے تو اسلام ایسی انسانیت کو دور سے سلام کرتا ہے۔ اور ایک خدا پرست انسان کسی طرح اس بے غیرتی اور دیوثی کو انسانیت کا درجہ نہیں دے سکتا۔

حبیب صاحب کو رحم آتا ہے کہ ''مرزا صاحب نے محمدی بیگم کے حصول میں ناکام ہونے پر اپنی پہلی بیگم سے، جو **بے گناہ** تھیں، قطع تعلق کر لیا، بیٹوں کو **بلا وجہ** عاق کر دیا، محمدی بیگم کے والد اور پھوپھی میں نفاق ڈالنے کی سعی کی، اپنی بے گناہ اور بے بس بہو کو طلاق دلوانے کی کوشش کی''۔ میں حیران ہوں کہ انہیں حضرت مرزا صاحب کی پہلی بیگم کی بے گناہی کا ثبوت کہاں سے مل گیا اور یہ انہیں کیونکر پتہ لگ گیا کہ انہوں نے محمدی بیگم کے حصول میں ناکام ہونے پر اسے طلاق دی تھی۔ کیا جو بیوی اپنے خاوند کی تذلیل کے درپے اور مخالف دین رشتہ داروں کے ساتھ موافقت رکھتی اور انہیں خاوند کے خلاف مدد دیتی ہو، وہ بے گناہ کہی جاسکتی ہے۔ اور وہ اس قابل ہے کہ ایک خدا پرست خاوند کے گھر میں رہے؟ بیٹوں کو ''بلا وجہ'' عاق کرنے کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا کوئی ایسا انسان دنیا میں ہے جو بلا وجہ اپنی اولاد کو عاق کرے۔ ان کو عاق کرنے کی جو کچھ وجوہات حضرت مرزا صاحبؑ نے بیان کی ہیں، ایک عام انسان بھی ان کی معقولیت کو تسلیم کیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ محمدی بیگم کے والد اور پھوپھی میں انہوں نے کیونکر نفاق ڈالا؟ وہ تو دونوں ہی حضرت مرزا صاحب کے مخالف تھے۔ اور اگر ایسی مخالفت رکھنے والوں کو یہ لکھنا، کہ تم نے اگر اس مخالفت کو نہ چھوڑا اور رشتہ میں کوشش کر کے اپنی مؤدت و قربت کا ثبوت نہ دیا، تو تمہاری لڑکی کو، جو فضل احمد کے گھر میں ہے، طلاق دے دی جائے گی، نفاق ڈلوانے کی سعی ہے تو اتحاد واتفاق کی اس کوشش سے بہر حال بہتر ہے جس کی تہہ میں نفاق اور کینہ اور بغض کا جذبہ ہو۔

حضرت مرزا صاحب عام دنیا داروں کی طرح مخالف دین رشتہ داروں کے ساتھ

بغض و عداوت کو دل میں رکھ کر ان سے ظاہری ملاطفت جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ اسلام نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے انہوں نے صفائی کے ساتھ وہ بات کہہ دی جو محمدی بیگم کی پھوپھی اور اس کی لڑکی یعنی فضل احمد کی بیوی کی مخالفانہ کوششوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تھی۔ اور جب مرزا فضل احمد نے بھی اپنی بیوی اور ساس کی مخالفانہ کوششوں کو دیکھتے ہوئے، ان سے قطع تعلق نہ کیا اور باپ کی ذلّت ورسوائی جائز رکھی، تو اس سے بھی قطع تعلق آپ نے ضروری سمجھا۔ حبیب صاحب کو فضل احمد کی بیوی کی بے گناہی اور بے بسی کا علم کہاں سے ہو گیا کہ آج ان کی حمایت میں وہ مرزا صاحب جیسے حامی دین اور خدا رسیّدہ انسانوں کو عام انسانوں سے بھی گرا ہوا قرار دینے لگ گئے۔ اگر یہی انسانیت ہے تو انہیں مبارک ہو۔ اسلام ایسی انسانیت کو جائز نہیں رکھتا۔ لیکن حبیب صاحب کو ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کی حمایت میں انہوں نے قلم اٹھا کر حضرت مرزا صاحب کو انسانیت سے خارج کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، وہ تو آخر عمر میں آپ کی نیکی و پارسائی اور تقوٰی وطہارت بلکہ ماموریت کے قائل اور اپنی کوتاہیوں کے معترف ہو گئے۔ جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ مرزا سلطان احمد صاحب احمدی ہو کر فوت ہوئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ سلسلۂ احمدیہ میں داخل ہیں۔ اور رشتہ داروں میں سے بعض بیعت کر چکے ہیں اور بعض حسنِ ظن اور عقیدت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ محمدی بیگم کی والدہ، خود محمدی بیگم اور اس کا خاوند بھی حضرت مسیح موعودؑ کے عقیدت مند ہیں جیسا کہ اس سے قبل ثابت کیا جا چکا ہے۔ پھر حبیب صاحب کا ان کی سابقہ مخالفت کو سراہنا اور حضرت مرزا صاحب پر ایک کمینہ حملہ کرنا، جو شرافت اور انسانیت سے بعید ہے، کہاں تک جائز ہے؟!

بیسواں باب

توہینِ انبیاءؑ اور حضرت مسیح موعودؑ

سیّد حبیب کا اعتراض

حضرت مسیح موعودؑ کے خلافِ انسانیت اقوال وافعال میں حبیب صاحب نے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ ''آپ نے حضرت عیسٰیؑ اور ان کی والدہ محترمہ کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے جو نہایت ہی ثقیل و نامناسب تھے''۔اس سلسلہ میں جناب حبیب نے بعض حوالجات بھی نقل کئے ہیں۔ وہ یہ کہ ''مرزا صاحب اپنی کتاب کشتی نوح کے صفحہ 65 کے حاشیے پر لکھتے ہیں کہ یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے، اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسٰی علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے''۔ پھر''آپ اپنی کتاب مکتوبات احمدیہ کی جلد 3 کے صفحہ 44,43 پر رقم فرما ہیں کہ مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ، پیو، شرابی، نہ زاہد، نہ عابد نہ حق کا پرستار، متکبر خود بین، خدائی کا دعوٰی کرنے والا''۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ حضرت مسیحؑ کے متعلق

کیا یہ کلمات اس مسیحؑ کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے لکھے ہیں جس کو قرآن کریم نے وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (اٰل عمرٰن 49:3) قرار دیا ہے؟ اگر فی الواقعہ انہی مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ باتیں آپ نے فرمائی ہوں تو حبیب صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ''ان الفاظ میں نبیّنا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہتک کی ہے'' جو ہرگز قابل برداشت نہیں۔ لیکن ایسا

فیصلہ کرنے سے پیشتر ذرا حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے کہ وہ ان اقوال کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اپنی کتاب ''نور القرآن'' میں سرورق کے دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''ہم ناظرین پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ **وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے** اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ، جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے، اپنی نجات کے لئے ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ **لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے** جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے، ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بے ادب یسوع کی خبر نہیں دی۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدائی پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا اور ایسے پاکوں کو جو ہزار درجہ اس سے بہتر تھے، گالیاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد کیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ، عیسٰی ابن مریمؑ جو نبی تھا، جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے، وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں ہے''۔

پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ کسی نبیؑ کی توہین کی ہے اور وہ کلمۂ کفر ہے، تو اس کا جواب یہی ہے کہ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**۔ اور ہم سب نبیوںؑ پر ایمان لاتے ہیں اور تعظیم سے دیکھتے ہیں۔ بعض عبارات، جو اپنے محل پر چسپاں ہیں، وہ بہ نیت توہین نہیں بلکہ بتائید توحید ہیں۔ **وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** ۔ اور تمہارے جیسے عقل والوں نے صاحب ''تقویۃ الایمان'' کو بھی اسی خیال سے کافر کہا تھا کہ بعض کلمات ان کو اس کتاب میں ایسے معلوم ہوئے کہ گویا وہ انبیاءؑ کی توہین کرتا ہے اور چوہڑوں اور چماروں کو ان کے برابر جانتا ہے۔ ہماری طرح ان کا بھی یہی جواب تھا کہ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** ''۔ (انوار الاسلام صفحہ 34)

ایسا ہی ''آریہ دھرم'' میں سرورق کے آخری صفحہ پر، ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 8، 9 حاشیہ، انجام آتھم صفحہ 13، ''ایام الصلح'' سرورق صفحہ 2، ''جنگ مقدس'' صفحہ 50، کتاب البریہ صفحہ 93 اور مختلف تقاریر اور مکتوبات میں بار بار اس بات کو دُھرایا ہے کہ ایسے درشت مخاطبات میں، جیسے کہ حبیب صاحب نے نقل کئے ہیں، جناب مسیح علیہ السلام، جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے، ہرگز مراد نہیں۔ اور کہ ہم ان کو خدا کا سچا نبی اور اس کا پیارا اور معصوم مانتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے، وہ عیسائیوں کے اس مسیح کے متعلق لکھا ہے، جس کا ذکر اناجیل میں ہے۔ اور اناجیل ہی میں تمام باتیں ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن کے نقل کرنے پر حبیب صاحب کو اعتراض ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ فی الواقعہ حضرت مسیح کو ایسا ہی سمجھتے تھے، ان کے منقولہ بالا ارشادات کے خلاف ہونے کے علاوہ، ان کے اپنے دعوٰی کے بھی خلاف ہے۔ ان کا اپنا دعوٰی مثیل مسیحؑ ہونے کا تھا۔ پھر وہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ وہ مسیحؑ جس کے وہ خود مثیل تھے، نعوذ باللہ شرابی، کھاؤ، پیو، متکبر، خود بین اور خدائی کا دعوٰی دار تھا۔ اگر یہ

باتیں فی الواقعہ ان کے نزدیک مسیح علیہ السلام میں پائی جاتیں، تو وہ خود مثیل مسیحؑ کبھی نہ بنتے۔ کیونکہ اگر مسیحؑ کا چال چلن ایسا گندہ اور مخدوش تھا، تو مثیلِ مسیح اس سے بَری نہیں ہوسکتا۔ کاش! ہمارے مخالفین اس بارہ میں تھوڑی سی عقلِ فہم سے کام لیں تو ایسی صاف اور موٹی باتیں ہی ان کے اعتراضات کے دفعیہ کے لئے کافی ہیں۔

الزامی جوابات (1) کی ضرورت

لیکن کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں کے جواب میں بھی خدا کے ایک نبیؑ کے متعلق ایسے درشت کلمے لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بالخصوص جبکہ ''حضرت خاتم النّبیّن رحمۃ للعالمین کے زمانہ میں بھی عیسائی اور موسائی لوگ حضرت عیسٰی کے مصلوب ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ لیکن صاحب قاب قوسین او ادنیٰ نے ان کے معتقدات کی تردید نہایت مہذب الفاظ میں کی جس کا قرآن شاہد ہے''۔

حبیب صاحب کو معلوم ہونا چاہئیے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں کی طرف سے ایسے شدید اور ناپاک اعتراضات اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر نہ ہوتے تھے، جیسے کہ اس زمانہ کے عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں کئے

1۔ الزامی جواب: علم مباحثہ میں اس دلیل کو کہتے ہیں جو صرف فریق مخالف کے عقیدہ پر مبنی ہوتی ہے۔ جواب دینے والا اس کا قائل نہیں ہوتا۔ اس کی ایک دلچسپ مثال حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک پادری صاحب شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ کیا آپ کے پیغمبر خدا کو پیارے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ وہ کہنے لگا تو پھر انہوں نے قتل حسینؓ کے وقت فریاد نہ کی یا یہ فریاد سنی نہ گئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضور نے فریاد تو کی تھی۔ لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے۔ لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسٰی کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔ (رودِ کوثر اشاعت سوم از شیخ محمد اکرام ایم۔ اے)

ہیں۔ان کے جواب میں ضرورت تھی کہ تحقیقی جوابات کے علاوہ الزامی طور پر انہی کتابوں سے اس شخص کا حلیہ اور چال چلن بیان کیا جاتا۔جس کو وہ خدائی کے تخت پر بٹھائے ہوئے ہیں۔ فی الحقیقت جب تک معترض کواس کے گھر کی بات نہ بتائی جائے اور حجت ملزمہ اس پر قائم نہ کی جائے ،اس وقت تک اس کا مونہہ بند نہیں ہوتا۔

مولانا رحمت اللہ مرحوم کے عیسائیوں کو الزامی جوابات

یہ طریق حضرت مرزا صاحب ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، دوسرے مسلمان متکلمین نے بھی اسی طریق سے کام لیا ہے اور بعینہٖ وہی کلمات، جو حضرت مرزا صاحب نے حجّتِ ملزمہ کے طور پر عیسائیوں کے مسیح کے متعلق لکھے، ان کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ازالتہ الاوھام (درزبان فارسی۔ناقل) مصنفہ فاضل اجل عارف باللہ مولانا محمد رحمت اللہ مرحوم جس میں عیسائیوں کے اعتراضات کا نہایت شرح وبسط سے جواب دیا گیا ہے۔کتاب کے دیباچہ ہی میں مولانا مرحوم نے الزامی جوابات کا ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ لکھے ہیں:

> ’’چوں پادری صاحبان الفاظ بے ادبانہ بجناب خیرالبشر صلوٰۃ اللہ علیہ وہم کلام اللہ الاکبر وحدیث آں سرور برزبان وتحریر آوردہ از عاقبت خود نے ترسندو......پس بناچاری درجواب ایں فرقہ اولہ ہائے ......تقریر نقل کردہ شدند وروایات کتب مقدمہ شان ہم بطور مشتے نمونہ ازخروارے علیحدہ آوردند...... نظر بود بلکہ بہزار زبان تبراء زہیچو امور مے نمائم واعتقاد رسالت رسولان برحق منجملہ عقائید ماست۔

یعنی چونکہ پادری صاحبان جناب خیرالبشر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کے متعلق بے ادبی کے کلمات زبان پر لاتے

اور تحریر کرتے ہیں اور اپنی عاقبت سے نہیں ڈرتے اور دھوکہ دینے والے دلائل لکھتے ہیں۔ پس ناچار ہم نے ان کے جواب میں اسی رنگ میں الزامی جواب نقل کئے ہیں اور ان کی کتب مقدسہ کی روایات کو بطور مشتے نمونہ از خروارے علیحدہ لکھ دیا ہے اور حاشا وکلا کسی نبی کی ہجو اور مذمت کرنا میرے اعتقاد میں داخل نہیں، نہ ہی ان کی مقرر کردہ شرائع کی اہانت مدنظر ہے۔ بلکہ ہزار ہا بار میں اس قسم کے خیالات سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ کے سچے رسولوں کی رسالت پر اعتقاد رکھنا ہمارے عقائد میں سے ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ 5)

بعینہٖ وہی عذر حضرت مولانا رحمۃ اللہ مرحوم نے الزامی جوابات کے متعلق کیا ہے جو حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اب آیئے آپ کو وہ الزامی جوابات سنائیں جو مولانا ممدوح نے عیسائیوں کو دیئے ہیں۔ اناجیل کی بعض آیات جن میں یسوع کے شراب پینے اور دو بدکار عورتوں کے اس کے پاؤں چومنے اور عطر ملنے کا ذکر ہے نقل کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''و دریں آیات مصرح است کے منکران آنخضرت مردے اکول بادہ پرست میدانستند و آن زن پائے ہائے آنخضرت می بوسیّد وعطرمی مالیدواز وقت تشریف آوردن آنجناب زن مذکورہ از بوسیّدن پائے ہانہ ایستاد وبمشاہدہ ہمیں حال فریسی وغیرآں بے اعتقادے شدندوآنجناب بریں افعال گناہان آن فاحشہ رابخشیدندو بسیار زنان ہمراہ آنجناب مے گشتند داز مال خود خدمت مے کردندوآنجناب مرتا وخواہر اورا دوست میداشتند پس منکر خواہد گفت کہ چوں جوان زیبا بودند ازیں جہت زنان

عاشق شدہ ہمراہ آنجناب مے گشتند واز مال خود خدمت مے کردند وعشق ومحبت آنجناب بہ نسبت بعض متحقق وبعض بہ مقتضائے بادہ پرشتی حاجت روائی ازاں زناں مے فرمودند وحاجت نکاح نمی داشتند چنانچہ ہزارہا فقراء ہنود کنارہ نشین دریائے جمن وگنگ بہمیں طریق از نکاح فارغ اند''۔(ازالہ اوہام صفحہ 368)

''ان آیات سے ظاہر ہے کہ جنابِ یسوع کے منکر انہیں کھاؤ اور بادہ پرست سمجھتے تھے اور وہ عورت ان کے پاؤں کو چومتی تھی اور عطر ملتی تھی اور جس وقت سے آپ تشریف لائے ، وہ عورت آپ کے پاؤں کو چومتی رہی اور وہاں سے نہ اٹھی ۔ اور اسی حال کو دیکھ کر فریسی اور دوسرے لوگ بے اعتقاد ہو گئے اور آپ نے انہی افعال کی بنا پر اس فاحشہ عورت کے گناہوں کو بخش دیا۔ اور بہت سی عورتیں آپ کے ساتھ رہتی تھیں ۔ پس منکر کہے گا کہ چونکہ آپ خوبصورت جوان تھے، اس لئے عورتیں آپ پر عاشق ہو کر ساتھ ہو جاتیں اور اپنے مال سے خدمت کرتی تھیں ۔ اور بعض کے متعلق تو آپ کا عشق ومحبت متحقق تھا۔ اور شراب نوشی کی وجہ سے ان عورتوں کی حاجت روائی فرماتے تھے اور نکاح کی حاجت نہ رکھتے تھے ۔ جیسا کہ دریائے گنگا وجمنا کے کناروں پر ہزارہا فقیر بیٹھے ہیں اور اس طریق کو اختیار کر کے نکاح سے فارغ ہیں''۔(اردو ترجمہ از زبان فارسی اکتساب ازالۃ الاوھام ص368)

یہ ایک مسلمان متکلم کا کلام ہے جو حضرت مسیحؑ کے متعلق انہوں نے عیسائیوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ اور نہ صرف حضرت مسیحؑ کے متعلق بلکہ دوسرے انبیاءؑ کے ان ناپاک

حالات کو بھی اسی صورت میں عیسائیوں کے آگے پیش کیا ہے جو بائبل میں مندرج ہیں۔ کیا حضرت مرزا صاحب کے کلام میں اس سے بڑھ کر کوئی بات پائی جاتی ہے؟ پھر کیا جناب سیّد حبیب مولانا رحمت اللہ مرحوم کو بھی انسانیت سے خارج کرنے کے لئے تیار ہیں؟!

علامہ سیّد آل حسن کے الزامی جوابات

اور سن لیجئے۔ علامہ مولانا سیّد آلِ حسن نے ''استفسار'' کے نام سے ایک کتاب عیسائیوں کے جواب میں اردو زبان میں لکھی ہے جو ازالہ اوہام کے حاشیہ پر مندرج ہے جس کے صفحہ 390 پر لکھا ہے اور ''عیسائیوں کے اصول پر ہرگاہ خدا کا ایک عورت کے پیٹ میں نطفہ اور علقہ اور مضغہ اور جنین بن کر رہنا اور مخرج معلوم سے نکلنا اور جوان ہو کر ملعون ہونا اور تین دن دوزخ میں رہنا جائز۔ حضرت خاتم النّبیّین کو اگر بے انتہاء عورتوں کے نکاح کرنے کی خدا اجازت دے، تو کونسی اس کی قدوسیت میں قباحت عاید ہوتی ہے۔'' پھر لکھا ہے:

> ''تیسری انجیل کے آٹھویں باب کی دوسری اور تیسری درس سے ظاہر ہے کہ بہتیری رنڈیاں اپنے مال سے حضرت عیسٰی کی خدمت کرتی تھیں اور ساتھ ساتھ پھرا کرتی تھیں۔ پس اگر کوئی یہودی از راہ خباثت اور بدباطنی کے کہے کہ حضرت عیسٰی خوشرو جوان تھے، رنڈیاں ان کے ساتھ صرف حرام کاری کے لئے رہتی تھیں، اس واسطے حضرت عیسٰی نے بیاہ نہ کیا۔ اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ مجھے عورت سے رغبت نہیں تو کیا جواب ہوگا''۔

کیا جنابِ حبیب بتائیں گے کہ ان اقوال کے لکھنے والوں کو وہ انسانیت کے کس درجہ پر بٹھانے کے لئے تیار ہیں؟ کاش! ان کے دل میں بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ عزت ہوتی یا عیسائیوں کی ناپاک تصنیفات ان کی نظر سے نہ گزری ہوتیں تو اس قدر بے غیرتی

ان سے صادر نہ ہوتی کہ حامیانِ دین کو انسانیت کی شان سے گرا ہوا قرار دیں، بلکہ ان بزرگوں کی محنت و جان کاہی کو وہ عزت وعظمت کی نظروں سے دیکھتے کہ انہوں نے کتبِ مسیحی کا مطالعہ کر کے ان کے پیدا کردہ شبہات و وساوس اور ناپاک اعتراضات کے دفعیہ کا سامان پیدا کیا۔

انجیلی مسیح اور قرآنی مسیحؑ۔اخبار ’’الجمعیۃ‘‘ اور اخبار ’’مدینہ‘‘ کا خیال

مولانا رحمت اللہ مرحوم اور علامہ سیّد آلِ حسن کے ارشادات کی مثالیں اگر حبیب صاحب کو چنداں پسند نہ ہوں تو ہم ایک تازہ مثال ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔1932ء کے آخر میں کسی صاحب اکرام الحق نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں عیسائیوں کے بعض اعتراضات نقل کر کے علماء اسلام سے ان کے جواب دینے کی استدعا کی تھی۔اور جوابات کے علاوہ، جوان دونوں میں شائع ہوئے،اخبار ’’الجمعیۃ‘‘ میں جناب ’’فارقلیط‘‘ نے بھی ایک مضمون لکھا۔جس کے چند فقرات زیر بحث مضمون سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔لکھتے ہیں:

> ’’مندرجہ بالا بحث کا مقصد یہ ہے کہ عیسائی صاحبان قرآن عزیز سے مسیح مصلوب کی فضیلت خاتم المرسلین شفیع المذنبین حبیب ربِّ مختار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔حالانکہ قرآن نے مسیح مصلوب پر (کیونکہ مصلوب شخص کا نام عیسائیوں نے غلطی سے مسیح رکھ چھوڑا ہے) نہ کوئی فضیلت بیان کی ہے اور نہ اس کا کوئی تذکرہ کیا ہے۔البتہ قرآن عزیز میں سیّدنا مسیحؑ کا ذکر ہے جو غیر مصلوب ہیں۔اس لئے ہر عاقل اور انصاف پسند سمجھ سکتا ہے کہ جب قرآن میں مسیح مصلوب (مسیح الدجال کی طرح) کا کوئی تذکرہ ہی نہیں تو پھر عیسائی صاحبان قرآن عزیز سے کس طرح ان کی فضیلت ثابت کر سکتے ہیں‘‘۔(الجمعیۃ 20 نومبر 1933ء)

یہ تو جمعیۃ العلماء کے اخبار کی رائے ہے جو خود جمعیۃ العلماء کی رائے سمجھنی چاہئیے ۔ اب اخبار ’’مدینہ‘‘ کے ایڈیٹر جناب عزیز بی کے بھی چند الفاظ سن لیجئے :

> ’’حالانکہ جن حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف قرآن میں دعوت دی گئی ہے، ان کو ان مسیح علیہ السلام سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں جن کو انجیل میں پیش کیا گیا ہے۔ اور جن پر نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ یہودیوں نے بھی بدترین قسم کے الزام لگائے ہیں‘‘۔

کیا اب بھی جناب حبیب کو حضرت مرزا صاحب کے طریقِ تکلم کی صحت میں شبہ ہے؟ اور وہ ان پر توہین مسیح کا الزام دے کر انسانیت سے خارج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے جمعیۃ العلماء اور مدیر اخبار مدینہ کو خارج از انسانیت قرار دیں، جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی طرح قرآن کے مسیحؑ اور انجیل کے مسیح میں فرق کر کے مؤخرالذکر کو مسیح مصلوب کے نام سے پکارا ہے اور ان بدترین قسم کے الزامات کو تسلیم کیا ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں نے ان پر لگائے ہیں۔

تفاسیر میں توہینِ انبیاء اور حضرت مرزا صاحب

اور صرف ان دو چار لوگوں پر ہی کیا منحصر ہے، ان تفاسیر کو اٹھا کر پڑھیئے جو ’’درمنشور‘‘ اور ’’بحرالمحیط‘‘ وغیرہ کے نام سے عالم اسلامی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کونسا نبی ہے جس پر گندے گندے اور خلاف انسانیت الزام خود مسلمانوں نے نہیں لگائے۔ حضرت مرزا صاحب نے تو جناب مسیح کے متعلق جو کچھ لکھا، حجت ملزمہ کے طور پر لکھا ہے، لیکن ان مفسرین نے تو سرآئیلیات کی گندی روایات کو، جن میں حضرت لوط، حضرت داؤد، حضرت سلیمان پر نہایت شرمناک الزامات لگائے ہیں اور حضرت ابراہیم جیسے صدیق نبی کی طرف جھوٹ

منسوب کیا گیا ہے، صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ کیا یہ توہینِ انبیاءؑ نہیں؟ کیا جناب حبیب ان مفسرین کو انسانیت کے دائرے سے خارج کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں۔ تو حضرت مرزا صاحب کو، جنہوں نے عصمت انبیاءؑ پر مضامین لکھے ہیں اور تمام نبیوںؑ کو فطرتاً معصوم قرار دے کر ان تمام الزامات کا دفعیہ کیا (ملاحظہ ہو ''عصمت انبیاء'')، چند الزامی جوابات کی بنا پر (جو مسلمان متکلمین کے طرز پر انہوں نے دیئے) انسانیت سے گرے ہوئے قرار دینا کہاں کی شرافت اور انسانیت ہے؟!

اکیسواں باب

منکروں کو گالیاں دینے اور علماء کی توہین کا الزام

سیّد حبیب کا اعتراض

چھٹی بات، جو حضرت مرزا صاحبؑ کے انسانیت سے گرے ہوئے اقوال وافعال کے ثبوت میں حبیب صاحب نے لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ:

''مرزا صاحب نے منکروں کو ایسی گالیاں دی ہیں جو از بس دلآزار ہیں۔ حالانکہ آپ خود اس بات کی مذمت کرتے ہوئے اپنی کتاب ''کشتی نوح'' کے صفحہ 11 پر لکھتے ہیں'' کہ کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو''۔ پھر اپنی کتاب ''ضرورت الامام'' کے صفحہ 8 پر خود ہی فرماتے ہیں کہ چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں، سفلوں اور بدزبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، اس لئے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ تا ان میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو اور لوگ ان کے فیصلہ سے محروم نہ رہیں۔ یہ نہایت شرم ناک بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو اور درشت بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے''۔

اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد حبیب صاحب رقمطراز ہیں:

''مرزا صاحب کے اس کلام کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنے مخالفین کی بدگوئی کے مقابلہ میں کلام نرم سے کام لیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مخالفین کو

انہوں نے بے نقط گالیاں دی ہیں۔ پر اگر ایسا کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی عذر تھا بھی، تو ان لوگوں کو کوسنے کے لئے ان کی طرف سے کیا عذر پیش کیا جاسکتا ہے، جنہوں نے مرزا صاحب کو بُرا بھلا نہیں کہا بلکہ ان کے دعاوی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے لوگوں کے متعلق کتاب ''انوارالاسلام'' کے صفحہ 30 پر فرماتے ہیں:

''جو شخص اپنی شرارت سے بار بار کہے گا (کہ فلاں کے متعلق مرزا صاحب کی پیشگوئی غلط نکلی) اور کچھ شرم وحیا کو کام میں نہیں لائے گا اور بغیر اس کے، جو ہمارے فیصلہ کا انصاف کے ساتھ جواب دے سکے، انکار اور زبان درازی سے باز نہیں رہے گا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہو گا،تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولدالحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں''۔

ظالم کو بُرا کہنا جائز ہے

سب سے پہلے حبیب صاحب سے ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ ''کشتی نوح'' صفحہ 11 اور ''ضرورت الامام'' صفحہ 8 پر حضرت مرزا صاحب نے گالی نہ دینے اور اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت دکھانے کا جو ارشاد فرمایا ہے، اسی کے مطابق ان کا تمام عمر عمل رہا۔ کسی کو گالی دینا اور اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو کر طیشِ نفس اور مجنونانہ جوش پیدا کرنا اور چیز ہے، اور دوسرے کے ظلم وستم پر انتہائی مظلومانہ حالت میں اس کے اخلاق واعمال کا نقشہ صحیح لفظوں میں کھینچنا امر دیگر ہے۔ اور تو اور خود قرآن کریم کو بھی اس حسن کلام کے باوجود، جو اس کی خصوصیت ہے، خاص خاص حالات میں ظالم مخالفین کے متعلق سخت ترین الفاظ استعمال کرنے پڑے ہیں۔ مثلاً فرمایا

وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ. هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيۡمٍ. مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ. عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ. (القلم 68:10-13) ’’کسی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مان جو عیب لگانے والا، چغلیاں لئے پھرنے والا، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، گنہگار، سخت جھگڑالو اور اس کے علاوہ شرارت کا پتلا ہے۔‘‘ یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ فرمایئے ان کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔ کیا خود قرآن کریم ہی نے دوسری جگہ نہیں فرمایا اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ (النحل 16:125) ’’اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ دعوت دے‘‘۔ کیا فرمائیں گے سیّد حبیب صاحب کہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ بلانے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے مخالفین کی بدگوئی کے مقابلہ میں نرم کلام سے کام لیا جاتا، لیکن بجائے اس کے، قرآن کریم نے انہیں ذلیل، گنہگار، سخت جھگڑالو، چغل باز اور شرارت کا پتلا تک کہہ دیا۔ بلکہ زنیم کے معنی تو بعض لوگوں نے ’’شرارتی‘‘ کی بجائے ’’بداصل‘‘ اور ’’حرام زادہ‘‘ کے لئے ہیں۔ پھر یہیں تک نہیں، ایک جگہ فرمایا فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ (الاعراف 7:176) ’’ان لوگوں کی مثال کتے کی طرح ہے۔‘‘ ایک اور جگہ علماء یہود کو الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ (المائدۃ 5:60) بندر اور سؤر تک کہہ دیا اور انہی کو كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا (الجمعۃ 62:5) (گدھے کی طرح بوجھ اٹھائے ہوئے) کا خطاب دیا۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم بھی نعوذ باللہ دوسروں کی درشتی کا متحمل نہیں اور ان کی گالیوں کے جواب میں ویسے ہی ’’اخلاق رذیلہ‘‘ سے کام لیتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تحمل و برداشت اور کلام نرم کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جس وقت کوئی مخالف شرارت اور بدگوئی میں اس حد تک بڑھ جائے کہ معمولی اخلاق رذیلہ سے گزر کر ظلم و ستم تک نوبت پہنچ جائے، اس وقت مجبورًا درشتی کا پہلو اختیار کرنا پڑتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے خود فرمایا ہے لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الۡجَهۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الۡقَوۡلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ (النسآء 4:148)

حضرت مرزا صاحبؑ نے ولدالحرام کن کو اور کیوں کہا

اللہ تعالیٰ کسی بُری بات کا بلند آواز سے کہنا پسند نہیں کرتا, سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اسی ظالمانہ طریق کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے وہ الفاظ استعمال کئے جو اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ حبیب صاحب سے یہ کس نے کہہ دیا کہ یہ الفاظ مخالفین کے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں کے متعلق ہیں، جنہوں نے آپ کو بُرا بھلا نہیں کہا اور صرف دعاوی کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ اگر اصل کتاب ''انوار الاسلام'' کو وہ دیکھتے اور معترضین کے اقتباسات ہی پر اپنے استدلال کا حصر نہ رکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ الفاظ کسی ایسے شخص کے متعلق استعمال نہیں کئے گئے جو محض آپ کے دعاوی کا منکر ہے۔ بلکہ ان شدید ترین مخالفین و معاندین کو مخاطب کیا ہے جو عیسائیوں کی حمایت میں آتھم والی پیشگوئی کو غلط قرار دیتے اور حضرت مرزا صاحب کو بُرا بھلا کہنے کے ساتھ اسلام کی ذلت و رسوائی میں کوشاں ہیں۔ ''انوارالاسلام'' کے منقولہ بالا الفاظ کے سیاق و سباق کو دیکھ لیجئے۔ وہاں آتھم والی پیشگوئی کے متعلق مولوی عبدالحق غزنوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، سعداللہ لدھیانوی کے بعض اعتراضات کا جواب ہے۔ جن میں انہوں نے نہ صرف آتھم کے میعاد کے اندر نہ مرنے پر خوشی کے شادیانے بجائے اور نہایت بے غیرتی کے ساتھ اسلام کی شکست اور عیسائیت کی فتح کے نعرے لگائے، بلکہ حضرت مرزا صاحب کو بار بار ''ولدالحرام'' اور ''حرامزادہ'' کے ناپاک خطابات سے مخاطب کیا۔ انہی لوگوں کے ظالمانہ طرز عمل اور اقوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے انہی کے الفاظ ان پر لوٹائے۔ اور یہ لکھا کہ اگر یہ لوگ خود ولدالحرام نہیں تو آتھم سے اعلان کرائیں کہ میعاد پیشگوئی کے اندر ڈر کر اس نے رجوع الی الحق نہیں کیا اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو اس کے بعد بھی، جو شخص شرارت سے بار بار ایسا کہے گا اور کچھ شرم و حیا کو کام میں نہیں لائے گا اور بغیر اس کے، جو ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کے رو سے جواب دے سکے، انکار

اور زبان درازی سے باز نہیں رہے گا اور ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا، تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولدالحرام بننے کا شوق ہے۔ فرمایئے اس میں کونسی خلافِ انسانیت بات ہے۔ کیا انسانیت اس بات کا نام ہے کہ ایک شخص نہ صرف ولدالحرام کے ناپاک خطاب سے مخاطب کرے بلکہ اسلام کی صداقت کے نشانوں کو جھٹلا کر عیسائیت کے لئے تقویت کا موجب ہو۔ اشتہارات پر اشتہارات شائع ہوں۔ کتابیں لکھی جائیں، اخبارات کے اندر مضامین درج ہوں کہ مرزا یہ ہے، مرزا وہ ہے۔ اور مرزا صاحب اسے جی اور حضور کہہ کر پکاریں۔ یہ شرافت اور انسانیت اسلام کی سکھائی ہوئی نہیں۔ یہ تو پرلے درجے کی بے غیرتی ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ ظالم کا جواب یہ نہیں کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی اس کے آگے پھیر دی جائے بلکہ ظلم کا بدلہ لینا ہر شریف انسان کا حق ہے۔ اور مرزا صاحب نے تو اس حق کو اس وقت استعمال کیا جب مخالفین کی شرارتیں اور ظلم انتہاء کو پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کا جواب نمائندہ کفّار کو

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ایسے موقعہ پر بڑے بڑے بزرگوں کے منہ سے سخت ترین الفاظ نکل گئے جن کو کسی نے بھی بُرا نہیں مانا۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے جلیل القدر انسان کے متعلق لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر انہوں نے جوش میں کفار کے نمائندہ سے کہا **امــص بظر اللات** یعنی لات دیوی کی ...... چوس (بظر کے معنی کرنے مناسب نہیں)۔ کیا سیّد حبیب ان کو بھی معاذ اللہ انسانیت کی حدود سے خارج کرنے کے لئے تیار ہیں؟ افسوس یہ ہے کہ خود بدولت کو قرآن وحدیث کی واقفیت تو ہے نہیں، اور نہ وہ حالات پیش نظر ہیں جن میں ایسے الفاظ بصد مجبوری حضرت مرزا صاحب کے قلم سے نکلے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ ایسے حالات میں ظالم مخالفین کا منہ اسی طرح توڑنا پڑتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے **هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ** (القلم 11:68) کہہ کر کفار کا منہ

توڑا۔انہیں کتے سے تشبیہ دی۔علماء یہود کی مثال گدھے سے دی۔اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسی سخت گالی کفار کے نمائندہ کو دی جس کو اردو میں نقل کرنے سے زبانِ قلم قاصر ہے۔

سیّد حبیب کی سخت کلامی مولوی ظفرعلی اور جماعت احمدیہ کے متعلق

معلوم نہیں سیّد حبیب کا ان سب کے متعلق کیا فتوٰی ہے اور خود اپنے متعلق کیا فتوٰی ہے کہ انہوں نے مولوی ظفرعلی خان پر ولدالحرام اور کمہار کا بیٹا ہونے کا الزام لگایا اور بدزبانی اور زبان درازی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔کیا انہیں بھی انسانیت سے خارج سمجھا جائے؟ کیا جماعت احمدیہ کے متعلق حسب ذیل کلمات، جو دسمبر 1933ء کے ''سیاست'' میں شائع ہوئے ہیں، عام انسان کی شان کے شایان ہیں؟

> ''ایک تو وہ طاعونی چوہے ہیں۔ جو چھوٹے سے سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔ایک باریک طویل سی دُم بھی ہوتی ہے۔**لیکن ایک قادیانی طاعونی چوہے ہیں**۔جو مسلمانوں میں پھیل کر ان کے ایمان کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔اور یہ روحانی موت دوسری موت سے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔اللہ تعالیٰ ان پلیگی چوہوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔لیکن یہ فرق ضرور ہے کہ عام طاعون سے جو لوگ مرتے ہیں، چونکہ وہ ناگہانی موت ہوتی ہے، اس لئے وہ شہید ہوتے ہیں۔لیکن اگر قادیانی طاعون کے زیراثر مرے تو عاقبت خراب ہوتی ہے۔ان طاعونی چوہوں کا مجرب علاج تو بالکل کچھ نہیں۔حفظ ماتقدم کے طور پر ان سے پرہیز ہی بہتر ہے''۔

کیا یہ الفاظ اس قابل ہیں کہ سیّد حبیب انہیں انسانی اخلاق کا بہترین نمونہ قرار دے سکیں۔وہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ان کے لکھے ہوئے نہیں۔کیونکہ تمام ایڈیٹوریل بلکہ سارے اخبار

کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ اور جب تک ان الفاظ کو واپس نہ لیں، اپنی انسانیت کا بہتر نمونہ پیش نہیں کر سکتے۔

''براہین احمدیہ'' کی قیمت کے متعلق اعتراض اور اس کا جواب

اس کے بعد سیّد صاحب نے ''براہین احمدیہ'' کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر نقل کی ہے۔ جس میں آپ نے ان معترضین کو، جو آپ پر خریداران ''براہین احمدیہ'' کی پیشگی دی ہوئی رقمیں کھا جانے کا الزام دیتے ہیں، جواب دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

> ''ایسا خیال کرنا بھی حمق اور ناواقفی ہے۔ کیونکہ اکثر ''براہین احمدیہ'' کا حصہ مفت تقسیم ہوا ہے۔ اور بعض سے پانچ روپیہ اور بعض سے آٹھ آنہ تک قیمت لے لی گئی ہے۔ اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جن سے دس روپے لئے گئے۔ اور جن سے پچیس روپے لئے گئے ہوں وہ تو صرف چند ہی لوگ ہیں۔ اور پھر باوجود اس قیمت کے، جو ان حصص براہین احمدیہ کے مقابل، جو منطبع ہو کر خریداروں کو دیئے گئے، کچھ عجب نہیں۔ بلکہ عین موزوں ہے۔ اعتراض کرنا سراسر کمینگی اور سفاہت ہے۔ پھر بھی ہم نے بعض جاہلوں کے ناحق شور وغوغا کا خیال کر کے **دو مرتبہ اشتہار دے دیا۔ کہ جو شخص ''براہین احمدیہ'' کی قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتاب ہمارے پاس روانہ کر دے اور اپنی قیمت واپس لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے، انہوں نے کتابیں واپس کر دیں اور قیمت لے لی۔ اور بعض کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا مگر ہم نے قیمت دے دی۔** کئی دفعہ ہم نے لکھا ہے کہ ہم ایسے کمینہ طبعوں کی

> نازبرداری نہیں کرنا چاہتے۔ اور ہر ایک وقت قیمت واپس دینے کو تیار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایسے دنی الطبع لوگوں سے خدا نے ہم کو فراغت بخشی''۔(اخبار بدر قادیان 9 اگست 1906ء)

سیّد صاحب کے نزدیک مرزا صاحب کی یہ تحریر سب سے زیادہ دل آزار ہے۔ کیونکہ اس میں معترضین کے حمق، کمینگی، سفاہت اور ناواقفی کا ذکر ہے اور انہیں کمینہ طبع اور دنی الطبع لکھا گیا ہے۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ ع

سخن شناس نہ، دلبرا خطا اینجا است

حضرت مرزا صاحب نے تو ایک ''براہین احمدیہ'' کی جگہ کئی اس پایہ کی لکھیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر حقائق و معارف اور ادلہ و براہین انہوں نے اسلام کی صداقت کے ثبوت میں لکھے۔ اور جیسا کہ آپ کے اپنے بیان سے ظاہر ہے، پیشگی قیمت دینے والے تو ایک طرف، ان لوگوں کو بھی، جو کتاب خرید کر پڑھ بھی چکے تھے اور ان کا کوئی مطالبہ آپ پر نہ تھا، آپ نے دو دفعہ اشتہار کے ذریعہ اجازت دی کہ کتابیں بھیج کر اپنی قیمتیں واپس منگوا لیں۔ جس پر کئی لوگوں نے خراب کئے ہوئے نسخے بھی بھیج دیئے اور قیمتیں انہیں دے دی گئیں۔ باوجود اس کے جو لوگ بار بار یہ اعتراض کریں کہ ''براہین احمدیہ'' مکمل نہیں ہوئی اور مرزا صاحب لوگوں کا روپیہ کھا گئے، انہیں دنی الطبع اور کمینے نہ کہا جائے تو کس نام سے پکارا جائے۔ آج اگر سیّد حبیب ''تحریک قادیان'' کے موعودہ انگریزی ترجمہ کی اشاعت ملتوی کر کے وہ تمام رقوم جو اس غرض سے انہیں پیشگی مل چکی ہیں، لوگوں کو واپس کر دیں تو کیا کوئی شخص حق رکھتا ہے کہ ان کو وعدہ شکن اور لوگوں کا مال کھا جانے والا قرار دے؟ کیا وہ ایسے شخص کو احمق اور دنی الطبع کہیں گے یا نیک، صالح اور پاکباز انسان کہہ کر پکاریں گے؟

علماء کے متعلق درشت الفاظ کیوں لکھے گئے

سیّد صاحب کو یہ شکایت ہے کہ ’’ آپ (مرزا صاحب) نے اپنے وقت کے مولویوں کو بعض اوقات اشتعال کے بعد اور اکثر اوقات بلا اشتعال ایسی گالیاں دیں کہ ’’اَلْعَظْمَۃُ لِلّٰہِ ‘‘۔اس کے ثبوت میں انہوں نے منشی محمد یعقوب سنوری کی کتاب سے وہ درشت الفاظ نقل کئے ہیں جو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ کے ساتھ اگر اصل عبارات نقل کی جاتیں، سیاق وسباق کو پیش نظر رکھا جاتا تو ان کے موقعہ ومحل کو دیکھ کر خود سیّد حبیب بھی ان پر اعتراض کرنے اور نامناسب قرار دینے کی جرأت نہ کرتے۔ یوں تو اگر قرآن کریم میں سے بھی کفار اور مخالفین حق کے متعلق وہ الفاظ چن لئے جائیں، جن میں ان کے اخلاق واعمال کا فوٹو ہے، تو ایک نہایت بھیانک تصویر سامنے آجائے گی۔

لیکن اس سے قطع نظر ہم پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ کیا علماء نے حضرت مرزا صاحب کے متعلق جو جو کچھ زبان درازیاں کیں، جس جس قسم کی شرارتوں اور قبیح ترین حرکات سے کام لیا، عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مل کر جو جو کچھ دُکھ اور اذیتیں پہنچائیں، وہ بھی حبیب صاحب کو معلوم ہیں۔ کیا یہ مولوی ہی نہ تھے جنہوں نے ہندوستان کے طول وعرض میں پھر کر کفر کے فتوٰی پر مہریں لگوائیں۔ عیسائیوں کو مرزا صاحب کے خلاف قتل کا مقدمہ بنانے کے لئے اُکسایا۔ اور عدالت میں جا کر ان کی طرف سے جھوٹی شہادتیں دیں بلکہ دروغ مصلحت آمیز کو جائز قرار دے کر اسلام کی مٹی پلید کی۔ کیا یہ مولوی ہی نہ تھے جنہوں نے لیکھ رام کے قتل پر آریوں کا ساتھ دیا۔ اور انہیں اُکسا کر مرزا صاحب کی خانہ تلاشی کرائی؟ آہ! ان مولویوں کے کارنامے اس قدر طویل ہیں کہ جن کے لئے ایک علیحدہ کتاب تصنیف کرنے کی ضرورت ہے۔

علماء کی دشنام طرازیاں

ان کی شیریں کلامی کو دیکھنا ہو تو ذیل کے ''بیش قیمت موتیوں'' پر نظر ڈالیئے جو حضرت مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی زبانوں اور قلموں سے ٹپکتے رہے ہیں۔

شیخ محمد حسین بٹالوی کی منطق

اسلام کا چُھپا دشمن، مسیلمہ ثانی، دجال زمانی، نجومی، رملی، جوتشی، اٹکل باز، جفری، بھنگر، پھکّڑ، اڑڑ پوپو، اس کا موت کو نشان ٹھہرانا، حماقت سفاہت شیطانی ہے، مکار، جھوٹا، فریبی، ملعون، شوخ، گستاخ، مثیل الدجال، اعور الدجال، غدار، پُر فتنہ و مکار، کاذب، کذّاب، ذلیل وخوار، مردود، بے ایمان، روسیاہ، مثیل مسیلمہ واسود، رہبر ملاحدہ، عبدالدراہم و نانیر تمغاتِ لعنت کا مستحق، مورد ہزار لعنت خدا و فرشتگان و مسلمانان، کذّاب، ظالم، مفتری علی اللہ جس کا الہام احتلام ہے، پکا کاذب، ملعون کافر، فریبی حیلہ ساز، اکذب، بے ایمان، بے حیا، دھوکا باز، حیلہ باز، بھنگیوں اور بازاری شہدوں کا سرکردہ، دہریہ، جہان کے احمقوں سے زیادہ احمق۔ جس کا خدا معلم الملکوت شیطان، محرف، یہودی، عیسائیوں کا بھائی، خسارت مآب، ڈاکو، خونریز، بے شرم، بے ایمان، مکّار، طرّار، جس کا مرشد شیطان علیہ اللعنۃ، بازاری شہدوں، چوہڑوں، بہائم اور وحشیوں کی سیرت اختیار کرنے والا، مکر چال، فریب چال والا جس کی جماعت بدمعاش، بدکردار، جھوٹ بولنے والی، زانی، شرابی، مال مردم خور، دغا باز، مسلمانوں کو دام میں لاکر ان کا مال لوٹ کر کھا جانے والا۔ ایسے سوال وجواب میں یہ کہنا حرام زادگی کی نشانی ہے، اس کے پیرو خران بے تمیز (اشاعۃ السنہ نمبر یکم لغایت ششم جلد شانز دہم 1893ء)

عبدالحق غزنوی

دجال، ملحد، کاذب، روسیاہ، بدکار، شیطان، لعنتی، بے ایمان، ذلیل، خوار، خستہ،

خراب، کافر، شقی سرمدی ہے، لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے، لعن طعن کا جوت اس کے سر پر پڑا، بے جاتائے ویل کرنے والا، مارے شرمندگی کے زہر کھا کر مر جاوے گا، بکواس کرتا ہے، رسوا، ذلیل، شرمندہ ہوا، اللہ کی لعنت ہو، جھوٹے اشتہار شائع کرنے والا، اس کی سب باتیں بکواس ہیں۔ (اشتہار ضرب المنعال علی وجہ الدجال)

سعد اللہ نو مسلم لدھیانوی

قادیانی، رافضی، بے پیر، دجال، یزید، اس کے مرید یزیدی، خانہ خراب، فتنہ گر، ظالم تباہ کار، روسیاہ، بے شرم، احمق، خارجی، کاذب، بھانڈ، یاوہ گو، غبی، لالچی، بدمعاش جھوٹا، کافر، مفتری، دجالی حمار، ملحد، اخنس، بکواسی بدتہذیب ادر دون ہے، مشرکانہ خیال کا آدمی، اس کا گاؤں منحوس ہے، اس کی دجالیاں، مکاریاں، رمالیاں اظہر من الشمّس ہیں، اس کی کتابیں ایمان اور دین کا ازالہ کرنے والی ہیں۔ (نظم حقانی مسمی یا اسرار کار بانی 23 شعبان 1333ھ)

محمد رضاء الشیر ازی الغروی شیعی

مرزا کاذب ہے، مفتری یاوہ گو، تباہ کار، مکار، بغی، غبی، غوی، گمراہ، نادان، فضول ڈھکوسلی، بیہودہ سرا، کاذب، جھوٹا، دردغگو، بے شرم، ننگ خلائق، کاذب، داعی ملت بدعیہ، سرکش طبع، راندۂ درگاہ ازلی، گم کردہ صراط مستقیم، سوفہم، بادہ پیمائی کرنے والا، ژاژ غایاں، چاہِ ضلالت میں ڈوبا ہوا اور گمراہی کے تنویر میں پھنسا ہوا، عجب وتکبر میں گرفتار، مزخرفات موہومہ باطلہ کا کہنے والا، اس کی جماعت ضلالت وگمراہی میں ہے، اس کی مراسلت سراسر فضول ولچر ہے، اس کے دلائل سب وشتم اور فحش سے بھرے ہوئے ہیں، مرزا مقہور شکستہ بال ہے، اس کی باتیں ہفوات وہزلیات ہیں، وہ گمراہ غبی ہے، اس کی تحریرات میں خرافات ہیں، اس کے ذہن کے ترشحات گندیدہ ہیں۔ اس کا مدعا زور اور طغیان ہے، شتم وفحش وبہتان لانے

والا، افتراء وکذب کے دلائل پیش کرنے والا، شناعت وفضیحت کے سوا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، یہ کاذب دارالبوار میں جائے گا، ظلمت کفرطغیان ان کی وجہ سے دنیا میں ہے۔
(اشتہار بت شکن مطبوعہ قمرالہند)

مولوی ثناء اللہ امرتسری کی ہفوات

دجال اکبر، خناس، مرزاجی کے روحانی باپ سرسیّد احمد حضرت اکدس۔ مرزاجی فن آبلہ فریبی میں چست وچالاک ہیں، قادیانی کاہن، قادیانی کاہن کے منہ پر لک کی سیاہی، قادیانی کاہن کی روسیاہی، حضرت گدھا علیہ السلام مرزا بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی ؎

یکے قطاع نسل ویک امام بھنگیاں بینی   مسیح ابن مریم بچۂ چنگیز خاں بینی

مرزا کے الہامات ایک گوزشتر کی طرح ہوا میں اڑ کر بدبو پھیلا چکے ہیں، خودغرض نافرجام، بد، بدنام، منحوس ؎

اے لو وہ دُم دبا کے بھاگ گیا   ایک ہی چوٹ کھا کے بھاگ گیا

قادیانی کاہن وہ بھاگا ؎

کرشن جی کی تو ایک رندگی سے توبہ ہے   رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی

ع   حیف در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد

مرزائی مشن کی بنیاد سراسر کذب، بہتان، افترأ، دغا، فریب، جعلسازی، عیاری غرض تمام دنیا کی چالبازی پر مبنی ہے، قادیانی مشن میں الہام بافی، تف ہے ایسی دردغگوئی پر اور حیف ہے ایسی بددیانتی پر، کرشن جی کی مخبوط الحواسی اور پریشانی، مرزا مرتد ہوا، قادیانی کذّاب ؎

جفا جُو سنگ دل بے رحم کاذب   لقب جن کے ہیں اتنے، وہ تمہیں ہو

کاذب، دجال، غدار، مرجوم، عدو دین، کافر، بے ایمان، دوزخی، ملحد، دشمن ایمان و دین، غماز فی النار، کرشن جی کا بننا ہے مرگھٹ، بت فروش، دجالی رسالت، روسیاہ، رمال، چالباز، مکار، امکار، مرزا کے پیرو مرشد سر سیّد احمد پیر مغاں، مفتری، کاذب کی رسالت جہالت ضلالت، بطلالت، خاکش بدہن ۔

کارِ شیطاں میکند نامس ولی گر ولی این است، لعنت بر ولی

حضرت اکذب، میں آپ کو مفسد و دجال جانتا ہوں، خواہ آپ تپتے توے پر...... رکھ دیں۔ آپ کے دجال، کذاب، مردود وغیرہ ہونے میں کیا شک ہے، آپ پکے کاذب اور دجال ہیں، خبطی گیڈر، حسن بن صباح کی چال، دغا باز، مفسد، بدکار، واہ رے دجال تیری بے حیائی، اے ظالم، کانے دجال، مسرف، کذاب، عیار، مرزا جی کی اینٹ البحر، مرزا جی کا حال میراثی کے مشابہ ہے، مرزا جی کا الہام ملا دو پیازہ کی میّت کی طرح، جس کی ٹانگ نیچی کرنے سے سر اونچا اور سر کے نیچا کرنے سے پاؤں اوپر، ابو اللہ، کذب مجسم بلکہ اکذب الناس قلندر، مرزائے قادیانی، فرعون بود ثانی، بدبخت بود ازلی با ایں ہمہ رعونت ز وخیمہ شیطانی فی نار جاودانی، شداد قعر دوزخ میں گرا ہے، خائن، سارق، قارون ثانی غلام احمد قادیانی، مسیلمہ ثانی، تمام الہامات پاخانہ میں ڈال دیئے، مرزا جھوٹ کا سٹیمر، بڑا دنیا دار عبدالدرہم والدینار، خرد دجال، مردود ایسا شریر تھا کہ جس گورنمنٹ کے زیر سایہ رہے، اس کے بزرگوں کو دجال بنا کر مسلمانوں کو ابھارتا، اور تیس بھلے مانسوں میں سے تھا مبتدع، محدّث تیس دجالوں میں سے تھا، رادہا، سوامی مرزا صاحب آنجہانی قادیانی پنو کی اماں، آپ کے الہام طمع نفسانی اور کار شیطانی ہوتے تھے، بیہودہ گو، لاف زن، مرزا کو سانپ ڈس گیا۔ کہ صدائے برنخاست، بڑ ہانکتے ہو، مزخرفات آپ کا حصہ ہے، گھر میں قصیدہ لکھ کے حمار کے مصداق بن گئے۔ ع ''عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند''

ع ''بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن'' ؎

بنایا آڑ کیوں جورو کا چرخہ　　نکل دیکھیں تیری ہم شعر خوانی
ہے رو سیاہ مسیلمہ و اسود　　لعین و بے حیا و شیطانِ ثانی

اس دیوانہ کی ایک اور بڑ سنو، بلی کو چھچھڑوں کا خواب، مشرک و گمراہ، سفید جھوٹ بولنے والا ہے، مرزا کی بکواس گوز شتر ثابت ہوئی، اس مسیح کے رنگ دیکھئے کہ گرگٹ کو ماند کرتا ہے، چوں شتر مرغے شناس ایں نفس، تمہارا امام بڑا کذّاب، بڑا دجال، بڑا جھوٹا، بڑا بے حیا، بڑا غدّار، بڑا فریبی، بڑا آبلہ فریب، بڑا مکار، بڑا مفتری علی اللہ، غرض سب اوصاف قبیحہ میں بڑا ہے، کار شیطان میکند نامش ولی، مرزا کی شان کو لفظ کاذب یا کذّاب پورا ادا کرنے سے قاصر ہیں، میں آپ کو اس سے ارفع جانتا ہوں، ڈھیٹھ اور بے شرم بھی دنیا میں ہوتے ہیں مگر ع ''سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی''۔ گیدڑ بن کر بھاگ جانا آپ کا قدیمی دستور ہے۔ دجال اکبر کا قطع الوتین ؎

ملہم و کذّاب ہو کے مرزا مر گیا　　جس کا لاشہ ہو کے بارِ خر گیا
قادیانی کار شیطاں کرد و رفت　　بود جاہل جہل و نسیاں کرد و رفت

ع ''مفضل و ظالم و دجال بودہ ''ع ''وہ مفتری و فاسق و کاذب تھا بد خصال'' ع ''دجال اٹھ گیا ہے خر رہ گئے ہیں باقی'' ع ''مردِ مرزا مسیلمہ مردود''۔ ایک کیڑا جو زمین پر چند برسوں رینگ کر مٹی میں مل گیا، حماقت و ضلالت کی بکواس اضغاث حلام، بڑا خبطی بڈھا خبطی ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد　　بزندان لعنت گرفتار کرد

سر سیّد کے اکلوتے بیٹے خود بدولت کس کم جہان پاک ہو گئے۔ تو کوئی قبر پر لات

مارنے والا تھوڑا ہی آئے گا، ہفوات مرزا، دھریہ، مفتری علی اللہ۔

یہ اس حسنِ کلام کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے جو سیّد صاحب کے بزرگ علماء کرام کے کام و دہن سے صادر ہوا۔ کیا کوئی شریف انسان جس کے پہلو میں دل اور دل کے اندر غیرت ہو، اس بد زبانی کو برداشت کرتا ہے؟ کیا یہ ناانصافی نہیں کہ ان ظالمانہ حملوں اور زبان درازیوں کا تو نام تک نہ لیا جائے اور حضرت مرزا صاحب کے بعض نا ملائم الفاظ کو، جو **لَایُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ** (النسآء 148:4) کے ارشادِ ربانی کے ماتحت باکراہ تمام انہوں نے لکھے، نقل کر کے انہیں انسانیت سے خارج قرار دیا جائے؟!

آخری زمانہ کے علماء کا نقشہ احادیث نبویؐ میں

اگر انسانی اخلاق کا یہی معیار ہے کہ کسی کے ظالمانہ حملوں کے جواب میں اس کی صحیح اخلاقی حالت کو بھی بیان نہ کیا جائے، تو کیا فرمائیں گے جناب حبیب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے متعلق، جس میں آپؐ نے آخری زمانہ کے علماء کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ **علماء ھم شرّ من تحت ادیم السمآء من عند ھم تخرج الفتنة وفیھم تعود** (رواہٗ البخاری فی شعب الایمان) ان کے علماء سقف آسمانی کے نیچے بدترین خلائق ہوں گے۔ انہی سے فتنہ پھوٹے گا اور انہیں کی طرف لوٹ جائے گا۔ کیا علماء کی یہ تعریف حضرت مرزا صاحب کے درشت کلمات سے کم بھیانک ہے؟ کیا **شر من تحت ادیم السمآء** (سقف آسمانی کے نیچے بدترین خلائق) کے الفاظ علماء کی تصویر کو خوبصورت اور خوش نما بنا دیتے ہیں اور تمام درشت کلمات سے بڑھ کر ہولناک منظر قائم کر دینے والے نہیں؟ اور سن لیجئے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **تکون فی امتی فزعة فیصیر الناس الی علماء ھم فاذاھم قردة وخنازیر** (کنزالعمال جلد 7 ص 190) یعنی میری امت میں ایک گھبراہٹ پیدا ہوگی۔

اس گھبراہٹ کے وقت لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو اس وقت ان کے علماء بندر اور سؤر بنے ہوئے ہوں گے۔

اللہ اللہ! کس قدر صحیح نقشہ ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کل کے علماء کا اپنی کشفی آنکھ سے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے دیکھ کر کھینچا۔ آج علماء کی حالت کو دیکھ لیجئے، ان کی تحریرات کو پڑھیئے، ان کے کلام کو سنیئے، ان کے افعال کو دیکھئے اگر فی الواقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق **شرّ من تحت ادیم السمآء اور قردة وخنازیر** ثابت نہ ہوں تو بے شک جو جی چاہے، کہئے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتا دیجئے گا کہ کیا حضرت مرزا صاحب کی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو بھی، جو اوپر بیان ہوئے ہیں، عام انسان کی شان سے گرا ہوا قرار دیا جائے گا؟ حیرت ہے کہ ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوا۔ کیوں آنکھیں کھول کر نہیں دیکھتے کہ جو اعتراض ان کے مونہوں سے نکلتا ہے، اس کی انتہاء کہاں جا کر پڑتی ہے۔ اور کس طرح وہ ایمان کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔

بائیسواں باب

علماء کی اخلاقی زندگی کا فوٹو

آیئے۔ہم آپ کو علماء کی اخلاقی زندگی کا کچھ تھوڑا سا نقشہ دکھائیں۔تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جو الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے اوران کی اتباع میں حضرت مرزا صاحب نے مظلومیت کی حالت میں لکھے، وہ کہاں تک حق بجانب اوران کے حالات کا صحیح مرقع ہیں۔اس مرقع کو پیش کرنے سے پہلے ہم قارئین کرام سے یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس تمام کتاب کے مرتب کرنے میں ہمیں اتنی تکلیف محسوس نہیں ہوئی ،جتنی اس مرقع کے پیش کرنے میں محسوس ہو رہی ہے۔کیونکہ اس قسم کے گندے حالات شائد ہی کسی دینی یا دنیوی گروہ میں پائے جاتے ہوں، جیسے آج کل کے علماء اسلام کے اندرنظر آتے ہیں۔اگرچہ ہم نے بہت سے ایسے حالات کو چھوڑ دیا ہے جن کے پڑھنے سے بھی شرم وحیا مانع ہے، تاہم بعض شرمناک حالات کو مجبورًا نقل کرنا پڑا ہے جن کے لئے ہم قارئین کرام سے معافی چاہتے ہیں۔

علماء اہلحدیث کے اعمال واخلاق

سب سے پہلے اہل حدیث کے شیخ الکل مولوی سیّد نذیرحسین صاحب دہلوی اوران کے شاگردان رشید کے حالات ملاحظہ فرمایئے۔

31 جنوری 1893ء کو جناب شیخ الکل نے بمقدمہ ملک النساء مدعیہ بنام شمس الحق وغیرہ مدعاعلیہم دعوٰی اثبات طلاق عدالت دیوانی میں مندرجہ ذیل حلفی شہادت دی:

’’اگر کوئی مسلمان باوجود نہ ہونے مرتد و کافر اپنی بیوی کو دس بارہ سال تک نان ونفقہ نہیں دیتا ہے اور نہ اس کے پاس آتا جاتا ہے، تو اس کو

لازم ہو گیا ہے کہ اس کو طلاق دے دے۔ اور اگر وہ اپنی مرضی سے طلاق نہیں دیتا ہے تو شرعاً حاکمِ وقت کو اختیار ہو جاتا ہے کہ اس کے خاوند کے قائم مقام ہو کر اس کی بیوی کو مطلقہ کر دے۔ اس طلاق کو طلاق بائن کہیں گے۔ اور جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ بصورت عدم خبر گیری نان ونفقہ لازم ہو جاتی ہے، وہ مذہب شافعی وحنفی وحنبلی کی رو سے بیان کیا ہے۔ (النکال علی التخلیص النساء من الرجال مطبوعہ خادم الاسلام پریس دہلی ص 19)

یہاں تک تو خیر تھی۔ لیکن 7 جون 1899ء کو انہی مولوی صاحب نے ایک اور حلفی بیان بمقدمہ محمد عمر بنام مہر الٰہی وغیرہ جرم دفعہ 494 و 109 / 494 تعزیرات ہند مسٹر ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دہلی کی عدالت میں دیا۔ جس میں فرماتے ہیں:

’’اگر کوئی عورت روٹی کپڑے سے لاچار ہو، تو عالم اس کو فتوی دے دے گا۔ قاضی کی جگہ عالم ہی ہے۔ حاکم ہو یا عالم اس کے پاس عورت کو جانا چاہئیے۔ خود نکاح نہیں کر سکتی۔ مذہب حنفیہ میں یہی حکم ہے۔ فتاوٰی حمادیہ، فتاوٰی قنیہ میں تحریر ہے۔ معیاد شرع میں کچھ مقرر نہیں ہے ...... اظہار مورخہ 1893ء (جو اوپر نقل ہو چکا ہے) سن کر کہا کہ مجھ کو اس کی بابت یاد نہیں‘‘۔ (النکال ص 7)

ایک تیسرا فتوی بھی سن لیجئے۔ جناب شیخ الکل ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

’’رکھنا اور علیحدہ کرنا (عورت کا) مرد ہی کے اختیار میں ہے۔ بلکہ مرد کا اختیار ڈال رکھنا ادھر میں لٹکتی ہوئی بھی ہے۔ اسی واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ایسا نہ کیا کرو۔ پس جب شوہر موجود ہے تو بسبب نہ دینے نان

ونفقہ کے، عورت شوہر کے نکاح سے علیحدہ نہ ہوئی، تو غیر مردوں پر حرام ہوئی''۔ مہر سیّد نذیر حسین (فتوی مطبوعہ خادم الاسلام پریس دہلی ص 2،4)

2۔ یہ تو خیر مسائل کی باتیں ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ جس وقت جو کچھ تحقیق میں آیا، کہہ دیا۔ اگر چہ ایسے فتوے بھی دکھائے جا سکتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں وہ متخالف فریقین کو ایک ہی امر کے متعلق ایک دوسرے کے خلاف فتوے دے دیئے گئے۔ اور اس طرح دو دو، تین تین روپیہ کے لالچ سے دو پارٹیوں کو خوش کر کے مولوی صاحبان نے اپنے دین وایمان اور شرافت و دیانت کا بخیہ چاک کر لیا۔ لیکن ان سب سے زیادہ افسوسناک وہ حالات ہیں جن میں مولوی صاحبان کی اخلاقی زندگی کا فوٹو کھینچا گیا ہے۔ ان میں چند ایک ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ کیا یہ لوگ **شرّ من تحت اویم السمآء** کہلانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔ اور کیا وہ کلمات جو حضرت مرزا صاحب نے ان لوگوں کے متعلق لکھے ہیں، ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح قرار دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

ایک ضعیفہ ساکنہ سیالکوٹ کی طرف سے ایک اشتہار خادم الاسلام پریس دہلی میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ جس میں ایک خط کی نقل مندرج ہے جو کسی نے جناب شیخ الکل کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں لکھا ہے کہ:

''سیالکوٹ کے علاقہ میں دو شخص حنفی المذہب ہیں۔ ان دونوں کی منکوحہ عورتیں مفرور ہو کر دہلی پہنچ گئیں۔ وجہ فراری کی یہ ہے کہ علماء نے انہیں بہکایا کہ تمہارے خاوند مشرک ہیں۔ اس لئے تمہارا نکاح کوئی نہیں۔ لہٰذا وہ مفرور ہو کر یہاں سے بارادہ حج بیت اللہ و تعلیم علمِ حدیث دہلی میں وارد ہیں۔ لیکن پھر انہوں نے اپنی والدہ کی طرف تحریر کیا کہ ہم مولوی عبدالوہاب کے ہاں سکونت پذیر ہوگئی ہیں اور ہم نے سنّتِ نبویؐ (یعنی

> نکاح) کر لی ہے (ان میں سے ایک کو تو اس کی والدہ آ کر لے گئی ۔ دوسری کے لئے) اس کے شوہر کو بلا کر عدالت میں استغاثہ دائر کیا گیا جس میں وارنٹ گرفتاری بنام مولوی عبدالوہاب صاحب اور برادر مولوی صاحب و شاگرد مولوی صاحب وغیرہ جاری ہو کر ضمانت پر رہا ہوئے ۔ یہ مولوی صاحب وہ ہیں جنہوں نے نکاح ایسے کرا دیئے ہیں جن کے شوہر زندہ سلامت موجود ہیں ۔ طلاق بھی نہیں دی''۔

3۔ ایک آٹھ صفحہ کا اشتہار منجانب ایک صادق القول خاکپائے علماء باعمل برخلاف ایک غیر مقلّد دہلوی کے طبع ہو کر شائع ہوا۔ جس میں مولوی نذیر حسین کے ایک شاگرد عالم دین کے متعلق لکھا ہے کہ:

> ''قریب دو سال کے گذرے ہوں گے کہ جناب میاں (نذیر حسین) صاحب کے پاس ایک امرد لڑکا طرحدار کسی امیر کا پڑھنے آیا تھا۔ یہ شمو خاں اس پر لٹو ہو گیا کوئی مشکل کام نہیں ۔ یہ دونوں صیغے فاعل اور مفعول کے واضع نے انہیں بزاخفشوں کے لئے وضع کئے ہیں ۔ قصہ تو بڑا ہے ۔ یہ خبر جناب میاں صاحب کو ہوئی ۔ انہوں نے اس گوہ ملے کو بہت جھڑکا ۔ یہ گیدی خبر ان سے غرفش کرنے لگا ۔ یہ حال ان کے پوتوں کو معلوم ہوا ۔ انہوں نے اس کی کنّی دبائی ۔ اس ناخلف نے میاں صاحب اور ان کے دونوں پوتوں، غرض نو شخصوں پر عدالت فوجداری میں دعوٰی مار پیٹ اور ساتھ ہی مچلکوں کا کر دیا۔ ایک مارواڑی نے اس دیو کو شیشہ میں اتار کر دعوٰی کو واپس منگوایا۔ اس کے بعد یہ مہذبانہ قصیدہ انہیں مولوی صاحب کے حق میں لکھا ہے۔

پورب سے ایک لہری آیا　　پھاٹک میں آ کر ریچھ نچایا

چندہ کر کے کھایا کِھلایا　　پیٹ بھرا، یہ گانا گایا

دھنک تا بھئی، دھنک تا　　ناچ کھلاڑی دھنک تا

صورت دیکھی کالی جیسی　　وضع کچھ بنگالی جیسی

آنکھیں ایک متوالی جیسی　　باتیں بارہ تالی جیسی

دھنک تا، بھئی دھنک تا　　(اشتہار مذکور ص3،8)

ایک عالمِ دین کا کلام دوسرے عالم دین کے متعلق ہے۔کس قدر شائستہ نظم ہے اور کتنی فصیح کہ میراثیوں سے بھی ایسی بن نہ آئی ہوگی۔اب کچھ پنجابی اور بعض دیگر اہل حدیثوں کی بھی سن لیں۔

4۔مولوی ثناء اللہ نے ایک تفسیر عربی زبان میں لکھی ہے۔جس پر بعض اہل حدیث مولویوں نے تقریظیں لکھ لکھ کر انہیں بھیجیں، جن کو مولوی ثناء اللہ نے ''الکلام المبین'' نامی کتاب میں شائع کیا۔ان تقریظوں کے لکھنے والوں میں شیخ حسین عرب محدّث بھوپال، حافظ عبدالہادی امام مسجد راولپنڈی، حافظ عبدالاسلام ملتانی، مولوی عبدالتواب ملتانی، مولوی محمد سعید بنارس، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ''الکلام المبین'' کا شائع ہونا تھا کہ اہل حدیث کی غزنوی پارٹی کو جوش آیا اورانھوں نے فوراً ''اربعین'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔جس میں انہی مولویوں اور دیگر علماء سے بھی اسی تفسیر کے متعلق فتوے حاصل کر کے شائع کیے۔جن کے دیکھنے سے انسان حیرت زدہ ہوجاتا ہے کہ یہ ان علماء کا حال ہے جو اپنے آپ کو لوگوں کا ہادی ورہبر ظاہر کرتے ہیں۔مولوی ثناء اللہ

نے تقریظ لکھنے کو کہا تو نہایت شاندار الفاظ میں اس کی تعریف کر دی۔ اور غزنویوں نے فتویٰ مانگا تو لحاظ ملاحظہ سے ان کو بھی لکھ دیا کہ یہ تفسیر خلاف مذہب اہلحدیث واہلسنت اور مخالف سلف امت وآئمہ دین ہے۔ اس کا جلانا واجب ہے۔ یہاں تک کہ اہلحدیث کے مایہ ناز عالم حافظ عبدالمنان وزیرآبادی نے نہ صرف ثناء اللہ اور غزنویوں کو تقریظ اور تردید لکھ کر دی بلکہ اس کے بعد پھر مولوی ثناء اللہ کو خط لکھا کہ غزنویوں نے خود عبارت لکھ کر میرے دستخط کرا لئے ہیں۔ اور جب اس پر غزنویوں نے ڈانٹا تو ان کو لکھ دیا کہ ثناء اللہ نے میرا خط پورا شائع نہیں کیا۔ اپنی طرف سے جو جی چاہا میرے نام لکھ دیا۔ میں نے جو کچھ ''اربعین'' میں لکھا، اسی پر قائم ہوں۔ ''میں نے برأت کا اشتہار دینا چاہا لیکن مولوی ثناء اللہ دوبار میرے پاس آئے اور کہا کہ ان باتوں سے رجوع کر کے اصلاح کروں گا۔ وہ تھے میرے شاگرد۔ ان کی لیت لعل کی وجہ سے اظہار برأت میں دیر ہوئی''۔

غرض یہ نہایت عجیب وغریب داستانیں ہیں جن سے فرقہ اہل حدیث کے مولویوں کے دین وایمان کا حال آشکار ہوتا ہے۔ پورے حالات الکلام المبین، اربعین، عشرہ کاملہ کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مولوی ثناء اللہ کے روحانی باپ محمد حسین بٹالوی کا بھی کارنامہ دیکھئے کہ پہلے تو ثناء اللہ کو لکھ بھیجا کہ الکلام المبین، اربعین کا کافی جواب ہے جس کو ثناء اللہ نے شائع کر دیا۔ اس پر جب دوسری طرف سے ڈانٹ پلائی گئی تو آپ مولوی ثناء اللہ کو خط لکھتے ہیں:

> ''اے عزیز! تم نے میری نسبت یہ چھاپ دیا ہے کہ میں نے الکلام المبین کو کافی جواب اربعین تسلیم کیا ہے۔ اور اس کے الزامات سے تمہارا چھوٹ جانا مان لیا ہے۔ جس پر مثل ''دروغ گویم برروئے تو'' پوری صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک حصہ میری تقریر کا لے لیا۔ اور باقی

حصوں کو، جن میں تمہارے اہلحدیث ہونے کی نفی نکلی تھی، چھوڑ دیا۔ اور نقل کلام میں سرقہ کیا''۔ (الٹی میٹم بنام ثناء اللہ مطبوعہ خادم پنجاب امرتسر ص6-7)

ضرورت نہیں کہ اس الٹی میٹم کے مضامین کی جانچ پڑتال میں ہم اپنا وقت ضائع کریں۔ لیکن اس سے ظاہر ہے کہ دوسرے اہلحدیث مولویوں کی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی بھی حسب موقع اپنا ایمان بدلنے میں مشاق رہے ہیں۔ اس کا ثبوت اس عہد نامہ سے بھی ملتا ہے جو 24 اپریل 1910ء کو علماء اہلحدیث کی موجودگی میں سیالکوٹ میں مولوی ثناء اللہ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے مابین ہوا۔ لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس عہد نامہ کی خلاف ورزی کی۔ جس پر مولوی ثناء اللہ نے حدیث نبویؐ سے منافقوں کی علامت **اذا وعد خلف** کا انہیں مصداق قرار دیا۔

5۔ یہیں تک نہیں۔ ایک اہلحدیث مولوی محمد علی بھوپڑی کی تعریف مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ ''اشاعت السنۃ'' میں ان الفاظ میں کی ہے:

> ''محمد علی میرے مکان پر ایک جوان عورت کو لے آیا اور کہا کہ یہ میری منکوحہ ہے۔ آپ اسے رکھئے۔ میں تاڑ گیا کہ یہ اُس کا شکار ہے۔ اس لئے میں نے اس کے رکھنے سے انکار کیا۔ آخر وہ اس شکار کو شیخ نورالدین صوفی کے مکان پر چھوڑ کر کسی اور شکار کی تلاش میں چلا گیا۔ اتنے میں اس عورت کے وارث آن پہنچے اور اس کو اپنے ساتھ لے گئے''۔ (اشتہار مطبوعہ اہلحدیث پریس امرتسر مورخہ 12 جنوری 1906ء)

حنفی علماء کے اعمال و اخلاق

یہ تو اہلحدیث کے چیدہ چیدہ علماء کا حال ہے۔ اب حنفی علماء کی سن لیجئے۔ ان کے

اخلاق و اعمال کا اندازہ ذیل کی تحریرات سے ہوسکتا ہے جو مولوی ثناء اللہ کے متعلق شائع کی گئی ہیں۔6 اپریل 1906ء کے ''اہلحدیث'' میں مسائل فقہ کے نام سے حنفی علماء سے بعض نہایت شرمناک سوالات کئے گئے تھے۔جن کو نقل کرنا تہذیب اور شرم وحیا کے منافی ہے۔ان ناپاک سوالات کے جواب میں امرتسری اہل فقہ کی طرف سے ''غضب حق بر جاہل مطلق'' کے عنوان سے ایک استفتاء اشتہار کی صورت میں شائع ہوا۔اس کے چند الفاظ، جو نسبتاً کم شرمناک ہیں، بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں:

1۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص۔تہہ منڈا حاصل کرنے کے لئے سفر میں چلا گیا۔اس کے بعد پِسُو کے کاٹنے سے اس کی زوجہ نے بچہ جنا۔اور وہ مولود مسعود سن شعور کو حاصل کرنے کے بعد علم وفضل سے بھی مزین ہو گیا تو ایسا شخص مقتداء قوم یا امام بن سکتا ہے یا نہیں؟

2۔چند ایسے اشخاص، جو بچپن میں ناجائز امور کے مرتکب ہوں، اور ان کے استاد یا دوسرے دوست ان سے ناجائز افعال کے ارتکاب کے متہم ہو چکے ہوں، کیا ایسے شخص یا منجملہ ان کے کوئی شخص ادعاء نصرتِ اسلام میں صادق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

3۔اگر کسی شخص کا نام زناع اللہ ہے۔وہ عالم وفاضل بھی ہو گیا تو کیا یہ نام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اسی اشتہار کے نمبر 2 میں علم الدین کے اشتہارات کو ایڈیٹر اہلحدیث کے لکھے ہوئے قرار دے کر یہ ریمارک کیا گیا ہے کہ:

''فی الاصل بے چارہ علم الدین نہیں لکھتا بلکہ اور کوئی نطفۂ ناتحقیق لکھ رہا

ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کی حدیثوں سے جس قدر شراب پینے کی اجازت پائی جاتی ہے، اس سے زیادہ پی لی ہے۔جس کے نشے میں وہ مضمون اشتہار لکھ رہا ہے۔''

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔آپس کی گالی گلوچ سے بڑھ کر بخاری پر جا حملہ کیا۔ یہ اُن علماء کی حالت ہے جو حنفی اور اہلسنت کہلاتے اور فقہ کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان آئمہ دین نے جن کے اسماء گرامی سے فقہ کو منسوب کیا گیا ہے کبھی ایسی جرأت نہیں کی ،لیکن ان کے اخلاق اس درجہ گر چکے ہیں کہ مقابل مولوی کو زک دینے کے لئے نہایت بے باکی سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ (صحیح بخاری) کو مورد ِطعن و تشنیع ٹھہرانے سے دریغ نہیں کرتے۔

یہیں تک بس نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر شرمناک باتیں ہیں جو مولویوں کی طرف سے لکھی گئی ہیں جن کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ابھی گذشتہ سال کا ذکر ہے کہ جامع مسجد دہلی میں فسادات الور (نام شہر) کے سلسلہ میں مولوی مظہرالدین شیرکوٹی دیو بندی مالک ''الامان'' کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جمعیۃ العلماء نے محض اس خیال سے، کہ الور کے معاملات میں مولوی مظہرالدین کو لیڈر نہ بننے دیا جائے ،اس جلسہ میں ہلڑ بونگ پیدا کرا دی۔اور مولوی مظہرالدین صاحب پر چاقوؤں اور لاٹھیوں سے حملہ کیا گیا۔جس پر پولیس نے مقدمہ چلانے کے لئے کہا تو ''الامان'' 15 اگست 1932ء کے مطابق مولوی مظہرالدین نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ حضرت عمرؓ کو بھی مسجد ہی میں شہید کیا گیا تھا۔میرے لئے اس سے بڑھ کر سعادت نہیں ہوسکتی۔ اس کے جواب میں جمعیۃ العلماء کے رکن مولوی محمد عثمان نے اشتہار شائع کیا۔ اور مولوی مظہرالدین پر الزام دیا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے اپنے آپؐ کو تشبیہ دے کر آپ پر نعوذ باللہ زنا کاری کا الزام دیا۔ گویا اس پیرایہ میں مولوی مظہرالدین کے زنا کار ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔اوّل تو ایسی بات کا لکھنا ہی قابلِ شرم ہے۔لیکن کیا حضرت عمرؓ کو

لپیٹے بغیر اس کا ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا؟ یہیں تک نہیں، مولوی مظہر الدین کے متعلق یہ ناپاک کلمات لکھے ہیں۔ جو جمعیۃ العلماء کی اخلاقی حالت کا فوٹو ہیں:

''وہ جن کے ابا جان علی بخش (جواب خدا بخشے ہو گئے ہیں) ایک ایک، دو دو پیسہ پر دیہاتی عورتوں کی چنریاں رنگتے پھرتے تھے، وہ جن کے بچپن کی ''معصومانہ'' فیاضی سے شیر کوٹ کا کوئی اوباش نوجوان محروم نہ رہا، وہ جو مذہبی دارلعلوم دیو بند کے غسل خانہ میں تانگے والے (چچا) عظیم اللہ کی آغوش شوق میں ناز و ادا سے مچلتے ہوئے پکڑے گئے تھے''۔

کیا یہ کسی عالمِ دین کی تحریر معلوم ہوتی ہے؟ کیا بازاری غنڈوں کے اوباشانہ کلمات ان ناپاک تحریرات سے کچھ کم شرمناک ہوتے ہیں؟ اہلحدیث مولوی، حنفی علماء، جمعیۃ العلماء کے دیو بندی فضلاء غرض جس کسی کو بھی دیکھا جائے ''حسن اخلاق'' کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ اور انسان بے اختیار پکار اُٹھتا ہے۔ اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ (ھود 78:11) کیا تم میں کوئی شریف آدمی نہیں رہا؟

مولانا حالیؒ کا تبصرہ علماء کی اخلاقی زندگی پر

مولانا حالی مرحوم نے انہی علماء کا حال اپنی ''مسدس[1]'' میں نہایت دلآویز پیرائے میں لکھا ہے۔ اور ان کی اخلاقی حالت، اُن کی عملی زندگی اور تحقیق حق کرنے والوں کے ساتھ ان کے سلوک کی نہایت صحیح تصویر کھینچی ہے۔ اس میں سے چند اشعار یہاں نقل کر کے حبیب صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بھی عام انسان کے شایان شان ہے یا نہیں۔

1۔ مسدس: ایسا منظوم کلام جس میں اصل بیت پر چار مصرعے اور بڑھا دیئے جائیں۔ یا جس کے چار مصرعے ہم قافیہ اور آخیر کی بیت بطور گرہ نئے قافیہ کے ساتھ ہو۔

بڑھے جس سے نفرت، وہ تقریر کرنی　　جگر جس سے شق ہو، وہ تحریر کرنی

گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی　　مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ　　یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے　　تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے

اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے　　تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائے

اگر اعتراض اس کی نکلا زباں سے　　تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پُھلاتے　　کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں مُنہ پہ لاتے

کبھی خوک اور سگ ہیں اس کو بتاتے　　کبھی مارنے کا عَصَا ہیں اُٹھاتے

ستوں چشمِ بد دُور ہیں آپ دیں کے

نمونہ ہیں خُلق رسولِ اَمیںؐ کے

میں حیران ہوں کہ سیّد حبیب کو مولانا حالیؒ کے اس کلام پر آج تک کیوں پریشانی لاحق نہیں ہوئی؟ اور کیوں انہیں دائرہ انسانیت سے خارج کرنے کی جرأت انہوں نے نہیں کی؟

کس کس کو دائرہ انسانیت سے خارج کرو گے؟

میں حیران ہوں کہ مولویوں کی ان کرتوتوں اور اقوال وافعال کے ہوتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک عام انسان کی بھی شان کے شایاں نہیں۔ میں حیران ہوں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے ہوتے ہوئے، جن میں ایسے ناپاک لوگوں کو **شرّ من تحت ادیم السمآء** کا خطاب دیا

گیا، انہیں قـردة وخنازیر قرار دیا گیا، کس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولویوں کے متعلق کچھ کہنا شرافت اور انسانیت کے خلاف ہے۔ جن لوگوں کی شرافت کا یہ حال ہو، ان کی برائیوں کو جس قدر بھی طشت از بام کیا جائے، ضروری ہے۔

درشت کلامی صرف کفر باز علماء کے متعلق ہے

ہاں! ایسے نیک لوگ جو عالم ہونے کے ساتھ اعمال صالحہ رکھتے ہیں اور حضرت مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ انہوں نے نہیں دیا، اور جن کا وجود شاذونادر طور پر پایا جاتا ہے، ان کو بُرا کہنا خود گناہ عظیم کا مرتکب ہونا ہے۔ ایسے لوگ حضرت مرزا صاحب کے درشت مخاطبات میں ہرگز شامل نہیں۔ جیسا کہ آپ کی ذیل کی تحریر سے ظاہر ہے:

> ’’آخری زمانہ کے وہ علماء، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اس امت کے قرار دیا ہے، وہ بالخصوص اس قسم کے مولوی ہیں جو مسیح موعود کے مخالف اور جانی دشمن اور اس کی تباہی کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کو کافر ودجال و بے ایمان کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے لئے ممکن ہو تو وہ اس کو صلیب دینے کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ یہود کے فقیہ اور فریسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح پیش آتے تھے اور انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ **لیکن جو علماء اس قسم کے نہیں، ہم ان کو یہودی نہیں کہہ سکتے۔** بلکہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کی طرح مجھے دجال، کافر اور بے ایمان کہتے ہیں، وہی یہودی ہیں۔ اور میں ان کو یہودی نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ کا کلام ان کو یہودی کہتا ہے۔ اور یہ تو امر مجبوری ہے جس حالت میں دراصل مَیں سچا ہوں، نہ کافر، نہ دجال، نہ بے ایمان ہوں۔ پس جو

> شخص سچے مسیح کو ایسے الفاظ سے یاد کرتا ہے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودی قرار دیتے ہیں۔ اگر مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب مجھے بے ایمان، کافر، دجال قرار نہیں دیتے اور واجب القتل نہیں سمجھتے، ہم ان کو یہودی نہیں کہتے ہیں‘‘۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص114)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب صرف انہی مسلمانوں اور مولویوں کو بُرا سمجھتے اور کہتے تھے جو آپ کو کافر اور دجال اور بُرے الفاظ سے پکارتے تھے۔ اور جو اپنے اعمال واقوال کے لحاظ سے فی الواقعہ ان خطابات کے مستحق تھے۔ اور سب مسلمانوں اور تمام علماء کو آپ نے بُرا نہیں کہا۔ اور یہ آپ پر اتہام ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کو گالیاں دیں۔

تئیسواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر میں غلط حوالجات کا الزام

اپنے مضمون کی قسط بست و چہارم میں سیّد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلافِ انسانیت اقوال وافعال میں سے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ ''مجھے افسوس ہے کہ جناب مرزا صاحب کی تحریر میں بعض ایسے حوالے موجود ہیں جن کا وجود اس خاکسار کو نہیں مِلا۔ اگر یہ میری غلطی ہے تو میں ان حوالوں کا پتہ ملنے پر ادب سے مرزا صاحب کی روح اوران کے پیروکار حضرات سے معافی مانگ لوں گا۔اور اظہارِ ندامت کروں گا''۔

ایک گندی نظم کا انتساب حضرت مسیح موعودؑ سے

قبل اس کے کہ ان حوالجات کو دیکھا جائے ،ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا ہے کہ اسی قسط کے شروع میں سیّد صاحب نے ایک نہایت گندی اور گالیوں سے بھری ہوئی نظم حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کی ہے۔ جو ہرگز ان کی نظم نہیں۔اس کا علم بھی سیّد صاحب کو ہو چکا ہے۔ کیونکہ اخبار میں جب وہ شائع ہوئی تو اس پر اعتراض کیا گیا۔لیکن بجائے اس کے، کہ ایسی خطرناک غلطی پر سیّد صاحب افسوس کا اظہار کرتے ،اور جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ مرزا صاحب کی روح اوران کے پیروکار حضرات سے معافی مانگ لیتے اور اظہار ندامت کرتے ،کتاب میں انہی مضامین کو شائع کرتے وقت اس نظم کو پھر درج کر دیا ہے اور حضرت مرزا صاحب ہی کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔صرف حاشیہ میں یہ نوٹ لکھ دیا ہے کہ:

> ''قادیانی دوست کہتے ہیں کہ یہ نظم مرزا صاحب کی نہیں۔خواہ مخواہ ان سے منسوب کی جاتی ہے۔**واللہ اعلم بالصواب**''۔

اس ’’**واللّٰہ اعلم بالصواب** ‘‘ کی سمجھ نہیں آئی ۔کیا سیّد صاحب کا اس سے یہ مطلب ہے کہ’’ قادیانی دوست‘‘ جو کچھ کہتے ہیں اس کی صحت میں انہیں شبہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو انہیں چاہئیے تھا کہ پوری تحقیق کر کے اپنے شبہ کو رفع کر لیتے ۔ یا اس بات کا ثبوت دیتے کہ یہ نظم حضرت مرزا صاحب ہی کی ہے۔ بغیر تحقیقات کے ایسی گندی نظم حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر کے ان کے اقوال وافعال کو انسانیت سے گرے ہوئے قرار دے دینا، اور جب ان کی غلطی کو واضح کیا جائے ،تو اسے’’**واللّٰہ اعلم بالصواب**‘‘ کے پردہ میں چھپانا کہاں کی انسانیت اور ایمان داری ہے؟!

مجدّد صاحبؒ کے حوالہ میں محدّث کے بجائے نبی کا لفظ

اب ان حوالجات کو لیجئے۔ جو سیّد صاحب کے نزدیک حضرت مرزا صاحب نے غلط دیئے ہیں ۔لکھا ہے کہ’’ اوّل ۔اپنی کتاب ’’حقیقۃ الوحی‘‘ کے صفحہ 90 پر اور اپنی کتاب ’’ازالہ اوہام‘‘ کے صفحہ 915 پر اور اپنی کتاب ’’تحفہ بغداد‘‘ کے صفحہ 20-21 کے حاشیہ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔’’بات یہ ہے کہ جب مجدّد صاحب سرہندیؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگر چہ اس اُمت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں، وہ نبی کہلاتا ہے‘‘۔

سیّد صاحب کا اعتراض ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے مجدّد صاحب سرہندیؒ کی طرف جو تحریر منسوب کی ہے، اس میں لفظ نبی نہیں بلکہ محدّث ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے محدّث کی جگہ نبی کا لفظ لکھ کر تحریف سے کام لیا ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ’’ازالہ اوہام‘‘ اور’’تحفہ بغداد‘‘ کا نام لینے میں سیّد صاحب نے ویسی ہی غلطی کا ارتکاب

کیا، جس کے مرتکب وہ حضرت مرزا صاحب کو قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کتابوں میں حضرت مرزا صاحبؑ نے مجدّد صاحب کے اصل الفاظ نقل کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

"اعلم ایّها الصدیق ان کلامه سبحانه مع البشر قد یکون شفاهاو ذلک الا فراد من الا نبیآء وقد یکون ذٰلک بعض المکمل من متّبعیهم واذا کثر هٰذا القسم من الکلام مع واحد منهم سمی محد ثا وهٰذا غیرالا لهام و غیرالا لقاء فی الروع وغیر الکلام الذی مع الملک انّما یخاطب بهٰذ الکلام الانسان الکامل وَاللّٰهُ یختّص برحمتهٖ منْ یّشآء

یعنی اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ اللہ جل شانہ کا بشر کے ساتھ کلام کرنا کبھی روبرو اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے اور ایسے افراد جو خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں، وہ خواص انبیاءؑ میں سے ہیں۔ کبھی یہ ہمکلامی کا مرتبہ بعض ایسے مکمل لوگوں کو ملتا ہے جو ان کے متبع ہیں۔ اور جو شخص کثرت سے شرف ہمکلامی کا پاتا ہے۔ اس کو **محدّث** بولتے ہیں۔ اور یہ مکالمہ الٰہی از قسم الہام نہیں بلکہ غیر الہام ہے اور یہ القاء فی الروع بھی نہیں ہے اور نہ اس قسم کا کلام ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام سے وہ شخص مخاطب کیا جاتا ہے جو انسان کامل ہو۔ اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

فرمایئے! اس میں کہاں محدّث کے بجائے نبی کا لفظ ہے۔ بعینہٖ یہی الفاظ تحفہ بغداد میں لکھے ہیں۔ البتہ حقیقۃ الوحی میں آپ نے وہ الفاظ لکھے ہیں جو سیّد صاحب نے نقل کئے ہیں۔ اور وہ حضرت مجدّد صاحب کے اصل الفاظ نہیں بلکہ روایت بالمعنی کے طور پر ان کے

مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس قسم کی بہتیری مثالیں احادیث میں مل سکتی ہیں(1)۔روایت بالمعنی میں کبھی یہ نہیں ہوتا کہ اصل الفاظ نقل کیے جائیں بلکہ ان کا مفہوم ہی بیان کیا جاتا ہے۔حضرت مجدّد صاحبؒ نے بیشک کثرت مکالمہ پانے والے کو محدّث قرار دیا ہے۔لیکن محدّث ہی کو بسبب غیب کی خبریں پانے کے لغوی طور پر نبی کہا جاتا ہے۔خود حضرت مسیح موعود نے مجدّد صاحبؒ کے اس حوالہ سے چند سطریں پہلے اپنے آپ کو انہی معنوں میں اُمتی نبی کہا ہے۔اور''ازالہ اوہام'' میں آپ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ اُمتی نبی سے مراد محدّث ہے۔(ازالہ اوہام ص532)۔اسی مفہوم کو مدِنظر رکھ کر آپ نے مجدّد صاحبؒ کے کلام کو اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہوئے محدّث کی جگہ نبی کا لفظ لکھ دیا۔کیونکہ کثرت مکالمہ کی وجہ سے،جس کو محدّث کہا جاتا ہے،اس کو لغوی اعتبار سے نبی بھی کہہ سکتے ہیں۔اوراس لحاظ سے یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔شریعت کی اصطلاح الگ ہے۔یہاں صرف لغوی معنی مراد ہیں۔ اورمحض روایت بالمعنی کے طور پر مجدّد صاحبؒ کے مفہوم کو حضرت مسیح موعود نے دوسرے لفظوں میں بیان کیا ہے۔حضرت مجدّد صاحبؒ کے اصل کلام میں، جو ازالہ اوہام اور تحفہ بغداد میں آپ نے نقل کیا ہے، ہرگز تحریف نہیں کی۔

قرآن شریف اور توریت کا حوالہ کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی

دوسرا حوالہ یہ ہے کہ''مرزا صاحب اپنی کتاب کشتی نوح کے صفحہ 5 پر لکھتے ہیں۔''اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود

1۔کیف انتم اذانزل عیسیٰ ابن مریم فیکم من السمآء و امامکم منکم. رواہ البخاری (الاسمآء والصفات. للامام بیہقی)اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے بخاریؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔حالانکہ بخاری کی حدیث میں من السمآء کے الفاظ نہیں۔

ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی‘‘۔حبیب صاحب لکھتے ہیں کہ ’’مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ اپنے عہد طفلی سے قرآن پاک کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ گاہے گاہے غفلت سے یہ سلسلہ منقطع بھی ہوا۔ مگر بحمد للہ پھر جلد شروع ہو گیا۔ کئی ترجمے بھی میری نظر سے گزر رہے ہیں۔ لیکن کوئی آیہ کریمہ میری نظر سے ایسی نہیں گزری جس سے مرزا صاحب کے محولہ بالا قول کی تائید ہو اور غضب ہے کہ مرزا صاحب کا یہ مقولہ قرآن پاک اور دوسری کتب سماوی کے متعلق ہے جن کے بارے میں ایسی بات کہنا آسان نہیں۔ یہ لکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی تو درکنار، یہ بات ایک عام انسان کی شان کے شایان بھی نہیں ہے‘‘۔

سننے میں تو یہی آیا ہے کہ حبیب صاحب نے قرآن پاک عہد طفلی میں نہیں بلکہ **دوران تحریک خلافت** میں جیل کے اندر مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء سے ناظرہ پڑھا۔ لیکن ان کے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ وہ عہد طفلی ہی سے قرآن پاک کا مطالعہ کرتے رہے ہیں اور کئی ترجمے بھی انہوں نے دیکھے ہیں۔ لیکن اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت مرزا صاحب نے اگر کسی قرآنی آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑے گی، تو وہ استدلال ہی غلط ہے۔ اور قرآن نے ایسا بیان نہیں کیا۔ اگر آپ نے حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کو پڑھا ہوتا تو آپ کو اس استدلال کا علم ہوتا۔ اور ایسا اعتراض نہ کرتے۔ حضرت مسیح موعود کے استدلال کی بناء یہ آیت ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ. (النمل82:27)

’’اور جب بات اُن پر واقع ہو جائے گی ہم اُن کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے باتیں کرے گا، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے‘‘۔

اس آیت کریمہ میں جس **دابۃ** کے زمین سے نکلنے کا ذکر ہے، مفسرین نے بالاتفاق یہ مانا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں نکلے گا، جب مسلمانوں کی حالت بگڑ جائے گی۔ اور دس اشراط ساعت یعنی قیامت کی دس شرطوں میں بھی **دابۃ** کے نکلنے کا ذکر ہے اور اسی کو مسیح موعود کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر کہ **دابۃ** سے کیا مراد ہے، اس میں مفسرین کے اندر اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی ایک بات پر حصر کرنا مشکل ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس سے طاعونی کیڑا مراد لیا ہے۔ اور اس آیت کے یہ معنی کئے ہیں کہ ''جب لوگوں پر حجت پوری ہو جائے گی تو ہم زمین سے ان کے لئے ایک کیڑا پیدا کریں گے جو ان کو زخمی کرے گا۔ یہ اس لئے ہوگا کہ لوگ ہمارے نشانوں پر یقین نہیں کریں گے''۔

اب ایک طرف تو مسیح موعود کا آنا اور دوسری طرف ایک ایسے کیڑے کا نکلنا، جو عذاب الٰہی کے طور پر لوگوں کو کاٹتا پھرے، ثابت کرتا ہے کہ اس سے طاعون مراد ہے جو مسیح موعود کے زمانہ میں پھیلی۔ بالخصوص جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا** (بنی اسرآءیل 15:18) ''ہم عذاب نہیں بھیجا کرتے جب تک کوئی مامور نہ بھیجیں'' تو طاعون کا بطور عذاب الٰہی پھیلنا ثابت کرتا ہے کہ خدا کا کوئی مامور آ چکا ہے اور وہ حضرت مرزا صاحبؑ کے سوائے اور کوئی نہیں۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے جہاں آنے والے مسیح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: **فیرغب نبی اللّٰہ عیسٰی واصحابہ فیرسل اللّٰہ علیھم ......فی رقابھم فیصبحون فرسٰی کموت نفس واحدۃ ثم یحبط نبی اللّٰہ واصحابہ الی الارض فلا یجدون فی موضع ......الخ**۔ یعنی خدا کا نبی مسیح اور اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے۔ پس خدا لوگوں (یعنی ان کے مخالفین پر) ایک کیڑا بھیجے گا جو ان کی گردنوں میں پیدا ہوگا۔ اور لوگ یکا یک اس طرح مر جائیں گے گویا وہ ایک ہی آدمی تھے۔ پھر آخر مسیح اور اس کے ساتھی زمین میں جائیں گے۔ اور ایک بالشت بھر زمین بھی

نہیں پائیں گے جو بدبو سے بھری ہوئی نہ ہو۔

فرمایئے کیا یہ باتیں آج ہمارے سامنے واقعات کی شکل اختیار نہیں کر چکیں۔ کیا طاعون نے شہروں کے شہر اور سینکڑوں دیہات ویران نہیں کر دیئے؟ اور کئی ایسے مواقع دیکھنے میں نہیں آئے جہاں لاشیں اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ اور بدبو سے زمین بھر گئی؟ پھر یہ بھی اس کیڑے کی علامت بیان کی ہے کہ وہ گردنوں میں پیدا ہوگا۔ اور طاعون کی گلٹی اعلیٰ العموم گردن میں نکلتی رہی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ (النمل 82:27) کے جو معنی کئے ہیں۔ کہ طاعون پھیلے گی۔ اور اسے مسیح موعود کے زمانہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف میں یہ خبر موجود ہے کہ ''مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی''۔ یہ بالکل صحیح اور امر واقعہ ہے۔ حبیب صاحب کا اس کو قرآن میں تحریف قرار دینا اپنی کوتاہ فہمی اور علمی کم مائیگی کا ثبوت مہیا کرنا ہے۔

رہا توریت کا معاملہ۔ جہاں تک حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے، آپ نے توریت کا لفظ بائیبل کے بجائے استعمال کیا ہے اور بائیبل میں عہد نامہ عتیق اور جدید دونوں شامل ہیں۔ اس لئے عہد نامہ جدید میں متی کی انجیل کا چوبیسواں باب اٹھا کر پڑھیئے۔ جہاں حواریوں نے حضرت مسیح سے ان کی دوبارہ آمد کا نشان طلب کیا ہے۔ حضرت مسیح نے انہیں جواب دیا کہ ایک قوم دوسری قوم پر اور ایک سلطنت دوسری سلطنت پر چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے۔ مری پڑے گی اور زلزلے آئیں گے۔ ظاہر ہے کہ ''مری'' کے لفظ میں طاعون بھی شامل ہے اور واقعات نے ہمیں بتا دیا کہ ''مری'' سے مراد طاعون ہے۔ پس نہ صرف قرآن کریم بلکہ بائیبل سے بھی یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح موعود کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ ''قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح کے وقت طاعون پڑے گی''۔ کیا ان حوالوں کے مل جانے کے بعد حبیب صاحب اپنے اس عہد کو پورا

کریں گے۔ جو اُنہوں نے شروع میں فرمایا کہ ’’اگر یہ میری غلطی ہے تو میں ان حوالوں کا پتہ ملنے پر ادب سے مرزا صاحب کی روح اور اُن کے پیروکار حضرات سے معافی مانگ لوں گا۔ اور اظہارِ ندامت کروں گا‘‘۔

’’قرآن میں قادیان کا نام‘‘

تیسرا حوالہ آپ نے یہ دیا ہے کہ ’’مرزا صاحب کی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ 77 پر نگاہ ڈالیئے اور کتاب البشریٰ کی جلد اوّل کے حصہ دوم کا صفحہ 19 اُٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ ’’اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج ہے۔ مکہ، مدینہ اور قادیان‘‘۔

ہمیں پھر حبیب صاحب سے وہی شکایت ہے جو اس سے پیشتر بارہا مرتبہ کر چکے ہیں کہ اصل کتاب کو دیکھے بغیر اس دُم بریدہ فقرہ کو معترضین کی کتابوں سے نقل کر دیا۔ اس فقرہ کے ابتدائی الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ یہ نامکمل ہے۔ کاش! اس کو دیکھ کر انہوں نے خیال کیا ہو تا کہ یہ جو حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ’’میں نے کہا‘‘ یہ کس کو کہا ہے اور اس کا موقعہ ومحل کیا ہے۔ لیجئے میں آپ کو بتاتا ہوں آپ کے پیش کردہ فقرہ سے پہلے عبارت یوں ہے کہ:

> ’’اس جگہ مجھے یاد آیا ہے کہ جس روز وہ الہام مذکورہ بالا، جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے، ہوا تھا اُس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر بآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ **انّا انزلناہُ قریباً من القادیان** تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا۔ کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ تب

انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہوا ہے۔تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں! واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔مکہ، مدینہ اور قادیان۔ **یہ کشف تھا جو کئی سال ہوئے مجھے دکھلایا گیا تھا**''۔

دیکھا آپ نے؟ کیا بات تھی اور کیا بن گئی۔حضرت مرزا صاحب اپنا کشف بیان کر رہے ہیں اور کشف ہی میں کہتے ہیں کہ ''تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ، مدینہ اور قادیاں''۔لیکن اس جہالت اور تعصب کو دیکھئے۔کہ محض بدنام کرنے کے لئے مخالفین نے اس کو مرزا صاحب کا حقیقی کلام بنالیا اور حبیب صاحب ہیں کہ اسی پر اعتبار کر کے بڑے وثوق کے ساتھ مرزا صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور ایک عام انسان کی شان سے بھی گرانے لگ گئے۔ بلکہ یہاں تک آپ کو وثوق ہے کہ اپنی غلطی ثابت ہو جانے پر ''حضرت مرزا صاحب کی روح اور اُن کے پیروکار حضرات سے معافی'' مانگنے اور اظہار ندامت کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔غلطی تو ان کی ثابت ہو چکی۔اب اگر اپنے اقرار کو پورا نہ کریں تو کیا ہم بھی یہ کہنے کے مجاز ہوں گے کہ اُن کی ''باتیں'' ایک عام انسان کی شان کے شایان بھی نہیں ہیں؟

چوبیسواں باب

حیات و وفاتِ مسیحؑ اور حضرت مسیح موعودؑ کا کام

جماعتِ احمدیہ کے متعلق سیّد صاحب کا خیال

اپنے مضمون کی پچیسویں قسط میں حبیب صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ ''فرض کر لیجئے کہ (معاذ اللہ) وہ (حضرت مرزا صاحب) نبی تھے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مبعوث ہوئے تو انہوں نے اسلام کے لئے کیا کیا؟''۔

اس سوال کا جواب انہوں نے خود ہی دیا ہے۔ اور پھر اس پر جرح وقدح کر کے اسے بزعم خود غلط بھی ثابت کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے۔ کہ وہ ایک ایسی جماعت پیدا کر گئے ہیں۔ جو منظّم ہے، نماز گذار ہے، زکوٰۃ با قاعدہ دیتی ہے اور صالح ہے۔ تو میں عرض کروں گا۔ کہ یہ کام اتنا بڑا نہیں۔ جس کے لیے نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہو۔ زکوٰۃ تو مسلمانانِ عالم میں سے سب سے زیادہ احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ آغا خان کے مرید دیتے ہیں۔ نماز گذار ہونے میں بوہرہ جماعت کے شیعہ شاید ہر گروہ کے مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ منظّم بھی ہیں۔ اور جماعتِ احناف کے اکثر پیروں کے مریدوں میں بھی یہ خوبیاں موجود ہیں۔ رہا جماعت کا صالح ہونا، سو اس میں مجھے ذاتی تجربہ کی بناء پر کلام ہے۔ میرے احمدی بھائیوں میں سے جو بدترین ہے، شاید وہ میری ذات سے بہت بہتر ہو لیکن میرا تجربہ شاہد ہے۔

کہ عام مسلمان بلکہ عام انسان جن کمزوریوں میں مبتلاء ہیں، احمدی ان سے بالاتر نہیں ہیں۔ان میں اچھے بھی ہیں اور بُرے بھی ہیں۔ بدچلن اور نیکوکار بھی ہیں۔ دیانتدار بھی ہیں اور بددیانت بھی۔اس سے زیادہ مجھے نہ کچھ کہنا چاہئیے اور نہ کہنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام ہر شریف صوفی کر رہا ہے۔اور اکثر ان میں سے کامیاب ہیں۔اور انہیں مرزا صاحب پر یہ تفوق حاصل ہے کہ وہ عقائد میں ترمیم کئے بغیر مسلمانوں کو صالح بنا رہے ہیں‘‘۔

بوہروں اور آغا خانیوں کا کام

میں حیران ہوں کہ سیّد صاحب کی اس تحریر کو ان کی کوتاہ فہمی پر مبنی قرار دوں یا بغض وتعصب کا نتیجہ؟ اوّل تو حضرت مرزا صاحب کی طرف دعوٰی نبوّت منسوب کرنا غلط، پھر یہ کہنا کہ نیک، صالح اور منظّم جماعت پیدا کرنا کوئی کام نہیں۔اور بوہروں اور آغا خانیوں وغیرہ کی مثال دینا بغض وتعصب کا نتیجہ نہیں تو اپنی کوتاہ فہمی ہی کا ثبوت دینا ہے۔ مامورین اور مجدّدین کے آنے کی غرض اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ ایک نیک اور صالح جماعت پیدا کریں جو خدمت دین اور امر بالمعروف کا کام سرانجام دے۔اگر یہ کوئی ایسا کام نہیں جس کے لئے ایک مامور الٰہی کی ضرورت ہو تو حبیب صاحب بتائیں کہ گذشتہ تیرہ سو سال میں جس قدر مامور آئے، جو بھی مجدّد مبعوث ہوئے، انہوں نے کیا کام کیا۔ پھر یہ بھی بتا دیجئے کہ بوہرے اور آغا خانی اپنے پیروں کے آگے سربسجود ہونے کے سوائے اسلام کا کیا کام کرتے ہیں؟! وہ بیشک بہت بڑی زکوٰۃ نکالتے ہیں لیکن وہ کہاں جاتی ہے۔کیا ان مصارف پر خرچ ہوتی ہے۔ جو قرآن کریم نے زکوٰۃ کے لئے مقرر کئے ہیں؟ یا ان کے اماموں کے عیش وعشرت اور محلات کی آرائیش کے کام آتی ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو خیر اُمت کا امتیاز

خصوصی قرار دیا گیا تھا اور جس کے لئے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا تھا کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمرٰن 104:3) اس پر وہ کہاں تک عامل ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آغا خانیوں کا بیشتر حصہ ہندو قوم میں سے ہے۔ اور وہ ہندو رہ کر آغا خانی کہلاتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی انہیں کوئی خبر نہیں اور ان کا دین وایمان صرف اس ایک بات پر ختم ہو جاتا ہے کہ آغا خان راضی ہو جائیں۔ ان کو بے شک وہ ڈھیروں ڈھیر روپیہ دیتے ہیں اور نہایت تنظیم کے ساتھ یہ کام سرانجام پاتا ہے۔ لیکن اسلام کو اس سے کیا فائدہ؟

جماعت احمدیہ کی پاک زندگی

آپ کہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ میں بھی نیک و بد سب قسم کے لوگ ہیں۔ اور عام لوگ جن کمزوریوں میں مبتلاء ہیں، احمدی ان سے بالا تر نہیں۔ یہ صحیح ہے۔ اور جو شخص بھی انسان ہونے کا مدعی ہے وہ کمزوریوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس بارہ میں ہمیشہ تناسب کو دیکھنا چاہئیے۔ جماعت احمدیہ میں نیک و بد سب قسم کے لوگ بیشک ہیں۔ لیکن نیکوں کی تعداد خدا کے فضل سے غالب ہے۔ اب تک، باوجود یہ کہ حضرت مرزا صاحب کو فوت ہوئے پچیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس جماعت میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو پابندی صوم وصلوٰۃ پنجگانہ کے علاوہ تہجد گزار بھی ہیں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر خدا کے آگے گڑگڑاتے اور اسلام کی عزت اور بھلائی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اب تک اس جماعت میں ان لوگوں کی تعداد غالب ہے جو نہ صرف ہر سال باقاعدہ زکوٰۃ دیتے اور اسے ان مصارف پر خرچ کرتے ہیں جو قرآن کریم نے زکوٰۃ کے لئے مقرر کئے ہیں۔ بلکہ اپنی پاک کمائیوں میں سے ایک مقررہ رقم ہر ماہ اشاعت اسلام کے لیئے دیتے ہیں۔ اب تک وہ لوگ اس جماعت میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن

کے دلوں میں **تعظیم لامر اللّٰہ اور شفقت علٰی خلق اللّٰہ** کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اوران کا رات دن کا عمل اس جذبہ کی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین ان کی زندگیوں کا نصب العین ہے۔ اور یہ کام جس منظّم طریق پر ان کے ذریعہ سے ہر چہار اکناف عالم میں سرانجام پا رہا ہے، اس کی نظیر آج اسلامی دنیا میں نظر نہیں آتی ہے۔ اور یہ وہ کام ہے جس کا اعتراف آج ہر دوست و دشمن کو طوعًا و کرھًا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مرزا صاحبؑ کا کام

کیا یہ مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت نہیں۔ کیا یہ اسلام کا کام نہیں جو ان کے ذریعہ سے سرانجام پا رہا ہے۔ کوئی نظیر ایسی پیش کیجئے جو جماعت احمدیہ کے اس کام اور اس کے خلوص اور فدویت اسلام کو مات کرنے والی ہو۔ نیک اور بد کا سوال تو اسی سے طے ہوسکتا ہے کہ جو جماعت ایسے خلوص کے ساتھ رات دن خدمت اسلام میں مستغرق ہے، کیا وہ خود اسلام پر عامل نہیں؟ کیا اس کی نیکی اور عامل بالاسلام ہونے میں شک ہوسکتا ہے؟ اس لئے مرزا صاحب کا کام اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اس خدمت اسلام کو دیکھئے جو آپ کی بنائی ہوئی جماعت کے ذریعہ سے ہورہی ہے۔ قرآن کے انگریزی، جرمن، تامل، چینی اور دوسری زبانوں میں ترجمے شائع ہو رہے ہیں۔ کفرستانوں کے اندر مساجد بنا کر اللہ اکبر کی آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور دجال کو اسلام کی طرف لایا جارہا ہے، کیا اس کی نظیر آج عالم اسلام میں نظر آتی ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز کہیں نظر نہیں آتی تو مرزا صاحب کو مجدّد ماننے، ان کو مامور من اللہ اور مسیح موعود تسلیم کرنے میں تمہیں کیوں عار ہے۔ اور کیوں اس پاک انسان کے مذہب کو اس کے ہی اعمال سے نہیں جانچتے؟

حیاتِ ووفاتِ مسیحؑ کا مسئلہ

حبیب صاحب نے اپنے سوال کا ایک اور بھی جواب دیا ہے کہ ’’اگر یہ کہا جائے کہ

مرزا صاحب نے حیاتِ مسیحؑ کے مسئلہ کو واضح کر دیا تو میں عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ مرزا صاحب سے پہلے بھی زیر بحث تھا۔ اور جس طرح مسلمانوں میں متعدد مسائل کے متعلق اختلاف رائے، جس کو ضمنی اور فروعی کہنا چاہیئے، موجود ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ کے متعلق بھی اختلاف رائے عرصہ سے موجود ہے۔ یہ مسئلہ اتنی بڑی اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کے لئے نبی مبعوث ہوتا''۔

ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ مرزا صاحب حیات ووفات مسیحؑ کے مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے نبی ہو کر آئے ہیں۔ یہ بھی ہمیں مسلم ہے کہ یہ مسئلہ اس سے پیشتر بھی امت کے مختلف فیہ مسائل میں سے رہا ہے۔

حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ عیسائیت کے لئے موجب تقویّت ہے

لیکن یہ کہنا، کہ یہ مسئلہ کوئی اتنی بڑی اہمیت نہیں رکھتا، صحیح نہیں۔ آج عیسائیت اور اسلام کی باہمی آویزش نے اس مسئلہ کو جتنی بڑی اہمیت دے دی ہے، وہ دوسرے مختلف فیہ مسائل میں سے کسی مسئلے کو شاید کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔ آج عیسائیوں کی طرف سے یہی ایک بات اسلام کے خلاف بطور ایک حجت ملزمہ کے پیش کی جاتی ہے کہ مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو افضل الانبیاء تھے، وہ فوت ہو گئے۔ تمام دوسرے انبیاءؑ اور خود ختم المرسلین کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کا جو طریق اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے اختیار کر رکھا تھا، وہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ نہیں رہا۔ دوسرے انبیاء کو دشمنوں سے اذیتیں بھی پہنچیں۔ دکھ بھی اٹھانے پڑے۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور اسی دنیا میں دشمنوں کا مقابلہ کر کے آپ غالب اور فتح یاب ہوئے۔ لیکن مسیح علیہ السلام کو ایک سوئی جتنی تکلیف بھی پہنچنا اللہ تعالیٰ نے گوارا نہ کیا اور اپنی سنت مستمرہ کے خلاف چھت پھاڑ کر انہیں آسمان پر لے گیا۔ جہاں دو ہزار سال سے وہ **الآن کما کان** زندہ

بیٹھے ہیں اور آخری زمانہ میں اس رسول مقبولؐ کی امت کی اصلاح کے لئے آئیں گے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا فیضان قیامت تک جاری ہے۔

سنّتِ مستمرّہ اور وفاتِ مسیحؑ

سیّد صاحب سنت مستمرہ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ اور ان کا یہ جواب ہے۔ جس کو انہوں نے مختلف مثالوں سے اپنی کتاب کے سات صفحوں پر واضح کیا ہے کہ خدا کے قانون اور سنت پر کسی کو احاطہ نہیں اور نہ ہماری عقلیں اس کے افعال کی کہنہ کو سمجھ سکتی ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن سنت مستمرہ سے ہماری مراد روزمرہ کے مشاہدات نہیں بلکہ ہم اس قانون کو سنتِ مستمرہ کے نام سے پکارتے ہیں جس کو قرآن کریم نے صاف اور صریح لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ اس لئے نسلِ انسانی کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا کہ **فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ وَفِیۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ** (الاعراف 25:7) اسی میں تم زندہ ہو گے۔ اسی میں مرو گے اور اسی سے نکلو گے۔ یہاں **فِیۡهَا تَحۡیَوۡنَ** میں کوئی استثناء نہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ کوئی آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ رہ سکتا ہے۔ پھر رسولوں کے متعلق اس نے فرمادیا۔ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ** (اٰل عمرٰن 144:3) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اس کے نہیں کہ ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی جو رسول تھے، وہ فوت ہو چکے۔ اس آیت کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرامؓ کے کھلے مجمع میں پڑھ کر بتادیا کہ خلت کے معنی وفات پانے کے ہی ہیں اور کہ حضرت عیسٰی بھی فوت ہو چکے ہیں۔ ورنہ کوئی تو صحابیؓ اٹھ کر کہتے کہ حضرت عیسٰی تو فوت نہیں ہوئے۔ وہ تو خَلَتۡ میں داخل نہیں۔ کیونکہ رسول کا لفظ عام ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں۔ اگر عیسٰیؑ رسول ہیں تو یقیناً وہ بھی قَدۡ خَلَتۡ میں داخل ہیں اور انہیں زندہ ماننا صحیح نہیں۔ یہ وہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے جس کو دنیا کا کوئی مشاہدہ کوئی استثنائی واقعہ

کوئی صنعت نادرہ اور کوئی بلند پرواز سے بلند پرواز ہوائی جہاز بھی بدل نہیں سکتا اور نہ حضرت عیسٰی کا آسمان پر جانا ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قرآن نے رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ (النّسآء4:158) کہہ کر بتا دیا ہے کہ وہ آسمان پر نہیں بلکہ خدا کی طرف اٹھائے گئے۔ اگر خدا تعالیٰ آسمانوں پر بیٹھا ہے تو مان لیجئے کہ حضرت عیسٰیؑ بھی وہیں ہوں گے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کا یہ عقیدہ یہ ہے کہ اس کا کوئی جسم نہیں، نہ کوئی مکان بلکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو حضرت عیسٰیؑ کو بھی یا تو خدا کی طرح حاضر و ناظر مانیئے۔ یا ان کی وفات کا اقرار کر کے ان کے رفع روحانی کو تسلیم کیجئے۔

عیسائیت کا حملہ اسلام پر

ہم نے کہا کہ یہ مسئلہ آج ایسی اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ اسے فروعی اور مختلف فیہ مسئلہ ہونے کی وجہ سے استخفاف کی نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ آج عیسائی اقوام کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف یہی ایک تلوار ہے جو مسلمانوں کو کاٹتی چلی جا رہی ہے۔ عیسائی کتابوں اور رسالوں کو اٹھا کر دیکھئے۔ ان کے اشتہارات کو پڑھیئے۔ ان کی تقاریر اور لیکچروں کو سن لیجئے۔ ایک ہی بات اسلام کے خلاف ایک زبردست ہتھیار کا کام دے رہی۔ جس کے خاطر خواہ نتائج بھی انہیں مل چکے ہیں کہ قرآن جب کہتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ جس سے ثابت ہے کہ تمام رسولؑ فوت ہو چکے اور دوسری طرف مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ رسولوںؑ میں سے نہیں۔ بلکہ رسولوںؑ سے بڑھ کر حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر قرآن رسولوں کے متعلق کہتا ہے۔ وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِيۡنَ. (الانبیآء 21:8) ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ ان پر تغیر وارد ہو۔ تو چونکہ مسیح علیہ السلام دو ہزار سال سے آسان پر الآن کما کان زندہ موجود ہیں۔ کوئی کھانا نہیں کھاتے۔ نہ ان پر تغیر

وارد ہوتا ہے۔اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ رسولوں میں سے نہیں کہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اس کے جواب میں سیّد حبیب یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ آسمانوں پر انہیں کھانا دے۔ یہ صحیح ہے لیکن جسم پر تغیر وارد نہ ہونے کی آپ کیا تاویل کریں گے؟ اگر آپ کہیں کہ تغیر بھی وارد ہوتا ہے تو دو ہزار سال میں تو **مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ** (جسے ہم لمبی عمر دیتے ہیں اسے بناوٹ میں اوندھا کر دیتے ہیں) سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔اور پھر وہ کام جو دجال کے عظیم الشان فتنہ کو پاش پاش کرنے اور امّت محمدؐیہ کو اس سے بچانے کا کام ان کے سپرد کر رکھا ہے۔وہ خاتم النبیّین کے فیض روحانی کو ناقص ٹھہراتا اور آپؐ کی نبوّت کا انقطاع کرنے والا ہے۔آپ مرزا صاحب کے مفروضہ دعوٰئ نبوّت کی تردید کے درپے ہیں۔ پہلے مسیحؑ کی آمد ثانی کے عقیدہ کو تو صاف کیجئے کہ اس سے بھی مُہر ختم نبوّت ٹوٹتی ہے یا نہیں؟

وفاتِ مسیحؑ کے ہتھیار سے مسیح موعودؑ کا عظیم الشان کارنامہ

یہ وہ اعتراضات ہیں جو عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں پر کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ جب کبھی دوسرے مسلمانوں کو ایسے اعتراضات سے سابقہ پڑا، احمدی جماعت ہی کی پناہ انہیں ڈھونڈنی پڑی۔اور اس جماعت کا نام سنتے ہی عیسائی ایسے دم بخود ہوئے کہ فیصلہ کر لیا کہ احمدیوں سے بحث نہ کریں گے۔عیسائیوں کے ان اعتراضات نے سینکڑوں اسلامی گھروں کو تباہ کر کے عیسائی مشنوں کو آباد کیا۔کئی سیّد اور مولوی عیسائیت کی نذر ہو گئے۔اور یہ فتنہ خدا جانے کہاں تک پہنچ چکا ہوتا اگر حضرت مرزا صاحب کھڑے ہو کر وفات مسیحؑ کا اعلان نہ کر دیتے۔ بیشک اس سے پیشتر سر سیّد احمد خان نے بھی اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔لیکن قرآن کریم سے دلائل کے ساتھ حضرت مرزا صاحب نے اس کو ثابت کیا اور دنیا میں اس کو پھیلایا اور عیسائیت کی زہریلی کچلیوں کو اس مسئلہ کے ذریعے توڑا۔

یہ اس بات کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ یہ مسئلہ فروعی ہونے کے باوجود بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی اہمیت کو سمجھ کر اس پر ایسا زور دیا کہ دنیاء اسلام ایک نہایت عظیم الشان فتنہ سے بچ گئی۔ کیا یہ مسیحیت نہیں؟ یہی وہ بات ہے جس کو حضرت مرزا صاحب نے ان دو مصرعوں میں واضح کیا ہے۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند(1)

یہی وہ حضرت مرزا صاحب کا کام ہے جس سے آج دنیائے اسلام گونج رہی ہے۔ حبیب صاحب کا اسے مختلف فیہ مسئلہ کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنا کسی طرح روا نہیں۔

1۔ چونکہ مجھے عیسائی قوم کے لئے ایک نور دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے میرا نام ابن مریم رکھا گیا۔

پچیسواں باب

مسئلۂ جہاد اور حضرت مسیح موعودؑ

سیّد حبیب کی سترھویں دلیل

احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی سترھویں دلیل، جو سیّد حبیب نے پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ ''انہوں نے (حضرت مرزا صاحب نے) کوئی کام ایسا نہیں کیا جو ان کے ادعائے نبوّت کو ضروری یا مسلمانوں کے لئے مفید ثابت کرے''۔

اس دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے سیّد صاحب نے مسئلہ جہاد پر بحث کی ہے۔ اور شروع میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ''مرزا صاحب کے مریدان کے اس فعل کو اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں کہ انہوں نے سیالکوٹ میں اپنا مشہور لیکچر دیتے ہوئے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وسیلہ سے قرآن کی آیات جہاد کی تنسیخ کا حکم بھیجا۔ لیکن میں ثابت کروں گا کہ مرزا صاحب نے یہ اعلان کر کے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت نہیں کی بلکہ الٹا نقصان پہنچایا۔ اس لئے کہ میری ناقص رائے میں مرزا صاحب نے آیاتِ جہاد کا کافی غور وتعمق سے مطالعہ نہیں فرمایا، ورنہ وہ کبھی تنسیخِ جہاد کا اعلان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے''۔

آیاتِ جہاد کی تنسیخ کا الزام غلط ہے

کتاب ''لیکچر سیالکوٹ'' ہمارے سامنے ہے۔ اس کو شروع سے آخر تک ہم نے دیکھا۔ لیکن باوجود تلاشِ بسیار کے کہیں یہ نظر نہ آیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ اعلان کیا ہو کہ ''اللہ تعالیٰ نے ان کے وسیلہ سے قرآن کی آیاتِ جہاد کی تنسیخ کا حکم بھیجا''۔ ہم حبیب صاحب

کو چیلنج کرتے ہیں کہ سارے ''لیکچر سیالکوٹ'' میں سے یہ فقرہ ہمیں دکھا کر اپنی راست بیانی کا ثبوت دیں، ورنہ اپنے اقرار کے مطابق اس غلط الزام کو واپس لے کر حضرت ''مرزا صاحب کی روح اور ان کے پیروکار حضرات سے معافی'' مانگیں اور ''اظہارِ ندامت'' کریں۔

حبیب صاحب نے لوگوں کے سنے سنائے ''لیکچر سیالکوٹ'' کے ایک فقرہ کو جہاد کے متعلق آیات قرآنی کی منسوخی کا اعلان بنا کر پیش کر دیا۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے جہاد کے متعلق آیات قرآنی کی تنسیخ کا کبھی اعلان نہیں کیا۔ وہ فقرہ، جس کے متعلق غلط بیانی کی گئی ہے، حسب ذیل ہے:

''ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کے رنگ اور صفت میں اس راقم کو مبعوث فرمایا۔ اور میرے زمانہ میں رسم جہاد کو اٹھا دیا۔ جیسا کہ پہلے سے خبر دی گئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد کو موقوف کر دیا جائے گا''۔

کیا اس میں قرآن کریم کی کسی آیت کی تنسیخ کا اعلان ہے۔ معاذ اللہ۔ حضرت مرزا صاحب اور قرآن کی آیات کی تنسیخ؟! وہ تو قرآن کریم کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ کو ہمیشہ کے لئے واجب العمل مانتے اور مولویوں کے بنائے ہوئے عقیدۂ ناسخ و منسوخ کو قطعی طور پر ردّ کرتے ہیں۔ اور اب یہ عقیدہ کم از کم جماعت احمدیہ میں پھر کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں ناسخ و منسوخ تو مولویوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ جو تعجب ہے سیّد حبیب نے حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر دیں۔ اور جس جگہ کا حوالہ دیا، وہاں آیات قرآنی کی تنسیخ کا ذکر تک نہیں۔

جہاد کی حقیقت اور سیّد حبیب

ہاں! اس میں شک نہیں کہ جہاد کے موقوف کئے جانے کا ذکر ضرور ہے۔ لیکن اس سے

کیا جہاد بالسیف مراد ہے یا مطلق جہاد۔ ہر شخص، جس کو حضرت مرزا صاحب کی تحریروں پر عبور حاصل ہے، اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آپ نے مطلق جہاد کو موقوف نہیں کیا بلکہ جہاد بالسیف کو''موقوف'' قرار دیا ہے۔ لیکن سیّد حبیب نے اس سے مطلق جہاد مراد لے کر خود جہاد کی تعریف اور اس کی حقیقت کو بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور اصولاً وہی باتیں لکھی ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے اصولِ جنگ اور جہاد بالسیف کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

1۔ مسلمان مذہبًا نہ کسی کا دوست اور نہ دشمن بننے پر مجبور ہے۔

2۔ مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ شرافت سے اپنے مذہب کو دنیا کے روبرو پیش کرے اور اس کی تائید میں دلائل پیش کرے۔

3۔ اگر کوئی غیر مسلمان سے بحث کرے تو مسلمان کا فرض ہے کہ اس سے نہایت ہی عمدہ طریق پر بحث و مباحثہ کرے۔

4۔ جو لوگ مسلمان بننا گوارا نہ کریں، مسلمان صاحبِ ہمت وقوت ہوتے ہوئے بھی مجبور ہے کہ ان پر جبر نہ کرے۔ بلکہ انہیں ان کے دین پر رہنے دیں۔

5۔ اگر غیر مسلم کسی مجلس میں یا کسی موقعہ پر شعارِ اسلام کا مضحکہ اڑا رہے ہوں تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان سے ہرگز نہ الجھے بلکہ وقار و تمکنت کے ساتھ ان کے پاس سے گذر جائے۔

6۔ مسلمان کو ہرگز اجازت نہیں کہ وہ کسی کے معبودوں کو برا کہے اور یوں انہیں اپنے شعارِ دین کے خلاف غیر مؤدبانہ الفاظ کے استعمال کا موقعہ دے۔

7۔ لیکن اس کے باوجود اگر غیر مسلم فرد یا قوم یا حکومت مسلمانوں کے حقِ

تبلیغ کو چھینے۔ اور ان پر ظلم کرے تو مسلمان کو اجازت ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ذیل کے وسائل اختیار کرے۔

الف۔ استطاعت ہو تو جہاد بالسیف کرے۔

ب۔ یہ ممکن نہ ہو تو ہجرت کر جائے۔

ج۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو عدم تعاون کرے۔

8۔ اگر کوئی مسلمان ہجرت یا جہاد کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اور دشمنِ اسلام سے عدم تعاون بھی نہ کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ وہ بالفاظ قرآن حکیم دشمنوں میں سمجھا جائے گا۔

9۔ اگر واقعی عدم تعاون کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو خدا اس کو معاف کرنے والا ہے۔

10۔ اگر جہاد کرے تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دشمن پر اس سے زیادہ سختی نہ کرے جتنی کہ اس سے کی گئی ہو۔

11۔ اگر جنگ عام ہو جائے تو فتنہ کے اٹھنے تک مسلمان لڑنے پر مجبور ہو جائے۔

جہاد کی حقیقت اور حضرت مسیح موعودؑ

یہ مذکورہ بیان سیّد حبیب کا ہے۔ اب حضرت مرزا صاحب کا ارشاد سن لیجئے جو آپ کے رسالہ ''جہاد'' میں سے ملخّصًا مختلف مقامات سے آپ ہی کے الفاظ میں لیا گیا ہے:

''جاننا چاہئیے کہ جہاد کا لفظ جہد کے لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں

کوشش کرنا۔ اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا''۔

''یاد رہے کہ مسئلۂ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے، جو مولوی کہلاتے ہیں، سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں، ہرگز وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ لوگ اپنے پُر جوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بنا دیں۔ اور انسانیت کی تمام پاک خوبیوں سے بے نصیب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ جس قدر ایسے ناحق خون، ان نادان اور نفسانی انسانوں سے ہوتے ہیں، کہ جو اس راز سے بے خبر ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑائیوں کی ضرورت پڑی تھی، ان سب کا خون مولویوں کی گردن پر ہے''۔

''جو شخص آنکھیں رکھتا ہے اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے، وہ بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد، جس پر اِس زمانہ کے اکثر وحشی کار بند ہو رہے ہیں، یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔''

''نادانوں نے جہاد کا نام سن لیا ہے۔ اور پھر اس بہانہ سے اپنے نفسانی اغراض کو پورا کرنا چاہا ہے۔ محض دیوانگی کے طور پر مرتکب خونریزی کے ہوئے ہیں۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو اسلام نے خدائی حکم سے تلوار اٹھائی، وہ اس وقت اٹھائی گئی کہ جب بہت سے مسلمان کافروں کی تلواروں سے قبروں میں پہنچ گئے۔ آخر خدا کی غیرت نے چاہا کہ جو لوگ تلواروں سے ہلاک کرتے ہیں، وہ

تلواروں سے ہی مارے جائیں۔ خدا بڑا رحیم اور کریم اور حلیم ہے اور بڑا برداشت کرنے والا ہے لیکن آخر کار راستبازوں کے لئے غیرت بھی رکھتا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ جبکہ اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا، تو وہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ کیوں ان کے مولوی ان بے جا حرکتوں سے، جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے، ان کو منع نہیں کرتے''۔

''دیکھو۔ میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ **اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے**۔ اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو، جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ **یضع الحرب** یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا''۔

''بالآخر یاد رہے کہ اگرچہ ہم نے اس اشتہار میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے کہ یہ موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں، یہ شرعی جہاد نہیں ہے بلکہ صریح خدا اور رسولؐ کے حکم کی مخالفت اور معصیت ہے......''۔ (ملاحظہ ہو رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد)

حضرت مرزا صاحبؑ کی تردید سیّد صاحب کے اپنے بیان کی تردید ہے

ان دونوں بیانات میں سے کونسی ایسی بات ہے جس میں اصولاً اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور سیّد صاحب نے کیا سمجھ کر جہاد کا مسئلہ چھیڑا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جہاد کی جو حقیقت

جناب سیّد حبیب نے بیان کی ہے، وہ حضرت مرزا صاحب کی بیان کردہ حقیقت سے اصولاً مختلف ہے۔ بلکہ حضرت مرزا صاحب نے تو نہایت صفائی سے کھول کر بتا دیا ہے کہ:

1۔ جہاد کا لفظ **جہد** سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں کوشش کرنا۔

2۔ جہاد کا لفظ دینی لڑائیوں پر مجاز کے طور پر بولا گیا ہے۔

3۔ مسلمان مولویوں نے جہاد کے جو معنی سمجھ رکھے ہیں، کہ کفار پر خواہ مخواہ تلوار اٹھا کر انہیں تہ تیغ کیا جائے، یہ صحیح نہیں۔ نہ غیر مذاہب والوں پر حملہ کر کے انہیں مارنا شرعی جہاد ہے۔

4۔ ابتدائے اسلام میں کافروں کے خلاف تلوار اس وقت اٹھائی گئی جب ان کی تلواروں سے بہت سے مسلمان قبروں میں پہنچ گئے۔

5۔ آج کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لیے قتل نہیں کرتا۔ اس لئے جہاد بالسیف جائز نہیں۔

6۔ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے، **مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔**

7۔ حدیث میں مسیح موعود کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔

کیا یہ وہی باتیں نہیں، جو سیّد حبیب نے منقولہ بالا فقرات میں بیان کی ہیں۔ پھر وہ تردید کس چیز کی کرنے بیٹھے ہیں؟ اپنی طرف سے فرضی مقدمات بنا کر ان پر یہ عمارت کھڑی کرتے جانا (کہ پہلے حکموں کی ترمیم یا تنسیخ کے لئے جو نبی آتا ہے، وہ اپنے ساتھ علیحدہ

کتاب لاتا ہے۔ اور مرزا صاحب کوئی کتاب نہیں لائے۔ نہ ہی قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کے لئے کوئی نبی اب آ سکتا ہے، اس لئے مرزا صاحب نے جہاد کی آیات کو منسوخ کرنے کے لئے جو دعوٰی نبوّت کیا وہ صحیح نہیں) سیّد صاحب ہی کے کمالات میں سے ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ سب فرضی باتیں ہیں۔ نہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا دعوٰی کیا اور نہ جہاد کی آیات کو منسوخ کیا۔ بلکہ جہاد کے معنی اور اس کی حقیقت بیان کر کے کفار کے خلاف جوش نفس اور بے جا کشت وخون کو دین کی طرف منسوب کرنے سے روکا۔ اور اس حقیقی جہاد کی طرف توجہ دلائی جو نفسوں کی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی سیّد حبیب کا مذہب ہے۔ پھر میں حیران ہوں کہ اس پر اس قدر صفحات، جو انہوں نے سیاہ کئے، تو کیوں؟ اگر مرزا صاحب کو بدنام کرنا تھا تو اس کی راہ دوسری تھی۔ اس راہ سے، جو انہوں نے اختیار کی ہے، مرزا صاحب کی تائید ہوتی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ انہیں سمجھانے کے لئے ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور ان کے اپنے ہی بیان سے حضرت مرزا صاحب کی تائید ہوگئی۔

اسلام میں جہاد بالسیف کی شرائط

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جہاد بالسیف کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں، ان میں سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ دشمن کے حملہ کے جواب میں مدافعت سے کام لیا جائے۔ **قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ** (البقرۃ2:190) ''اللہ کے رستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔'' یہ نہیں کہا کہ خواہ مخواہ کافروں کو قتل کرتے پھرو۔ پس ایسی حالت میں کہ آج دشمن کا کوئی حملہ تلوار کے ساتھ مسلمانوں پر نہیں، ان کو دین کے پھیلانے یا اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے سے جبرًا روکا نہیں جاتا۔ جہاد بالسیف کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اسی بات کو آپ نے اس چھوٹے سے فقرہ میں بیان کیا **وجوہ الجهاد معدومة فی هٰذا الزمن وهذهِ البلاد** یعنی

جہاد کے شرائط اس زمانہ اور اس ملک میں مفقود ہیں۔

جہادِ کبیر اور حضرت مرزا صاحب

اس کے بالمقابل سب سے بڑا جہاد، جس کا قرآن نے حکم دیا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کو دنیا میں پھیلایا جائے۔قرآن کریم فرماتا ہے **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا**. (الفرقان 52:25) اس قرآن کے ساتھ ان سے بڑا جہاد کرو۔ یہ وہ حقیقی جہاد ہے جس کی طرف اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے لوگوں کو بلایا اور قرآن کی اشاعت کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی۔آج آپ کی جماعت اس جہاد کبیر میں منہمک ہے جس کی تفصیل اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ افسوس ہے کہ اس سے لوگوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور جہاد کو منسوخ کر دینے کا غلط الزام لگا کر خواہ مخواہ بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے جس جہاد سے منع کیا ہے وہ نہ تو آج سیّد حبیب کے نزدیک جائز ہے اور نہ دنیائے اسلام میں سے آج کسی کا اس پر عمل ہے۔

زبان سے ''جہاد''۔''جہاد'' پکارتے ہیں لیکن ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا جہاد ہے جو آج مسلمان کر رہے ہیں؟! سیّد حبیب نے بھی جہاد کی جو حقیقت بیان کی ہے اس میں صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر طرح شرافت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ دین کا مضحکہ بھی اڑائیں تو ان سے اُلجھنا نہ چاہیئے۔ ہاں! اگر ان کی طرف سے جبر ہو تو پھر جہاد بالسیف یا ہجرت یا عدم تعاون کرنا ضروری ہے۔لیکن یہ نہ بتایا کہ جبر نہ ہونے کی حالت میں جب جہاد بالسیف کی ضرورت نہ رہے تو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ایک مسلمان کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شرافت کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہے اور غیر مسلموں کا دین پر مضحکہ دیکھ کر بھی خاموش ہی رہے؟ کم از کم اسلام اس کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام جس بات کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں دین اسلام پر مضحکہ

اڑایا جاتا ہو وہاں نہایت وقار کے ساتھ غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے علاوہ بھی مسلمان قوم کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے۔ **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (آل عمران 110:3) ''تم بہترین قوم ہو جسے لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا۔ نیکی کا تم حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہو۔'' یہ کوئی ایسا کام نہیں جو علماء ہی کے لئے مخصوص ہو۔ وہ تو خود اس سے بہت دور جا چکے ہیں۔ جن لوگوں کا اپنا نمونہ اور کیرکٹر اچھا نہیں، جو سوائے آپس میں لڑنے بھڑنے اور کفر کے فتوے دینے کے اور کچھ نہیں جانتے، ان سے ایسی بھلائی کی کیا اُمید؟ وہ اگر تنخواہ لے کر بھی اس کام کو کریں تو ہرگز فائدہ اور برکت نہیں ہو سکتی، جب تک اپنا عملی نمونہ درست نہ کریں اور کفر بازی کو نہ چھوڑیں۔

لیکن علماء پر ہی کیا موقوف ہے۔ سب مسلمان اس حکم کے مخاطب ہیں۔ اور اسی حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ جنگ سے واپس آ کر فرمایا **رجعلنا من جهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر** ''جہاد اصغر سے ہم جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں''۔ وہ کونسا جہاد اکبر تھا۔ وہ یہی قرآن کا پھیلانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی جہادِ اکبر کی طرف مسلمانوں کو بلایا۔ کیا کوئی ہے کہ اس دعوت کو سن کر اور مامور من اللہ کے ساتھ ہو کر اس جہاد میں حصہ لے؟ فرداً فرداً یہ کام نہیں ہو سکتا۔ نہ کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی جہاد کا حکم دیا۔ جماعت کے ساتھ مل کر ایک نظام کے ماتحت جہاد کرنے میں جو فوائد مضمر ہیں، وہ اپنی اپنی جگہ کام کرنے میں حاصل نہیں ہو سکتے۔

حضرت مرزا صاحب کا عظیم الشان کام

پس بے فائدہ اتہام نہ لگاؤ کہ مرزا صاحب نے جہاد سے روکا ہے یا آیاتِ قرآن کو

منسوخ کیا ہے۔ کسی آیت کو حضرت مرزا صاحبؑ نے منسوخ نہیں کیا۔ نہ جہاد سے روکا بلکہ جہاد کو عملاً جاری کر دیا۔ اور ایک ایسے وقت میں، جب قوم کے سامنے زندگی کا کوئی پروگرام نہیں، کوئی نصب العین نہیں جو انہیں شاہراہ ترقی کی طرف لے جا سکے، انہیں ایسے کام میں لگایا جو دنیا میں بھی ان کے لئے فائدہ کا موجب ہے اور عاقبت میں بھی۔ تمام سیاسی پروگرام، جو مسلمانوں کی قوت کو بڑھانے کے لئے بنائے جاتے ہیں، اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اشاعت اسلام کے کام میں لگ جاؤ۔ اس جہاد کو اپنا فرض اولین سمجھو اور پھر دیکھو کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (القرآن 139:3) کا وعدہ ربانی اپنی پوری شان کے ساتھ پورا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا سیّد حبیب کے نزدیک یہ کوئی کام نہیں جو مرزا صاحب نے کیا؟ تصویر کے ایک ہی پہلو کو مت دیکھو۔ اگر خلوص نیت کے ساتھ تحقیق حق مطلوب ہے تو غور کر کے دیکھ لو کہ جہاد اصغر سے اگر مرزا صاحب نے روکا، جس کو تم بھی مانتے ہو کہ آج کوئی ضرورت نہیں، تو جہاد اکبر میں قوم کو لگا کر اس کی قوت عمل کو ضائع ہونے سے بچایا جس سے ایسے نیک اور شاندار نتائج پیدا ہو رہے ہیں جو مسلمانوں کی قوّت اور عزت کو بڑھانے کا موجب ہیں۔ آپ نے ایک صالح اور کام کرنے والی جماعت پیدا کر کے اور وفات مسیحؑ جیسے فروعی مسئلہ سے عیسائیت کو شکست دے کر اور اسلام کو اس کے خطرناک حملوں سے بچا کر بتا دیا کہ جس مشن کو آپ لے کر آئے ہیں وہ کوئی بے فائدہ چیز نہیں۔ بلکہ دنیائے اسلام کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ یہ وہ کام ہے جو مرزا صاحب نے کیا جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کا دل ہو اس پر غور کرے۔

سیّد حبیب کی اٹھارویں دلیل

احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی اٹھارویں دلیل سیّد صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ ’’مرزا صاحب نے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا‘‘۔ اس دلیل کی وضاحت ان

شاندار الفاظ میں کی گئی ہے!''مرزا صاحب نے تنسیخ جہاد کا ایک اعلان کر کے مسلمانوں کی خودداری کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ ان کی روایات کو تباہ کرنے کی سعی کی اور ان کی ہمت کی رگِ جان تک کو مسل دیا۔ لہٰذا انہوں نے تنسیخ جہاد کا اعلان کر کے ملت مرحومہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا''۔

کیا حضرت مرزا صاحبؑ نے قوم کو نقصان پہنچایا؟

حیرت ہے کہ اسی تنسیخ جہاد کے خود بھی قائل ہیں جس کا الزام حضرت مرزا صاحب پر ہے۔ خود بھی موجودہ حالات میں جہاد بالسیف کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس پر کسی کا عمل ہے۔ لیکن اگر مرزا صاحب نے کہہ دیا کہ یہ حالات اس بات کے متقاضی نہیں کہ تم تلوار کا جہاد کرو تو اس سے مسلمانوں کی خودداری بھی مٹ گئی، ان کی روایات بھی تباہ ہوگئیں اور ان کی رگ جان تک مسل دی گئی! کیوں صاحب؟ حضرت مرزا صاحب نے کب آپ کو مجبور کیا تھا کہ اپنی خودداری کو مٹائیے اور روایات کو تباہ کیجئے۔ بسم اللہ کریں اور تلوار ہاتھ میں لے کر اٹھیں اور اپنی خودداری اور روایات کا نمونہ دنیا کو دکھائیں۔ زبانی باتیں کرنے سے تو کچھ نہ ہوگا جب تک عمل دنیا کے سامنے نہ ہو۔ خود تو آپ بھی وہی کہتے ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے کہا۔ کیا اس سے خودداری نہیں مٹتی اور روایات تباہ نہیں ہوتیں؟ ہاں! بے شک ہوتی ہیں۔ کیونکہ تم نے محض جہاد کی عدم ضرورت کو ثابت کیا ہے اور اس کے بالمقابل کوئی کام کا پروگرام مسلمانوں کے سامنے نہیں رکھا۔ بلکہ غیر مسلموں کے مضحکہ پر بھی خاموش رہنے کی تلقین کی۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کا یہ طریق نہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہ جہاد بالسیف سے روکا اور موجودہ حالات میں اس کی عدم ضرورت کو ثابت کر دیا ہے بلکہ جہاد بالعمل، جہاد بالمال اور جہاد بالقلم کی طرف بلایا اور ایک جماعت کو اس پر لگا دیا۔ کیا یہ مسلمانوں کی خودداری کو

مٹانے والی اور اُن کی روایات کو تباہ کرنے والی چیزیں ہیں؟ کیا اس جہادِ اکبر پر عامل ہونے سے ان کی رگِ جان مسلی جاتی ہے؟ نہیں، بلکہ یہ تو قوم کو زندہ کرنے، اس کی خودداری کو بڑھانے، اس کی روایات تازہ کرنے اور دنیا کی زندہ اقوام کے دوش بدوش اسے کھڑا کرنے والی چیزیں ہیں۔ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جو شخص یہ کہے کہ ''مرزا صاحب نے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا'' اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔

کیا جہاد بالسیّف نہ ہونے سے طاقت نہیں رہ سکتی؟

سیّد صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طاقت مضبوط رکھنے اور دشمن کے مقابلہ میں تیار رہنے کا حکم ہے۔اور کہ اگر منسوخیٔ جہاد کے حکم کو دنیا جہان کے لئے سمجھا جائے تو تُرک اور دیگر اسلامی اقوام کس طرح زندہ رہ سکتی ہیں؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اپنی طاقت کو بڑھانے سے تو حضرت مرزا صاحب نے بھی منع نہیں فرمایا۔صرف دین کی خاطر تلوار چلانے سے منع کیا ہے کہ آج تلوار کا زمانہ نہیں، نہ کوئی دین پر عمل کرنے سے روکتا ہے۔اگر اس سے مسلمانوں کی طاقت بحال نہیں رہ سکتی تو کیا خواہ مخواہ دوسروں کو تہہ تیغ کرتے رہنے سے طاقت قائم رہ سکتی ہے؟ کم از کم اس کے قائل تو سیّد حبیب بھی نہیں۔ طاقت کو اگر بحال رکھنا ہو تو اس جہاد کبیر کو اختیار کیجئے جس کی طرف حضرت مرزا صاحب نے دعوت دی ہے۔ اس غیرت کو اپنے اندر پیدا کیجئے جو غیروں کے مضحکہ پر خاموش نہ رہنے دے بلکہ معقولیت کے ساتھ ان کا جواب دینے کی ہمت پیدا کرے۔ رہا ترکوں وغیرہ اسلامی اقوام کا معاملہ۔سو اول تو ان کی جنگیں دینی جنگیں نہیں ملکی جنگیں ہیں۔ اس کے علاوہ وہ غیروں کے حملہ کے جواب میں بطورِ مدافعت کی جاتی ہے اور مدافعت کی لڑائی سے کسی وقت بھی کسی کو روکا نہیں جا سکتا۔تیسری بات، جو اس بارہ میں یاد رکھنے کے لائق ہے، وہ یہ ہے کہ ''تحفہ گولڑویہ'' کے آخر

میں جو جہاد کی منسوخی کا فتویٰ ہے، اس میں صاف لکھا ہے کہ **وجوہ الجهاد معدومة فی هٰذا الزمن وهٰذه البلاد** ۔ جہاد کی شرائط اس زمانہ اور اس ملک میں نہیں پائی جاتیں ۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک جہاد بالسیف مشروط ہے ۔ جب اس کی شرائط پائی جائیں تو ہوسکتا ہے ورنہ نہیں ۔ آج چونکہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لئے جہاد بالسیف بھی ممنوع ہے اگر شرائط پھر کسی وقت پیدا ہو جائیں تو جہاد بالسیف بھی ممنوع نہ ہوگا ۔ اور **فی هٰذه البلاد** نے یہ بھی ثابت کردیا کہ تُرک وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں ۔ اور یہ فتویٰ صرف ہندوستان کے لئے مخصوص ہے، جہاں انگریزی حکومت نے دین کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے ۔ ان حالات میں کون انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ تنسیخ جہاد کا فتویٰ مسلمانوں کی خودداری کو برباد کرنے اور ان کی روایات کو مٹانے والا ہے ۔ روایات کو زندہ کرنا اور خودداری کو قائم رکھنا ہے تو آؤ ۔ اس جماعت کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو اپنی ہمت مردانہ سے اسلامی خودداری برقرار اور اسلامی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہے ۔

چھبیسواں باب

حضرت مسیح موعودؑ پر مسلمانوں کی تکفیر کا الزام

اسلام اور مسلمانوں کے لئے احمدیّت کے موجب نقصان ہونے کے ثبوت میں سیّد صاحب نے یہ بھی الزام دیا ہے کہ ’’مرزا صاحب نے اہلِ قبلہ کی تکفیر کی۔ اور یوں ملّت مرحومہ میں بے حد اختلاف و انتشار پیدا کیا‘‘۔

قادیانی جماعت کا عقیدہ حجت نہیں

اس بارہ میں سب سے پہلے ’’برادران قادیان‘‘ کے اس عقیدہ کو حضرت امیر (مولٰینا محمد علیؒ۔ناقل) ایدہ اللہ کی ’’تحریک احمدیّت‘‘ سے نقل کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ:

’’عقیدہ یہ رہا کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی، خواہ وہ انہیں مسلمان ہی نہیں، مجدّد اور مسیح موعود بھی مانتے ہوں، اور خواہ وہ ان کے نام سے بھی بے خبر ہوں، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں‘‘۔(ص29)

یہ کن کا عقیدہ رہا؟ کیا حضرت مرزا صاحب کا یہ عقیدہ رہا؟ نہیں، بلکہ خود حبیب صاحب نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت امیر نے ’’برادران قادیان کے عقیدہ کو بیان فرماتے ہوئے‘‘۔ایسا لکھا ہے۔ پھر اسے حضرت مرزا صاحب کے خلاف کیونکر حجت قرار دیا جا سکتا ہے؟!

’’معیار الاخیار‘‘ کا حوالہ

دوسرا حوالہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ’’معیار الاخیار‘‘ ص 8 کا دیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ ’’مجھے الہام ہوا کہ جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہ ہو گا،

وہ خدا تعالیٰ اور رسولؐ کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے''۔

کیا جہنمی کے معنی کافر کے ہیں؟ کیا حبیب صاحب نے ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ تمام مسلمان ضرور بہشت ہی میں جائیں گے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ خود مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جن کا جہنمی ہونا ممکن ہے؟ مجھے تعجب ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے اس فقرہ سے یہ کیونکر سمجھ لیا گیا کہ ''جہنمی'' کہہ کر انہوں نے مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ جہنمی اور کافر کے الفاظ مترادف المعنی نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک جہنمی کافر ہی رہ چکا ہو۔ اس لئے اس حوالہ کو بھی تکفیر کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنی پیروی نہ کرنے والوں کو کافر نہ سہی، جہنمی تو قرار دیا ہے۔ یہ مغالطہ بھی محض ایک دم بریدہ فقرہ کو، جو سیّد حبیب نے نقل کیا ہے، دیکھنے اور حضرت مرزا صاحب کے طرزِ کلام کے نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے جہاں ایسے الفاظ لکھے ہیں، وہاں پیروی نہ کرنے والوں سے ان کی مراد وہ مخالف مسلمان ہیں، جو آپ پر کفر کے فتوے دیتے اور بُرا بولتے ہیں۔ خاموش اور درمیانی حالت والوں کو آپ نے ہمیشہ مستثنٰی کیا ہے۔ ان کا جنازہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور انہیں اپنی مد میں سے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائے گا۔

مکتوب بنام ڈاکٹر عبدالحکیم میں ''مسلمان نہیں ہے'' سے مراد

تیسرا حوالہ مکتوب بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے ''ہر وہ شخص، جسے میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں''۔

بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ آپ نے اپنی جماعت کے متعلق لکھے ہیں ''جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے''۔

> ''جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدّم نہیں رکھتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعمل سے یعنی شراب سے، قمار بازی سے، بدنظری سے، خیانت سے، رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرّف سے توبہ نہیں کرتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بداثر ڈالتا ہے، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں، ان کی بات نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپروا ہے، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان سے معاشرت نہیں کرتا، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ چیز سے بھی محروم رکھتا ہے، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے''۔ (کشتی نوح ص17)

اب کیا یہ سمجھا جائے کہ جو ان میں سے ایک بھی حکم کی خلاف ورزی کرنے والا ہے، وہ جماعت احمدیہ سے خارج ہو گیا؟! اور جب حضرت مرزا صاحب کا مرید نہ رہا تو کافر اور دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو گیا؟ اگر الفاظ کے معنی کرنے میں ایسی ہی ناسمجھی سے کام لینا ہے، تو احادیث میں بھی آتا ہے۔ **لایؤمن احدکم حتّٰی یحبّ لاخیہ مایحبّ لنفسہٖ** کوئی تم میں

سے ایماندار نہیں جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

لایؤمن احد کم حتّٰی اکون احبّ الیہ من والدہٖ وولدہٖ والنّاس اجمعین. کوئی تم میں سے ایماندار نہیں جب تک میں اسے اپنے والد، اپنے بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر عزیز نہ ہوں۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، سنن دارمی، مسند احمد بن حنبل، اصول کافی)

کیا ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ ان امور کی خلاف ورزی کرنے والے کو کلمہ طیبہ **لَآ اِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** پڑھنے اور دیگر تمام امور میں مسلمانوں کا طریق اختیار کرنے کے باوجود خارج از دائرہ اسلام ہیں؟ آج تک کسی بھی بڑے سے بڑے عالم اور محدّث نے ایسے معنی نہیں کئے۔''ایمان دار نہیں'' یا ''مسلمان نہیں'' سے یہاں نفی کمال مراد ہے۔یعنی کامل ایماندار نہیں یا سچا مسلمان نہیں۔ یہی معنی حضرت مرزا صاحب کے منقولہ بالا فقرات کے ہیں۔جن میں بعض امور کی خلاف ورزی کرنے والوں کے متعلق کہا کہ ''وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے''۔مطلب یہ ہے کہ میرا سچا یا کامل پیرو نہیں۔ یہی مطلب اس فقرہ کا ہے جو ڈاکٹر عبدالحکیم کو حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا۔جس کی تائید زیادہ صفائی کے ساتھ آپ کی اس تقریر سے بھی ہوتی ہے، جو آپ نے اپنی وفات سے چند یوم پہلے بمقام لاہور فرمائی۔اور ''حجۃ اللہ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہوئی ہے۔فرماتے ہیں:

''دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو ماننے کا دعوٰی کر کے، ان کے احکام کی تفصیلات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،

> تقوٰی عبادت کو بجا نہ لاوے اوران اعمال کو، جوتزکیہ نفس، ترک شراور حصول خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں، چھوڑ دے، وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اوراس پر ایمان کے زیور سے آراستہ ہونے کا اطلاق صادق نہیں آسکتا۔ اسی طرح جو شخص مسیح موعود کونہیں مانتا، یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا، وہ بھی حقیقتِ اسلام اور غائت نبوّت اور غرض رسالت سے بے خبر محض ہے۔ وہ اس بات کا حق دار نہیں کہ اُس کو سچا مسلمان خدااوراس کے رسولؐ کا سچا تابعداراورفرمانبردار کہہ سکیں‘‘۔

کیااس میں حضرت مرزاصاحب نے نمازاورروزہ وغیرہ عبادات کو بجانہ لانے اور اعمال صالحہ نہ کرنے والوں کی مثال دے کر، اورمسیح موعود کے نہ ماننے کو’’سچا مسلمان‘‘، ’’خدااوراس کے رسولؐ کا سچا تابعداراورفرمانبردار‘‘ ہونے کے منافی قراردے کر، یہ بتانہیں دیا کہ خط بنام ڈاکٹرعبدالحکیم خاں میں بھی’’مسلمان نہیں ہے‘‘ سے صرف اسی قدرمراد ہے کہ وہ کامل یا سچا مسلمان نہیں۔

محض انکارموجبِ کفرنہیں

کسی شخص کے کلام کے معنی کرتے وقت ہمیشہ اس کے اسلوبِ بیان اور دوسرے بیانات کوبھی دیکھنا چاہئے۔حضرت مسیح موعودؑ کے ایسے تمام بیانات کی وضاحت آپ کے اس فقرہ سے ہوجاتی ہے کہ’’ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا‘‘۔اوراس پر جو حاشیہ لکھا ہواہے،اس کوسیّد حبیب نے خود نقل کیا ہے، اوروہ یہ ہے۔’’اپنے دعوٰی کا انکار کرنے والوں کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خداتعالٰی کی طرف سے شریعت اوراحکام جدیدہ لاتے ہیں۔لیکن صاحب شریعت

کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدّث ہیں، گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعتِ مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں، ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا''۔

اس کو سیّد صاحب نے خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم اور ''معیار الاخیار'' کے منقولہ بالا فقرات کے منافی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ ان فقرات کے منافی نہیں بلکہ اس مفہوم کے منافی ہے، جو سیّد حبیب اور دیگر مخالفین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یوں تو قرآن کریم میں بھی خدا تعالیٰ کو غیر مجسم قرار دینے کے باوجود اس کے ہاتھوں وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ تو کیا ان دونوں باتوں کو متضاد قرار دیا جائے گا؟ نہیں، بلکہ ہاتھوں کی تاویل کر کے غیر مجسم ہونے کے عقیدہ کے مطابق کیا جائے گا۔ کیوں یہی طریق حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کے معنی کرنے میں اختیار نہیں کیا جاتا۔ اور آپ کے اس محکم عقیدہ کی روشنی میں کہ ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا''۔

دوسری تمام متشابہ تحریرات کے وہ معنی نہیں کئے جاتے، جو اس کے مطابق ہوں۔ بالخصوص جبکہ آپ کا کُھلا عمل موجود ہے کہ آپ نے بعض ان لوگوں کے، جنہوں نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی، جنازے پڑھے اور یہ ہدایت فرمائی کہ ''متوفی اگر مکذب اور مکفرّ نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لیا جاوے، کوئی ہرج نہیں۔ کیونکہ علام الغیوب خدا کی ہی ذات ہے''۔ (فتاوٰی احمدیہ)

حیرت ہے کہ ان تمام کھلی تحریرات اور حضرت مسیح موعود کے اس عمل کے ہوتے ہوئے، جو اس بات پر شاہد ہے کہ آپ اپنے دعوٰی کے انکار کو موجب کفر نہ سمجھتے تھے، سیّد حبیب نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ مرزا صاحب نے اہل قبلہ کی تکفیر کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا؟!

مامور کی دشمنی نیک پھل پیدا نہیں کرتی

ایک فقرہ ''انجام آتھم'' ص 62 سے سیّد صاحب نے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ

''اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے، جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے''۔

اس میں بھی ''دشمن'' کا لفظ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ صرف تکفیر و تکذیب کرنے والے، جو خدا کے مامور کی دشمنی پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں، وہی مراد ہیں، عام مسلمان مراد نہیں۔ دشمنوں کو ہی جہنمی کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مامور من اللہ کی دشمنی کبھی نیک پھل پیدا نہیں کر سکتی اور جہنم ہی کو لے جاتی ہے۔ کیا **من عادلی ولیا فاذنته للحرب** (جس نے میرے ولی سے عداوت کی، میں اسے جنگ کی دعوت دیتا ہوں) یاد نہیں رہا؟ کیا خدا سے جنگ کرنے والا جہنم سے باہر رہ سکتا ہے۔ کچھ سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیئے۔ اور خواہ مخواہ غلط معنی کر کے مامور من اللہ کو بدنام نہ کرنا چاہئے۔ کہاں آپ نے یہ کہا ہے کہ میرے نہ ماننے والے خارج از دائرۂ اسلام ہیں۔ اگر کوئی ایسا فقرہ ہو تو حبیب صاحب کو چاہئے کہ اُسے پیش کریں۔ ورنہ آپ کے اس کُھلے بیان کے ہوتے ہوئے کہ ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا''۔

آپ کے اس عمل کے ہوتے ہوئے کہ بعض غیر مریدوں کے جنازے آپ نے پڑھے اور اپنی جماعت کو پڑھنے کی اجازت دی، آپ کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے کہ مکفرین کے علاوہ باقی تمام لوگ ہماری مد میں ہیں، یہ کہنا کہ آپ نے ''اہل قبلہ کی تکفیر کی اور انہیں شدید صدمہ اور بدترین نقصان پہنچایا''، اپنے بغض وتعصّب کا ثبوت دینا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تو کسی پر کفر کا فتوٰی نہیں دیا۔ سیّد صاحب کے مایہ ناز علماء نے ہی سب سے پہلے آپ کے خلاف فتوٰئ کفر تیار کیا۔ اور ہندوستان کے طول وعرض میں پھر کر اس پر مہریں لگوائیں۔ ایسی حالت میں انہیں خود مسلّم ہے کہ ''اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بلا

وجہ کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو وہ خود کافر ہو جاتا ہے''۔ (تحریک قادیان ص180)

پس سیّد صاحب خود ہی انصاف فرمائیں کہ وہ مکفر علماء کیا ہوئے؟ حضرت مسیح موعود نے اسی بات کا تذکرہ حقیقۃ الوحی میں بدیں الفاظ کیا ہے:

''پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے تیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں۔ اور نادان لوگ ان فتوؤں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیّدھے منہ کوئی نرم بات کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی یا اور کوئی مخالف یا سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم لوگوں نے ان کو کافر ٹھہرایا تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے، جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ پیش کریں، ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر ٹھہراویں آپ۔ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دلآزاری ہے۔ ایک عقل مند سوچ سکتا ہے۔ اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتوؤں کے ذریعہ سے کافر ٹھہرا چکے۔ اور آپ ہی اس بات کے قائل ہو گئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر الٹ کر اسی پر پڑتا ہے۔ تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہیں کے اقرار کے، ہم ان کو کافر کہتے''۔ (حقیقۃ الوحی ص120)

کفر کے فتوے کا جواب

سیّد صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ:

''علماء کے اعلان تکفیر کے جواب میں مرزا صاحب زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ وہ مکفر علماء کا نام لے کر ان کے خلاف خود کفر کا فتوٰی لگا دیتے یا تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتے کہ میں مسلمان ہوں اور شرع مطہرہ کی رو سے مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے اور بس۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور پنجاب یا ہندوستان تک جو بحث محدود تھی، اس کی وجہ سے چین اور امریکہ کے بسنے والے مسلمانوں کو بھی کافر قرار دیا''۔ (تحریک قادیان ص181، 182)

کاش! حضرت مرزا صاحب کی تحریرات سیّد صاحب کی نظروں سے گزری ہوتیں تو وہ ایسا لکھنے کی جرأت نہ کرتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مرزا صاحب نے وہی کیا جس کی خواہش انہوں نے کی ہے۔ فتوٰیٔ کفر کے جواب میں انہوں نے سب سے پہلے بار بار حلفیہ بیان شائع کئے کہ:

''میں نہ نبوّت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر سے منکر، بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ سنّت جماعت کا عقیدہ ہے، ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رو سے مسلّم الثبوت ہیں۔ اور سیّدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعیٔ نبوّت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیٔ رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہوگئی۔ اس میری تحریر

پر ہر ایک شخص گواہ رہے۔ اور خداوند علیم و سمیع اوّل الشاہدین ہے کہ میں ان تمام عقائد کو مانتا ہوں جن کے ماننے کے بعد ایک کافر بھی مسلمان تسلیم کیا جاتا ہے''۔ (اشتہار 12 اکتوبر 1891ء)

''انصافاً دیکھو۔ کیا یہی تکفیر کی بنا ہے۔ اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے۔ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بے شک ہیں، لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں''۔ (سراج منیر ص 3)

صرف کافر کہنے والے علماء کو یہودی کہا

اس قدر کھول کھول کر بار بار لکھنے کے باوجود علماء نے تکفیر پر جو اصرار کیا اور جھوٹے الزام لگا کر کافر ٹھہرانے میں جس قدر ضد اور ہٹ سے کام لیا اور لے رہے ہیں، وہ کس کو معلوم نہیں۔ پھر بھی حضرت مرزا صاحب نے سب مسلمانوں کو کافر قرار نہیں دیا بلکہ صاف فرمایا کہ:

''جو علماء اس قسم کے نہیں، ہم ان کو یہودی نہیں کہہ سکتے بلکہ جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کے دشمنوں کی طرح مجھے دجال اور کافر اور بے ایمان کہتے ہیں، وہی یہودی ہیں۔ میں اُن کو یہودی نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ کا کلام ان کو یہودی کہتا ہے۔ اور یہ تو امر مجبوری ہے۔ جس حالت میں درحقیقت میں سچا ہوں، نہ کافر نہ دجال نہ بے ایمان ہوں پس جو شخص سچے مسیح کو ایسے الفاظ سے یاد کرتا ہے، اس کو آنحضرت صلعم یہودی قرار دیتے ہیں۔ اگر مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب مجھے بے ایمان کافر

دجال قرار نہیں دیتے اور واجب القتل نہیں سمجھتے ، تو ہم ان کو یہودی نہیں کہتے''۔(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم حاشیہ ص 114)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے سیّد صاحب کے منشاء کے مطابق صرف انہی لوگوں کو یہودی قرار دیا اور فتوٰی کفر الٹ کر ان پر پڑنے کا اعلان کیا جنہوں نے آپ پر کفر کا فتوٰی دیا تھا بلکہ ایک کا تو نام بھی لے دیا۔

سب مسلمانوں کو کافر کہنے کا الزام افتراء ہے

رہی تیسری بات۔سیّد صاحب کے پاس شائد کوئی ایسی تحریر ہو جس میں حضرت مرزا صاحب نے چین اور امریکہ میں بسنے والوں کو بھی کافر قرار دیا ہو۔کم از کم ہماری نظر سے آج تک ایسی کوئی تحریر نہیں گزری، بلکہ اس کے خلاف ''حقیقۃ الوحی'' میں آپ نے صاف طور پر لکھا ہے:

''ڈاکٹر عبدالحکیم خان اپنے رسالہ ''المسیح الدجال'' میں میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا، گو وہ میرے نام سے بھی بے خبر ہو گا اور گو وہ ایسے ملک میں ہو گا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی ،تب بھی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے کسی کتاب یا اشتہار میں ایسا نہیں لکھا۔اس پر فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی میری کتاب پیش کرے جس میں یہ لکھا ہے۔(حقیقۃ الوحی ص 178)

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں تو زندگی بھر ایسی کوئی کتاب پیش نہ کر سکا۔ اب سیّد حبیب اسی الزام کو لے کر اُٹھے ہیں۔ کیا وہ اس مطالبہ کو پورا کر کے اپنے صدق کا ثبوت دیں گے؟ کیا وہ حضرت مرزا صاحب کی کوئی ایسی تحریر دکھائیں گے جس میں چین اور امریکہ کے بسنے والے

مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا ہو۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں دکھا سکتے ،توفَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیُ وَقُوْدُهَا النَّاسُ ......الخ (البقرۃ24:2) غرض جہاں تک حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریرات اور آپ کے اقوال وافعال کا تعلق ہے اور جہاں تک حضرت مرزا صاحب کے معتقدات کا سوال ہے، یہ کہنا افتراء ہے کہ انہوں نے ''اہل قبلہ کی تکفیر کی اور یوں ملت مرحومہ میں بے حد اختلاف وانتشار پیدا کیا جس سے مسلمانوں کو شدید صدمہ اور بدترین نقصان پہنچا''۔مرزا صاحب نے کسی کی تکفیر نہیں کی بلکہ مرزا صاحب کی تکفیر کی گئی۔اور یہی ''امّت مرحومہ میں بے حد اختلاف وانتشار'' کا موجب اور مسلمانوں کے لئے شدید ترین صدمہ اور بدترین نقصان کا باعث ہے۔ کاش! ہمارے مخالف واقعات کو آنکھیں کھول کر دیکھیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے فتویٰ کفر کو اٹھانے کی کوشش کریں۔ کہ یہی بات اُمّتِ مرحومہ کے انتشار کو دُور کرنے کا موجب ہوگی۔

حجِ کعبہ اور جماعت احمدیہ

اس کے بعد سیّد صاحب نے قادیانی عقائد کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اعتراضات کیئے ہیں۔ ان کے جواب میں ہم صرف اتنا ہی کہیں گے کہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی قادیان کے جلسہ سالانہ کو ظلّی حج قرار نہیں دیا۔ بلکہ خانہ کعبہ کے حج کو ہی شعار اسلامی ٹھہرایا۔ یہ غلط ہے کہ آپ کی جماعت میں سے کوئی شخص خانہ کعبہ کے حج کو نہیں گیا۔اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ کئی لوگوں نے مکّہ معظّمہ کا حج کیا جو بشرط ضرورت گنوائی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ تکفیر اور حضرت مولانا نورالدینؓ

تکفیر کے ثبوت میں سیّد صاحب نے حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم کی طرف ذیل کے اشعار منسوب کیئے ہیں اور لکھا ہے کہ ''مولوی نورالدین صاحب نے ، جو مرزا صاحب کے خلیفہ اوّل تھے، اس مسئلہ کو زیادہ صاف کر دیا ہے۔ وہ اخبار الحکم مجریہ 7 اگست

1908ء میں لکھتے ہیں کہ ۔

اسم او مبارک ابن مریم مے نہتند آں غلام احمد است و میرزائے قادیاں

گر کسے آرد شکے در شان او کافر است جائے او باشد جہنم بے شک و ریب وگماں

''الحکم مجریہ 7اگست 1908ء'' تو کوئی ہے نہیں ۔6اگست 1908ء کا ''الحکم'' ہمارے سامنے ہے۔اس کے ایک ایک صفحہ بلکہ ایک ایک سطر کو ہم نے دیکھا اور بار بار دیکھا۔اس سے پہلے اور بعد کے دو تین پرچے بھی دیکھے۔ہمیں تو یہ اشعار ملے نہیں ۔معلوم نہیں سیّد صاحب نے کہاں سے نقل کئے ہیں۔ یہ بھی ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا نورالدین مرحوم شعر نہ کہا کرتے تھے، تاہم مولانا مرحوم ہوں یا کوئی اور، حضرت مرزا صاحب کی کھلی تحریروں کے ہوتے ہوئے، کسی دوسرے کا قول حجت نہیں ہوسکتا۔اور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کسی تحریر یا تقریر میں اپنے محض انکار کو موجب کفر نہیں ٹھہرایا۔

ستائیسواں باب

حضرت مسیح موعودؑ کا کرشن اوتار ہونے کا دعویٰ

سیّد حبیب کی انیسویں دلیل

انیسویں دلیل، جو سیّد حبیب نے احمدیّت کے نا قابل قبول ہونے کے متعلق دی ہے، یہ ہے کہ ''انہوں نے (یعنی حضرت مرزا صاحب نے) کرشن جی مہاراج کو نبی ظاہر کر کے خود ان کے اوتار ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ دونوں باتیں تعلیم قرآن الحمید کے خلاف ہیں''۔

حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ

پیشتر اس کے کہ اس دلیل پر غور کیا جائے، ہم حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ آپ کے اپنے الفاظ میں نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ آئندہ بحث میں اس کو مدّ نظر رکھا جا سکے۔

حضرت مرزا صاحب نے سب سے پہلے ''لیکچر سیالکوٹ'' میں، جو 2 نومبر 1904ء کو سیالکوٹ میں پڑھا گیا، کرشن اوتار ہونے کا دعویٰ کیا۔ جو آپ کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

> ''اخیر پر یہ بھی واضح ہو کر میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے، ایسا ہی ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ اور میں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ میں ان گناہوں کو

دور کرنے کے لئے ،جن سے زمین پُر ہوگئی ہے،جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں، ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ روحانی حقیقت کے رو سے میں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا، جو زمین اور آسمان کا خدا ہے،اس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اورعیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اس کوسن کر یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لے کر کفر کوصریح طور پر قبول کیا ہے۔لیکن یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو میں پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں، وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن، جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے، درحقیقت ایک کامل انسان تھا۔جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتح منداور با اقبال تھا۔جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت کچھ بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا

ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ:
''ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے''۔

سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔ اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے کہ جو صفات کرشن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (یعنی پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دلجوئی کرنے والا اور ان کو پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں۔ پس گویا روحانیّت کے رو سے کرشن اور مسیح موعود ایک ہی ہیں۔ صرف قومی اصطلاح میں تغائر ہے''۔ (اسلام۔لیکچر سیالکوٹ 33،34)

اس تمام عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے ذیل کی باتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ:

1۔ آپ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور عیسائیوں کی بھی اصلاح کے لئے آئے ہیں۔

2۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے آپ مسیح موعود ہیں اور ہندوؤں کے لئے کرشن اوتار۔ یعنی راجہ کرشن کے رنگ میں رنگین ہو کر آئے ہیں۔

3۔ راجہ کرشن کے متعلق آپ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ:

ا۔ وہ اوتار یعنی نبی تھے۔

ب۔ انہوں نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔

ج۔ ان کی تعلیم کو پیچھے سے بہت کچھ بگاڑ دیا گیا۔

4۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ

وعدہ میرے ساتھ پورا ہوا۔

5۔ میں اس کا مظہر ہوں۔

سیّد حبیب کے اعتراضات

ان امور پر سیّد حبیب کو حسب ذیل اعتراضات ہیں:

1۔ ’’کرشن جی خدا کا اوتار ہونے کے دعویدار تھے۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ وہ انسان نہیں ہیں بلکہ انسان کے جسم میں خود خدا ہیں‘‘۔

2۔ ’’کرشن جی کے مخالفوں کو ان کے چلن پر اعتراض ہے‘‘۔

3۔ ’’کرشن جی کی تعلیم اسلام کے خلاف تھی‘‘۔

جن نبیوںؑ کا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کسی اور کو نبی قرار دینا، قرآن میں اضافہ یا تحریف کرنا ہے۔

اوتار کی بحث

امر اوّل کے متعلق عرض ہے کہ حبیب صاحب کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ جناب کرشن کا دعوٰی خدا ہونے کا تھا اور وہ اپنے آپ کو انسان نہیں سمجھتے تھے۔ اوتار کے لفظ سے ایسا قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ اوتار کا جو مفہوم عام طور پر ہندوؤں میں پایا جاتا ہے، وہ اصل لغوی معنوں پر محمول نہیں۔ بلکہ اس وقت کی ایجاد ہے جب شرک اور بت پرستی ان میں رائج ہوئی اور انہوں نے انسانوں اور دوسری اشیاء میں خدا کا حلول ماننا شروع کیا۔ اوتار کے لفظ کے اصل لغوی معنی انگریزی میں ’’ڈیسنٹ‘‘ یعنی اترا ہوا یا نازل شدہ کے ہیں۔ ملاحظہ ہو

سنسکرت انگلش ڈکشنری مصنفہ مونیر ولیم۔ یہ معنی اس مفہوم کے عین مطابق ہیں جو اسلام میں نبی کے متعلق پایا جاتا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا. رَّسُوۡلًا (الطلاق 65:10-11) ہم نے تم پر وہ رسول اتارا جو ذکر یعنی شرف بزرگی والا ہے۔ پس اوتار کے معنی رسول یا نبی ہی کے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے حضرت مسیح موعودؑ نے جناب کرشن کو اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی قرار دیا ہے۔ یہی واقعات سے بھی نظر آتا ہے۔ کیونکہ آج تک اللہ تعالیٰ نے کسی مفتری کو، جو خدا ہونے کا دعویٰ کرے، ایسی مقبولیّت عطا نہیں کی جیسی جناب کرشن کو عطا ہوئی ہے۔ ہزاروں سالوں سے کروڑ ہا مخلوق ان کی عقیدتمند چلی آتی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نیک اور راستباز بندے تھے۔ اور ان کا دعویٰ محض نبی ہونے کا تھا جس کو ان کی وطنی زبان میں اوتار کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ خدا ہونے کا دعویٰ بعد میں ان کی طرف مشرک طبع لوگوں نے منسوب کر دیا۔ جیسے مسیح علیہ السلام سے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ منسوب کیا گیا۔

ہندوؤں میں نبی

حبیب صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ’’ہندوؤں کی تمام تاریخ میں نبوّت کا نشان نہیں ملتا۔ان کے ہاں جو بھی آیا، وہ اوتار ہی بن کر آیا‘‘۔(ص187)

لیکن آگے چل کر خود ہی فرماتے ہیں کہ ’’مجھے یہ تسلیم ہے کہ ہندوستان میں ایک چھوڑ متعدد نبی پیدا ہوئے‘‘۔(ص196)

تعجب ہے اگر ہندو قوم میں نبوّت کا نشان نہیں ملتا تو ہندوستان میں متعدد نبی کہاں سے آ گئے۔ وہ کن کی طرف منسوب ہوئے تھے؟ حبیب صاحب کو یہ غلطی لگ رہی ہے کہ وہ ہندو قوم کے موجودہ مذہبی لٹریچر اور عقائد کو محرّف شدہ نہیں مانتے، بلکہ ان کا خیال ہے کہ ہندو

قوم ہمیشہ سے اسی گمراہی میں مبتلا ہے۔کم از کم اسلامی تعلیمات کے یہ خلاف ہے کہ ہزار ہا سال سے ایک قوم کو گمراہی میں مانا جائے۔اور یہ خیال کر لیا جائے کہ کبھی کوئی خدا کا رسول ان کی طرف آیا ہی نہیں۔کیونکہ ان کے موجودہ لٹریچر اور عقائد میں نبوّت کا نشان موجود نہیں۔ نبوّت کے نشان سے اگر آپ کی مراد لفظ نبی کا ہونا ہے،تو یہ بے شک ہندو لٹریچر میں نہیں کیونکہ نبی عربی زبان کا لفظ ہے۔سنسکرت بولنے والی قوم کے اندر جو خدا کا رسول ہوگا،اس کا نام بھی سنسکرت زبان میں ہی ہوگا،اور ہم دیکھتے ہیں سنسکرت زبان میں ''اوتار'' کے علاوہ ''رشی'' کا لفظ بھی اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے جو عربی میں نبی کا مفہوم ہے۔قرآن کریم اس پر شاہد ہے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر24:35) ''کوئی قوم نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہیں گزرا''۔پس قرآن کریم کی نص صریح کے ہوتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہندو قوم میں بھی نبی آئے۔خواہ اُن کا نام ''رشی'' رکھا گیا ہو یا ''اوتار''۔ جناب کرشن بھی انہی میں سے ایک تھے۔اور خدا ہونے کا دعویٰ بعد میں ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے کن معنوں میں ''اوتار'' کا لفظ استعمال کیا ہے

دوسرا جواب حبیب صاحب نے یہ دیا ہے کہ خود حضرت مرزا صاحب کے الہام میں ''اوتار'' کا لفظ آیا ہے۔''جہاں ہندوؤں کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ برہمن اوتار سے مقابلہ اچھا نہیں''۔افسوس ہے کہ حبیب صاحب نے اس لفظی بحث کو چھیڑ کر خواہ مخواہ بات کو طول دینا شروع کر دیا۔حضرت مرزا صاحب کے صرف اس الہام ہی میں نہیں بلکہ ''لیکچر سیالکوٹ'' کی منقولہ بالا عبارت میں بھی اوتار کا لفظ ہے۔اور صرف اپنے متعلق ہی نہیں، جناب کرشن کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے یہ لفظ ہیں۔''اب واضح ہو کہ راجہ کرشن، جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے، درحقیقت ایک کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں

نہیں پائی جاتی۔ اور وہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا''۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ''خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے''۔

ان دو فقروں میں آپ نے اوتار کا لفظ تین دفعہ استعمال کیا ہے۔ پہلے فقرہ میں جناب کرشن کے متعلق اور دوسرے میں خود اپنے متعلق لیکن دونوں جگہ ساتھ ہی اس کے معنی بھی کر دیئے ہیں۔ اوّل الذکر فقرہ میں ''رشی اور اوتار'' اور پھر ''اوتار یعنی نبی'' کہہ کر بتا دیا کہ اوتار کا لفظ آپ نے رشی اور نبی کے معنوں میں ہی استعمال کیا ہے اور دوسرے فقرہ میں ''بروز یعنی اوتار'' کہہ کر اس بات کو صاف کر دیا کہ اوتار کے معنی آپ کے نزدیک بروز کے بھی ہیں یا کم از کم ان معنوں میں آپ نے اوتار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہندو زبان میں اوتار کے معنی خواہ کچھ ہوں، حضرت مرزا صاحب نے جب اس کی ساتھ ہی تشریح کر دی تو اب اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ بلکہ آپ کی تحریرات میں اس لفظ کا مفہوم وہی لیا جائے گا جس کی تشریح آپ نے کی ہے۔ اور جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ سنسکرت لغت انہی معنوں کی مؤید ہے۔ بروز کا مفہوم بھی، جو فنا فی اللہ کے مقام کو ظاہر کرتا ہے، اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ جناب حبیب کا اس کو تناسخ کا رنگ دینا کسی طرح جائز نہیں۔ نبی اور بروز کے معنی گو مختلف ہیں، لیکن متخالف نہیں۔ کیونکہ نبی فنا فی اللہ کے مقام پر اور خدا تعالیٰ کے بروز ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے حبیب صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ ''مرزا صاحب نے یہ جانتے ہوئے کہ کرشن جی مہاراج نبوّت کے دعویدار نہ تھے بلکہ خدا ہونے کے مدعی تھے، خود کو کرشن قرار دیا''۔

وہ اگر انہیں خدا ہونے کے مدعی سمجھتے تو ہرگز ان کو نبی نہ لکھتے۔ لیکن منقولہ بالا فقرہ میں ''اوتار یعنی نبی'' کہہ کر انہوں نے بتا دیا کہ جناب کرشن کا اوتار ہونا نبوّت کے مفہوم کے منافی نہیں۔

جناب کرشن کا چال چلن اور گوپیوں کا قِصّہ

دوسرا اعتراض، جو سیّد صاحب نے جناب کرشن کے نبی ہونے پر کیا ہے، وہ یہ ہے۔

''کرشن جی کے مخالفوں کو اُن کے چلن پر اعتراض ہے''۔ پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ قادیانی اس کا یہ جواب دیتے ہیں۔ ''کرشن جی کے متعلق ایسے تمام قصص، جن میں گوپیوں کا ذکر ہے، صحیح نہیں ہیں۔ اور اگر صحیح ہیں تو کیا حضرت سلیمان کی بیویاں صدہا سے متجاوز نہ تھیں''۔ اس کا جواب جوانہوں نے دیا ہے، وہ عجیب وغریب ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''اوّل تو کرشن جی مہاراج اور ان کی گوپیوں کے قصّے ہندوؤں کی مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم انہیں جھوٹا یا محرف قرار دیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ لالہ لاجپت رائے اور دوسرے مستند ہندو مؤرخین نے 8 سے لے کر 108 گوپیوں تک کا وجود صحیح مان لیا ہے''۔

لالہ لاجپت رائے کا نام لینا کوئی خدائی سند نہیں۔ اور نہ ہندوؤں کی ان کتابوں کو، جن میں گوپیوں کے قصّے ہیں، حبیب صاحب کے سوائے کسی نے مستند قرار دیا ہے۔ لیکن اس بحث میں ہمیں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ حضرت سلیمانؑ اور حضرت داوٗدؑ کی سینکڑوں بیویاں خود تاریخ میں مذکور ہیں۔ حبیب صاحب فرماتے ہیں کہ ''ان کو حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دینا انتہاء کی گستاخی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے وہ کیا جو ان کی شریعت کی رو سے جائز تھا۔ ان کی تمام بیویاں ان کی منکوحہ عورتیں تھیں۔ اور منکوحہ اور غیر منکوحہ سے تعلق رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے''۔

مگر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ جناب کرشن نے غیر منکوحہ عورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ بھلا یہ قابل تسلیم بات ہے کہ ایک شخص علی الاعلان 108 غیر منکوحہ عورتوں سے رنگ رلیاں منائے اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ ہندو لٹریچر میں جو قصّے بیان کئے گئے ہیں، وہ افسانہ نویسوں کی ویسی ہی اختراعات ہیں، جیسے مسلمانوں میں یوسف زلیخا کے قصّے۔ آج مسلمانوں کی کس قدر تعداد یوسف زلیخا کی اس عشقیہ داستان کو، جو پنجابی زبان میں احسن القصص کے نام سے منظوم

ہو کر ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوتی ہے، قرآن کا صحیح ترجمہ یا کم از کم اس کی بہترین تفسیر سمجھتے ہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ یہ قصہ صحیح نہیں تو حبیب صاحب کی طرح وہ بھی یہی کہیں گے کہ ''احسن القصص''، جیسی ''مستند'' کتاب غلط کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیا حبیب صاحب اس جواب کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہندوؤں کی مستند کتابیں بھی ''احسن القصص'' سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتیں۔ اور ان میں جناب کرشن کے ساتھ گوپیوں کے تعلقات کے جو قصّے مذکور ہیں، وہ فسانہ نویسی کے لئے بنائے گئے۔ اور اس قسم کے بیسیوں شرمناک اور خلافِ عقل قصص ان کتابوں میں مذکور ہیں، جنہیں کسی طرح بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ کی مثالیں صرف الزامی جواب کے طور پر ہم نے دی ہیں، ورنہ ہم ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ خدا کے پاک نبی سینکڑوں بیویاں اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ جن کے ساتھ تعلقات کو نبھانے کے لئے بھی وقت کافی نہیں مل سکتا، چہ جائیکہ دوسرے روحانی اور ملکی امور کی سرانجام دہی کے لئے وقت مل سکے۔ اور بالخصوص حضرت داؤد کا وہ قصّہ جس میں اوریا کی عورت پر عاشق ہو کر اسے ناجائز طور پر قبضہ میں لانے کی داستان بیان کی گئی ہے، یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں! اگر جناب حبیب یہ فرماویں کہ اسلام سے پہلے خدا نے جو نبی بھیجے، ان میں سے کسی کو بیگانی عورت ناجائز طریق سے حاصل کر کے حرم میں داخل کرنے کی اجازت تھی، تو یہ اور بات ہے۔ غرض جہاں تک واقعات کا تعلق ہے، جناب کرشن کے چال چلن کے متعلق ہندوؤں کی داستانیں صرف ناول کے طور پر لکھی گئی ہیں، جن کو کسی طرح صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

جنابِ کرشن کا انقطاع الی اللہ

تیسرا سوال جناب کرشن کی تعلیم کے متعلق ہے۔ حبیب صاحب کا حیال ہے کہ کرشن جی کی تعلیم اسلام کے حلاف تھی۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے گیتا کو پیش کیا ہے۔ اور اس کی

ان باتوں کو، جو فلسفۂ جنگ سے تعلق رکھتی ہیں ’’موتیوں میں تو لنے کے قابل‘‘ قرار دیتے ہوئے روحانی امور کے متعلق جناب کرشن کے خیالات کو اسلام کے خلاف بتایا ہے۔اس کے ثبوت میں انہوں نے فیضی کے ترجمہ سے یہ شعر نقل کیا ہے جس میں کرشن جی فرماتے ہیں ۔

من از ہر سہ عالم جدا گشتہ ایم   تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ایم

حبیب صاحب فرماتے ہیں کہ ’’یہ خیال اسلام کے خلاف ہے‘‘۔کیوں خلاف ہے؟ کیا مسلمانوں میں اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ کہنے والے نہیں ہو گذرے۔کیا انہیں بھی اسلام کے خلاف قرار دیا جائے گا۔یہ شعر تو جناب کرشن کے انقطاع الی اللہ اور فنا فی اللہ کے مقام کو ظاہر کر رہا ہے۔یعنی اس میں انہوں نے دنیا و مافیہا سے اپنے انقطاع، حتّٰی کہ اپنے وجود کو بھی بھلا کر خدا میں فنا ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔’’خدا گشتہ ایم‘‘ کا یہ مطلب نہیں کہ سچ مچ خدا بن گئے۔ یہ تو اَنَا الْحَقُّ کا ٹھیٹھ ترجمہ ہے۔جس طرح اَنَا الْحَقُّ کہنے والا سچ مچ خدا نہیں تھا بلکہ خدا میں گم ہو جانے کی وجہ سے خدائی صفات ظلّی طور پر اپنے اندر لینے کے باعث اَنَا الْحَقُّ کی آواز اس کی زبان سے نکلی،اسی طرح ’’خدا گشتہ ایم‘‘ میں جناب کرشن نے ظلّی طور پر خدائی صفات اپنے اندر لینے اور خدا میں فنا ہو جانے کا ذکر کیا۔منصورؒ کو اَنَا الْحَقُّ کہنے کی سزا جو مولویوں نے دی،اس کا ذکر نہ کیجئے،کہ یہ ہر زمانہ کے نیک لوگوں کے ساتھ مولویوں کا دستور رہا ہے،آپ اس عزت وعظمت کو دیکھئے جو منصورؒ اور بایزید بسطامیؒ اور دیگر اولیاء اللہ کی مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔اس شعر سے حبیب صاحب کے اس خیال کی بھی تردید ہوتی ہے کہ جناب کرشن کا دعوٰی اوتار بہ معنے خدا ہونے کا تھا۔اگر ایسا ہوتا تو ’’تہی گشتہ از خود‘‘ نہ کہتے۔کیونکہ خود تو خدا ہیں۔’’تہی گشتہ از خود‘‘ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ اپنے آپ کو خدا سے الگ سمجھتے تھے۔

جنابِ کرشن کی موجودہ تعلیم تحریف سے پاک نہیں

جنابِ کرشن کی تعلیم کے محرّف مبدل ہونے کے خلاف جناب حبیب نے پھر ہندوؤں

کی شہادت پیش کی ہے ۔حلانکہ ہندوؤں کی شہادت اس بارہ میں قابل اعتماد نہیں،تو ریت وانجیل کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ان میں تحریف ہوئی۔ حالانکہ یہودی اور عیسائی کوئی بھی اس کے قائل نہیں ۔ پھر کیا حبیب صاحب کی خاطر مان لیا جائے کہ انجیل اورتو ریت میں تحریف نہیں ہوئی اور قرآن کریم نے نعوذ باللہ جھوٹ بولا ہے؟ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ تحریف اگر ہوئی ہوتی تو چاہئیے تھا کہ مرزا صاحب کے الہام میں اس کا ذکر ہوتا جو کرشن کے بعد آئے ہیں۔ کیونکہ انبیاءؑ اپنے سابق نبیؑ کی تعلیم میں تحریف کا ذکر کرتے چلے آئے ہیں۔ میں حیران ہو کہ جناب کرشن کے بعد حضرت مرزا صاحب کو نبی انہوں نے کیونکر قرار دے دیا؟ حالانکہ نہ مرزا صاحب کا نبی ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ جناب کرشن اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔اور کوئی نبی نہ مانا جائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بہر حال کرشن کے بعد ہندوستان کا بھی نبی ماننا پڑے گا۔ پھر اس جامع اور مکمل تعلیم کے بعد، جو قرآن کریم کی شکل میں آپؐ لائے ،اور جس نے تمام پہلی تعلیمات کو محرف ومبدل قرار دے کر منسوخ کر دیا، یہ کہنا کہ کرشن کے بعد الہاماً ان کی تعلیم کا محرّف ہونا ثابت نہیں، امر واقعہ کے خلاف ہے۔قرآن کریم نے اپنے آپ کو مھیمن قرار دیا ہے۔یعنی سابق شرائع کے لئے وہ کسوٹی ہے۔ پہلی کتابوں کی جو بات قرآن کریم کے مطابق ہو،اسے ہم صحیح تسلیم کر لیں گے اور مطابق نہ ہوگی ،تو اسے تحریف شدہ قرار دے کر چھوڑ دیں گے۔ یہی اصول جنابِ کرشن کی تعلیم کے متعلق بھی کام آ سکتا ہے۔

گیتا کے حاملِ شریعت ہونے کا سوال

آخری اعتراض اس بارہ میں یہ کیا گیا کہ گیتا شریعت کی حامل نہیں ۔ حالانکہ گیتا کا بیشتر حصہ جنگی تعلیمات سے بھرا پڑا ہے۔ کیا وہ شریعت کا رنگ نہیں رکھیں؟ اس وقت جس امر

کے متعلق شریعت کی ضرورت تھی، اسی تعلیم کو لے کر کرشن جی آئے۔ ممکن ہے اور بھی کوئی شریعت کی باتیں ہوں، جو رزمیہ باتوں کی اہمیّت کی خاطر لوگوں نے اس میں سے نکال دی ہوں۔ ہمارے سامنے انجیل اس کی ایک مثال ہے۔ کیا اس میں پہاڑی وعظ کے سوائے کوئی بات شریعت کی پائی جاتی ہے، باوجود اس کے اگر آپ انجیل کو شریعت کی حامل سمجھتے ہیں، تو گیتا کو سمجھنے میں کیا حرج ہے؟

کیا جنابِ کرشن کو نبی کہنا قرآن میں اضافہ اور تحریف ہے

جناب کرشن کو نبی ماننے کے متعلق حبیب صاحب کا آخری اعتراض یہ ہے کہ:

> ’’جن انبیاء علیہم السلام کا قرآن پاک میں نام بہ نام ذکر موجود ہے، جس طرح ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے، اسی طرح ان میں سے کسی کا نام لے کر اضافہ کرنا بھی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور ان دونوں اصولوں کی منجملہ دلائل متعددہ یہ بھی ہے کہ ایک ایسے نبی کا انکار، جس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے، تحریف فی القرآن ہے اور اسی طرح کسی ایک کا اضافہ بھی تحریف فی القرآن ہوگا‘‘۔

یہ عجیب اصول ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ بعض رسولوںؑ کا ذکر ہم نے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا، تو اب ایسے رسول، جن کا ذکر نہیں کیا گیا جس کسی قوم میں آئے ہوں، وہ قوم ضروری ہے کہ ان کے رسول ہونے کا انکار کر دے۔ ورنہ قرآن میں اضافہ اور تحریف ہو جائے گی۔ سیّد صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک چھوڑ متعدد نبی آئے، کیا قرآن کے آنے کے بعد اب ان کو نبی نہیں ماننا چاہیئے بلکہ ان کی نبوّت کا انکار کر دینا چاہیئے، ورنہ قرآن میں اضافہ اور تحریف ہو جائے گی۔ اگر اس کا نام ’’اضافہ اور تحریف ہے‘‘ تو کیا کہیں گے سیّد

صاحب ان مفسرین کو، جنہوں نے حضرت لقمانؑ اور حضرت خضرؑ کو نبی قرار دیا ہے۔ اور کیا خطاب دیں گے آپ ان صحابہ کرامؓ کو، جنہوں نے مجوسیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا کہ ان میں زرتشت نبی مبعوث ہوئے۔ کیا کہیں گے؟ کیا انہوں نے قرآن میں اضافہ اور تحریف نہیں کیا؟

تعجب ہے حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا ٹھہرانے کے لئے ہمارے مخالفین کو کیا کیا اصول بنانے پڑتے ہیں۔ کیا کیا خلاف عقل ونقل باتیں تراشنی پڑتی ہیں۔ جن کی زد مرزا صاحب پر اگر پڑتی ہے تو دوسرے بڑے بڑے بزرگ بھی اس سے نہیں بچے۔ یہی ان کی صداقت اور راستبازی کا نشان ہے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ اگر سچا نہ ہوتا تو ان بزرگوں کی زندگیوں میں اس کی مثالیں نہ ملتیں اور تمہارے اعتراضوں کی زد وہاں جا کر نہ پڑتی۔

غرض جہاں تک جنابِ کرشن صاحب کے نبی ہونے کا سوال ہے، سیّد حبیب کے اعتراضات اس قدر کمزور، بودے اور پھس پھسے ہیں کہ ان کی تائید میں کوئی عقلی ونقلی اور قرآنی دلائل پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اور جنابِ کرشن کے نبی ہونے کے ثبوت میں اس قدر کُھلے شواہد موجود ہیں کہ ان کے آگے سر جھکائے بغیر چارہ نہیں۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ وہ کرشن اوتار ہیں، اور جناب کرشن کی اس پیشگوئی کے ماتحت، جس کا ترجمہ فیضی نے ان الفاظ میں کیا ہے ؂

چوں بنیاد دین سست گردد بسے   نمایم خود را بشکل کسے

وہ ہندوؤں کے لئے مصلح ہو کر آئے ہیں، قرآن کریم کے مخالف نہیں۔

خاتمۂ سخن

الحمد للہ کے خداتعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں سیّد صاحب کے تمام اعتراضات کے جواب سے فارغ کیا۔

یہ کل انیس دلائل تھے جو جناب حبیب صاحب نے احمدیّت کے ناقابل قبول ہونے کے ثبوت میں پیش کئے۔ان دلائل کی پختگی اور معقولیّت پر سیّد صاحب کو کس قدر ناز تھا، وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ ان دلائل کو طویل وعریض مضامین کی شکل میں شائع کر دینے کے بعد جلدی ہی انہیں کتاب کی شکل دے دی گئی اور اخبارات میں لمبے چوڑے اعلانات کے ذریعہ سے ان کی اہمیّت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ عام مسلمانوں اور بڑے بڑے معزز آدمیوں سے تعریضی خطوط منگوا کر انہیں شائع کیا گیا۔اس پراپیگنڈا کی تہہ میں کیا اغراض کام کر رہے ہیں، ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف اسی قدر عرض کرنا ہے کہ ایک طرف اس پراپیگنڈا کو رکھئے جو ان مضامین کی معقولیّت اور دلائل کی پختگی کے متعلق کیا گیا، اور دوسری طرف ان دلائل کو رکھیئے اور انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کیجئے کہ وہ کہاں تک صداقت اور معقولیّت پر مبنی ہیں۔

کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے خدا اور فرزندِ خدا اور نبی ہونے کا دعوٰی کیا؟ ایک معمولی عقل کا انسان بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ تینوں باتیں ایک منہ سے نہیں نکل سکتیں۔لیکن سیّد صاحب نے ان تینوں دعاوی کو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر کے ایسی غیر معقولیّت کا اظہار کیا جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔سیّد صاحب کے پیش کردہ دلائل پر جو جرح ہم نے کی ہے، اور حضرت مرزا صاحب کے الہامات اور کشوف کے جو معنی قرآن، حدیث اور آئمہ وبرزگان دین کے ارشادات کی روشنی میں بتائے ہیں، اور خود حضرت مرزا

صاحب کی جو توجیہات پیش کی ہیں، ان کو مدنظر رکھ کر کون معقول پسند انسان ایسے الزامات کی صحت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ ایسا ہی الہامات اور پیشگوئیوں کی صداقت پر جو سیر کن بحث کی گئی ہے، امید ہے کہ وہ قارئین کرام کے لئے موجب تشفّی ثابت ہوگی۔ پھر انبیاءؑ کی توہین، علماء کی ہتک کے جو الزامات سیّد صاحب نے لگائے ہیں، ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ از سرتاپا غلط ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے انبیاءؑ کی توہین ہرگز نہیں کی بلکہ عیسائیوں کو الزامی جواب دیئے۔ جیسا کہ دوسرے مسلمان متکلمین دیتے چلے آئے ہیں۔ ایسا ہی آپ نے انتہائی مظلومی کی حالت میں علماء کی سخت زبان درازیوں اور دشنام طرازیوں اور مخالفانہ کوششوں کے جواب میں کسی قدر درشتی سے کام لیا جو بالکل حق بجانب تھا۔ سیّد صاحب کے اس سوال کے جواب میں، کہ مرزا صاحب نے کیا کام کیا، ہم نے مختصراً ان خدماتِ اسلام کا ذکر کیا جو عیسائیت کے سیلاب عظیم سے اسلام کو بچانے اور اشاعت اسلام کے لئے ایک جماعت بنا کر یورپ اور مختلف ممالک میں اسلام کا جھنڈا نصب کرنے، کفرستانوں میں مساجد تعمیر کرنے اور قرآن کریم کے تراجم اور اسلامی لٹریچر دیگر زبانوں میں شائع کرنے کی صورت میں سرانجام پا رہی ہیں۔

اس کے علاوہ مسئلہ جہاد اور کفر و اسلام کے متعلق جو غلط بیانیاں سیّد صاحب نے کی ہیں، ان کو بھی خود حضرت مرزا صاحب کی تحریر سے رفع کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے، جو امید ہے کہ قارئین کرام کی تسلّی کا موجب ہوگی۔

ان تمام امور پر اس قدر وضاحت سے روشنی ڈالنے کے بعد ہم اپنے قارئین کے انصاف سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ خدارا غور کریں کہ حضرت مرزا صاحب کو بدنام اور آپ کے مشن کو، جو خالص اسلامی مشن ہے، تباہ کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے، کتابوں، اشتہاروں اور اخبارات اور لیکچروں کے ذریعہ سے جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، جو تمسخر و استہزاء اس پاک امام اور اس کی جماعت پر آئے دن کیا جاتا ہے، وہ کہاں تک حق بجانب ہے؟ کیا آپ

اس خدا واسطہ کی شہادت دینے کے لئے تیار ہوں گے کہ اس قسم کا پراپیگنڈا، جو اس جماعت اور اس کے امام کے خلاف کیا جا رہا ہے، کسی طرح قابل ستائش ہے؟ اگر نہیں تو کیا آپ اس گواہی کے لئے تیار ہوں گے کہ مرزا صاحب جس مشن کو لے کر کھڑے ہوئے، جو کام ان کی جماعت کے ہاتھوں سے سرانجام پا رہا ہے، وہ ہر طرح سے قابل استحسان اور لائق ستائیش ہے۔ نہیں، بلکہ اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ ہو کر اس کی عملی امداد کی جائے۔

میں اپنے غیر احمدی دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خدا کے لئے انصاف سے کام لیں۔ اور دیکھیں کہ حضرت مرزا صاحب نے کونسی خلاف اسلام تعلیم دی ہے۔ کونسا خلاف اسلام کلمہ ان کے منہ سے نکلا ہے جو پہلے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے منہ سے نہیں نکلا؟ یہ کہہ لینا آسان نہیں کہ پہلوں نے بھی اگر ایسا کلمہ کہا تو غلطی کی۔ اگر مرزا صاحب ایسے کلمات کی وجہ سے کافر ٹھہرتے ہیں تو پھر پہلے بزرگ نری غلطی کے لفظ سے چھوٹ نہیں سکتے۔ ان پر بھی ویسا ہی فتوٰی کفر لگانا پڑے گا جیسا کہ حضرت مرزا صاحب پر لگایا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں آپ خود سوچ لیجئے کہ امّت محمدؐیہ میں کون راستباز پیدا ہوا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض روحانی یہی ہے کہ اس سے مستفیض ہونے والے (معاذ اللہ) کفریہ کلمات ہی منہ سے نکالا کریں۔ انّما اعظکم بواحدة ان تقوموا للّٰہ مثنٰی وفرادٰی ثمّ تتفکّروا۔

تصنیفات حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی

سیرت خیر البشرؐ (منظور شدہ ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب): اس بے نظیر تصنیف میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ شروع کتاب میں عرب کا نقشہ دیا گیا ہے۔ ملک عرب کی جغرافی حالت اور اس کا تعلق دوسرے ممالک واقوام سے بتایا گیا ہے۔ بعد میں تمام حصص دنیا میں مذہبی تاریکی اور روحانی فیض کا مفقود ہونا اور آپؐ کی بعثت کے پہلے اور بعثت کے موقعہ پر کے چند بڑے بڑے نشانات کا، جو ظہور پذیر ہوئے، ذکر کیا گیا ہے، اور پھر بچپن سے لے کر اخیر عمر تک کے حالات درج ہیں۔ قیمت بے جلد ایک روپیہ۔ مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

تاریخ خلافتِ راشدہؓ (منظور شدہ ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب): اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ دوسرا ایڈیشن چار علیحدہ علیحدہ حصّوں میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں حضرت ممدوح نے ثابت کیا ہے کہ خلفاء راشدینؓ کا زمانہ بھی دراصل زمانہ نبویؐ کا نتیجہ ہے۔ اور خلافت راشدہؓ کے چار مختلف زمانے مسلمانوں کو چار عظیم الشان سبق دیتے ہیں جو ہر حالت میں ان کے لئے خضر راہ ہیں۔ حصّہ اوّل حضرت ابوبکرؓ قیمت 5 آنے۔ حصّہ دوم قیمت 5 آنے۔

محمد مصطفیٰ: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کے مختصر حالات۔ یہ کتاب غیر مسلموں میں تقسیم کرنے کے لئے بہترین ہے۔ قیمت 5 آنے۔

مقام حدیث: یہ تصنیف نہایت ہی قابل قدر ہے۔ اہل قرآن کا مدلّل اور فیصلہ کن جواب بھی۔ اس میں علاوہ ضرورت حدیث کے تنقیدِ حدیث اور جمع حدیث پر مفصّل بحث کی گئی

ہے۔ ہر وہ شخص جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی تفتیش منظور ہو، اس کتاب کو ضرور پڑھے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ 9 آنے یا بے جلد ایک روپیہ ایک آنہ۔

النبوّت فی الاسلام: اس میں نبوّت رسالت، محدّثیت اور مجدّدیت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن شریف حدیث اور حضرت مرزا صاحب کی کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے، بے مجلد دو روپے۔

مقدمۃ القرآن: ہستئ باری تعالیٰ پر دلائلِ قرآنی کو چار قسم پر تقسیم کر کے ہر ایک عنوان کے ماتحت کل آیات قرآنی کو جمع کیا گیا ہے۔ قیمت 6 آنے۔

مسیح موعود: اس میں سلسلہ عالیہ احمدیہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق تحقیقات کرنے والے کو اس کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ 12 آنے، بے جلد ایک روپیہ 4 آنے۔

اسلام اور دیگر مذاہب یا فلسفۂ مذہب: حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کی وہ معرکۃ الآراء تقریر جو آپ نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ پر کی۔ قیمت 6 آنے۔

ملنے کا پتہ: **مینجر دارالکتب اسلامیہ، احمدیہ بلڈنگس، لاہور**

عقائد جماعت احمدیہ لاہور

ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین مانتے ہیں۔ بالفاظ حضرت بانی سلسلہ ''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا''۔ ''جو شخص ختم نبوّت کا منکر ہو، اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''۔ ''میرا یقین ہے کہ وحیِ رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی''۔ ''ہم نبوّت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں''۔

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں۔ جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجدّدِ دین کا آنا مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس اُمّت کے اولیاء سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ اس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلّمون من غیر ان یکونوآ انبیآء.

ہم تمام صحابہ کرامؓ اور آئمہ دینؒ کی عزت کرتے ہیں۔ خواہ وہ اہل سنّت کے مسلّمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع۔ اور کسی صحابیؓ یا امامؒ یا محدّثؒ یا مجدّدؒ کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ہم ہر اس شخص کو، جو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے، مسلمان سمجھتے ہیں، خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کو چودھویں صدی کا مجدّد مانتے ہیں۔ نبی ہرگز نہیں مانتے۔ ان کے اپنے الفاظ میں ''نبوّت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدّثیّت کا دعویٰ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''۔ ''میں نبوّت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''۔ ''اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے''۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس 62:10)

سنو! اللہ (تعالیٰ) کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

آئینۂ احمدیّت

حِصّہ دوم

مؤلّفہ

دوست محمد ایڈیٹر ’’پیغام صلح‘‘

ناشر

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب: آئینۂ احمدیّت حِصّہ دوم

مؤلفہ: حضرت مولانا دوست محمد

ناشر: Published by Lahore Ahmadiyya Publications,

Darus Salaam, 15 Stanely Avenue,

Wembley HAO 4 JQ (U.K)

پرنٹر: Printed at HEM Enterprises Ltd.,

93 Calcutta Road No.4

Carapichaima, Freeport, Trinidad (West Indies)

عطیہ اخراجات: اس ایڈیشن کی طباعت کے تمام تر اخراجات **فاروقی سلیمہ ٹرسٹ،**

5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور (پاکستان) نے ادا کئے ہیں۔

ویب سائٹ: www.aaiil.org

باراوّل: 1936ء

باردوم: 2011ء

ISBN: 978-1-906109-11-0

فہرست مضامین آئینۂ احمدیّت حصّہ دوم

صفحہ نمبر

دیباچہ حِصّہ دوم

1933ء میں جناب سیّد حبیب ایڈیٹر روزنامہ ''سیاست'' نے ''تحریکِ قادیان'' کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین اخبار ''سیاست'' میں لکھا جو کم وبیش چار ماہ تک جاری رہا اور اس کے بعد اسی نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کے جواب میں راقم الحروف کو ''آئینۂ احمدیّت'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی، جس کو بفضلہٖ تعالیٰ بہت بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ.

یہ کتاب صرف ان اعتراضات کے جوابات پر مشتمل تھی جو جناب سیّد حبیب نے پیش کئے تھے۔ اس کو شائع کرتے ہوئے دیباچہ میں یہ لکھوا دیا گیا تھا کہ، چونکہ اور بھی بیسیوں اعتراضات ایسے ہیں، جن کے جواب اگرچہ وقتاً فوقتاً اخباروں کے اندر دیئے جاتے رہے ہیں، تاہم کتابی شکل میں آج تک شائع نہیں ہوئے یا کم از کم کسی ایک کتاب میں جمع نہیں کئے گئے۔ اس لئے اسی کتاب کا ایک دوسرا حصہ بھی عنقریب شائع کیا جائے گا جس میں ان اعتراضات کے جوابات درج ہوں گے جو جناب حبیب کی ''تحریک قادیان'' میں نہیں آئے۔

لیکن حصّہ اوّل کی اشاعت کے بعد اخبار ''سیاست'' میں پے در پے ایسے اعلانات شائع ہونے شروع ہوئے کہ جناب سیّد حبیب ''آئینۂ احمدیّت'' کا جواب لکھ رہے ہیں اور بعض اعلانات میں یہ بھی لکھا گیا کہ جواب لکھ چکے ہیں جو عنقریب ''سیاست'' میں شائع ہونا شروع ہو جائے گا، اسی لئے ہم نے دوسرے حصّہ کی اشاعت معرضِ تعویق میں ڈال دی تاکہ پہلے ''سیاست'' کے جواب الجواب سے نمٹ لیا جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''عنقریب''، ''سیاست'' کی لغت کسی لا متناہی مدت کا نام ہے جو قیامت کے بعد بھی شاید ختم نہ ہو اور اب تو سیاست کی ضمانت نے اس خیال کو حق الیقین کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اس لئے ہم اپنے وعدہ

کے مطابق اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کو بعونہٖ تعالیٰ شروع کرتے ہیں جو امید ہے پہلے حصّہ کی طرح احباب کرام کی خاص توجہ اور دلچسپی کا موجب ہوگا اور غیر از جماعت طبقہ کے دماغوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے جو انبار جمع کر دیئے گئے ہیں، وہ اس کے ذریعہ سے بہت حد تک دور ہو جائیں گے، بشرطیکہ احباب جماعت اس کو کثرت کے ساتھ پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں راقم الحروف کی پورے طور پر امداد کریں۔ والسلام

خاکسار

دوست محمد

احمدیہ بلڈنگس لاہور

23 دسمبر 1936ء

حضرت مسیح موعودؑ کے اقوال والہامات اوراولیاء اللہؒ کے ارشادات

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں

کیا اولیاء اللہؒ کے کلمات شیطانی تصرّف کا نتیجہ ہوتے ہیں؟

مدیر ’’زمیندار‘‘ کے اعتراض کا جواب

مخالفین مسیح موعودؑ کا ایک اہم اعتراض!

’’آئینہ احمدیّت‘‘ کے حصّہ اوّل میں جناب سیّد حبیب کے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے، جو حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات وارشادات پر انہوں نے کئے، ہم نے ان کی نظائر بعض اولیائے کرام بالخصوص حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ ،حضرت بایزید بسطامیؒ اورحضرت جنید بغدادیؒ کے اقوال وارشادات سے پیش کی تھیں۔ اس کا جواب ہمارے مخالفین سے اورتو کچھ بھی بن نہ آیا، انہوں نے ان اولیائے کرام پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا کہ ان کے کلمات سیرِ سلوک کی پست منازل یا شیطانی تصرّف کا نتیجہ تھے۔ چنانچہ اس بارہ میں ایک طویل مضمون کچھ عرصہ ہوا اخبار’’زمیندار‘‘ میں جناب مرتضٰی احمد خاں میکش نے لکھا تھا۔جس میں یہ الفاظ لکھے تھے:

> ’’مقتدر صوفیائے کرام کی طرف جو باتیں منسوب کی جارہی ہیں، وہ شاذ، غیر معتبر اور غیر مصدّقہ ہیں۔ نیز ان کے متعلق خود ذی بصیرت وذی علم صوفیائے کرام کی یہ رائے ہے کہ اگر بفرضِ محال اِن اقوال کی صحت بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اقوال ان

صوفیاء کی زبانوں سے عرفانِ الٰہی کی جستجو کی راہ میں سیر سلوک کی بعض
پست منازل پر غلبہ جذب وسکر کے عالم میں سرزد ہوئے ۔ یا شیطان کے
تصرّف نے عالمِ بےخودی میں ان سے وہ الفاظ کہلوائے جن پر سکر سے
صحو میں آنے کے بعد انہوں نے توبہ کر لی ۔ جو صوفیاء اسی حال میں گرفتار
رہے، وہ کفر طریقت کی حالت میں مر گئے ۔ ان کا معاملہ بروز محشر خدائے
عزّ وجلّ کے ساتھ ہے''۔

قرآن مجید کا ارشاد ۔ اولیاء اللہ پر شیطان کا تصرّف نہیں

یوں تو ان لوگوں سے ، جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی ،جنہیں فطرتاً معصوم پیدا کیا گیا ہے، پرلے درجہ کے ناپاک اور بدترین افعال کے مرتکب قرار دیتے ہوئے نہیں جھجکتے ۔ یہاں تک کہ جھوٹ اور زنا تک کی تہمت ان پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ وہ اولیاء اللہؒ کو شیطان کے فریب یا تصرّف میں قرار دیں، لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ قرآن کریم نے صاف اور کھلے لفظوں میں شیطان کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرآئیل 65:17) میرے پاک بندوں پر تیرا کوئی تصرّف نہیں ۔ پھر فرمایا ۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ (الانعام 121:6) اور بےشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں ۔

اس قسم کے الفاظ مونہہ سے نکالنا پرلے درجہ کی بیباکی اور جرأت ہے ۔ اگر فی الواقعہ ان بزرگوں پر شیطان کا تصرّف تھا تو اولیاء اللہ انہیں نہ کہیئے ، بلکہ (معاذ اللہ) اولیاء الشیطان قرار دیجئے ۔ خدا تو کہتا ہے کہ شیطان کا کوئی تصرّف میرے بندوں پر نہیں لیکن جناب میکش کا ارشاد ہے کہ نہیں ، اولیاء اللہ پر بھی شیطان کا تصرّف ہوتا ہے ۔ فرمایئے کس بات کو صحیح

سمجھا جائے؟ کیا قرآن کریم کے صریح ارشاد کے بالمقابل یہ ناپاک قول سنڈ اس کے حوالے کر دینے کے قابل نہیں؟ یا تو کہیئے کہ وہ اولیاءاللہ ہی نہیں تھے، اس لئے ''عِبَادِیْ '' کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا۔ اور اس طرح امّتِ محمدؐیہ کے تمام نیک بندوں کو اولیاء الرحمٰن نہیں بلکہ (معاذ اللہ) اولیاء الشیطان قرار دے کر اپنی سعادت مندی کا ثبوت دیجئے۔ اور اگر یہ نہیں تو کس طرح سے ایک ہی منہ سے انہیں اولیاء الرحمٰن بھی کہا جاتا ہے اور اسی منہ سے اولیاء الشیطان بھی قرار دیا جاتا ہے؟!

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات

اپنے اس بیان کی تائید میں جناب میکش نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے متعدد حوالجات نقل کئے ہیں جن کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہا جائے کہ قرآن شریف نے لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (النسآء 43:4) کہہ کر نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ اگر سیاق وسباق عبارت کو دیکھا جائے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ اور وہ مفہوم ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا جو جناب میکش نے پیدا کرنا چاہا ہے۔

متقدّمین مشائخ اور توحیدِ وجودی

مثلاً سب سے پہلے جو حوالہ دیا گیا ہے، وہ حسب ذیل ہے:

''اگر کوئی یہ کہے کہ متقدّمین مشائخ میں سے بعض کی عبارتوں میں بھی ایسے الفاظ واقع ہیں جن سے صاف طور پر توحیدِ وجودی ثابت ہوتی ہے، تو وہ اس بات پر محمول ہیں کہ ابتداء میں علم الیقین کے مقام میں ان سے اس قسم کے الفاظ سرزد ہوئے ہیں۔ اور آخر کار ان کو اس مقام سے گزار

کرعین الیقین تک لے گئے ہیں‘‘۔(مکتوب نمبر 43 دفتر اوّل)

بایزیدؒ اور منصورؒ کے اقوال توحیدِ وجودی یا شیطانی تصرّف کا نتیجہ نہیں

اس عبارت میں صاف طور پر متقدّمین مشائخ کے ان الفاظ کا تذکرہ، جن سے توحید وجودی ثابت ہوتی ہے، اور فی الواقعہ توحید وجودی کا عقیدہ اسلام میں کسی طرح جائز نہیں، لیکن اسی مکتوب میں مندرجہ بالا الفاظ سے پہلے نہایت صاف اور صریح لفظوں میں فرمایا ہے کہ:

’’پس اقوال بعضے از مشائخ کہ بظاہر شریعت حقّہ مخالف می نمائند۔ و بہ توحید وجودی بعضے مردم آنہارا فرددمی آرندقول ابن منصور الحلاج اَنَــا الْـحَقُّ۔ و بایزید البسطامی سُبْـحَـانِیْ وامثال ایہنا، اولیٰ وانسب کہ بتوحید شہودی فرددبایدآورد۔ ومخالفت رادور باید ساخت، ہرگاہ ماسوائے حقّ سبحانہ از نظر شاں مختفی شد، درغلبۂ آں حال بایں الفاظ تکلم فرمودند، وغیر ازحق سبحانہ، اثبات نمودند، ومعنی اَنَـا الْحَقُّ آن است کہ حق است نہ من، چوں خودرامی بیند اثبات نمی کند۔ نہ آنکہ خودرامی بیندوآنراحق میگوید۔ ایں خودکفراست۔ اینجا کسے نہ گوید۔ کہ اثبات ناکردن بہ نفی می کشد۔ وآں بعینہٖ توحید وجودیست۔ زیراکہ گوئم کہ ازعدم اثبات لازم نمی آید۔ بلکہ دراں موطن حیرتست احکام بتمامہا ساقط شدہ اند۔ ودرسبحانی نیز تنزیہہ خودکہ او بتمامہٖ ازنظر مرتفع شدہ است حکمے بادتعلق نمی گیرد۔

ان الفاظ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ ایسے اقوال کی، جن سے بظاہر توحید وجودی ثابت ہوتی ہے، تأویل کر کے انہیں توحیدِ شہودی پرحمل کرنا چاہیئے۔یعنی یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان اقوال کا قائل اپنے آپ کو یا تمام مخلوق کو خدا نہیں

کہتا بلکہ خدا کو دیکھتے ہوئے تمام دوسری چیزیں، حتّٰی کہ اس کا اپنا وجود بھی نفی کے حکم میں آجاتا ہے۔اور انہیں سوائے ایک خدا کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔منصورؒ کے قول اَنَا الْحَقُّ کا یہی مطلب ہے اور یہی مطلب بایزید بسطامیؒ کے قول سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمُ شَانِیْ کا ہے۔نہ تو منصورؒ نے اپنے وجود کو حق کہا ہے، نہ بایزیدؒ نے اپنا تنزیہ کیا ہے۔ بلکہ اپنا آپ بھلا کر خدا ہی خدا انہیں نظر آیا اور اسی کی زبان بن کر اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ کے کلمات ان کے مونہہ سے نکلے۔

اس میں کہیں بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ شیطان کے قبضہ وتصرّف میں تھے۔کہیں یہ نہیں فرمایا کہ شیطان کے فریب میں آکر یہ باتیں ان کے منہ سے نکلیں اور انہوں نے بعد میں ندامت کے ساتھ گڑگڑا کر معافی مانگی۔ بلکہ ان اقوال کی تاؑویل کر کے وحدتِ وجودی کے بجائے وحدتِ شہودی کی طرف لے گئے ہیں۔اور اگر زیادہ سے زیادہ کچھ کہا ہے،تو صرف اتنا کہ:

’’امثال ایں سخناں در مقام عین الیقین کہ مقام حیرتست بعضے راہ میدہند۔ وچوں زیں مقام گزرانند وبحق الیقین میرسانند از امثال ایں کلمات تحاشی می نمائند واز حد اعتدال تجاوز نمی فرمایند‘‘۔

یعنی اس قسم کی باتوں کو بعض لوگ عین الیقین کے مرتبہ پر، جو مقامِ حیرت ہے، راہ دیتے ہیں۔اور جب اس مقام سے انہیں گزار کر حَقُّ الْیَقِیْنِ کے مرتبہ پر پہنچایا جاتا ہے،تو اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے۔

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ شیطان کے تصرّف میں ہوتے ہیں۔خدا کا خوف کیجئے۔اور غور کر کے بتایئے کہ کیا اس میں شیطان کے تصرّف کا اشارہ تک بھی پایا جاتا ہے۔ عَیْنُ الْیَقِیْنِ بھی ولایت ہی کا ایک مرتبہ ہے،اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صاف بتایا ہے کہ

اس مرتبہ پر پہنچ کر ایک ولی اللہ کو خدا کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ وہ اپنا وجود بھی بھول جاتا ہے۔ اس لئے اس کے مونہہ سے **اَنَا الْحَقُّ** اور **سُبْحَانِیْ، مَآاَعْظَمُ شَانِیْ** کے کلمات نکلتے ہیں۔ ان کلمات کو (معاذ اللہ) شیطانی قرار نہیں دیا بلکہ ولایت ہی کے ایک مقام عین الیقین کا اثر اور نتیجہ قرار دیا ہے۔ جس سے بلند تر ایک اور مقام ہے، جہاں پہنچ کر حواس اس درجہ تیز اور حقیقت اس قدر آشکار ہوتی ہے کہ ایسے کلمات مونہہ سے نہیں نکلتے۔

حضرت مسیح موعود کے بعض اقوال اور ان کی تشریحات

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال کو اگر دیکھا جائے، جن میں آپ نے بحالت خواب اپنے آپ کو ہو بہو خدا دیکھا ہے اور جن کو آپ کے دعوٰی الوہیّت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے اور ان تشریحات کو اگر پڑھا جائے، جو ایسے اقوال کی آپ نے کی ہیں، تو صاف نظر آتا ہے کہ آپ اس بلند تر مقام پر فائز ہیں جو عین الیقین سے گزر کر **حَقُّ الْیَقِیْنِ** پر منتہی ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ کے اس بیان میں نہ تو وہ حیرت پائی جاتی ہے جو ماسوٰی اللہ، حتّٰی کہ خود اپنے آپ کو بھلانے کا موجب ہے، بلکہ **رَأَیْتُنِیْ فِی الْمَنَامِ** کہہ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ یہ ایک حالتِ خواب ہے۔ اور پھر صاف طور پر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے معنی وہ نہیں جو کتبِ اصحابِ وحدت وجود میں پائے جاتے ہیں۔ اور نہ حلولیوں کا مذہب اس سے مراد ہے بلکہ یہ قربِ نوافل والی حدیث کے مطابق ہے۔ جس میں خدا تعالٰی نے بتایا ہے کہ میں اپنے بندے کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں۔ (آئینہ کمالات اسلام)۔ یہ وہ تحاشی ہے جو حضرت مرزا صاحب نے اس قسم کے کلمات سے کیا جو عین الیقین کے مرتبہ پر مونہہ سے نکلتے ہیں اور وہ اعتدال کی راہ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ پر کاملینِ امت کو حاصل ہوتی ہے۔ جناب میکش نے تو حضرت مرزا صاحبؒ کو بایزیدؒ اور منصورؒ کے مرتبہ سے بھی گرا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی

ہے۔لیکن حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک ہی ارشاد سے یہ ثابت ہوگیا کہ آپ کا مقام بایزید بسطامیؒ اور منصور الحلاّجؒ جیسے عَیْنُ الْیَقِیْنِ تک پہنچے ہوئے صوفیاء سے بہت بلند وارفع ہے۔

شیخ عبدالکبیر یمنی کی جسارت

دوسرا حوالہ مکتوب نمبر 10 کا دیا ہے۔جس کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

''آپ کا گرامی قدر نوازش نامہ موصول ہوا۔ جو کچھ از روئے کرم آپ نے لکھا ہے، واضح ہوا۔آپ نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب نہیں۔ میرے مخدوم فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آجاتی ہے اور اس میں تاویل وتوجیہہ کی فرصت نہیں دیتی۔ایسی باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی۔مگر ہمیں تو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے، نہ کہ محی الدین عربیؒ اور صدرالدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشی کی گفتگو۔ ہم کو نص سے کام ہے، نہ فص سے،فتوحات مدنیہ یعنی احادیث نے ہم کو فتوحات مکیّہ سے لاپروا کر دیا ہے''۔

منصورؒ اور بایزیدؒ کے اقوال غلبۂ احوال کا نتیجہ ہیں، نہ کہ شیطانی تصرّف کا

ان الفاظ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کس بات کی تردید کی ہے؟ کیا ان اقوال کی، جو اولیاء اللہ کے مونہوں سے فنافی اللہ کے مقام پر نکلے؟ کیا حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کلمات کو، جو ہماری طرف سے پیش کئے گئے، شیطانی تصرّف کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے؟ غور کیجئے حضرت مجدد

صاحبؒ تو شیخ عبدالکبیر یمنی نامی کسی شخص کے اس خیال کی تردید فرمارہے ہیں کہ خدا تعالیٰ عالم الغیب نہیں۔ اور یہ فی الواقعہ ایسی بات ہے جس کو کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ پھر معلوم نہیں جناب میکش نے اس کو پیش کرنے میں کیا مصلحت سمجھی ہے۔ کجا بود مرکب کجا تاختم۔ سوال تو تھا اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کے ان کلمات کا، جن میں انہوں نے اپنے آپ کو اللہ اور رسول تک کہہ دیا ہے۔ لیکن تردید، جو ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے، وہ ان باتوں کی نہیں بلکہ کسی شخص کے اس قول کی ہے کہ خدا تعالیٰ عالم الغیب نہیں۔ حالانکہ اگر اسی مکتوب میں چند سطریں آگے چل کر دیکھتے تو زیر بحث امر کے متعلق انہیں صاف طور پر یہ لکھا ہوا مل جاتا کہ:

> ’’منصور اگر اَنَا الْحَقُّ گوید وبسطامی سُبْحَانِیْ معذور اندومغلوب اندر غلبات احوال۔ (ما ایں قسم کلام مبنی بر احوال نیست۔ تعلق بہ علم دارد۔ ہیچ تاویلے دریں مقام مقبول نیست‘‘۔

یعنی منصورؒ اگر اَنَا الْحَقُّ کہتا اور بایزید بسطامیؒ کے منہ سے سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمُ شَانِیْ کا کلمہ نکلتا ہے تو وہ غلبۂ احوال کی وجہ سے معذور اور مغلوب ہیں۔ لیکن یہ کلام (جس میں اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب نہ ہونے کا ذکر ہے) غلبہ احوال پر مبنی نہیں بلکہ علم سے تعلق رکھتا ہے، ایسے موقعہ پر کوئی تأویل قابل قبول نہیں ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولیاء اللہ کا وہ کلام، جس کو ’’زمیندار‘‘ نے شیطانی تصرّف کا نتیجہ قرار دیا ہے، ہرگز قابل اعتراض نہیں بلکہ قابل تأویل ہے۔ اور جو الفاظ جناب میکش نے نقل کئے ہیں، وہ اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولیاء اللہؒ کے کلمات شیطانی تصرّف کا نتیجہ تھے، جس سے انہوں نے بعد میں گڑگڑا کر معافی مانگی۔ وہ تو انہیں معذور سمجھتے اور ان کے اقوال کو غلبۂ احوال یعنی تصرّف الٰہی کا نتیجہ قرار دیتے

ہیں۔ اس کو شیطانی تصرّف کہنا ایک خطرناک غلطی ہے جس سے جناب میکش کو توبہ کرنا اور جناب الٰہی میں گڑگڑا کر معافی مانگنی چاہیئے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کا مقام حضرت مجدّد صاحبؒ کی نظر میں

چوتھا حوالہ مکتوب نمبر 272 دفتر اوّل کا ہے۔ جس کو غلطی سے مکتوب نمبر 220 لکھا گیا ہے۔ اس مکتوب کے حسب ذیل الفاظ جناب میکش نے نقل کئے ہیں:

''بایزید باوجود اس بزرگی کے شہود ومشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے۔ اور **سُبۡحَانِیۡ مَآاَعۡظَمُ شَانِیۡ** '' کے تنگ کوچہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخر حال میں یزید رحمۃ اللہ علیہ کو اس نقص پر اطلاع بخشی گئی کہ موت کے وقت اس طرح کہتے تھے **ماذکرتک الّا عن غفلۃ وما خدمتک الّا عن فترت**. یعنی میں نے تجھے یاد نہیں کیا، مگر غفلت سے۔ میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے۔ انہوں نے اپنے پہلے حضور کو غفلت جانا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا حضور نہ تھا۔ بلکہ اظلال میں سے ایک ظلّ کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا۔ پس ناچار حق تعالیٰ سے غافل رہے''۔

ان الفاظ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ہرگز یہ نہ فرمایا کہ بایزیدؒ نے ''**سُبۡحَانِیۡ مَآاَعۡظَمُ شَانِیۡ**'' شیطان کے تصرّف کے ماتحت کہا ہے بلکہ ان کی بزرگی کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ وہ شہود ومشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے۔ یعنی سلوک کی ابتدائی منازل سے آگے نہیں بڑھے۔

کون عقل منداس کو شیطان کا تصرّف قرار دے سکتا ہے۔ اور کہاں ان کے توبہ کرنے اور جناب باری میں گڑگڑا کر معافی مانگنے کا اس میں ذکر ہے۔ **ماذکرتک الّا عن**

غفلة وماخد متک الّا عن فترت میں کسی ایسے کلمہ سے رجوع کا ذکر نہیں۔ بلکہ، جیسا کہ ہر عارف انسان کی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے، عرفان الٰہی کے مقام پر وہ اپنی تمام خدمات اور اطاعتوں کو ناقص اور غفلت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ''عاکفان کعبہ جلالش بہ تقصیر عبادت معترف اندکہ **ماعبدناک حق عبادتک**. وواصفان حلیہ جمالش بتحیّر منسوب۔ کہ **ماعرفنک حق معرفتک** یہی بات خود حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر 122 دفتر سوم میں لکھی ہے کہ ''ہرگاہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات درمعرفت صفات کبریا عاجز آمدند د ملائکہ کرام علی نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ التسلیمات گوئند۔ **سبحانک ماعرفناک حقّ معرفتک**۔ وصدیق اکبر، کہ رئیس ورأس ایں امّت خیر الامم است، اعتراف بعجز مے نمایند'' دیگرے راچہ بود۔ کہ دم از معرفت زند۔

اس لئے بایزیدؒ کے مذکورہ بالا کلمات کو ان کے کسی رجوع یا شیطانی تصرّف سے نکلنے کا نتیجہ قرار دینا جناب میکش ہی کی اختراع ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ ان کی سابق حالت کو بھی بزرگی ہی پر محمول کرتے۔ اور اسی مکتوب میں مندرجہ بالا الفاظ سے پہلے صاف طور پر لکھتے ہیں:

> ''بعضے گویند **لیس فی جبتی سوی اللّٰہ** وبعضے ندائے سبحانی زنند وبعضے **لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ** نداد ہند۔ ایں ہمہ گلہا است کہ از شاخ یک بنی می شگفد۔ ہیچ کدام را دلالت بر وحدت وجودت نیست''۔

یعنی بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ میرے جبّہ میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ بعض نے **سُبْحَانِیْ مَآاَعْظَمُ شَانِیْ** کی ندا بلند کی ہے۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ گھر میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ یہ سب پھول ہیں جو ایک ہی شاخ میں سے کھِلے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی وحدتِ وجود پر دلالت نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے بڑھ کراور کیا صفائی ہوگی۔کیا اب بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایسے کلمات کو شیطانی تصرّف کا نتیجہ قرار دیا ہے؟ کاش! کچھ خوف خدا سے کام لے کر بات کی جاتی۔حضرت مجدد صاحبؒ کے ان الفاظ سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سیرِ سلوک کی بلند ترین اور انتہائی منازل پر پہنچے ہوئے نہ تھے۔اس کو شیطانی تصرّف قرار دینا جناب میکش کا ہی کام ہے،کسی خداترس اور نصفت شعار انسان کا کام نہیں۔

حضرت سیّدعبدالقادرؒ کا مقام حضرت مجدّد صاحبؒ کی نظر میں

اس کے بعد مکتوب نمبر 293 دفتر اوّل کے حسب ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:

''اور یہ جو شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔**قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ** (میرا قدم تمام ولیوں کی گردن پر ہے)''عوارف المعارف'' والا جو شیخ ابوالنجیب سہروردی (جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے محرموں اور مصاحبوں سے ہے) کا مرید اور تربیت یافتہ ہے،اس کلمہ کو ان کلمات سے بیان کرتا ہے جو عجب اور خود بینی پر مشتمل ہیں۔جو ابتدائے احوال میں بقیہ سکر کے باعث مشائخ سے سرزد ہوتے ہیں''۔

یہ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب ''عوارف المعارف'' کی رائے نقل کی ہے۔اس کے بعد حضرت ممدوح نے جو کچھ لکھا ہے،اس کو جناب میکش نے کیوں نقل نہ کیا۔کیا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ الفاظ قابل استناد نہیں۔یا انہیں بھی (معاذ اللہ) شیطانی تصرّفات کا نتیجہ قرار دیا جائے گا کہ:

''و در نفحات از شیخ حماد دبّاس کہ از شیوخ حضرت شیخ است۔نقل کردہ است کہ او بطریق فراست فرمودہ۔کہ ایں عجمے را قدمیست کہ در وقت وے

برگردن ہمہ اولیا خواہد بود۔ و ہر آئینہ نا مور شود۔ بہ آنکہ بگوید **قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله** و ہر آئینہ آنرا بگوید۔ ہمہ اولیاء گردن بنہند بر تقدیر حضرت شیخ دریں کلام بحق اند۔ ایں کلام خواہ از بقایائے سکر از ایشاں سر برزدہ باشد۔ وخواہ مامور باشند۔ باظہارِ ایں کلام چہ قدم ایشاں برگردنہائے جمیع اولیاء آں وقت بودہ است وجمیع اولیائے آں وقت زیر قدم ایشاں بودہ اند لیکن باید دانست۔ کہ ایں حکم مخصوص باولیائے آں وقت است۔ اولیائے ماتقدم و ماتأخر ازیں حکم خارج اند۔ چنانکہ از شیخ حماد مفہوم میشود۔ کہ قدم او در وقت وے برگردن ہمہ اولیاء خواہد بود۔ و نیز غوثے در بغداد بودہ است۔ حضرت شیخ عبدالقادر وایں سبقا دعبداللہ بہ زیارت اور فتہ بودند۔ کہ آں غوث بطریق فراست درحق شیخ گفتہ۔ کہ می بینم ترا در بغداد کہ بہ منبر برآمدہ ومیگوئی۔ **قدمی هذه علیٰ رقبة کل ولی الله** ومی بینم اولیائے وقت ترا کہ ہمہ گردنہائے خود را پست کردہ اند۔ بالجملہ حضرت شیخ عبدالقادر را در ولایت شان عظیم است و درجہ علیا است''۔

جناب میکش کا افسوسناک دھوکہ

مَیں حیران ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کو جناب میکش نے کیوں چھوڑ دیا اور محض صاحب ''عوارف المعارف'' کا قول آپ کے مکتوب سے نقل کر کے آپ کی طرف منسوب کر دیا۔ کہاں حضرت مجدد صاحبؒ نے صاحب عوارف المعارف کے ساتھ اس بات میں اتفاق کیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کہ **قدمی هذه علیٰ رقبة کل ولی الله** عجب (تکبّر) پر مبنی ہے؟ کہاں آپ نے یہ فرمایا ہے

کہ یہ کلام شیطانی تصرّفات کا نتیجہ ہے؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تو وہ بزرگ ہیں کہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بڑا شاندار تخت آسمان سے اُترا ہے جس پر ایک بڑا جاہ وجلال والا شخص نہایت شان وتمکنت کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس نے آواز دی۔ اے عبدالقادر! تجھے نمازیں معاف کروائی گئیں۔ انہوں نے اسی وقت پہچان لیا کہ یہ آواز دینے والا کون ہے اور فرمایا۔ اے شیطان! دور ہو۔ جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف نہ ہوئی، وہ مجھے کیسے معاف ہوسکتی ہے؟ اتنا کہنا تھا کہ وہ تخت وغیرہ سب کچھ غائب ہو گیا۔ جس شخص کی بصیرت یہاں تک پہنچی ہوئی ہو کہ شیطان کو فوراً پہچان لے، کیا اس پر شیطان کا کبھی تصرّف ہوسکتا ہے؟!

حضرت مجدد صاحبؒ پر افسوسناک الزام

یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب ''عوارف المعارف'' کا قول نقل کرنے کے باوجود اس کی تائید نہیں کی بلکہ آپ کی شان بلند اور درجہ علیا کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے قول کو صحیح قرار دیا کہ آپ کا قدم آپ کے زمانہ کے اولیاء کی گردنوں پر تھا۔ جس کی بشارت اس وقت کے اولیاءؒ نے پیشتر سے دے رکھی تھی۔ صاحب ''عوارف المعارف'' کے قول کے متعلق حضرت مجدد صاحبؒ نے دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''صاحب عوارف قدس سرہ نے قول **قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ** جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ قدس سرہ سے صادر ہوا ہے، سکر کی حالت پر محمول کیا ہے۔ ان کی مراد اس قول کا قصور نہیں، جیسے کہ بعض نے وہم کیا ہے، بلکہ عین مدحت وتعریف ہے اور واقعہ کا بیان کیا ہے''۔ (مکتوب 131۔دفتر سوم)

تعجب ہے جناب میکش نے ان الفاظ کو کیوں نقل نہ کیا اور چند متشابہ الفاظ پیش کر کے

حضرت مجددؒ پر یہ الزام دے دیا کہ انہوں نے حضرت شیخ قدس سرہ کے قول کو عجب برمبنی قرار دیا ہے۔حالانکہ یہ ان کے الفاظ نہیں بلکہ انہوں نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ ''بہر تقدیر حضرت شیخ بایں کلام بحق اند'' یعنی بہر صورت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس کلام میں حق پر ہیں۔ان صاف وصریح الفاظ کو چھوڑ کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر عُجب وخود پسندی کا الزام دینا کسی حق پرست اور خداترس انسان کا کام نہیں۔

توحیدواتحادیاعالمِ سکر کے کلمات شیطانی تصرّف نہیں بلکہ عشق الٰہی کا نتیجہ ہیں

اس کے بعد مکتوب نمبر 8 کے ترجمہ سے حسب ذیل عبارت نقل کی گئی ہے۔

''آپ نے ''تمہید عین القضات'' کی عبارت کے معنی پوچھے تھے کہ اس میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو، وہ ہمارے نزدیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔اور جس کو تم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہو، وہ ہمارے نزدیک خدا ہے۔میرے مخدوم! اس قسم کی عبارتیں، جو توحید واتحاد کی خبر دیتی ہیں، سکر کے غلبوں میں جو مرتبہ جمع ہے، اور جس کو کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں، مشائخ قدس سرہم سے بہت صادر ہوتی ہیں۔اس وقت دوئی اور تمیز ان کی نظر سے دور ہو جاتی ہے''۔

اس عبارت میں کون سی ایسی بات ہے جسے مشائخ اوراولیاءاللہ کے لئے باعث تہتک یاان کے کلام کو شیطان کے تصرّف کا نتیجہ قرار دیا جاسکے۔سکر کا غلبہ شیطانی تصرّف نہیں بلکہ سکر محض اس عشق الٰہی اور محویت کا نام ہے جس کے اندر اولیاءاللہ اپنا سب کچھ بھلا کر محض خدا ہی میں فنا ہو جاتے ہیں۔ظاہر شریعت کی رو سے اس کا نام سکر رکھ دیا گیا ہے۔یہ وہ سکر (مستی، خمار، نشہ) نہیں جو کسی میکش کے حصہ میں آیا ہے، بلکہ وہ مبارک سکر ہے جو محبت وعرفان الٰہی کی

شراب سے حاصل ہوا ہے۔ کاش! ظاہر شریعت کے علمبرداروں کو بھی اس سکر سے کوئی حصہ ملا ہوتا، تو اولیاء اللہ کو بدنام کرنے اور دکھ اور اذیتیں پہنچانے کی وہ جرأت نہ کرتے، اور نہ ''زمیندار'' کے کالموں میں اسے شیطان کے تصرّف کا نتیجہ قرار دیا جاتا۔

بہر حال جہاں تک حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا الفاظ کا تعلق ہے، انہوں نے ان الفاظ میں اولیاء اللہ کی ہتک ہرگز نہیں کی۔ نہ ان کے کسی کلمہ کو شیطان کے تصرّف کا نتیجہ قرار دیا بلکہ صاف اور کھلے لفظوں میں ''تمہید عین القضات'' کی اس عبارت کی تائید کی ہے کہ ''جس کو تم خدا سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اور جس کو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک خدا ہے''۔ انہوں نے صاف کہا ہے کہ:

ا۔ اس قسم کی عبارتیں توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں۔

ب۔ وہ غلبہ سکر یا محویت کے عالم میں کہی گئی ہیں۔

ج۔ اس وقت دوئی اور تمیز ان اولیاء اللہ کی نظر سے دُور ہو جاتی ہے۔

پس جناب میکش کا اس کو نقل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو برے رنگ میں نہیں لیا بلکہ مشائخ کے ساتھ ''**قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرار ھم**'' لکھ کر بتا دیا ہے کہ ان کے دل میں مشائخ عظام کی کس قدر عزت وتوقیر ہے۔ باوجود اس کے جو شخص یہ کہے کہ اولیاء اللہ کے اقوال کو حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کے تصرّف کا نتیجہ قرار دیا ہے، اس کو کیا کہا جائے؟!

مقامِ جمع اور کفرِ طریقت حضرت مجدد صاحبؒ کی نظر میں

اس کے بعد مکتوب نمبر 95 دفتر دوم کے حسب ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:

''آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔جس میں صوفیہ کی بعض باتوں کی نسبت استفسار درج تھا۔ ان تمام سوالوں کے حل میں مجمل کلام یہ ہے کہ جس طرح شریعت میں کفر واسلام ہے، طریقت میں بھی کفر واسلام ہے۔جس طرح شریعت میں کفر سراسر شرارت ونقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے، اسی طرح طریقت میں بھی کفر سراسر نقص اور اسلام سراسر کمال ہے۔مشائخ قدس سرہم، جنہوں نے شطحیات نکالی ہیں اور مخالف شریعت باتیں کہی ہیں، سب کفر طریقت کے مقام میں رہے ہیں جو سکر و بے تمیزی کا مقام ہے۔لیکن وہ بزرگ، جو حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، اس قسم کی باتوں سے پاک وصاف ہیں ......اگر کوئی شخص اس حال کے حاصل ہونے اور درجہ کمال اوّل کے پہنچنے کے بغیر اس قسم کا کلام کرتا ہے اور سب کو حق اور صراطِ مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا، تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے۔اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ بہت مسلمان ارباب سکر کی تقلید کرکے راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں''۔

ان عبارات میں حضرت مجدد صاحبؒ نے کن لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ زندیق وملحد کن صوفی کہلانے والوں کو قرار دیا ہے۔کیا ان ارباب طریقت کو،جنہیں مسلّمہ طور پر اولیاء اللہ میں شمار کیا گیا ہے؟ یہ بات صاف ہو جاتی اگر درمیانی عبارات، جہاں نقطے دے دیئے گئے ہیں، حذف نہ کردی جاتیں۔ ہم مجدد صاحبؒ کے اصل مطلب کی وضاحت کے لئے ان کے اصل الفاظ معہ حذف شدہ عبارات نقل کئے دیتے ہیں۔کفرِ شریعت اور کفرِ طریقت کا ذکر کرنے کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ لکھتے ہیں:

''کفر طریقت از مقام جمع است ۔ کہ محل استتار است تمیز حق از باطل دریں موطن مفقود است چہ مشہود سالک دریں موطن درمرایائے جمیلہ ورذیلہ جمال وحدت محبوب است ۔ پس خیر وشر وکمال ونقص را جز مظاہر واظلال آں وحدت نمی یابد۔ لاجرم نظر انکار کہ ناشی از تمیز است درحق اورا معدوم است ناچار ہمہ درمقام صلح وہمہ رابر صراط مستقیم می یابد وبا ایں آیہ کریمہ ترنم می نماید وَمَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (ھود56:11) وگاہے مظہر راعین ظاہر دانستہ خلق راعین حق مے انگارد۔ ومربوب راعین رب می داند۔ ایں ہمہ گلہا کہ از مرتبہ جمع شگفتہ ۔ منصور دریں مقام گوید کفرت بدين الله والكفرواجب لدی وعندالمسلمين قبيح. ایں کفر طریقت بکفر شریعت مناسبت تمام دارد۔ دہر وہر چند کافر شریعت مردود است ومستحق عذاب، کافر طریقت مقبول است ومستحق درجات چہ ایں کفر استتار از غلبۂ محبت محبوب حقیقی ناشی شدہ است وغیر محبوب ہمہ را فراموش کردہ است پس مقبول آں بود''۔

اس میں صاف طور پر کفر طریقت اور منصورؒ کے نعرہ اَنَا الْحَقُّ کو غلبۂ محبت الٰہی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ اور کھلے طور پر یہ بتادیا ہے کہ اگرچہ ظاہر شریعت کے لحاظ سے وہ مستحق عذاب ہو لیکن کافرِ طریقت ہونے کے لحاظ سے وہ مقبول اور مستوجب درجات ہے۔ کون عقل مند کہہ سکتا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اس عبارت میں اولیاء اللہ کے کلام کو شیطانی تصرّف کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ پھر آگے چل کر جہاں درجہ کمال اوّل تک پہنچے، بغیر اس قسم کا کلام کرنے والوں کو زندیق وملحد کہا ہے۔ اس سے پہلے جناب میکش نے ذیل کی عبارت نقل نہیں کی ۔فرماتے ہیں:

''پس شخصے کہ تکلم بہ شطحیات نماید وبہمہ درمقام صلح باشد وہمہ رابرصراط مستقیم انگارد ودرمیان حق وخلق اثبات تمیز نہ کند وبوجود اثنیّت قائل نہ بود۔ اگر آں شخص بمقام جمع رسیدہ است وبکفر طریقت مستحق گشتہ است ونسیان ماسوائے فرمودہ مقبول است وسخنان او ناشی ازسکراند واز ظاہر مصروف''۔

دیکھا آپ نے؟ جن پاک لوگوں کو آپ زندیق وملحد قرار دینا چاہتے تھے، ان کو تو حضرت مجدد صاحبؒ مقبول اور ان کے کلام کو قابل تأویل قرار دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے قارئین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس سے اگلے فقرات کو، جن میں مرتبہ کمال اوّل پر پہنچے، بغیر ایسا کلام کرنے والوں کو زندیق وملحد قرار دیا گیا ہے، نقل کر دیا۔ لیکن مندرجہ بالا فقرات کو نقطوں کی تہہ میں چھپا دیا۔ تاکہ پڑھنے والے یہی خیال کریں کہ حضرت مجدد صاحبؒ اولیاء اللہ کو (معاذ اللہ) زندیق وملحد قرار دیتے ہیں۔ یہ دیانت وامانت کم از کم جناب میکش کے شایان شان نہ تھی۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

منصورؒ، بایزیدؒ اور جنیدؒ کے اقوال اور مقامِ جہل وحیرت

اسی امر کو حضرت مجدد صاحبؒ نے دفتر سوم کے مکتوب نمبر 43 میں زیادہ واضح کیا ہے۔ جس کے حسب ذیل الفاظ ''زمیندار'' نے نقل کئے ہیں:

''**قول اناالحق، قول سبحانی، قول لیس فی جبتی سوی اللّٰہ** وغیرہ شطحیات سب اس مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا باعث محبوبِ حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے۔ یعنی سالک کی نظر سے محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا اس کو کچھ مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اسی مقام کو مقامِ جہل اور مقامِ حیرت بھی کہتے ہیں''۔

اس کے بعد حسب ذیل فقرات کو، جو اصل مطلب کو زیادہ صفائی کے ساتھ واضح کرنے والے ہیں، چھوڑ دیا گیا ہے۔صوفیہ کے اس مقام کو مقامِ جہل وحیرت قرار دینے کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں ''اما ایں جہل است کہ محمود است وحیرت است کہ ممدوح است''۔لیکن وہ یہ جہل ہے جو پسندیدہ ہے اور وہ حیرت ہے جو قابل تعریف ہے۔

معلوم نہیں اس فقرہ کو نقل کرنے میں جناب میکش کو کیا دشواری پیش آئی کہ اسے نقطوں کی تہہ میں چھپا کر دو صفحے آگے کی عبارت جا نقل کی۔کیا اس کی یہ وجہ ہے کہ صوفیہ کے مقام جہل کو محمود اور ان کی حیرت کو حیرتِ ممدوح قرار دینے سے ان کا شیطانی تصرّف میں ہونا ثابت نہ ہوگا؟ اگر اسی خیال سے ان فقرات کو حذف کر دیا گیا، اور ظاہر ہے کہ سوائے اس کے اور کوئی خیال نہیں ہوسکتا،تو اس سپرٹ پر پھر مجھے ایک مرتبہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھنے کی اجازت دیجئے۔

کلام السکاریٰ قابل تأویل ہوتا ہے

اس کے بعد جو فقرات جناب میکش نے اس مکتوب سے نقل کیے، وہ حسب ذیل ہیں:

''صوفیہ اپنی دید کے اندازہ کے مطابق سکر اور غلبۂ حال کے وقت بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہیئے ۔ بلکہ ان کی تأویل وتوجیہہ میں مشغول ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ مستوں کی **کلام ظاہر سے بھٹک کر توجیہہ سے معلوم کی جاتی ہے۔** واللّٰہ اعلم بحقائق الامور کلھا۔ چونکہ آپ نے یہ بے قرار کرنے والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی تھیں، اس لئے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا۔ ورنہ یہ فقیر **اس قسم کی مخالف باتوں** کی طرف توجہ نہیں کرتا۔اور ان کے ردو بدل میں زبان نہیں کھولتا''۔

اس ترجمہ میں جلی الفاظ، اصل الفاظ کا صحیح ترجمہ نہیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے کوئی لفظ ایسا استعمال نہیں کیا جس کے ترجمہ میں مستوں کے کلام پر ظاہر سے ''بھٹکنے'' کا لفظ بولا جا سکے۔ بلکہ فرمایا **فان کلام السکاری یحمل ویصرف عن الظاھر** ۔ مستوں کا کلام ظاہر ہے باطن پر محمول کیا جاتا اور پھیرا جاتا ہے۔ ایسا ہی درایں سخنان مخالفت نما'' کا ترجمہ ''اس قسم کی مخالف باتوں'' غلط ہے۔ ''مخالفت نما'' اور ''مخالف'' کے الفاظ ایک معنی نہیں رکھتے۔ اسی طرح جن الفاظ کا ترجمہ جناب میکش نے ''ردّ و بدل'' کیا ہے، وہاں حضرت مجدد صاحبؒ نے ''ردّ وقبول'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یعنی انہوں نے فرمایا ہے کہ ''یہ فقیر اس قسم کی مخالفت نما باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اور ان کے ردّ وقبول میں زبان نہیں کھولتا''۔ ظاہر ہے کہ اس میں شیطانی تصرّ ف کے مفہوم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ اس میں تو فرمایا ہے کہ ایسی باتوں کو ظاہری معنوں میں نہ لینا چاہئے اور ان کی تأویل کرنی چاہیئے۔ اور اپنے متعلق فرمایا کہ میں ایسی باتوں کو ردّ یا قبول کرنے کے متعلق زبان نہیں کھولتا''۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ جناب میکش آج اس کو رّد کرتے اور قول شیطان قرار دیتے ہوئے لب کشائی تو ایک طرف، زبان طعن دراز کرتے ہیں جو کسی حق پرست انسان کا شیوہ نہیں۔

سالک کا مقاماتِ اصحابِ انبیاءؑ پر عروج

ایک حوالہ مکتوب نمبر 99 دفتر دوم کا بھی دیا گیا ہے جس کے حسب ذیل الفاظ جناب میکش نے نقل کئے ہیں:

> ''اگر ان کا اعتقاد ہے کہ اس حال والا شخص ان مقاماتِ عالیہ والے لوگوں کے ساتھ شرکت ومساوات کا معتقد ہے، تو واقعی اس کو کافروزندیق خیال کریں اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج تصور

کریں۔ کیونکہ نبوّت میں شریک ہونا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کرنا کفر ہے۔ جس شخص کا مقصود اس قسم کے احوال سے شہرت اور قبول خلق ہو، وہ جھوٹا مدعی ہے۔ اور یہ احوال اس کے لئے وبال اور استدراج ہیں جن میں ان کی سراسر خرابی ہے‘‘۔

ان فقرات میں کس قسم کے احوال والوں کا ذکر ہے، اس کی وضاحت اس سوال سے ہوتی ہے جس کے جواب میں مجدّد صاحبؒ نے یہ مکتوب رقم فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ:

’’گاہ است کہ سالک در وقت عروج خود را در مقاماتِ اصحاب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات می یابد۔ حقیقت ایں معاملہ چیست‘‘۔

یعنی بعض وقت سالک عروج کے وقت اپنے آپ کو اصحابِ انبیاءؑ کے مقام پر پاتا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس کو بطور سیر کے ایسے مقامات دکھائے جاتے ہیں یا ان کی قربت کا شرف بخشا جاتا ہے، جیسے بادشاہوں کے درباروں میں فراش، مگس راں اور شمشیر بردار ہوتے ہیں۔ اس لئے ان مقامات عالیہ کے ساتھ شرکت ومساوات رکھنے والا کافر دز ندیق ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح اور مبرہن کیا ہے کہ امت محمدؐیہ کا کوئی فرد، خواہ کتنا مقام عالی پر کیوں نہ پہنچ جائے، ان سے افضل نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے فضائل میں برابر کا شریک ہوسکتا ہے۔ ہاں! قرون مابعد کے لوگ ایک دوسرے سے افضل ہوسکتے ہیں۔

صاحب حال پر طعن اور اس کی تکفیر جائز نہیں

اور آخر میں جس بات کو جناب میکش نے نقطوں کی تہہ میں چھپا دیا ہے، وہ یہ لکھی ہے کہ:

’’حضرت حق سبحانہ تعالیٰ طاعناں رابینا گردانا واشاعت طعن مسلم وطرو مومن بمجردتوہم وتخیل وبرقباحت تکفیر مسلم وتضلیل اوبمحض تعصب وتعنت چہ علاج خواہند کرد۔ کہ اگر قابل تکفیر وشایان تضلیل نہ باشدآں کفر وضلال بارباب آں قال خواہد گشت، وازمرمی بکفر برامی کفر خواہد پیوست چنانچہ درحدیث نبوی آمدہ است علیہ وعلیٰ اٰلہ الصلوٰۃ والسلام ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرناعلی القوم الکافرین‘‘۔

پھر فرماتے ہیں:

’’وگوئم اگر درحق صاحب ایں حال طاعناں اعتمادندادند۔ ومعاملہ او بکفرنمی رسانندہم ازدوحال بیروں نیستند۔ واقعہ اورابرکذب وبہتان حمل می نمایند۔ ایں خودسوءظن است بہ مسلم کہ محظورشرعی است، واگراو راکاذب نمی دانند ومعتقدشرکت ومساوات می انگارندپس وجہ طعن وملامت چیست وتشنیع وتعصب اوحرام است واقعہ صاقہ رابرمحامل نیک حمل بایدنمودنہ آنکہ صاحب واقعہ راتشنیع وتقبیح بایدفرمود اگرگویندکہ وجہ اظہاراایں قسم حال شورانگیر چیست گوئم کہ ظہورایں قسم احوال ایں مشائخ طریقت بسیار آمدہ است وعادت مستمرہ ایشاں گشتہ است’’لیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام وبےارادۂ صادقہ نخواہد بود‘‘۔

حیرت ہے کہ اس تمام عبارت کو جناب میکش نے نقطے دے کر کیوں چھوڑ دیا۔ کیا اس لئے کہ یہی جواب ہماری طرف سے ان کو دے دیا جائے گا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے تو کہیں اور کسی جگہ بھی صحابہؓ اور شیخینؓ کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کا ڈھونڈورانہیں پیٹا۔ پس اگر تم انہیں کافر قرار دیتے ہو تو بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ اور

بفحوائے حدیث خود اپنے کفر پر مہر کرتے ہو، اور اگر ان کے الہامات اور کشوف کو، جن کی خود انہوں نے تأویل وتوجیہہ کی ہے، کذب و بہتان سمجھتے ہو تو یہ سوءِ ظن ہے۔ جو ایک مسلم کے متعلق ناجائز ہے۔ اور اگر انہیں کاذب نہیں سمجھتے تو یہ تمام طعن وتشنیع، جو تم نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے، حرام ہے۔ آؤ اور ان کے کشوف والہامات کو نیک محامل پر حمل کرو کہ اس قسم کے اقوال پہلے بھی مشائخ و بزرگانِ دین سے صادر ہوئے ہیں جن کو نہ اس مکتوب میں اور نہ کسی اور جگہ حضرت مجدد صاحبؒ نے شیطانی تصرّفات کا نتیجہ قرار دیا۔

صحو میں سکر کی آمیزش نمک کی طرح ہے جو طعام کی اصلاح کرتا ہے

آخری حوالہ جناب میکش نے مکتوب نمبر 121 دفتر سوم کا دیا ہے۔ جس میں سے حسب ذیل الفاظ بصورت ترجمہ نقل کئے ہیں:

> ''اس فقیر نے اس کے معارف سکر یہ کو ایک ورق میں جمع کیا ہے۔ یہ سکر کے بقیہ کا سبب ہے کہ اسرار کا ظاہر کرنا جائز سمجھتے ہیں، اور سکر ہی کا باعث ہے جو فخر ومباہات کرتے ہیں۔ سکر ہی سے ہے کہ دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کی جاتی ہے۔ جہاں صحو خالص ہے، وہاں اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہے''۔

اس حوالہ کو نقل کرنے میں بھی اسی تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ اگر چند سطریں پہلے اور چند سطریں بعد کی عبارات بھی نقل کر دی جاتیں، تو معلوم ہو جاتا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کا مطلب ہرگز وہ نہیں جس کو جناب میکش نے پیدا کرنا چاہا ہے۔ ان کا منشاء یہ ہرگز نہیں کہ سکر کی حالت کوئی بُری حالت ہے۔ یا اس حالت میں جو کچھ مشائخ عظام کے مونہوں سے نکلا ہے، وہ شیطانی تصرّف کا نتیجہ ہے۔ یا کوئی ایسی بات ہے جس کا ردّ کرنا ضروری ہے۔ حضرت مجدد

صاحبؒ نے اس مکتوب میں بعض ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو خود ان کی مشتمل بر اسرار عبارات پر کئے گئے تھے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

''آپ کے مکتوب شریف میں لکھا تھا کہ اگر اربابِ سکر اس قسم کی شطح آمیز باتیں لکھیں تو بجا ہے۔ لیکن اربابِ صحو سے اس قسم کی باتوں کا ظاہر ہونا تعجب کا باعث ہے۔ میرے مخدوم۔ جس کسی نے ان باتوں کو لکھا ہے، سکر ہی کے باعث لکھا ہے۔ سکر کی آمیزش کے بغیر اس بارہ میں کوئی قلم نہیں پکڑتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سکر میں بہت سے مرتبے ہیں۔ جس قدر سکر زیادہ ہوگا، اسی قدر شطح غالب ہوگا۔ بسطامیؒ جیسا شخص ہونا چاہئے کہ قول ''**لوائی ارفع من لوآء محمد** ''اس سے بے تحاشا سرزد ہو۔ پس جو کوئی صحو رکھتا ہے، گمان نہ کریں کہ سکر اس کے ہمراہ نہیں۔ یہ عین قصور ہے۔ صاحب ''عوارف''، جو کاملین اربابِ صحو میں سے ہے، اس کی کتاب میں اس قدر معارف سکریہ ہیں جن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ اس کے معارف سکریہ کو ایک ورق میں جمع کیا ہے''۔

اس کے بعد وہ الفاظ ہیں جو میکش صاحب نے نقل کئے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے کہ ''صحو میں سکر کا بقیہ نمک کی طرح ہے جو طعام کی اصلاح کرنے والا ہے۔ اگر نمک نہ ہو تو طعام معطل و بیکار رہوتا ہے''۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام میں سکر کی آمیزش

اس کے بعد ''**قدمی ھٰذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللّٰہ**'' کے متعلق صاحبِ عوارف کی مندرجہ بالا رائے نقل کر کے خود اپنے متعلق لکھتے ہیں:

''اس فقیر نے جو یہ دفتر وں کے دفتر اس گروہ کے علوم واسرار میں لکھے ہیں، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سکر کی آمیزش کے بغیر صحو خالص سے لکھے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ حرام کو منکر اور گزاف وسخن بافی ہے۔ سخن باف یعنی بیہودہ باتیں بنانے والے، جو خالص صحو سے متصف ہیں، بہت ہیں۔ وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں بناتے اور لوگوں کو اس طرف کیوں مائل نہیں کرتے''۔

ان الفاظ کے ہوتے ہوئے کون حق پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ حالتِ سکر کے کلمات کو ناپسند اور قابل تردید یا شیطانی تصرّف کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ وہ تو خود اپنے متعلق فرمارہے ہیں کہ گروہ صوفیاء کے علوم واسرار پر جو دفتر وں کے دفتر انہوں نے لکھے ہیں، وہ بھی سکر کی آمیزش کے بغیر نہیں لکھے گئے۔ لیکن جناب میکش ان تمام باتوں کو ہضم کر کے یہ الٹا نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

''حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متذکرہ صدر عبارات صوفیہ کے ان اقوال کی حقیقت پر کافی روشنی ڈال رہی ہیں۔ اور ان سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایسی باتیں، جو صوفیائے کرام کی طرف منسوب کی جارہی ہیں، اوّل تو بہت شاذ ہیں۔ دوسرے وہ حالت غلبۂ سکر کے نتائج میں سے ہیں، جن کو اعتبار سے خالی سمجھنا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ سیر عرفان میں ایسے اقوال کی ماہیت کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ اور نقص بھی اتنا شدید، جسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کفرِ طریقت کہا جاتا ہے''۔

میکش صاحب اور حضرت مجدد صاحبؒ کے بیانات میں عظیم تفاوت!

کیا یہ نتائج حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منقولہ بالا کلمات سے نکل سکتے ہیں؟ اس کے لئے پھر ایک دفعہ آپ کے جستہ جستہ فقرات کو ''زمیندار'' کے منقولہ بالا الفاظ

کے سامنے رکھ کر پڑھ لیجئے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا ارشاد	جناب میکش کا بیان
میرے مخدوم! اس قسم کی باتیں، جو افشاء اسرار پر مبنی ہیں اور ظاہر کی طرف سے مصروف ہیں، ہر وقت مشائخ قدس اللہ اسرارہم سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان بزرگوں کی عادت مستمرّہ ہوگئی ہے۔	ایسی باتیں جو صوفیائے کرام کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، اوّل تو بہت شاذ ہیں۔
پس جو کوئی صحو رکھتا ہے، گمان نہ کریں کہ سکر اس کے ہمراہ نہیں۔ کیونکہ یہ عین قصور ہے۔ (مکتوب نمبر 121 جلد سوم)۔ یہ بزرگواران کشفیہ معارف کے مرتبوں کے ذریعہ اس عجز کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔ پس ان بزرگواروں کے معارف معتبر ہوں گے)(مکتوب نمبر 122 جلد سوم)	دوسرے وہ حالت غلبہ سکر کے نتائج میں سے ہیں جن کو اعتبار سے خالی سمجھنا چاہئیے۔
کافر طریقت مقبول اور اعلیٰ درجات کے لائق ہے۔ کیونکہ یہ کفر واستتار محبوبِ حقیقی کے غلبۂ محبت سے پیدا ہوا ہے۔ جس کے باعث محبوب حقیقی کے سوا سب کچھ فراموش ہوجاتا ہے۔ اس لئے مقبول ہے۔	تیسرے یہ کہ سیر وعرفان میں ایسے اقوال کی ماہیت کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ اور نقص بھی اتنا شدید کہ جسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کفرِ طریقت کہا جاتا ہے۔

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے بیان اور جناب میکش کے

خیالات میں کتنا اختلاف ہے۔ باوجود اس کے حضرت مجدد صاحبؒ کو اپنی تائید میں پیش کرنا کس قدر ڈھٹائی سے کام لینا ہے۔

اولیاءاللہؒ کی وحی اور القاء شیطانی

یہیں تک نہیں، اولیاءاللہؒ کے کلمات کو شیطانی تصرّف کے ماتحت قرار دینے کے لئے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور عبارت کا ترجمہ بھی مکتوب نمبر 107 دفتر اوّل سے نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

''دوسرا سوال یہ ہے کہ صادق طالبوں کے کشف وشہود میں القاء شیطان کو دخل ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو کشف شیطانی کی کیفیّت کو واضح کریں کہ کس طرح ہے۔ اور اگر دخل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ بعض امورِ الہامی میں خلل پڑ جاتا ہے؟ اس کا جواب اس طرح پر ہے، واللہ اعلم بالصواب، کہ کوئی شخص القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے۔ جبکہ انبیاء علیہم السلام میں متصوّر بلکہ متحقّق ہے تو اولیاء میں بطریق اولیٰ ہوگا۔ تو پھر طالب صادق کس گنتی میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس القاء پر آگاہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دکھاتے ہیں۔ **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ** (الحج 52:22) اسی مضمون پر ولادت کرتی ہے اور اولیاء میں یہ بات لازم نہیں''۔

لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اولیاءاللہ کے جن کلمات کو ان کے فنافی اللہ اور فنافی الرسول ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، وہ شیطانی تصرّف کا نتیجہ ہیں؟ حاشا وکلّا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے جس احتمال کا ذکر کیا ہے، وہ اس بات سے دور ہو جاتا ہے کہ انہوں

نے اگلے ہی فقرہ میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ:

''کیونکہ وہ نبی کے تابع ہے۔ جو کچھ نبی کے مخالف پائے گا، اس کو ردّ کر دے گا اور باطل جانے گا۔ لیکن جس صورت میں کہ نبی کی شریعت اس سے خاموش ہے، اور اس کے اثبات اور نفی پر حکم نہیں کرتی، قطعی طور سے حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ الہام ظنّی ہے۔ لیکن اس امتیاز کے نہ ہونے میں **کوئی قصور ولایت میں نہیں پایا جاتا**۔ کیونکہ احکامِ شریعت کا بجالانا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری دونوں جہان کی نجات کی متکفل ہے''۔

سوال یہ ہے کہ کیا اولیاء اللہؒ نے ان اقوال کو شریعت نبوؐی کے مخالف سمجھ کر رد کیا؟ اگر نہیں اور ہرگز رد نہیں کیا تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو شریعت ان کے متعلق خاموش ہے۔ اور اس لئے حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہے۔ اس حالت میں بھی بقول حضرت مجدد صاحبؒ ''**کوئی قصور ولایت میں نہیں پایا جاتا**''۔ اور اگر یہ شریعت کے عین مطابق ہے، اس صورت میں بھی ولایت کے متحقق ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ نہ ہی کسی نے آج تک ''القائے شیطانی'' کو شیطانی تصرّف قرار دیا ہے۔ شیطان کا القاء الگ چیز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے۔ ''**اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ**'' (بنی سرآئیل 65:17) میرے بندوں پر تیرا کوئی تصرّف نہیں۔ قرآن شریف کے اس کُھلے ارشاد کے ہوتے ہوئے اولیاء اللہ کو شیطانی تصرّف کا متہم قرار دینا سخت غلطی ہے۔ کم از کم حضرت مرزا صاحبؒ کے اقوال کو شیطانی تصرّف کا نتیجہ قرار دینا کس طرح جائز ہے، جبکہ آپ نے ان اقوال والہامات کے باوجود، احکامِ شریعت کا بجالانا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کو، جو بقول حضرت مجدد صاحبؒ دونوں جہان کی متکفل ہے، کبھی ہاتھ سے نہیں دیا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے ارشادات کے متعلق فیصلہ

اگر ایسے کلمات کو شیطانی تصرّف ہی کا نتیجہ سمجھتے ہو تو آؤ۔ پہلے خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فیصلہ کر لیں کہ ان کے حسب ذیل الفاظ بھی عالم سکر کا نتیجہ ہیں یا صحو کا؟ اور کیا انہیں بھی (معاذ اللہ) شیطانی تصرّف ہی کا نتیجہ قرار دیا جائے گا یا ان کی تاویل کر کے شریعت کے مطابق کر لیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی۔ میرا سلسلہ ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے۔ اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے۔ پس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا ہم پیر بھی، یعنی پیر بھائی بھی۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ طفیلی ہوں، لیکن بِن بلائے نہیں آیا ہوں۔ اور اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ اور اگرچہ امت ہوں، لیکن اس دولت میں ان کا شریک ہوں۔ جب تک مجھے نہیں بلایا، تب تک اس دولت کے دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا۔ اور جب تک انہوں نے نہ چاہا، اس دولت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا''۔ (مکتوب نمبر 87 دفتر سوم)

ایک اور جگہ درجاتِ تبعیت میں آخری درجہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس جگہ تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور تابع و متبوع کی تمیز دُور ہو

جاتی ہے۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع ،متبوع کی طرح جو کچھ کرتا ہے، اصل سے کرتا ہے۔ گویا دونوں ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کے ہم کنارا ور ہم آغوش اور ایک دوسرے کے بستر پر ہیں۔ اور شیر وشکر کی طرح ہیں۔ تابع کہاں اور متبوع کون اور متابعت کس کی؟ اتحاد میں غیر یّت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی‘‘۔(مکتوبات جلد دوم مکتوب نمبر 54)

کیا یہ کلمات ان لوگوں کی سمجھ میں آسکتے ہیں جو ؎

منم مسیحِ زماں ومنم کلیمِ خدا منم محمدؐ واحمدؐ کہ مجتبیٰ باشد(1)

پر معترض ہیں؟ اگر حضرت مجدد صاحبؒ کا مندرجہ بالا کلام صحیح ہے اور کسی قسم کا شیطانی تصرّف اس میں نہیں، اگر وہ تابع اور طفیلی ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ’’پیر بھائی‘‘ اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں، اپنا سلسلہ ارادت براہ راست اللہ تعالیٰ سے ملا سکتے ہیں، اپنے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائمقام قرار دے سکتے ہیں اور متابعت کے آخری مقام پر پہنچ کر تابع اور متبوع میں ایسی ہم آہنگی کا اور یک رنگی کا دعوٰی کر سکتے ہیں کہ تابع اور متبوع میں کوئی غیریت اور فرق ہی باقی نہیں رہ جاتا، تو پھر دیگر اولیاء اللہؒ اور حضرت مرزا صاحبؒ کے کلام کو سمجھنے میں کیوں تمہیں دقّت پیش آتی ہے!

غور کرو اور خدا کے خوف سے کام لو۔ حضرت مجدد صاحبؒ کی منقولہ بالا عبارات سے صاف عیاں ہے کہ نہ صرف وہ دوسرے اولیاء اللہؒ کے اقوال کو **مصروف عن الظاھر** قرار دے کر شیطانی تصرّف سے مبراء سمجھتے تھے بلکہ خود بھی ایسے کلمات ان کے منہ سے نکلے جو دیگر اولیاء اللہ اور حضرت مرزا صاحب کے ارشادات سے کسی طرح کم نہیں۔

1۔ترجمہ: مَیں ہی مسیحِ وقت ہوں اور میں ہی کلیم خدا ہوں۔ میں ہی وہ محمد اور احمد ہوں جو مجتبیٰ ہے۔

ظاہر پرست لوگوں اور مکفرین کو حضرت مجدد صاحبؒ کا جواب

یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے ظاہر پرست لوگوں نے انہیں بھی متہم کرنے سے دریغ نہ کیا۔ جس کا جو جواب انہوں نے دیا ہے، وہی اکیلا میکش صاحب کی تمام ہزلیات کا جواب ہے۔ فرماتے ہیں:

''مخدوما! ایں قسم سخناں کہ مبنی برافشائے اسرار باشد، واز ظاہر مصروف درہر وقتے از مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بظہور آمدہ است وعادت مستمرہ ایں بزرگواران گشتہ۔ امرے نیست۔ کہ ایں فقیر آں را ابتدا کردہ باشد واختراع نمودہ **لیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام** پس ایں ہمہ شوروغوغا چیست؟ اگر لفظے صادر شدہ است کہ ظاہرش مطابقت بہ علوم شرعیہ ندارد وآں را باندک توجہ از ظاہر صرف نمودہ۔ مطابق باید ساخت ومسلمانے را متہم چہ مناسب بود۔ وشہر بہ شہر آں منادی کردن کدام تدئین باشد۔ طریق مسلمانی ومہربانی آنست کہ کلمہ کہ ظاہرش مخالف علوم شرعیہ است اگر از شخصے صادر شود باید دید کہ قائل آں کسیت؟ اگر ملحد و زندیق بود۔ رد آں باید کرد۔ در اصلاح آں نباید کوشید واگر قائلِ آں کلمہ از مسلماناں بود۔ وایمانے بخدا ورسول داشتہ باشد۔ در اصلاحِ سخن آں باید کوشید ومحمل صحیح از برائے آں پیدا باید نمود یا ازاں قائل حل آں باید طلبید واگر در حل آں عاجز آید۔ نصیحت لیش باید کرد۔ امر معروف ونہی منکر برفق اولیٰ است کہ با اجابت نزدیک است وا اگر مقصود اجابت نباشد و تفضیح مطلوب بود امر دیگر است'' (مکتوبات جلد ثالث مکتوب نمبر 121)

چار اہم باتیں

حضرت مجدد صاحبؒ نے اس عبارت میں چار باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

1۔مشائخ طریقت سے مصروف عن الظاہر کلمات صادر ہوتے رہے ہیں اور خود ان سے بھی ایسے ہی کلمات صادر ہوئے۔

2۔اگر کوئی ایسا کلمہ نظر آئے جو بظاہر شریعت کے مخالف ہو تو تھوڑی سی توجہ سے اس کو ظاہر سے پھیر کر شریعت کے مطابق کر لینا چاہیئے۔

3۔ایک مسلمان کو ایسے کلمات کی وجہ سے متہم کرنا کہاں مناسب ہے۔اور شہر بشہر اس کی منادی کرتے پھرنا کونسی دینداری ہے۔

4۔مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کلمہ کسی شخص سے صادر ہو کہ بظاہر علوم شرعیہ کے خلاف ہو، تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کا قائل کون ہے۔ اگر ملحد وزندیق ہے تو اس کو ردّ کر دینا چاہیئے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنا چاہیئے۔اور اگر قائل مسلمانوں میں سے ہو اور خدا تعالیٰ اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو، تو اس کلمہ کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس کے واسطے محل صحیح پیدا کرنا چاہیئے۔ یا اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیئے۔اور اگر وہ اس کے حل سے قاصر ہو تو اسے نصیحت کرنی چاہیئے اور نرمی کے ساتھ امر معروف اور نہی منکر کرنا چاہیئے کہ اجابت وقبولیت کے قریب ہے، بشرطیکہ مقصود اجابت ہو اور اگر خوار کرنا ہی مطلوب ہو، تو یہ امر دیگر ہے۔

حضرت مرزا صاحبؒ کے مخالفین کا ظلمِ عظیم !

کس قدر پاک نصائح ہیں ۔ کیا ہمارے مخالفین نے حضرت مرزا صاحبؒ کے بارہ میں آج تک ان پاک ہدایات پر گامزن ہونے کی کوشش کی؟ حضرت مرزا صاحبؒ کی طرف جو باتیں میکش صاحب نے منسوب کی ہیں، کیا انہیں ''یاوہ گوئی'' قرار دینے سے پہلے :

1 ۔ اس بات پر غور کیا کہ ''**لیس ھٰذا اوّل قارورة کسرت فی الاسلام**''؟

2 ۔ کیا ان پر شور و غوغا برپا کرنے اور ایک مسلمان کو متہم کرنے کے بجائے ظاہر سے پھیر کر شریعت کے مطابق کرنے میں ایک ادنیٰ سی بھی توجہ صرف کی گئی؟

3 ۔ کیا اس بات پر غور کیا گیا ہے کہ ان باتوں کا کہنے والا کون ہے ۔ کیا ملحد و زندیق ہے یا اسلامی کلمہ پڑھتا، اسلامی نماز ادا کرتا، اسلامی زکوٰۃ دیتا، اسلامی روزے رکھتا اور اسلامی حج کا معتقد ہے؟ اور اپنے آپ کو بار بار مسلمان کہتا اور اس کے لئے حلف اُٹھاتا ہے ۔ کیا ہمارے مخالفین نے خود اس سے ان باتوں کا حل طلب کیا؟ یا اس کا جواب سننے کی کوشش کی اور کوئی جواب سنے بغیر شہر بہ شہر منادی کر کے انہیں ذلیل و خوار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی؟!

ہم حیران ہوتے ہیں، جب حضرت مجدد صاحبؒ کی اس قدر صاف اور کھلی ہدایات کو ایک طرف رکھتے ہیں اور اپنے مخالفین کے طرزِ عمل کو دوسری طرف، اور دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؒ کے متعلق کونسی راہ انہوں نے اختیار کر رکھی ہے ۔

حضرت مرزا صاحبؒ لازوال ایمان کی دولت سے سرفراز ہیں

آخر وہ کونسی بات ہے جو ان اولیاء اللہؒ اور صوفیاءؒ و مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے درجہ سے بھی انہیں گرا کر کافر و زندیق بنانے والی ہے، جنہوں نے کھلے الفاظ میں اپنے آپ کو مقامِ جمع

پر قرار دیا اور خدا اور اپنے آپ میں دوئی اور امتیاز روا نہیں رکھا۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحبؒ کے کلام میں نہ غلبۂ احوال اور سکر پایا جاتا ہے، اور نہ ان پست منازل کا کوئی نشان ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ کہنے والوں کے مقام کو مقام حیرت وجہل سے موسوم کیا گیا۔ بلکہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کے کلمات ہوتے ہوئے امتیاز موجود ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ آپ اس مقامِ بلند پر کھڑے ہیں جس کے متعلق حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مرتبہ جمع سے بلندتر سیر واقعہ ہو جائے اور صحو اس جہل کے ساتھ جمع ہو جائے۔ اور اس حیرت کے ساتھ معرفت مل جائے اور فرق وتمیز حاصل ہو جائے۔ اور سکر سے صحو میں آ جائے تو اس وقت اسلام حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔ یہ اسلام وایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کے عارض ہونے سے بچا ہوا ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں جو آیا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَیْسَ بَعْدُہٗ کُفْرٌ یہ وہی ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے۔ آیات کریمہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس62:10) اسی حال والوں کے ایمان کا نشان ہے''۔ (مکتوبات جلد ثالث مکتوب نمبر 33)

خوب غور کر کے دیکھ لیجئے۔ حضرت مرزا صاحب کیا اسی لازوال ایمان کی دولت سے سرفراز ہیں یا نہیں؟ اور جہل وحیرت کے بجائے علم ومعرفت ان کے کلام میں دکھائی دیتی ہے یا نہیں؟ باوجود اس کے کہ وہ خواب میں اپنے آپ کو ہو بہو اللہ دیکھتے ہیں، لیکن منصور کی طرح اَنَا الْحَقُّ کا نعرہ بلند نہیں کرتے، اور نہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی طرح وحدت وجود کے عقیدے کا اعلان کرتے ہیں بلکہ اس کی تردید کرتے ہوئے دعوٰی الوہیت سے تبرّا ء کرتے اور صاف فرماتے ہیں کہ:

''اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو۔اب اس شخص نے خدائی کا دعوٰی کیا ہے۔حالانکہ اس کشف سے مطلب یہ تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے''۔(چشمہ مسیحی ص35)

''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ'' کا الہام آپ کو ہوتا ہے۔لیکن کیا کبھی اَنَا وَلَدُ اللّٰہِ بھی کہا؟ نہیں، بلکہ کھلے لفظوں میں اس کی تردید کرتے اور''وَلَـدِیْ'' کے لفظ کو استعارہ قرار دیتے ہوئے قابل تأویل ٹھہراتے ہیں۔کیا یہ اس علم ومعرفت کا نتیجہ نہیں''جو فرق وتمیز'' کے مقام پر حاصل ہوتی ہے۔کیا یہ اس حقیقت وایمان کا اثر نہیں،جس کی لازوال دولت سے کاملینِ امّت مشرف ہوتے ہیں۔

صرف حضرت مرزا صاحبؑ سے کیوں چڑ ہے

جناب میکش فرماتے ہیں کہ:

''جو بزرگ فرائض نبوت کو انجام دیتے ہیں، ان کا کوئی حال، ان کا کوئی کلمہ، ان کی کوئی حرکت وجنبش شریعت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ چہ جائیکہ وہ اپنے آپ کو بیک وقت حضرت باری تعالیٰ کا باپ اور فرزند بھی ظاہر کریں۔اور اپنے آپ کو اولوالعزم انبیائے کرام سے افضل بھی جتائیں۔ نیز اس پر اصرار سے کام لیں''۔

ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا کونسا حال، کونسا کلمہ، کونسی حرکت وجنبش شریعت سے باہر ہے؟ کس جگہ انہوں نے اپنے آپ کو حضرت باری تعالیٰ کا باپ بھی کہا ہے اور فرزند بھی۔اور کہاں انبیائے کرامؑ پر اپنی کلّی فضیلت ظاہر کی ہے۔یوں کہنے کو تو خود خاتم النّبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں بھی ''یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ''(الفتح10:48)اور ''مَـارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی '' (الانفال17:8) کے لفظ آ گئے۔اگر ایسے الفاظ سے

آپ کو چڑ ہے تو کیوں سب سے پہلے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو موردِ اعتراض بنا کر اپنی زندیقیت کا اعلان نہیں کر دیتے، کیوں ان مامورین الٰہی پر فتوٰی نہیں لگاتے، جنہوں نے فرائض نبوت کی تکمیل کا کام ہاتھ میں لے کر اپنے آپ کو ''انا الواحد الفرد الکبیر بذاتہ'' قرار دیا۔ سمندروں اور طوفانوں کو اپنے کفِ قدرت پر ظاہر کیا۔ انبیاءؑ کے مصائب میں اپنے آپ کو ساتھی قرار دیا اور عرش و کرسی مٹھی میں لپٹے ہوئے بتایا۔ کیوں آپ خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو موردِ طعن نہیں ٹھہراتے، جنہوں نے ''من و محمدؐ ہم پیرا ہستیم'' کا اعلان کیا۔ اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کا مرید بھی بتایا اور مراد بھی۔ اگر ان لوگوں کے کلمات، باوجود مامور ہونے کے، جائز اور برحق ہیں اور کفر و زندقہ تو ایک طرف، کفر طریقت اور مقامِ جہل و حیرت بھی اسے نہیں کہہ سکتے، تو حضرت مرزا صاحبؒ سے آپ کو کیوں چڑ ہے کہ ان کے چند الہامات اور خوابوں کو پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ اور نہ ان کے اپنے بیانات و تشریحات کو دیکھتے ہیں اور نہ معتقدات و اعمال پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور کافر و زندیق کے علاوہ اور کوئی لفظ ہی ان کے لئے نہیں ملتا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی نصیحت پر پھر غور کریں!

آیئے! اور حضرت مجدد صاحب کی اس نصیحت کو پھر غور سے پڑھیئے اور غور کیجئے کہ کہاں تک آپ کا اس پر عمل ہے۔ وہ آپ جیسے معترضین کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں:

> ''یہ سب شور و غوغا کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہو جائے جس کا ظاہر علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو تھوڑی سی توجہ سے اس کو ظاہر سے پھیر کر شریعت کے مطابق کرنا چاہیئے۔ اور ایک مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہیئے۔ جب شریعت میں فاحشہ کو رسوا کرنا اور فاسق کو خوار کرنا بھی حرام و منکر ہے تو پھر صرف اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کو خوار کرنا کیا مناسب ہے۔ اور شہر بہ

شہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے‘‘۔(مکتوبات جلد ثالث مکتوب نمبر 121)

کیا جناب میکش اور دیگر مخالف حضرات، حضرت مجدد صاحبؒ کے ان پاکیزہ الفاظ کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل پر نگاہ ڈالیں گے؟ اور اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے؟

اندھی اور مجنونانہ مخالفت

ہمیں اس بات کی فکر نہیں کہ اس ناواجب پروپیگنڈے اور بے جا مخالفت سے اس سلسلہ کو کیا کچھ نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ نقصان تو ایک طرف، جس دن سے یہ مخالفت شروع ہوئی ہے، خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس جماعت کی ترقی کی رفتار پہلے سے تیز تر ہو گئی ہے اور اس کے کاموں کی مقبولیت دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آپ لوگ مخالفت کر کے خواہ مخواہ اپنے خسران کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔ اگر یہ جماعت اور اس کا مقدس بانی کسی خلاف اسلام امر کی تلقین کرتا، اگر وہ قرآن کو چھوڑ کر، حدیث کو چھوڑ کر کوئی نیا مذہب بناتا، کوئی نیا کلمہ ایجاد کرتا، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں کوئی ترمیم کرتا تو البتہ فکر کی بات تھی۔ اور اس کے خلاف جس قدر زور لگایا جاتا، حق بجانب اور ضروری تھا۔

حضرت مرزا صاحبؒ اور ان کی جماعت کی شاندار اسلامی خدمات

لیکن جس حال میں وہ ان باتوں پر نہ صرف خود عمل پیرا ہے بلکہ دوسروں کو بھی ان کی تلقین کرنا ضروری سمجھتا ہے جس حالت میں آج نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان، جرمنی، امریکہ، افریقہ، چین اور جزائر غرب الہند (اور شرق الہند) میں اس جماعت کے ذریعہ سے تبلیغِ اسلام کا کام نہایت مستعدی اور تندہی کے ساتھ ہو رہا ہے، کفرستانوں میں مساجد بنا کر اللہ اکبر کی آوازیں بلند کی جاتی ہیں، قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کر کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دنیا میں پھیلا کر اسلام کی اصل تصویر کو دنیا میں نمایاں کیا جاتا ہے، غیر مذاہب کے حملوں

کے بالمقابل سینہ سپر ہونے، اسلام پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے، مذاہب باطلہ اور بالخصوص مسیحیت اور مادہ پرستی کے دجالی فتنہ کو پاش پاش کرنے میں اس جماعت نے وہ عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں۔جن کا اعتراف دوست دشمن سب کررہے ہیں،تو پھر تعجب ہے کہ ایسی اسلام پرست اور خادم دین جماعت اور اس کے بانی کو اسلام کے دشمن اور کافر وزندیق قرار دیا جائے۔اگر یہ کفروزندقہ ہےتو اس اسلام سے ہزار درجہ بہتر ہے جو بیکار مباحث سے تشتت واختلاف پیدا کرنے کا موجب اور تبلیغ اسلام کے بجائے تخریبِ دین کا باعث ہے۔

علماءزمانہ اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق حضرت مجدّد صاحبؒ کا ارشاد

رہی علماء کی مخالفت، اس بارہ میں حضرت مجدد صاحبؒ کا ہی ایک ارشاد نقل کردینا ضروری ہے۔جس سے ایسے اقوال پر میکش صاحب اور ان کے علماء کے فتاوٰی کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔حضرت مجدد صاحبؒ لکھتے ہیں:

''نزدیک است۔کہ علماءظواہر مجتہدات او (یعنی مسیح موعود) راعلٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از کمال وقت وغموض ماخذ انکار نمایند۔ ومخالف کتاب وسنّت دانند، مثل روح اللہ، مثل امام اعظم کوفی است، کہ بہ برکت ورع وتقوٰی وبدولت متابعت سنّت درجہ علیہ او اجتہاد واستنباط یافتہ کہ دیگراں درفہم آں عاجز اند۔ ومجتہدات اورا بواسطۂ وقت معانی مخالف کتاب وسنّت دانند''۔ (مکتوبات جلد نمبر2 مکتوب نمبر55)

یعنی قریب ہے کہ علماءظواہر مسیح موعود کے اجتہادات کا حد درجہ کی باریکی اور غموض ماخذ کی وجہ سے انکار کردیں گے اور انہیں کتاب وسنّت کے مخالف سمجھیں گے۔حضرت روح اللہ کی مثال امام اعظم کوفی کی طرح ہے کہ ورع اور تقوٰی کی برکت اور سنّت کی متابعت کی وجہ

سے اجتہاد و استنباط میں اس کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ دوسرے لوگ اس کے فہم سے عاجز ہیں اور اس کے مجتہدات کو دقت کی وجہ سے کتاب وسنّت کے مخالف سمجھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

''ناقصے چند احادیث چند را یاد گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر دراں ساختہ
ماورائے معلوم او را نفی نمایند و آنچہ نزد ایشاں ثابت نشدہ منتفی می سازند۔
چوں کرمے کہ در سنگ نہان است زمیں و آسمانِ او ہمان است

(مکتوبات جلد 2 مکتوب نمبر 55)

یعنی چند ناقصوں نے چند احادیث یاد کر لی ہیں اور احکامِ شریعت کو انہی پر منحصر سمجھ لیا ہے۔ ان کے سوا جو کچھ معلوم ہوا، اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور جو چیز ان کے نزدیک ثابت نہیں، اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے وہ کیڑا، جو پتھر میں چھپا ہوا ہے، اس کا زمین و آسمان وہی ہے۔

کیا حضرت مجدد صاحبؒ کے یہ الفاظ، جو انہوں نے مسیح موعودؑ کے زمانہ کے علماء کے متعلق لکھے ہیں، جناب میکش اور ان وہابی، دیوبندی، رضائی وغیر رضائی علماء کی نظروں سے گزرے ہیں؟ کیا یہ الفاظ ان کے فتوؤں اور ان چند احادیث کی حقیقت و وقعت کو ظاہر کرنے کا موجب نہیں، جن کو قرآن کے خلاف انہوں نے مدارِ نجات بنا رکھا ہے۔

اگر در خانہ کس است حرفے بس است!